تاریخِ نثرِ اُردو

بنامِ تاریخی

نمونۂ منثورات

۱۳۴۸ھ

حصّۂ اوّل

جس میں تاریخی حالاتِ مفید کے سوا اُردو نثر کے مذہبی، اخلاقی، طبّی، سیاسی، قانونی، دفتری، مکتوبی، اخباری، تقریری، اشتہاری غرض وہ تمام نمونے جو ایک علمی اور زندہ زبان کو وسیع بنا سکتے ہیں سنہ ۸۰۱ھ (۱۳۹۸ع) سے عصرِ حاضر تک اصلی تصنیفات و تحریرات سے نقل کئے گئے ہیں جن کے مطالعے سے ایک معمولی طالب علم بھی اپنی مادری زبان کی تدریجی ترقّی کو بخوبی اور بآسانی سمجھ سکتا ہے

مُرتّبہٗ

احسنِ مارہروی اُردو لکچرار مسلم یونیورسٹی کالج علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ع

مَعْرُوضہ

فکرِ مرا اگر اتمّ قُلْ

تاریخ نثر اُردو کی پہلی جلد فی الحال شائع ہو رہی ہے۔ دوسری جلد زیر طبع ہے۔ اُس کی اشاعت بھی انشاء اللہ تعالیٰ جلد وقوع پزیر ہوگی۔ لہذا اس تحقیقِ ناقص کے متعلق کسی مخالف رائے کے قائم کرنے میں عجلت مناسب نہیں، دونوں حصّوں کو دیکھکر مکمّل رائے زنی فرمائی جائے

مزن بے تأمّل بگفتار دم
نکو گوے، گر دیر گوئی چہ غم

راقم
احسنِ آثم

انتساب

غریب و بے کس اُردو کو پانچ چھ سو برس کی طویل پریشانی اور عریض کس مپرسی کے بعد یاوریِ قسمت سے اعلیٰ حضرت قدر قدرت محی الملۃ والدین بندگانِ عالی متعالی ہز اگزالیٹڈ ہائی نس لفٹننٹ جنرل سر میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ نظام الدولہ آصف جاہِ سابع جی سی ایس آئی، جی، بی ای خلد اللہ مُلکہ وضاعف اللہ اقبالہ کا دامنِ دولت ہاتھ آیا ہی اور حضورِ پرنور نے رافتِ خسروانہ اور شفقتِ شاہانہ سے **جامعۂ عثمانیہ** کی بنیاد قائم فرما کر اُسے معراجِ کمال تک پہنچایا ہی، اس لئے اپنی خدمات کی بضاعتِ مُزجات کو بصد خلوصِ عقیدت ذاتِ اقدس و اعلیٰ سے منسوب کرنا افتخارِ ادبی اور اعزازِ حقیقی سمجھتا ہوں ؎

"ذرّہ می خواہد فیوضِ آفتاب"

قطعۂ منسوب

نثرِ اُردو کا یہ آئینۂ تاریخ وہ ہے
جس سے پہلوئے رخِ تاریک کا روشن ہوگا

پنج صد سالہ سوانح کا ہے دفتر۔ جس سے
یاد ہر واقعہ بھولا ہوا فوراً ہوگا

کس جگہ اور کب اُردو کی پڑی ہے بنیاد
بدلائل یہ ہر اک حال مُبرہن ہوگا

نثر کے نظم کا ایک ایک نمونہ ہے جو درج
اس سے بڑھکر نہ اب آیندہ مدوّن ہوگا

نظر آتی ہیں ہتیلی کی لکیریں جیسے
یونہیں اُردو کا ہر اک نقش مُبیّن ہوگا

دیکھ لیں اہلِ نظر جملہ تصانیفِ جہاں
کارنامہ کوئی ایسا نہ مُزیّن ہوگا

کیا کلام اس میں کہ ہوگا وہ مُزیّن، جو کلام
میر عثمان علی خاں سے معنوں ہوگا

تشنہ لب تھی یہ زباں شہ نے دیا آبِ حیات
اب فنا کا اسے اندیشہ نہ قطعاً ہوگا

تو مکدّر نہ ہو اے جادۂ اُردو! کہ ترے
ذرّے ذرّے سے عیاں وادیِ ایمن ہوگا

گہرافشانیِ شہ کہتی ہے، دنیا کے لئے
حیدرآبادِ دکن علم کا معدن ہوگا

شاہ سا محسن و حامیؔ و شفیقِ اُردو
نہ کہیں تھا نہ کہیں ہے۔ نہ یقیناً ہوگا

یہیں آغاز ہوا تھا یہیں ہوگا انجام
اس تناسب سے دکن مخرج و مخزن ہوگا

انتساب اس ادبی کام کا بخشے گا یہ اوج
اک گداشاہ کا وابستۂ دامن ہوگا

اسی نسبت کے توسّل سے بعنوانِ یہیں
نام کے ساتھ ترا کام بھی احسن ہوگا

مجمل فہرست

مفصّل فہرست

بم

فہرست تصانیف و مصنفین

نمونہ (۱)

شمار	نام تصنیف	نام مصنف	مطبوعہ یا قلمی	کہاں موجود ہے	نمبر صفحہ	[illegible]
(۴) ۱	احکام الصلوٰۃ	مولانا عبداللہ معاصر قطب شاہ	قلمی	انجمن ترقی اردو	۴۷	
۲	آرائشِ محفل	سید حیدر بخش حیدری	〃	کتبخانہ سید ابو محمد حیدرآباد دکن		
۳	اخلاقِ ہندی	سید بہادر علی حسین	〃	〃	۹۳	
۴	اتالیق الصبیان	سید صالح محمد دہلوی	〃	کتب خانہ احسن	۱۰۷	
۵	آثار الصنادید	سر سید احمد خاں	مطبوعہ	لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ	۱۱۶	
۶	آیات بیّنات	نواب محسن الملک مہدی علیخاں	〃	کتب خانہ احسن	۱۵۹	
۷	اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام	نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی	〃	انجمن ترقی اردو	۱۶۳	
۸	انتخاب یادگار	منشی امیر احمد مینائی	〃	لٹن لائبریری علی گڈھ	۱۶۹	
۹	آبِ حیات	شمس العلما محمد حسین آزاد	〃	کتب خانہ احسن	۱۷۷	
۱۰	افادۂ تاریخ	حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی	〃	〃	۱۸۶	
۱۱	الاجتہاد	شمس العلما مولوی نذیر احمد	〃	لٹن لائبریری علی گڈھ	۱۹۰	
۱۲	ادعیۃ القرآن	〃	〃	〃	۱۹۴	
۱۳	الحقوق و الفرائض	〃	〃	〃	۱۹۵	
۱۴	امیر اللغات	منشی امیر احمد مینائی	〃	کتبخانہ احسن	۲۴۲	
۱۵	آئینِ اردو	زین العابدین فرجاد	〃	〃	۲۴۹	

	نمبر	نام تصنیف	نام مصنف	مطبوعہ یا قلمی	کہاں موجود ہے	صفحۂ [illegible]	[illegible]
	۱۶	آثار الشعرائے ہنود	دیبی پرشاد بشاش	مطبوعہ	کتبخانۂ احسن	۲۵۴	
	۱۷	ارض القرآن	مولوی سید سلیمان ندوی	"	"	۲۵۸	
	۱۸	المیزان	سید نظیر الحسن	"	"	۲۶۴	
	۱۹	ازالۂ اوہام	مرزا غلام احمد قادیانی	"	سید محمد عثمان آنولوی	۲۷۴	
	۲۰	ادعیۂ تعویذات طاعون	شاہ بدر الدین قادری مجیبی پھلواری	"	کتبخانۂ احسن	۲۷۷	
	۲۱	اُمرائے ہنود	سعید احمد مارہروی	"	"	۲۹۱	
	۲۲	انتخاب زریں	ڈاکٹر سید راس مسعود	"	"	۲۹۵	
	۲۳	الہام اور وحی	مرزا حیرت دہلوی	"	"	۳۰۸	
	۲۴	ام الالسنہ	خواجہ کمال الدین	"	"	۳۲۳	
	۲۵	آبِ بقا (تذکرہ)	خواجہ عبد الرؤف عشرت	"	"	۳۲۵	
	۲۶	باغ اردو	شیر علی افسوس	قلمی	کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن	۸۵	
	۲۷	بہشتی زیور	مولوی اشرف علی تھانوی	مطبوعہ	فاروق حسن مارہروی	۳۳۲	
پ	۲۸	پنچی کرت	لالہ پنچی لال مارہروی	"	کتب خانۂ احسن	۱۴۵	
ت	۲۹	ترجمۂ قرآن	مولوی شاہ رفیع الدین رح	"	"	۷۷	
	۳۰	"	مولوی شاہ عبد القادر رح	"	"	۷۸	
	۳۱	تفسیر حقانی	شاہ حقانی مارہروی	قلمی	"	۸۱	
	۳۲	تجہیز تکفین مسلمانوں کی	مولوی محمد عمران رامپوری	مطبوعہ	"	۱۰۳	
	۳۳	تاریخ افغانستان	سید فدا حسین عرف نبی بخش	قلمی	"	۱۰۹	

شمار	نام تصنیف	نام مصنف	مطبوعہ یا قلمی	کہاں موجود ہے	صفحہ نمبر	کیفیت مزید
۳۴	ترجمۂ فقہ اکبر	مفتی سعد اللہ	مطبوعہ	کتب خانۂ احسن	۱۱۰	
۳۵	تاریخ ممالک چین	جیمس کارکرن	"	لٹن لائبریری	۱۲۰	
۳۶	تقویت الشعراء	امام الدین طالب	"	کتب خانۂ احسن	۱۲۳	
۳۷	تاریخ یوسفی (سفرنامۂ انگلستان)	یوسف خاں کمبل پوش	"	لٹن لائبریری	۱۲۶	
۳۸	تذکرۃ الکاملین	ماسٹر رام چندر	"	مؤلف سیر المصنفین	۱۳۵	
۳۹	تاریخ رشید الدین خانی	غلام امام خاں ترین	"	کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن	۱۴۰	
۴۰	تاریخ خورشید جاہی	"	"	"	۱۵۲	
۴۱	تاریخ بلگرام	سید فرزند احمد صفیر بلگرامی	"	کتب خانۂ احسن	۱۸۵	
۴۲	ترجمۂ قرآن	شمس العلماء مولوی نذیر احمد	"	"	۱۹۷	
۴۳	تفریح الاحباب ترجمۂ بوستان خیال	آغا محمد لکھنوی	"	لٹن لائبریری	۲۰۳	
۴۴	تاریخ ہندوستان	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی	"	"	۲۰۶	
۴۵	تنقیح حقوق نسواں	سید عبد الغنی عظیم آبادی	"	سید محی الدین پسر مصنف	۲۲۷	
۴۶	تذکرہ	ابو الکلام آزاد	"	کتب خانۂ احسن	۲۳۳	
۴۷	تعلیم التفسیر مجیبی	محمد عبد الرحمن مجیبی	"	"	۲۸۰	
۴۸	تاریخ الامۃ	مولوی محمد اسلم جیراجپوری	"	"	۲۹۰	
۴۹	تمدن ہند	شمس العلماء سید علی بلگرامی	"	لٹن لائبریری	۳۱۱	
۵۰	توضیح حق	مولوی محب احمد بدایونی	"	کتب خانۂ احسن	۳۲۷	
۵۱	جامع الاخلاق	مولوی امانت اللہ	"	کتب خانۂ پٹنہ	۱۰۰	

نمبر شمار	نام تصنیف	نام مصنف	مطبوعہ یا قلمی	کہاں موجود ہے	تعداد صفحہ یا مجموعہ	کیفیت مزید
٥٢	جعفر و عباسیہ	حکیم محمد علی خاں	مطبوعہ	لٹن لائبریری	٢١٤	
٥٣	جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق	ترجمہ مولوی عنایت اللہ	۔۔	کتب خانۂ احسن	٢٩٦	
٥٤	چہار درویش	میر امن دہلوی	۔۔	۔۔	٨٩	
٥٥	چند پند	شمس العلماء مولوی نذیر احمد	۔۔	۔۔	١٥٨	
٥٦	چٹکیاں اور گدگدیاں	خواجہ حسن نظامی	۔۔	مسلم یونیورسٹی بک ڈپو	٣٠٣	
٥٧	حالات حیدری (تواریخ فرید)	شیخ احمد علی گوپاموی	۔۔	یونیورسٹی علی گڑھ	١٢٤	
٥٨	حیاتِ انیس	سید امجد علی اشہری	۔۔	کتب خانۂ احسن	٢٦٥	
٥٩	حیاۃ النبی (سیرت مسیح موعود)	یعقوب علی تراب	۔۔	۔۔	٣٢٤	
٦٠	حیات النذیر	سید افتخار عالم مارہروی	۔۔	۔۔	٣٣٩	
٦١	خطباتِ احمدیہ	سرسید احمد خاں	۔۔	لٹن لائبریری	١٦٠	
٦٢	خیالات آزاد	نواب سید محمود آزاد	۔۔	کتب خانۂ احسن	٢١٨	
٦٣	خیابانِ فارس (ترجمہ پرشیا)	مولوی ظفر علی خاں	۔۔	لٹن لائبریری	٣٠٩	
٦٤	دیباچۂ دیوانِ مرثیہ	مرزا رفیع سودا	۔۔	کتب خانۂ احسن	٧٢	
٦٥	داستانِ امیر حمزہ	خلیل علی خاں اشک	۔۔	پٹنہ لائبریری	٩٢	
٦٦	داستانِ انشاء	انشاء اللہ خاں	۔۔	کتب خانۂ احسن	٩٧	
٦٧	دوحۃ الالیصا (دبستانِ خیالی)	مرزا عسکری چھوٹے آغا	۔۔	لٹن لائبریری	١٩٩	

	۶۸	دیباچہ رباعیات شہباز	نواب سید محمود آزاد	مطبوعہ	کتبخانہ احسن	۲۲۳
	۶۹	دفع زیغ زاغ	مولوی سلطان الدین ہاٹھی	”	”	۲۷۹
	۷۰	رسالہ گلکرسٹ (قواعد اُردو)	ڈاکٹر جان گلگرسٹ	”	”	۱۱۴
	۷۱	ریاض الابصار (بوستانِ خیال)	بدرالدین عرف خواجہ امان	”	لٹن لائبریری	۱۴۷
	۷۲	رسم الخط اُردو	مولوی نذیر احمد دہلوی	”	”	۱۶۷
	۷۳	ریاض الانوار	حافظ محمد عمر دہلوی	”	”	۱۶۸
	۷۴	رویاے صادقہ	مولوی نذیر احمد دہلوی	”	”	۱۹۳
	۷۵	رازحیات (انجیل عمل)	خواجہ کمال الدین	”	”	۲۵۷
ز	۷۶	زرِ کامل عیار (ترجمہ معیار الاشعار)	سیّد مظفر علی اسیر لکھنوی	”	”	۱۶۵
س	۷۷	سب رس	ملا وجہی	قلمی	کتبخانۂ آصفیہ	۴۸
	۷۸	سورج پور (قصّہ)	منشی چرنجی لال و سید روشن علی	مطبوعہ	کتبخانہ احسن	۱۴۳
	۷۹	سخن شعرا (تذکرہ)	عبدالغفور خاں نسّاخ	”	”	۱۷۰
	۸۰	سموات	مولوی نذیر احمد دہلوی	قلمی	انتخاب الحیات النذیر	۱۷۳
	۸۱	سرمایۂ اُردو زبان	سیّد ضامن علی جلال لکھنوی	مطبوعہ	کتبخانہ احسن	۱۸۱
	۸۲	سیرۃ النبی	مولوی شبلی نعمانی	”	”	۲۵۱
	۸۳	سماع الاموات	مولوی حکیم عبدالقیوم بدایونی	”	”	۲۶۵
	۸۴	سفرنامہ	مہاراجہ کشن پرشاد شاد	”	”	۲۸۶

	۸۵	سعادت الکونین فی فضائل الحسنین	مولوی حافظ محمد رحیم بخش دہلوی	مطبوعہ	کتبخانۂ احسن	۳۰۰
	۸۶	سیاحت نامہ	خواجہ غلام الثقلین	〃	〃	۳۲۱
	۸۷	سدّ الفرار علی الصید الفرّار	مولوی احمد رضا خاں	〃	〃	۳۲۸
ش	۸۸	شرح مرغوب القلوب	شاہ میراں جی شمس العشاق	قلمی	انجمن ترقی اُردو	۴۲
	۸۹	شرح تمہید ہمدانی	میراں جی حسن خدانما	〃	〃	۴۶
	۹۰	شمشیر خانی (سرور سلطانی)	رجب علی بیگ سرور	مطبوعہ	انتخاب از سیر المصنفین	۱۲۸
	۹۱	شرح اندر سبھا	سید آغا حسن امانت لکھنوی	〃	کتبخانۂ احسن	۱۳۷
	۹۲	شوقین ملکہ	عبد الحلیم شرر لکھنوی	〃	〃	۲۱۶
	۹۳	شعر العجم	مولوی شبلی	〃	〃	۲۴۰
	۹۴	شعر الہند	مولوی عبد السلام ندوی	〃	〃	۲۷۱
	۹۵	شفاء الوالہ	مولوی احمد رضا خاں بریلوی	〃	〃	۲۷۸
ص	۹۶	صرف نحو ہندوستانی	جان شو اکٹیلر	〃	انجمن ترقی اُردو	۵۸
ط	۹۷	طوطی نامہ	محمد قادری	قلمی	〃	۶۲
	۹۸	طوطا کہانی	سید حیدر بخش حیدری	〃	〃	۹۰
	۹۹	طبقات شعرائے ہند	مولوی کریم الدین و ڈاکٹر فیلن	مطبوعہ	کتب خانۂ احسن	۱۱۵
	۱۰۰	طبعیات علمی	مولوی عبد الرحمٰن خاں	〃	لٹن لائبریری	۳۱۳
ع	۱۰۱	عجائب القصص	حکیم احسن اللہ خاں وغیرہ	〃	〃	۱۱۰

	۱۰۲	علم الحساب	مولوی مسیح الزماں	مطبوعہ	کتبخانۂ احسن	۱۳۲
	۱۰۳	علم الکلام	مولوی شبلی	//	//	۲۰۸
	۱۰۴	عجائبات امریکہ	منشی اللہ دت	//	//	۲۲۵
	۱۰۵	علمائے سلف	نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی	//	//	۲۸۸
	۱۰۶	عقد ثریا	خواجہ قمرالدین دہلوی	//	//	۳۱۹
غ	۱۰۷	غرائب الجمل	نواب عزیز جنگ ولا	//	//	۳۳۴
ف	۱۰۸	فسانۂ عجائب	مرزا رجب علی سرور	//	//	۱۰۳
	۱۰۹	فیض صفر	سید فرزند احمد صفیر بلگرامی	//	//	۱۸۲
	۱۱۰	فن شاعری	مرزا سلطان احمد	//	//	۲۳۹
	۱۱۱	فرہنگ آصفیہ	سید احمد دہلوی	//	//	۲۴۴
	۱۱۲	فلسفۂ امثال	مولوی ذکاء اللہ دہلوی	//	//	۲۵۳
	۱۱۳	فلسفۂ اجتماع	مولوی عبد الماجد دریابادی	//	لٹن لائبریری	۲۸۱
ق	۱۱۴	قصۂ گل باصنوبر	نیم چند کھتری	//	کتبخانۂ آصفیہ	۱۰۸
	۱۱۵	قواعد العروض	قدر بلگرامی	//	کتبخانۂ احسن	۱۶۶
	۱۱۶	قواعد اُردو	مولوی عبد الحق	//	//	۲۴۷
	۱۱۷	قواعد اُردو	مولوی محمد اسمٰعیل	مطبوعہ	//	۲۵۰
	۱۱۸	کلمۃ الحقائق	شاہ برہان الدین	قلمی	انجمن ترقی اُردو	۴۳

۱۱۹	کربل کتھا (ترجمہ روضۃ الشہدا)	فضلی	قلمی	انجمن ترقی اردو	۶۴
۱۲۰	کتاب حکمت	ارنٹ صاحب	مطبوعہ	کتبخانہ قاضی فرید پٹنہ	۱۲۲
۱۲۱	کاشف الحقایق	مولوی امداد امام اثر	؍؍	کتبخانہ احسن	۲۳۷
۱۲۲	کیمیا	ترجمہ چودھری برکت علی	؍؍	لٹن لائبریری	۳۱۵
۱۲۳	گنج مخفی	شاہ امین الدین	قلمی	انجمن ترقی اردو	۴۵
۱۲۴	گل مغفرت	سید حیدر بخش حیدری	؍؍	؍؍	۱۰۱
۱۲۵	گلستان بےخزاں	حکیم میر قطب الدین	مطبوعہ	کتبخانہ احسن	۱۷۱
۱۲۶	گلزار سخن	بابو جگناتھ	؍؍	؍؍	۲۵۶
۱۲۷	گلزار نونہال	لالہ خزاں چند چاولہ	؍؍	لٹن لائبریری	۲۹۸
۱۲۸	گلگشت فرنگ	ترجمہ مولوی عزیز مرزا			۳۳۷
۱۲۹	گل رعنا	مولوی سید عبدالحی			۳۴۰
۱۳۰	معراج العاشقین	سید محمد حسینی گیسو دراز		کتبخانہ احسن	۳۹
۱۳۱	مجمع القوانین	عمال ایسٹ انڈیا کمپنی		دفتر کمشنری آگرہ	۸۳
۱۳۲	مذہب عشق (گل بکاؤلی)	لالہ نہال چند		کتبخانہ آصفیہ	۹۴
۱۳۳	مجموعہ علم تشریح	از بی برٹن		کتبخانہ پٹنہ	۱۰۲
۱۳۴	مجموعہ قوانین	سداسکھ لال		دفتری کمشنری آگرہ	۱۰۵
۱۳۵	مفید الاجسام	سید فضل علی		کتبخانہ احسن	۱۱۱

۱۳۶	مطلع القمرین فی احکام العیدین	سید احمد ابن سید درویش	مطبوعہ	کتبخانۂ حبیب گنج	۱۲۹
۱۳۷	موضح اللسان	مولوی کریم الدین	〃	کتبخانۂ احسن	۱۳۶
۱۳۸	محاسن العمل الافضل	مفتی سید عنایت احمد	〃	〃	۱۳۹
۱۳۹	مختصر تاریخ انگلستان	اہلکاران لفٹنٹی	〃	〃	۱۴۲
۱۴۰	مرآۃ العروس	مولوی نذیر احمد دہلوی	〃	〃	۱۵۰
۱۴۱	منظر آدم (ترجمہ سبحۃ المرجان)	مولوی شمس الدین	〃	〃	۱۵۵
۱۴۲	مبادی الحکمۃ	مولوی نذیر احمد دہلوی	〃	لٹن لائبریری	۱۶۳
۱۴۳	مایغنیک فی الصرف	〃	〃	〃	۱۸۹
۱۴۴	محصنات	〃	〃	〃	۱۹۲
۱۴۵	مقدمہ دیوان حالی	مولانا حالی	〃	کتبخانۂ احسن	۲۰۴
۱۴۶	مصطلحاتِ اردو	منشی اشرف علی	〃	〃	۲۳۶
۱۴۷	مصباح القواعد	فتح محمد خاں	〃	〃	۲۴۵
۱۴۸	موازنۂ انیس و دبیر	مولانا شبلی	〃	〃	۲۶۲
۱۴۹	محرم نامہ	خواجہ حسن نظامی	〃	〃	۳۰۲
۱۵۰	مفتاح المنطق	ترجمہ مرزا محمد ہادی بی اے	〃	لٹن لائبریری	۳۱۴
۱۵۱	معرکۂ مذہب و سائنس	مولوی ظفر علی خاں	〃	کتبخانۂ احسن	۳۱۸
۱۵۲	مصباح الکلام	مولوی عبد الغفور محمد آبادی	〃	〃	۳۳۶

ن	۱۵۳	نیرنگ خیال	مولوی محمد حسین آزاد	مطبوعہ	کتبخانہ احسن	۲۱۰
	۱۵۴	نگارستان	نیاز فتحپوری	"	کالج لائبریری	۲۳۰
	۱۵۵	نظام الملک طوسی	مولوی عبدالرزاق	"	"	۳۱۶
	۱۵۶	واقعات انیس	احسن لکھنوی	"	کتبخانہ احسن	۲۶۶
	۱۵۷	واقعات مملکت بیجاپور	مولوی بشیر الدین احمد	"	"	۲۷۰
	۱۵۸	وضع اصطلاحات	مولوی وحید الدین سلیم	"	"	۲۹۳
ہ	۱۵۹	ہدایت نامہ مال گزاری	عمال ایسٹ انڈیا کمپنی	"	دفتر کمشنری آگرہ	۹۹
	۱۶۰	ہدایت نامہ مال گزاری	ولیم میور و منشی فیض احمد	"	"	۱۱۹
	۱۶۱	ہیضے کا بیان	ہلیو سنڈ مین	"	کتبخانہ احسن	۱۴۱
ی	۱۶۲	یہودیوں کا بیان	پروٹسٹنٹ مشری مرزاپور	"	"	۱۱۳
	۱۶۳	یادگار غالب	مولانا حالی	"	"	۲۱۲
	۱۶۴	یادگار انیس	مولوی امیر احمد علوی	"	"	۲۶۷

فہرست کاغذات دفاتر سلطنت

نمونہ (۲)

نمبر	نام کاغذ	نام مجوز یا اجلاس	سنہ تحریر	صفحہ
۱	تجویز	مسٹر تامسن گرگین اسپشل مجسٹریٹ علی گڑھ	سنہ ۱۸۴۱ء	۳۶۱
۲	روبکاری	مسٹر جارج بلنٹ قائم مقام مجسٹریٹ علیگڑھ	〃	۳۶۳
۳	حکم نامہ	ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ	〃	۳۶۵
۴	حکم نامہ	مسٹر بلنٹ مجسٹریٹ علی گڑھ	سنہ ۱۸۴۳ء	۳۶۶
۵	عرضی	اجلاس مولوی محمد قاسم صدر امین علیگڑھ	سنہ ۱۸۴۸ء	۳۶۷
۶	پروانۂ تقرر	مجسٹریٹ علی گڑھ	سنہ ۱۸۵۹ء	۳۶۸
۷	تجویز	سرسید احمد خاں صدر الصدور علی گڑھ	سنہ ۱۸۶۶ء	۳۷۱
۸	اشتہار نیلام	کلکٹر و مجسٹریٹ ایٹہ	سنہ ۱۸۶۶ء	۳۷۲
۹	تجویز	رائے سندر لال جج ماتحت علی گڑھ	سنہ ۱۸۷۲ء	۳۷۳
۱۰	اطلاع نامہ	عدالت دیوانی مین پوری	سنہ ۱۸۷۳ء	۳۷۵
۱۱	روبکار	دفتر عدالت العالیہ مملکت نظام دکن	سنہ ۱۸۸۷ء	۳۷۶
۱۲	عرضی	دفتر عدالت العالیہ مملکت نظام دکن	سنہ ۱۸۸۹ء	۳۷۷

۱۳	اقرارنامہ	دفتر عدالت العالیہ مملکت نظام دکن	سنہ ۱۸۸۷ء	۳۷۸
۱۴	تبادلہ نامہ	دفتر رجسٹرار صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ	سنہ ۱۸۹۲ء	۳۷۹
۱۵	اطلاع نامہ	صاحب کلکٹر ایٹہ	سنہ ۱۹۰۲ء	۳۸۱
۱۶	سمن	سب ججی علی گڑھ	سنہ ۱۹۰۳ء	۳۸۲
۱۷	مراسلہ	مولوی حمید احمد مسجّل جامعہ عثمانیہ	سنہ ۱۹۲۱ء	۳۸۳
۱۸	مراسلہ	نواب ذوالقدر جنگ معتمد سرکار عالی دکن	سنہ ۱۹۲۲ء	۳۸۴
۱۹	مراسلہ	مسجّل جامعۂ عثمانیہ	سنہ ۱۹۲۵ء	۳۸۵
۲۰	مراسلہ نسبت تاریخ نثر اُردو	نواب اکبر جنگ معتمد سرکار دکن	سنہ ۱۹۲۶ء	۳۸۶
۲۱	" "	"	"	۳۸۷
۲۲	"	"	"	۳۸۸

فہرست اخبار نمونہ (۳)

ردیف وار

۱۶	خلافت	۱۹۲۱ء	بمبئی	۴۵۹
۱۷	دبدبۂ سکندری	۱۸۶۷ء	رامپور	۴۴۰
۱۸	ریاست	۱۹۲۴ء	دہلی	۴۴۷
۱۹	زمیں دار	۱۹۱۲ء	لاہور	۴۴۵
۲۰	سعد الاخبار	۱۸۴۷ء	آگرہ	۳۹۴
۲۱	سحر سامری	۱۸۵۶ء	لکھنؤ	۴۰۷
۲۲	سائنٹیفک سوسائٹی	۱۸۶۶ء	علیگڑھ	۴۱۳
۲۳	سرفراز	۱۹۲۵ء	لکھنؤ	۴۶۰
۲۴	صحیفہ	۱۹۱۱ء	حیدرآباد دکن	۴۵۲
۲۵	طلسم	۱۸۵۶ء	لکھنؤ	۳۰۵
۲۶	کوہ نور	۱۸۴۹ء	لاہور	۳۹۶
۲۷	کشف الاخبار	۱۸۵۳ء	بمبئی	۴۰۲
۲۸	گلدستۂ تذکرۂ شعرا	۱۸۵۹ء	لکھنؤ	۴۱۸
۲۹	مفید عام	۱۸۷۰ء	آگرہ	۴۳۶
۳۰	مدینہ	۱۹۱۱ء	بجنور	۴۴۲
۳۱	مشرق	۱۹۰۶ء	گورکھپور	۴۵۰
۳۲	ملاپ	۱۹۲۳ء	لاہور	۴۵۸
۳۳	نجم الاخبار	۱۸۶۲ء	اٹاوہ	۴۱۶
۳۴	نظام الملک	۱۸۸۳ء	مرادآباد	۴۲۸
۳۵	ہمدم	۱۹۱۵ء	لکھنؤ	۴۵۵
۳۶	ہمت	۱۹۲۹ء	لکھنؤ	۴۵۶

فہرست قانونی تراجم

نمونہ (۴)

فہرست تقریظ و تنقید

نمونہ (۵)

فہرست خطوط

نمونہ (۶)

شمار	کاتب	مکتوب	سنہ تحریر	صفحہ
۱	مرزا غالب	منشی ہرگوپال تفتہ	سنہ ۱۸۵۲ء	۵۲۷
۲	"	"	"	۵۲۸
۳	"	حاتم علی مہر		۵۲۹
۴	مسٹر الکمین ڈائرکٹر تعلیمات	سید شاہ صاحب عالم مارہروی	سنہ ۱۸۶۶ء	۵۳۱
۵	سر سید احمد خاں	نواب محسن الملک	سنہ ۱۸۶۹ء	۵۳۲
۶	"	محمد سعید خاں ناظر	سنہ ۱۸۶۲ء	۵۳۵
۷	"	"	سنہ ۱۸۶۶ء	۵۳۵
۸	"	مولوی سید میر حسن	سنہ ۱۸۹۸ء	۵۳۶
۹	عثمان خاں مدار المہام رامپور	سید شاہ صاحب عالم مارہروی	سنہ ۱۸۷۰ء	۵۳۸
۱۰	مولوی نذیر احمد دہلوی	بشیر الدین احمد	سنہ ۱۸۷۶ء	۵۳۹
۱۱	"	مسٹر رید مہتمم بندوبست	سنہ ۱۸۷۷ء	۵۴۰
۱۲	منشی سید محمد اسمٰعیل حسین منیر	سید محمد نوح شہیر	سنہ ۱۸۷۸ء	۵۴۲
۱۳	نواب سید محمود آزاد	سعید ازلی (فوضی)	سنہ ۱۸۷۹ء	۵۴۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تمہید

اُردو زبان کے یہ تاریخی حالات کہ وہ کن کن زبانوں سے پیدا ہوئی، اور کس عہد میں کس زبان کا اُس پر کتنا اثر ہوا، اور اُس سے پہلے ہندوستان میں کتنی زبانیں بولی جاتی تھیں، اور پھر وقتاً فوقتاً اُن میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں، بہت زیادہ مشہور ہو چکے ہیں۔

معمولی طالبانِ علم بھی جانتے ہیں کہ اب سے تین چار سو برس پہلے عموماً ہندوستان میں سنسکرت سے نکلی ہوئی زبانیں بھاشا وغیرہ کے نام سے رائج تھیں البتہ مختصر طور سے یہ جان لینا چاہیے کہ اُردو زبان کا بیج کس سرزمین میں بویا گیا اور کس وقت اُس میں کوپلیں پھوٹیں، اور کس کے سینچنے سے شاخ در شاخ ہوتا ہوا، کوپل سے پودا اور پودے سے ایک تناور درخت بن کر چاروں طرف پھیل گیا۔

اُردو کی ابتدا نظم سے ہوئی یا نثر سے

اکثر تذکرہ نویسوں نے اردو کی ابتدائی تاریخ لکھتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ زبانِ اُردو میں نثر سے پہلے نظم کا آغاز ہوا ہے اور اس خیالی عمارت کی بنیادیوں اٹھائی گئی ہے کہ پُرانے تاریخی حالات کی محدود وسعت پر نظر ڈالتے ہوئے دیکھا جاتا ہے تو حسب تحقیق مولّفِ آبِ حیات ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲ء سے قبل نثر اردو کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔ علاوہ اس کے کہ جناب آزاد کی یہ تحقیقات تمام ہندوستان کے لئے مستند نہیں، اس بیان سے یہ شبہ بھی ہوتا ہے کہ نظم سے پہلے نثر کا وجود ہی نہ تھا، جیسا کہ وہ آبِ حیات میں لکھتے ہیں:۔

"یہ عجیب بات ہو کہ ایک بچہ پہلے شعر کہے پھر بات کرنی سیکھے"

کیا عبارتِ مذکور پڑھ کر یہ سوال نہیں ہو سکتا:۔ کہ "سب سے پہلے کوئی زبان مقفّٰی اور موزون بن کر کس طرح بولی جا سکتی ہے؟ اور کیا نو وارد مغلوں اور ایرانیوں نے سوداسلف کے لین دین میں جب ہندیوں سے بات چیت کی ہو گی تو کوئی برجستہ مصرع پڑھا ہو گا؟ کوئی لڑی کس طرح پروئی جا سکتی ہے جب تک کہ موتی بکھرے ہوئے نہ ہوں۔

اگر وہ عبارت اِن الفاظ میں ہوتی تو مطلب کے سمجھنے میں کوئی اُلجھن باقی نہ رہتی، یعنی اُردو نثر کی کوئی مستقل اور پوری کتاب نظم سے پہلے مرتب نہیں ہوئی، اُردو کے الفاظ ضرور موجود تھے جو کم و بیش روزمرہ کی گفتگو میں شامل ہوتے رہتے تھے۔

آغازِ زبان

ہر زبان کی ابتدا معمولی الفاظ، آسان کاموں، اور سہل باتوں سے ہوا کرتی ہے۔ ہندستان کے قدیمی عہد میں جب کہ سنسکرت زندہ زبان مانی جاتی تھی اور مخصوص اہلِ علم اور مہاتماؤں کے استعمال میں رہا کرتی تھی، اُس وقت صوبجاتِ ہند میں بھاشا کی مختلف شاخیں متعدد ناموں سے مُروّج مشہور تھیں اور ہر وقت کی بات چیت اور بازار ہاٹ کا کام کاج اسی عام زبان سے پورا کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ مغل بادشاہوں کے زمانے میں جن کی مادری زبان فارسی یا ترکی تھی، اور دفتر، خط و کتابت نیز تصنیف و تالیف میں عموماً فارسی ہی کا دور دورا تھا۔ بازار اور دوسری باتوں کے لئے بھاشا سے مِلی جُلی ایک ایسی نئی زبان بولی جانے لگی جس میں عربی، فارسی، ترکی اور بعض پُرتگالی وغیرہ الفاظ بھی شامل رہتے تھے یہی وہ آمیختہ زبان تھی جس کو ابتداءً شعرا ریختہ اور عام اُدبا اردو کہا کرتے تھے۔

جس طرح بھاشا کی ابتدائی تصنیفیں آلا اودل وغیرہ کے ناموں سے بصورتِ نظم تصنیف کی گئیں، اسی طرح اردو کا سلسلۂ تصنیف بھی اشعار سے شروع ہوتا ہے۔ یہ روش تقریباً ہر زبان کی ابتدائی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ چوں کہ نظم اپنی دل چسپی اور مختصر ہونے کی وجہ سے حافظے کے خزانے میں بہت دنوں تک محفوظ رہ سکتی ہے اس لئے یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ عام پسندی کے سبب، نظم نے نثر سے پہلے سینوں کو چھوڑ کر سفینوں میں اپنی جگہ پیدا کرلی ہوگی۔

لفظِ اُردو کی تحقیق اور زبانِ اُردو کی خصوصیت

اُردو، ترکی یا تاتاری زبان کا لفظ مانا جاتا ہے اور ان زبانوں میں لشکر یا بازارِ لشکر کو اردو کہتے ہیں۔ چوں کہ اس زبان کی ابتدا ترکی اور ایرانی لشکروں کی آمد و رفت اور لین دین کے ذریعے سے ہوئی ہے اس لئے یہی نام رکھ دیا گیا۔

برادرانِ ہنود میں ایک علم دوست اور تحقیقِ زبان کے شائق، جن کو ایرین قوم کی قدامت کے لحاظ سے اصولاً تمام اقوامِ عالم کے سنگم کا خاص شوق رہتا ہے اُن کا خیال ہے کہ اردو کو لشکر سے منسوب کرنے کے عوض اردشیر یا اردبیل (قدیم شاہانِ ایران) کا مشتق سمجھا جائے تو زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ جس طرح ایران اور ایرین باہم متجانس ہیں اسی طرح اردو بمعنی شجاع و دلیر اور مانند و نظیر ہے، فتح مند لشکر سے یک گونہ مشابہت رکھتا ہے۔

اس تجزیہ و تحلیل سے مدعا یہ ہے کہ لفظِ اُردو جو لشکر کا مترادف ہے، اور جس کا تلفظ بابر، یا اُس سے پہلے سلطان ابراہیم (متوفی ۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء) کے عہد میں ملتا ہے، اگر تجنیسِ خطی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو متذکرہ خیال کے مطابق عہدِ ابراہیم سے جُگوں پہلے معرضِ وجود میں آجاتا ہے۔

اُردو کو ترکی سنسکرت، بھاشا، پرتگیزی، فارسی، عربی، انگریزی غرض کہ تمام گزشتہ موجودہ اور آئندہ ایرین اور سامی زبانوں کا مجموعہ سمجھنا چاہیئے۔ اس دعوے کی ایک بولتی ہوئی دلیل یہ ہے کہ دنیا کی کوئی زبان، خواہ مغرب میں بولی جاتی ہو یا مشرق میں، شمال میں

جاری ہو یا جنوب میں، ایسی نہ ملے گی جو اپنی مخالف زبانوں کے تمام لہجوں پر پوری طرح قادر ہوسکتی ہو۔ عجم (ایران) ٹ۔ ڑ۔ ڈ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ اور مخلوط ہائے ہوز (ھ) کے بولنے میں گونگا ہے۔ عرب، پ۔ چ۔ ژ۔ گ۔ پر زبان نہیں ہلا سکتا۔ انگلستان بھی، غ۔ ڑ۔ نہیں بول سکتا اسی طرح ہندوستان میں اُردو کے سوا تمام پراکرتیں اپنا شین قاف درست نہیں رکھتیں۔ یہ بات اُردو ہی کے لئے مخصوص ہے کہ اجنبی سے اجنبی لہجے کی نقل کا اصل اُتار لیتی ہے۔

اُردو الفاظ کی بنیادیں

ہندوستان پر غیر ملکیوں کے ابتدائی حملوں کے بعد جن بڑے بڑے بادشاہوں نے بار بار چڑھائیاں کیں، اُن میں محمود غزنوی اور پھر شہاب الدین غوری کے ناموں کو خاص شہرت حاصل ہے۔ محمود کے حملے دھواں دھار بادل، یا گھٹا ٹوپ آندھیوں کی طرح تھے۔ جس نے گویا ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہو کر چکر لگائے اور چلتا ہوا۔ البتہ شہاب الدین غوری نے پرتھی راج (متوفی ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء) کو شکست دینے کے بعد ہندوستان میں قدم جمائے اور ایسے جمائے کہ ۶۔ ۷ صدیوں تک رات دن کی گردشیں اُس کی ڈالی ہوئی بنیاد کو مٹانا کیسا جنبش تک نہ دے سکیں۔ اسی فتح مندی کے بعد سرزمینِ اُردو (لشکر) میں ایک نئی زبان کی تخم پاشی کا سامان شروع ہوا۔ ترکوں اور مغلوں نے، عربی، ترکی اور عجمی الفاظ کے دانے ہندوستان کے چٹیل میدان میں بکھیرے اور ہندوستان کے پتھریلے بنجر نے مقناطیس بن کر اُن بکھرے ہوئے دانوں کو تنکوں کی طرح کھینچنا شروع کیا۔ یعنی اُن تمام لفظوں کو بھاشا نے اپنے

وسیع اور کشادہ دامن میں پناہ دی، اور اسی کے ساتھ۔ تلنگو۔ تامل۔ برجی۔ اپالی۔ قنوجی، پنجابی، اُڑیا، مرہٹہ۔ گجراتی۔ ملتانی۔ بنگالی غرض کہ تمام ملکی اور ہمسایہ زبانیں مل جل کر اُردو کے بیج کو سینچنے لگیں۔

نئی زبان کس طرح بنتی ہے

اس کا پتا چلانا کہ اُردو کو سلسلہ بسلسلہ کب اور کس طرح وسعت حاصل ہوئی بہت دشوار کام ہے اگلے بزرگوں نے آنے والی نسلوں کے لئے ایسی باتیں جمع نہیں کیں۔ مگر اندازا اور قیاسوں سے جن کے سہارے ماہرینِ فن نے ہر ایک زبان کے کلیے بنائے ہیں، یہ ماننا پڑے گا کہ ہر زبان کا آغاز ناموں سے ہوا ہے۔ جب کسی اجنبی کو دوسرے اجنبی سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے اور آپس میں بات چیت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو سب سے پہلے ہاتھ اور آنکھ کے اشاروں سے کام نکالا جاتا ہے۔ جب اُن سے کام نہیں چلتا تو ادھ کٹے یا پورے نام زبانوں پر جاری ہوتے ہیں اور چونکہ یہ بات چیت دو اجنبیوں میں ہوتی ہے اس لئے ایک کو دوسرے کے جانے ہوئے الفاظ کا سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح کہ اگر نام ایک سے لئے جاتے ہیں تو حرف اور فعل دوسرے کو دینے پڑتے ہیں۔ مثلاً اُس زمانے کا ایک سپاہی بازار جاتا ہے اور اُس کو سیب کی خریداری منظور ہے۔ ہندوستان کا دوکان دار اتنا جان گیا ہے کہ اِس پھل کو مغل سیب کہتے ہیں، مگر لینے والا اگر فقط سیب کہتا ہے تو اُس کا مطلب پورا ادا نہیں ہوتا۔ اس ضرورت و مجبوری سے اُس کو دکان دار کی سمجھ کے مطابق دوسرے الفاظ حروف و افعال سے لینے پڑیں گے۔ اور جب تک وہ "سیب دیدو" یا "سیب کیسے ہیں" نہ کہے گا، لین دین ختم

نہ ہوگا۔ یہیں سے زبان کے قواعد بننے کی ابتدا ہوتی ہے۔

زبان کی افزائش

بازار کے لین دین میں، ہٹیکوں کی نشست و برخاست میں اسما و افعال و حروف کی فہرست دن دونی رات چوگنی بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ دس بیس برس ہی میں الفاظ و کلمات کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ اب اگر حکومت کا عہد امن چین سے گزر رہا ہے اور راعی کے ساتھ رعایا بھی زبان اور علم کا شوق رکھتی ہے تو بہت جلد نئی زبان کا رواج ہونے لگتا ہے اور اگر ملک میں امن چین اور حاکم و محکوم میں علم کا شوق نہیں تو اس نئی زبان پر جو دو اجنبیوں سے مل کر پیدا ہوئی ہے وہی اثر پڑتا ہے جو صدیوں تک لاوارث اردو زبان پر پڑتا رہا ہے۔

شہاب الدین غوری کے بعد تیموریہ خاندان کے آنے تک اگرچہ دو ڈھائی سو برس کا زمانی تفاوت ہے مگر اس عرصے میں سلطنتِ ہند کو جلد جلد انقلابات کا سامنا رہا اور ان انقلابوں کے زمانوں میں کئی خاندانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں، کسی ایک خاندان نے بھی سو برس تک جم کر باطمینان حکومت نہیں کی۔ ایسے خاندانوں میں جب تک حکومت رہی اُن میں برابر لڑائیوں کی گرما گرمی رہی۔ اور رات دن ایک دوسرے سے بھڑے رہے، ایسی صورت میں کسی فن اور خصوصاً نئی زبان کی درستی کا خیال رہنا آسان کام نہ تھا۔ مگر چوں کہ حملہ آور اکثر دوسرے ملکوں سے آتے رہتے تھے اس لئے اِن جھگڑوں اور کشمکشوں کے باوجود لشکری زبان کے ذخیرے میں روز افزوں مگر بے ترتیب وسعت ہوتی رہی۔ پھر غوری اور مغلئی لشکروں کی

آمد و رفت کے علاوہ چنگیز اور ہلاکو کی لوٹ مار میں سیکڑوں نامی اور شریف، بڑے بڑے خاندان چاروں طرف بھٹکتے پھرتے تھے، جن میں سے اکثر خاندان ہندوستان میں بھی آباد ہو گئے۔

تیر و تفنگ سے لڑنے والے لڑائیوں میں اپنے اپنے جوہر دکھا کر کچھ دنوں کے لئے ستانے کے بہانے بے فکری کی نیند سو سکتے ہیں، مگر وہ اہلِ ادب جو زبان کی تلوار اور قلم کے میدان پر قبضہ و حکومت کرتے ہیں، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اور لڑتے بھڑتے علوم و فنون کی ترقی کا خیال رکھتے ہیں۔ اُن کی یہ اَن تھک محنت اور جاں فشانی پتھر کی لکیر ثابت ہوتی ہے۔

اُردو بھاشا میں شامل ہوتی ہے

یہ باتیں (یعنی تیغِ زبان اور میدانِ قلم کی داستان) جھوٹی اور بناوٹی نہیں بلکہ سچّی اور اصلی ہیں۔ دیکھو شہاب الدین اور پرتھی راج کا جنگ نامہ جو چند کوی (شاعر) (۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء) سے منسوب کیا جاتا ہے، اس پرتھی راج راسا میں ایک دو نہیں، سیکڑوں الفاظ عربی فارسی کے (جن کی آمیزش سے اُردو کا وجود ہوا) نظر آتے ہیں۔ اس تصنیف سے پہلے کسی بھاشا کی تالیف میں غیر ہندی اسماء وغیرہ کا پتا نہیں ملتا۔ مثلاً۔ گریب نواج (غریب نواز) مہل (محل)، پھرمان (فرمان)، ہجرت (حضرت)، پگام (پیغام)، ہجور (حضور)، سرتان (سلطان)، پروردگار۔ کریم۔ ملک۔ پات ساہ (بادشاہ)، کھلک (خلق)، آلم (عالم)، سلام وغیرہ۔

اُردو کا پہلا مروّج

فتح غوری کے ۶۰-۷۰ برس بعد غیاث الدین بلبن کا زمانہ شروع ہوتا ہے اس دربار میں جس قدر علمی ترقیاں اور قدر دانیاں ہوئیں اُن کی تفصیل کے لئے تاریخ پڑھنی چاہیئے۔ اسی دربار کی سب سے بڑی اور مکمّل یادگار حضرت امیر خسرو کی ذات ہے جن کی مسلّمہ قابلیت و جامعیت نے اپنی طبیعت کی خاص رسائی اور لگاؤ سے اُردو کے بکھرے ہوئے موتیوں کی لڑیاں بنانی شروع کیں۔ وہ بیج جو امیر خسرو سے (۸۰) برس پہلے بویا گیا تھا، اُبچ اپچا کر جھاڑ جھنکاڑ کی طرح بے قرینہ پھیلا ہوا تھا اُن کی دست کاریوں کے سلیقے نے تمام کوڑا کرکٹ صاف کیا اور اس جھاڑ جھنکاڑ کو ایک خوشنما پودے کی صورت میں زبان کے باغ کی زینت بنایا۔

اِن سے پہلے بھاشا کی متفرق عبارتوں کے سوا جن میں جا بجا عربی فارسی الفاظ ملے ہوئے تھے کوئی چھوٹی سی چھوٹی تصنیف بھی ایسی نہیں ملتی جو تھوڑا بہت مقابلہ بھی خسرو کی تصنیف کا کر سکے۔ اگرچہ قرائن اس کا یقین دلاتے ہیں کہ ان سے قبل مختلف زبانوں کی ملاوٹ سے اُردو کا ڈھانچ بننا شروع ہو گیا تھا اور معمولی معمولی ضرورتوں میں بولی بھی جاتی ہو گی۔ مگر زبانوں کے سوا کتابوں میں، یا سینوں سے نکل کر سفینوں میں اُس کا سُراغ نہیں ملتا۔ کہا جاتا ہے کہ خسرو نے اپنی آخری عمر میں اُردو کی ابتدائی حالت سنواری اور اپنی کہ مکرنیوں، گیتوں۔ پہیلیوں، اور غزلوں سے ایسا دل چسپ بنایا کہ آج تک اُن کی یاد نہیں بُھلائی جاتی۔ ان پیاری پیاری باتوں کا ہونٹوں تک آنا تھا کہ قلم کی زبان بھی چل نکلی۔ قاعدہ ہے کہ جب تک زبان کے خزانے میں

الفاظ کا پورا سرمایہ جمع نہیں ہو جاتا ترتیبِ لغت کا خیال نہیں آسکتا۔ امیر خسرو کے نصاب کی ترتیب بتاتی ہے کہ اُن سے بہت پہلے اس نئی زبان کے نئے الفاظ بکثرت استعمال میں آنے لگے تھے جن کا انتشار اُن کی کوئی حیثیت بننے نہیں دیتا تھا اُن کی ترتیب کا سہرا ابھی انھیں کے سر رہا نصاب مذکور کئی جلدوں میں منقسم تھا جس کا مکمّل وجود اب کہیں نظر نہیں آتا۔ صرف خالق باری کے نام سے تھوڑا سا حصہ پُرانے مکتبوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ فی الحقیقت اُردو لغت کی پہلی کتاب یہی کہی جاسکتی ہے جس میں عربی فارسی کے ساتھ اُردو اور بھاشا کے الفاظ جمع کئے گئے ہیں اُردو کی یہ پہلی اور مفید خدمت ایسی پسند اور مقبول ہوئی کہ آج تک اس کی تقلید کی جاتی ہے اور جب تک لغات کا حفظ کرنا بچوں کے لئے ضروری رہے گا یہ تقلید ہوتی رہے گی۔

اُردو نظم کے پہلے نمونے

خالق۔ باری۔ سرجن ہار   واحد، ایک، بدا کرتار

آٹھویں صدی ہجری کی نظم ہے۔ اور :-

قادر اور اللہ اور یزداں، خدا   ہے نبی، مرسل، پیمبر، رہنما

تیرھویں صدی ہجری کی تالیف ہے۔

۵-۶ - سو برس کے زمانے کا تفاوت دیکھتے ہوئے دونوں شعروں میں کوئی بیّن فرق نظر نہیں آتا۔ پوری کتاب کا مقابلہ کیا جائے تو کہیں کہیں لب ولہجہ بدلا ہوا معلوم ہوگا ورنہ اکثر اندازِ بیان کا قادر نامے میں بھی وہی عالم ہے جو خالق باری نے پیدا کیا تھا۔

امیر خسرو کی اُردو یا ریختہ گوئی سب کو مسلّم ہے۔ میر تقی میر اپنے تذکرۂ نکات الشعرا میں لکھتے ہیں "اشعار ریختہ آں بزرگ بسیار دارد، دریں خود تردّدے نیست" اگرچہ آج ہم کو اس سرمائے کا ایک چوتھائی حصہ بھی نہیں ملتا۔ پھر بھی اُن کی دستیاب شدہ نظمیں اُردو بول چال کا پورا پورا پتا بتاتی ہیں۔ یہاں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں، جن کی اُردو اگر آج کل کے روزمرّہ کی طرح نہیں تو سو برس پہلے کے شعرا سے ضرور ملتی جُلتی ہے۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا — کچھ گھڑیے! سنواریے!! پُکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست — پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا
کھیر پکائی جتن سے (کوشش)، چرخہ دیا جلا — کُتّا آیا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا
بیسوں[ف۱] کا سر کاٹ لیا — نا مارا، نا خون کیا
تمنّا و ہم آرزو، چاؤ کہیے — ید و دست ہاتھ، اور قدم پانو کہیے
[ف۲] چندر بدن، زخمی تن، پانو بنا وہ چلتا ہے — امیر خسرو یوں کہیں وہ ہوے ہوے چلتا ہے
ہاتھ میں لیجے[ف۳] دیکھا کیجے
سامنے[ف۴] آئے کر دے دو۔ مارا جائے نہ زخمی ہو

ف۱ اس قسم کی نظم یا فقرے کو کہہ مکرنی کہتے ہیں، یعنی کسی چیز کا نام اس طرح لیا جائے کہ کہکر مکرجانا پایا جائے۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں کے بیس ناخن ہوتے ہیں، اور اُن کے سر کاٹے جاتے ہیں مگر اس سے نہ کوئی مرتا ہے نہ کسی کا خون ہوتا ہے۔ یہاں ناخون اور ناخن میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے۔ ۱۲۔ ف۲ یہ روپئے کی پہیلی ہے زخمی تن سے اُس کے نقش اور ٹھپے مراد ہیں جو کوٹ پیٹ کر بنائے جاتے ہیں۔ چلنا ایک جگہ رفتار کے معنی ہیں ہے دوسری جگہ روپئے سے بُھنے کے متعلق ہے۔ ۱۲۔ ف۳ و ف۴ یہ دونوں آئینے کی پہیلیاں ہیں یہ ظاہر ہے کہ آئینہ جب سامنے آجاتا ہے دیکھا جاتا ہے اور ایک کو دو کر دیتا ہے اور کسی کو کوئی زخم نہیں پہنچتا۔ ۱۲

اِن چند نمونوں سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ سات سو برس پہلے کی کم عمر اُردو ایک سن رسیدہ قابل اور موجدِ فن بزرگ کے ہاتھوں تمام با اصول ترکیبوں کے ساتھ کتنی ترّقی کر چکی تھی۔

شمال ہند میں اردو زبان کیوں دیر میں مروّج ہوئی

جس ملک میں متعدّد صدیوں تک ملک گیری اور انقلاباتِ سلطنت کی آندھیاں رات دن چلتی رہی ہوں وہاں امن چین کے ساتھ علمی مذاق کا چرچا اور اہلِ مذاق کے ہاتھوں کسی نئی زبان کے سُدھرنے کا سامان کیا ہوسکتا تھا۔ یہاں دہلی یا نواحِ دہلی کے اُن انقلابات کا تذکرہ فضول ہے جو شہاب الدین غوری کے عہد (۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء) سے پہلے راجہ جدھشٹر، راجہ جرجودھن، اور راجہ بکرماجیت یا راجہ بھگونت کی باہمی آویزشوں سے ظہور پزیر ہوئے کیوں کہ یہ ملکی تاریخ نہیں بلکہ ایک زبان کی تاریخ ہے تاہم اس ضمنی اشارے سے یہ نتیجہ ہمارے لئے مفید مطلب ہے کہ ہندوستان ہمیشہ سے میدانِ کارزار بنا رہا ہے اور مسلمانوں کی آمد سے قبل اور اس کے بعد بھی عرصۂ دراز تک یہی عالم خلفشار نظر آتا ہے۔

یہ مسلّم ہے کہ شہاب الدین کے زمانے سے نئی زبان کے بنیادی آثار نظر آنے لگے تھے۔ اگر اُن اثرات کو مخالف ہوائیں منتشر نہ کرتی رہتیں، اور حضرت امیر خسرو کی پہیلیوں کے بوجھنے والے اُن کے استھپے بھول نہ جاتے اور کم از کم ایسی طبع آزمائیوں کا سلسلہ نہ ٹوٹتا رہتا تو آج شمال ہند میں اُردو پانچ چھ سو برس کی سِن رسیدہ زبان ہوتی۔

میرے خیال میں شمالِ ہند کے اہلِ ادب کو اس زبان کی خدمت نہ کرنے کے موانع میں بڑا

حائلہ سلطان محمد تغلق کا وہ سفّاکانہ حکم تھا جب کہ اُس نے ۷۳۷ھ ۱۳۳۶ء میں یہ خیال قائم کیا کہ دہلی چھوڑ کر دیوگڑھ کو دارالسلطنت بنایا جائے اور اس کا نام دولت آباد رکھا جائے چناں چہ قضائے مبرم کی طرح یہ حکم جاری ہوا، اور دہلی خالی ہونا شروع ہوئی، جس کی ویرانی کا یہ عالم ہوا کہ تمام درندگان صحرائی شہر کو ویران پاکر بس گئے۔ اگرچہ بظاہر اسباب اس انقلابی اثر کا پانچ برس کے بعد ردّ عمل شروع ہوگیا لیکن حقیقت میں جن پشتہا پشت کے باشندوں نے جبراً قہراً ترک سکونت کی تھی اور جو اس بعید مسافت کو طے کرچکے تھے، اُن میں بالاکثر معاودت کے قابل نہیں رہے۔ خلاصہ یہ کہ اس انتقالِ مکانی نے احوالِ زبانی کو مدّتوں کے لئے یکسر منتشر کردیا۔ ادھر شمالِ ہند کی حکومت کی یہ کیفیت۔ اُدھر بیجاپور میں حسن گنگو نے بنیادِ سلطنت قائم کرتے ہی غیر ملکی (فارسی) زبان کو دفتر سے خارج البلد کردیا۔ یہ اتفاقی اور قدرتی اسباب بتا رہے ہیں کہ دہلی و نواحِ دہلی میں اُس وقت اس لئے اُردو کا بول بالا نہ ہوسکا اور جنوب ہند میں اس وجہ سے اس کا عروج شروع ہوگیا۔

امیر خسرو کے بعد سکندر لودی کے عہد (۹۱۵ھ ۱۵۰۹ء) میں سب سے پہلے کایستوں نے فارسی زبان سیکھ کر شاہی دفتر میں نام لکھوایا۔ اسی کا اثر تھا کہ اُسی زمانے کے گرو رامانند کے چیلے کبیر داس (معاصر ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء) نے اپنے دوہوں اور بھجنوں میں سیکڑوں فارسی، عربی الفاظ ملانے شروع کردئیے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ حکومت کے دباؤ سے ایسا کیا گیا، بلکہ عام استعمال رواج اور آپس کے میل ملاپ کی وجہ سے ایسا ہونا لازمی تھا۔ ذیل کی مثالوں سے اس دعوے کا ثبوت ملتا ہے۔ کبیر کہتے ہیں :-

حد حد تو سبھی گئے بے حد گیا نہ کوے بے حد کے میدان میں رہا کبیر اسوئے

چلتی چاکی دیکھ کے دیا کبیرا روئے — ان پاٹن بیچ آئے کے ثابت رہا نہ کوئے
اونچے اونچے محل بنائے گہری نیویں دھرتا — چلنے کا منصوبہ ناہیں رہنے کو من کرتا
آڑے ترچھے تلک لگاوے گہری مالا جپتا — ہردے بھیتر کپٹ کترنی صاحب کیسے ملتا

بابا گرو نانک بھی اسی زمانے کے ایک بزرگ ہیں۔ اُن کے کلام میں عربی فارسی کے جتنے الفاظ ملتے ہیں اس بہتات سے اُس عہد میں کہیں نہیں ملتے۔ پھر اندازِ بیان ایسا آسان و عام فہم ہے کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے:۔

سانس ماس سب جیو تمہارا تو ہے کھرا پیارا — نانک شاعر یو کہت ہے سچے پروردگارا
نانک ننّھا اور ہو جیسے ننّھی دوب — بڑی گھاس جل جائے گی دوب خوب کی خوب

یہ بھجن اور دوہے کہنے کو بھاشا میں کہے گئے ہیں مگر ان کی طرزِ ادا ایسی صاف ہے کہ آجکل کے معمولی اُردو خواں بھی بآسانی ان کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ یہ نمونے اگرچہ نظم کے ہیں مگر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ صرف مثالیں دست یاب نہ ہونے پر یہ قیاس کر لیا جائے کہ اُس عہد میں نثر اُردو مروّج نہ ہوگی۔ نظم، نثر کے مقابل میں اختصار اور دلکشی کا سامان زیادہ رکھتی ہے، نیز یہ نومولود زبان بجز معمولی بات چیت کے اور کسی مصرف کی نہیں سمجھی جاتی تھی اور سب پر طرّہ یہ کہ اسلاف ان باتوں کو قلم بند کرنے کے عادی نہ تھے۔ ان وجوہ سے نظموں کی ہم عہد نثروں کا نہ ملنا تعجّبات سے نہیں اگر اُس زمانے میں جنوب ہند کی طرح شمال ہند میں بھی معمولی سی معمولی حمایت و دستگیری کسی حکومت کی طرف سے ہو جاتی تو یقیناً حضرت امیر خسرو، کبیر داس، بابا گرو نانک، سور داس (معاہد ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء) اور تلسی داس (معاہد ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۴ء) کی فارسی آمیز بھاشا کے پہلو بہ پہلو اس نئی بانِ ن

کا دامن بھی وسعت پذیر نظر آتا۔ حکومت کی حمایت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ دکن میں وہ حضرات جو دہلی سے جاکر آباد ہوئے تھے اُنھوں نے ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء سے ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء تک ایسی متعدد نثر کی تصنیفیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جو متذکرۂ بالا قیاسات کو یقینیات کا جامہ پہناتی ہیں۔

اُردو زبان کا عام اثر

انسان تو انسان اُس زمانے کے حیوانوں پر بھی اُردو اپنا اثر جمائے ہوئے تھی۔ ہمایوں نے جب گجرات و دکن پر فوج کشی کی تو سلطان بہادر وہاں کا فرماں روا تھا، اور جاپانیر کا قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ خود سلطان بھی اکثر وہاں رہتا اور تمام خزانے اور دفینے بھی وہیں رکھے جاتے محاصرے کے وقت رومی خاں (عہدہ دار سلطان بہادر) ہمایوں سے مل گیا اور قلعہ ہمایوں کے قبضے میں آگیا۔ سلطان بہادر کے پاس ایک طوطا تھا کہ آدمی کی طرح باتیں کرتا اور سمجھ کر بات کا جواب دیتا۔ سلطان بہادر اُس کو اس قدر چاہتا تھا کہ سونے کے پنجرے میں رکھتا اور کسی وقت جُدا نہ کرتا تھا، وہ بھی لوٹ میں آیا۔ جب دربار میں لایا گیا تو رومی خاں بھی وہاں موجود تھا۔ طوطے نے دیکھکر پہچانا۔ اور کہا:-

"پھٹ پاپی رومی خاں نمک حرام"[1] (لعنت ہے رومی خاں نمک حرام)

اس حکایت کے لکھنے سے مطلب یہ ہے کہ اُس زمانے میں بھی بھاشا سے ملی ہوئی اُردو ایسی عام ہوگئی تھی کہ انسان جانوروں تک کو وہی بولی سکھاتا تھا۔ یہ حیوانی تعلیم کوئی اچنبے کی بات نہیں،

---

[1] ماخوذ از آبِ حیات ۱۲

اب بھی طوطے مینا ایسے دیکھے جاتے ہیں، جن کی زبانوں سے رٹائے ہوئے جملے آدمیوں کی طرح جاری ہو جاتے ہیں اور یہ بات اُردو ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر زبان کے جملے اور الفاظ سکھائے جا سکتے ہیں۔ راقمِ حروف نے عرب میں ایک طوطے کو یہ جملے کہتے ہوئے سُنا۔

تعال یا ابوے، (اے باپ یہاں آؤ)

اُردو زبان کی باقاعدہ تدوین

مغلیہ خاندان کی سلطنت ہمایوں کے عہد تک کچھ زیادہ مستحکم نہیں ہوئی، جس کا ثبوت تاریخی اوراق دیتے ہیں۔ ہمایوں کے بعد جلالِ اکبری کے جمال نے جس جس شان سے اپنے جلوے دکھائے اُن سے ہندوستان کا کوئی گوشہ تاریک نظر نہیں آتا۔ تالیف و تصنیف اور ایجادات کے ایک نہیں بیسیوں نمونے موجود ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ اگر زمانے کے انقلابات سے اُس زمانے کی ہر چیز محفوظ ملتی تو اس وقت ہمارے پاس ضرور کوئی نہ کوئی اُردو کی مستقل تصنیف بھی موجود ہوتی۔

بعض بے پروا تذکرہ نویسوں نے، اکبر اور جہاں گیر یا نور جہاں اور زیب النسا کی زبان اور زمانے سے اُردو کو آشنا مانوس اور ملا جلا بتایا ہے کہ چند اُردو اشعار کے نمونے پیش کرتے ہوئے لکھدیا ہے کہ یہ رباعی اکبر نے کہی ہے اور یہ اشعار (اُردو) نور جہاں و زیب النسا کے ہیں۔ اہلِ تحقیق کی نگاہوں میں یہ غلط بیانی کوئی وقعت نہیں رکھتی، البتہ یہ بات طے شدہ اور تحقیق کی حد کو پہنچ چکی ہے کہ اُردو زبان کے لئے مختلف قسم کے سامان اب سے بہت پہلے یعنی

مسلمان فاتحین کے ابتدائی حملوں کے ساتھ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے جس کا اثر حضرت امیر خسرو کے زمانے میں یہ ہوا کہ ایک لغت کے مرتّب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر چوں کہ وقتاً فوقتاً جنگ و جدل اور خانہ جنگیوں کی بے اطمینانیاں صدیوں تک پھیلی رہیں اس لئے اورنگ زیب عالم گیر کے عہد تک دکن کے سوا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں کوئی کتابی اور علمی ترقی نہ ہو سکی۔ ہندوستان کے صوبۂ شمال و مغرب میں اورنگ زیب کے بعد چند انے گنے لوگ اس طرف ڈھلے اور انھوں نے اُردو کو سینوں سے نکال کر سفینوں میں رکھنا شروع کیا۔

اُردو کے متعدّد نام

حضرت امیر خسرو کے زمانے میں اُردو کو ہندی اور اُس کے بعد ریختہ کہتے تھے۔ ہندی کہنے کا ثبوت خالق باری میں جا بجا ملتا ہے۔

ارض دھرتی فارسی باشد زمیں ۔۔۔ کوہ در ہندی پہاڑ آمد یقیں
سنگ پتّھر جانیے برکن اٹھاؤ ۔۔۔ اسپ می راں، ہندوی گھوڑا چلاؤ
بہ ہندی زبان خانہ ہم بیت۔ گھر ہے ۔۔۔ چو خوف و خطر بیم ہم ترس ڈر ہے
گرہ عقد باشد بہ تازی ولیکن ۔۔۔ بہ ہندی بود گانٹھ بشنو تو از من

ان اشعار میں۔ پہاڑ۔ گھوڑا چلاؤ۔ گھر۔ گانٹھ۔ کو ہندی زبان کہا گیا ہے، اور آج اسی ہندی کو ہم **اُردو** کہتے ہیں۔

ہندی کے بعد اسی زبان کو ریختہ کہا گیا ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہے کہ

مختلف زبانوں سے اسے ریختہ کیا ہے، جیسے کہ دیوار وغیرہ پر چونے اور دوسرے مسالوں سے ریختہ (استرکاری) کیا جاتا ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ ریختہ گری پڑی اور منتشر چیز کو کہتے ہیں، اس لئے اُردو کو بھی جو متفرق زبانوں سے مل جُل کر بنی ہے ریختہ کہا گیا۔ بہرحال اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے سعدی دکنی (قبل ولی دکنی) کے کلام میں ملتا ہے جن کو ابراہیم عادل شاہ اوّل (۹۹۵ھ ۱۵۸۶ء) کا ہم عہد کہا جاتا ہے۔ اُن کی ایک مشہور غزل کا مقطع یہ ہے:۔

سعدی کہ گفتہ ریختہ، دَر ریختہ، دُر ریختہ　　شیر و شکر آمیختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

عموماً زبانِ نظم کو ریختہ کہا جاتا تھا۔ اور اس کی مثالیں قدما میں اکثر ملتی ہیں۔ میر تقی میر کہتے ہیں:۔

خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہم ریختہ گوئی کے　　معشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا

قائم چاندپوری کا مقطع ہے:۔

قائم میں کیا طورِ غزل ریختہ، ورنہ　　اک بات لچر سی بزبانِ دکنی تھی

لفظِ ریختہ کا استعمال محمد شاہ اور شاہ عالم (شاہان دہلی) کے زمانے تک بالعموم شعرا نے روا رکھا ہے۔ چناں چہ متقدّمینِ دہلی میں حاتم، فضلی، آبرو، میر، سودا، وغیرہم کے کلاموں میں جا بجا موجود ہے۔ یوں کہنے کے لئے مرزا غالب تک نے اس لفظ کو موزوں کیا ہے:۔

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی　　گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا　　اسد اللہ خاں! قیامت ہے

مگر مرزا غالب سے پہلے جس کثرت کے ساتھ مستعمل ہوتا تھا، اب اُسی افراط سے ریختے

کی جگہ اُردو نے قبولیت حاصل کر لی ہے۔

اُردوئے شاہجہانی، اور صحت و فصاحت کے لحاظ سے اُردوئے معلّی بھی اس کے توصیفی نام کہے جاتے ہیں۔ جس طرح ریختہ سے پہلے امیر خسرو وغیرہ نے اُردو کو ہندی زبان کہا ہے، اسی طرح بعض مستشرقینِ مغرب نے بھی اپنے عہدِ ابتدائی میں اُردو کو ہندوستانی سے تعبیر کیا ہے۔ غرضکہ ہندی۔ ریختہ اور ہندوستانی سب اُردو کے نام ہیں۔

دیوانِ اُردو کی ترتیب

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اورنگ زیب عالم گیر سے بہت پہلے، ہمایوں کے عہد سے شاہجہاں کے زمانے تک اُردو کی باقاعدہ شاعری دکن میں شروع ہو گئی تھی۔ چوں کہ یہ کتاب اُردو نثر کے تاریخی و تدریجی حالات میں لکھی گئی ہے اس لئے نظمِ اُردو کے متعلق مختصر بیان سے زیادہ گنجائشِ تحریر نہیں۔ اس ثبوت کے لئے کہ دسویں صدی ہجری میں اُردو شاعری سے صوبۂ دکن اچھی طرح گوش آشنا ہو چکا تھا۔ سعدی دکنی کا نام کافی ہے۔ پھر قطب شاہی سلاطین میں قطب شاہ (متوفّی ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ء اور سلطان محمد قطب شاہ متوفّی ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۳ء) وغیرہ چند والیانِ دکن صاحبِ دیوان گزرے، اور کم و بیش اسی صدی میں سلاطین عادل شاہی (بیجاپور) کے ملک الشعرا نصرتی مصنّف علی نامہ اور ہاشمی وغیرہ بھی صاحبِ تصنیف ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ان سب کی زبانوں میں دکنی لب و لہجہ اتنا غالب ہے کہ آج اُن کا سمجھنا دشوار ہے تاہم اُس طرزِ بیان کا اُردو کے سوا دوسرا نام نہیں رکھا جا سکتا چنانچہ ذیل کے اشعار سے اس کا ثبوت

مل سکتا ہے:-

نبی کی دعا سے برس گانٹھ (سال گرہ) آیا — خوشی کی خبر کے دمامے (نقارہ) بجایا
کرے مشتری رقص مجھ بزم میں نت (ہمیشہ) — برس گانٹھ میں زہرہ کلیان (نام راگ) گایا
صباحی (صبح) وہ ٹک دیکھ پینا شراب — فرح بخش ساعت میں لینا شراب
سکھی تو ہر گھڑی مجھ پر نہ کر غیظ — محبت پر نظر رکھ کر بسر (بھول جا) غیظ
بجے تو دیا زور شمشیر کا — نہ ہر پنجہ ہو تس (اس سے) سے سم شیر کا
دھنی (مالک) تو ہی ہے مسجد و دیر کا — تو ہی ہے سبب صلح ہور (اور) بیر کا
یوں خاصیت ہی عشق کی یاں کوئی کیا کرے — بیگانہ کو یو (یہ) عشق بلد آشنا کرے

نثرِ اردو کی تصنیف کا آغاز

مسلمانوں کے اکثر تاریخی کارنامے انقلاباتِ زمانہ کی دست برد سے دریا برد ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے آتے ہیں کہ شاہجہاں کے عہد میں لشکری زبان کی مناسبت سے اردو بازار قائم ہوا تھا مگر اُس کا کوئی اثر۔ کسی طرح کا کارنامہ، زبانی روایت کو تاریخی درایت بناتا نظر نہیں آتا۔ کاش عرب کے ایامِ جاہلیت کی یادداشتِ انسابِ حیوانی کی طرح اُس زمانے کے افغانی و ایرانی انسان بھی ایسی روایاتِ زبانی کو علم سینہ بہ سینہ بنا کر محفوظ کرتے آتے تو شاید آج تلاشِ حالات میں اتنی دقّت نہ ہوتی اس عدم اعتنا اور بے پروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ فی زمانا ہم میں سے جس کسی ایک کی محدود تحقیقات، اوّلیت کے شمار میں آجاتی ہے وُہی مختتم تحقیقات سمجھی جاتی ہے۔

وسائلِ تحقیقات کی قلّت سمجھیے یا اپنی غفلت، کہ اُردو نثر کا پہلا مرقّع کتابی شمس العلما محمد حسین آزاد نے فضلی کے ترجمۂ دہ مجلس کو سمجھا ہے اور اب تک جس کسی نے اُردو کی تاریخ لکھی ہے اسی تحقیق کو مکمّل جانا ہے اس باب میں مابعد کی تمام تالیفیں تقلیدی ہیں نہ تحقیقی۔ ان مقلّدین میں وہ مصنّفین مستثنیٰ سمجھے جائیں جنھوں نے سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد دادِ تحقیق دی ہو۔

راقم حروف فی الحقیقتہ بہت محدود اور معمولی حرف شناسی کی قابلیت رکھتا ہے لیکن باوجود نااہلی، شوقِ تلاش سے مجبور ہے۔ اہلِ نظر کے سامنے اپنی ناچیز و نامکمّل خدمت پیش کرتے وقت اس کدوکاوش میں رہتا ہے کہ حتّی الوسع حدِّ تحقیق تک پہنچنا چاہیے۔ اس مبحثِ تحقیق میں ابتداءً اپنی پسپائی سے میں بھی طابق النعل بالنعل بنا رہا مگر دل میں یہ خلش برابر جاری رہی کہ جب صوبۂ دکن میں اب سے پانسو برس پہلے کا سرمایۂ نظم دست یاب ہوتا ہے تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بکثرت نہ سہی بہ قلّت ہی نثر اُردو کا کوئی نمونہ نہ ہو؟

بالآخر "جوینده یابنده" یہ خلش دور ہوئی اور سلاطینِ بہمینہ اور اُن کے بعد عادل شاہیوں اور قطب شاہیوں کے عہدوں کی اتنی تالیفیں نظر افروز ہوئیں جن کے سامنے یہ قیاس وہم سے زیادہ وقیع نہیں رہا کہ نثر اُردو کی پہلی تصنیف محمد شاہ کے عہد میں ہوئی ہے۔

اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں، اور پھر لکھتا ہوں کہ اُن پرانی کتابوں کی زبانیں اس زمانے کے لئے یک قلم اجنبی ہیں لیکن جب کہ گیارھویں بارھویں صدی ہجری کا یہ شعر:-

بامن کی بیٹی ایک موری آنکھوں پری ۔۔۔ گالی دیا و غصّہ کیا اور دگر لری

نظم اُردو کے ضمن میں لکھا جاتا ہے تو آٹھویں، نویں صدی ہجری کی یہ عبارتِ نثر:-

"حضرت اپنی مبارک زبان سوں حضرت بی بی عائشہؓ تے کہے ہیں، کُل اصحاباں
ہور خاص اصحاب مجلس میں حاضر تھے۔"

کس زبان سے موسوم کی جائے گی۔

البتہ اُن کتابوں کی طرز نگارش کے متعلق اتنا کہدینا ضروری ہے کہ ابتداءً اُردو نے اپنے زمانے کی مروّجہ روشِ فارسی کو سامنے رکھا ہے۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ ظغرا و ظہوری اور طاہر وحید و بدرچاج کے زمانوں میں فارسی، استعارات و تلازمات کا مجموعہ رہی ہے۔ یک سطری مضمون کو نئی نئی تشبیہات اور رعایتِ لفظی کی پیچ در پیچ الجھنوں کے ساتھ ہزار سطروں میں ختم کیا جاتا تھا چونکہ عجمی تکلف و صناعت کو فارسی کی عذوبت اور فارسی دانوں کی الف و عادت نے مانوس بنا رکھا تھا اس لئے اُس کی عام دل پسندی مسلّمہ ہو گئی تھی۔ اُس کے مقابل میں لاوارث اُردو کہ مالِ یغما سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی اور پھر یہ کہ اس کا سودا سات پانچ کی زبانوں سے مل کر بارہ باٹ ہو رہا تھا کس منہ سے فارسی کی ہمنوائی کر سکتی تھی۔ غرض کہ عہدِ قدیم کی اُردو میں جا بجا تلازمات و رعایات، اور استعارہ در استعارہ کی شان تو قریب قریب وہی ہے جو اُس وقت کی فارسی میں تھی، لیکن نئی اور محدود وسعت و حالت کی وجہ سے کوئی دل کشی و دل آویزی نہیں پائی جاتی۔ اور یہ بات کچھ اُسی زمانے کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ وہ تالیف بھی جس کو تقلیدِ آب حیات اُردو نثر کی پہلی تالیف کہا جاتا ہے اس دلچسپی سے معرا ہے۔ حتّیٰ کہ اُس کے بعد بھی فسانہ عجائب اور آرائش محفل کی طرح تمام مسجّع و مقفّیٰ تصنیفیں اس وقت نامطبوع سمجھی جاتی ہیں۔ بہر حال تاریخی حیثیت سے یہاں یہ دکھانا مقصود ہے

کہ جس نثر اُردو کو اب تک محمد شاہی عہد کا کارنامہ سمجھا جاتا تھا وہ فی الحقیقتہ اس سے تین سو برس پہلے سلطان فیروز شاہ (دکنی) معاصر امیر تیمور (۸۰۱ھ؁ ۱۳۹۹ء؁) کے زمانے کی یادگار ہے۔

نظمِ اُردو کا وجود، تصانیفِ نثر سے قبل دکن میں پایا جاتا ہے اس لئے یہ احتمال ممکن الوقوع ہوسکتا ہے کہ اُس زمانے میں نظم کے ساتھ نثر کی کتابیں بھی لکھی گئی ہوں اور انقلابات کے طوفانوں نے اُن کو کہیں کا کہیں بہا دیا ہو۔ جس طرح مصنف کی زندگی کے ساتھ تصنیف کی ترمیم و اصلاح قائم رہتی ہے اسی طرح اگر ذوقِ تالیف کے ساتھ شوقِ تحقیق بھی جاری رہا تو ممکن ہے کہ آج ہم کو آبِ حیات کی تلاش کے بعد فضلی سے حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز اور شمس العشاق وغیرہم مقدّم نظر آئے ہیں ہمارے بعد دوسروں کے سامنے اور نئی صورتیں رونما ہو جائیں۔

بااین ہمہ اس خصوص میں یہ اعتراف و اعلان ناموزوں نہیں کہ اس وقت تک ہندوستان کے صوبجات شمال و مغرب میں محمد شاہ یا عالم گیر سے پہلے کوئی نمونہ اُردو نثر کا نہیں ملتا۔ فضلی جن کو آزاد نے نثر اُردو کا مؤلفِ اوّل کہا ہے وہ بھی دکنی تھے مگر چونکہ اُن کی کتاب ہندوستان کے اکثر صوبوں میں پہنچ گئی ہے اور اُس کی ترتیبِ نثر قریب قریب وہی شان رکھتی ہے جس کو فضلی کے بعد دوسرے اہلِ قلم نے بھی برقرار رکھا ہے، لہٰذا اُس کو ہندوستان کی شمالی و مغربی تصانیف میں شامل کر لینا بے محل نہیں۔

فضلی سے بیس پچیس برس پہلے اورنگ زیب عالم گیر کے عہدِ آخر میں نارنول ضلع کرنال کے سید جعفر ایک ہنسوڑ اور پھکڑ شاعر گزرے ہیں، جن کے تعارف کو جب تک زٹلّی سے معنون نہ کیا جائے پہچانے نہیں جاتے۔ اُنھوں نے بھی چند خاکے اُردو نثر کے دکھائے ہیں جو دو چار سطروں

سے زیادہ نہیں لیکن وہ سب کے سب حدِّ تہذیب سے باہر ہیں اس لئے اُن کا نمونہ نہ اس کتاب میں لکھا جا سکتا ہے، نہ وہ مستقل تصنیف میں شامل ہونے کے قابل۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ وہ عبارتیں خالص اُردو میں بھی نہیں ہیں۔

ابتدائی اُردو کی کتابوں کے نام

زبان کی ابتدائی سادگی کا ایک نمونہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُس عہد کے مصنّف و مؤلف اپنی کتابوں کے نام خالص اُردو میں رکھا کرتے تھے۔ مثلاً "سب رس" (مولفہ ۱۰۴۵ھ ۱۶۳۴ء) اس نام میں دو لفظ ہیں اور دونوں بھاشا کی ابتدا سے اُردو کے عہدِ حاضر تک روزمرّہ بول چال میں بکثرت شامل ہیں مگر میرا خیال ہے کہ ان سطروں کے پڑھنے تک بعض ناظرین کا ذہن معنی یاب نہ ہوا ہوگا یہ کیا ہے؟ ہمارے پُر تکلّف مذاق کی سادگی سے اجنبیت۔ بہرحال اس کا مفہوم آج کل کے ادبِ لطیف میں "سراپا شیریں" سے ادا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح "پھول بن" ترجمۂ بساتین۔ ترجمۂ ابن نشاطی (۱۰۶۶ھ ۱۶۶۵ء) اور "من لگن" مولفہ قاضی محمود (۱۱۱۲ھ ۱۷۰۰ء) یہ رنگِ سادگی فضلی کے زمانے تک پایا جاتا ہے، انھوں نے بھی اپنے ترجمۂ دہ مجلس کا نام "کربل کتھا" (کربلائی کہانی) رکھا ہے۔

موجودہ اُردو کی ابتدا

نویں صدی اور گیارہویں صدی ہجری سے قطع نظر کرکے ترجمۂ فضلی کے بعد پون صدی تک کوئی نثر کتاب شمال ہند میں نہیں ملتی۔ محمد شاہی زمانے میں اور اُس سے آگے پیچھے دلّی۔ حاتم

آرزو- وغیرہ بکثرت صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں لیکن کسی ایک نے بھی اُردو نثر کی طرف عنانِ توجہ نہیں پھیری- خانِ آرزو سے خواجہ میر حسن بلکہ انشا تک جس نے اُردو زبان یا شعرا کے متعلق کوئی تذکرہ یا کوئی کتاب لکھی تو اُس کی زبان فارسی ہی رکھی-

مغلیہ خاندان کا لبِ بام آفتاب شاہ عالم اور ٹمٹماتا ہوا چراغِ سحری سراج الدین ابو ظفر کا زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں خال خال نثر اُردو کی کتابیں تالیف ہونے لگیں تھیں- اگرچہ وہ کتابیں نہ شاہی دربار سے منسوب تھیں نہ اُن کے حکم و منشا سے لکھی گئی تھیں (جس کا سبب اُن کی برائے نام بادشاہت کی بے اثری تھی) با ایں ہمہ چوں کہ قلعۂ معلائے دہلی میں اُن کی محدود حکومت باقی تھی اور عموماً ہندوستان میں اُن کا نام و ذکر بادشاہوں کی طرح بخلوصِ نیت زبانوں پر جاری تھا اس لئے ایسی کتابوں کو جو حکومت برطانیہ کے باضابطہ احکام و نظام کے علاوہ شائع ہوئی ہیں، انھیں یادگار سلاطینِ مغلیہ سے منسوب کرنا غیر مناسب نہ ہوگا- ایسی کتابوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں، مگر جس قدر بھی ہو قابلِ افسوس ہے کہ اکثر حصہ غیر مطبوع و نامعلوم ہے اور پُرانے خاندانوں میں کہیں کہیں تلاش سے یہ سرمایہ مل جاتا ہے جیسے کہ فضلی کی کربل کتھا یا مرزا رفیع سودا کا ترجمۂ شعلۂ عشق وغیرہ- لیکن یہ سرمایہ بھی گنجِ بادآورد کی طرح افسانہ ہی افسانہ ہے- یہی زمانہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومتِ ہند مضبوط اور مستقل ہوئی اور دوسرے ملکی انتظامات کے ساتھ یہاں کی زبان کے لئے بھی ابتدائی اور عارضی توجہ شروع کی گئی- انھیں توجہات کا نتیجہ ہے کہ ۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۵ء میں پریم ساگر للوجی نے اور چار درویش کا اُردو ترجمہ عطا حسین تحسین نے، اور حکّامِ وقت کے ایما سے میر امّن دہلوی، رجب علی سرور اور شیر علی افسوس وغیرہم نے باغ و بہار، آرائشِ محفل، اور اخلاقِ محسنی (اُردو) وغیرہ

کتابیں ترجمہ وتالیف کیں، اسی سلسلے میں دوسرے اہلِ قلم نے بھی بطور خود اُردو نثر کا سرمایہ تصنیف فراہم کیا۔ یہ سرمایہ نہ صرف قصّوں، کہانیوں تک محدود رہا بلکہ قواعد و لغت اور تراجم مذہبی تک وسعت دی گئی۔ مثلاً شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے فرزندانِ رشید، شاہ عبدالقادر اور مولانا رفیع الدین نے قرآنِ پاک کے ترجمے کئے۔ ان مذہبی واخلاقی مؤلفین و مترجمین کے علاوہ مسٹر جان گلگرسٹ، اور وارن ہیسٹنگز، اور مارکوئس ولزلی وغیرہ مستشرقین و حکامِ بالادست نے خصوصیت سے ترقی اُردو کو ملحوظ رکھا۔ اُردو کی گریمر مرتبہ مسٹر جان گلگرسٹ بھی اسی زمانے (۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء) کی یادگار ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُردو نثر کی نمایاں خدمتیں انگریزی عملداری کے قیام کے ساتھ بڑھتی رہیں۔ اِن خدمتوں اور کارروائیوں کا یہ عام اثر تھا کہ (۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء) میں دہلی سے مولوی محمد باقر والد ماجد شمس العلما آزاد نے ہفتہ وار اُردو اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء سے پہلے تک جاری رہا

عدالتی اور کتابی آسان و سلیس اُردو

بظاہر اُردو زبان کی عام خدمات ہندوستان کے شمال و مغرب میں اٹھارویں صدی عیسوی (۱۷۱۵ء) سے شروع ہوگئی تھیں، مگر یہ واقعہ ہے کہ ۱۷۵۸ء بلکہ اس سے دس پندرہ برس بعد تک جتنی کتابیں نظم اُردو میں لکھی گئیں اور شائع ہوئیں، اُن کا آٹھواں حصّہ بھی نثر میں نہیں لکھا گیا۔ اگرچہ ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء میں اُردو ملکی اور دیسی زبان تسلیم ہوکر فارسی کی جگہ سرکاری دفاتر میں تھوڑی بہت لکھی جانے لگی تھی، اور عموماً سرکاری سمن اور پروانے اور اکثر تجاویز واحکام اُردو میں تحریر ہونے لگے تھے۔ پھر بھی اجنبی ترکیبوں اور عربی فارسی الفاظ کی ملاوٹ سے زبان

میں صفائی اور سلاست پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جس طرح سہ نثر ظہوری، شبنم شاداب اور پنج رقعہ وغیرہ کی عبارتوں میں استعاروں کی بھرمار اور متواتر اضافتوں کی ترکیبیں بکثرت پائی جاتی ہیں اسی طرح اُردو کا ابتدائی طومار نظر آتا ہے۔ ان کاوشوں سے اس وقت اُردو زبان میں کوئی قابل قبول علمی شان پیدا نہ ہو سکی۔ زبانی ادائے مطلب کے لئے عموماً اُردو میں بات چیت کی جاتی تھی، مگر کتابوں اور مضمونوں بلکہ چھوٹے چھوٹے رقعوں اور خطوں میں بھی فارسی زبان لکھی جاتی تھی۔ یہ حالت اب سے پچاس برس پہلے تک ہر ایک پڑھے لکھے خاندان میں موجود تھی اور یونانی اطبا میں اب تک مروّج ہے۔ حکیم صاحب مریضوں سے گفتگو اُردو میں کریں گے مگر ہوالشافی کے بعد جب نسخہ لکھیں گے تو وہی آمیختہ و بیختہ و ریختہ کی گردان کی جائے گی۔

غدر ۱۸۵۷ء سے دس بیس برس بعد جب ملک کے بعض سربرآوردہ اہلِ علم نے اس طرف توجّہ کی اُس وقت سے تاریخی اور علمی کتابوں کے ترجموں نے اس بازاری یا کاروباری زبان کو موجودہ روش پر لانے کی کوشش کی ہے۔

آسان اور قابل تقلید اُردو کے مُصلح

غدر ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ کے قبل آسان اور قابل تقلید نمونے سب سے پہلے مرزا اسد اللہ خاں غالب کے خطوط میں ملتے ہیں۔ میر امّن اور اُن کے معاصرین کی اُردو نثریں اگرچہ، غالب کے خطوط سے مقدّم ہیں مگر وہ جس انداز بیان کی حمایت کرتی ہیں اُن کی تقلید آج کل کے لئے حماقت سمجھی جاتی ہے۔ غالب نے بھی اپنی بعض تقریظوں اور خطوں میں اُردو عبارت آرائی کو سجع اور قوافی

کے دائروں میں تنگ کیا ہے باایں ہمہ اُن کے سرمایۂ خطوط میں کافی مقدار ایسی مراسلت کی موجود ہے جس کا صاف انداز اور عام فہم اسلوب، آج کل کی بہتر سے بہتر اُردو کا ہم ردیف نظر آتا ہے۔

مرزا غالبؔ سے پہلے انشاؔ اللہ خاں نے کتاب دریائے لطافت اُردو قواعد میں لکھی ہے، چوں کہ اس میں قواعد کا بیان فارسی زبان میں کیا گیا ہے اس لئے اس کو اُردو تصانیف میں شامل کرنا بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے البتّہ دریائے لطافت میں جہاں جہاں اُردو کی عبارتیں بطور مثال لکھی گئی ہیں، اُن کے پڑھنے سے یہ اندازہ اچھّی طرح ہوتا ہے کہ اُس وقت بھی اردو زبان میں پوری صفائی اور قابلیتِ بیان پیدا ہو چکی تھی جس کا قابل قدر اور شایانِ تقلید مرقّع مرزا غالبؔ کی جنبشِ قلم کا نقش و نگار ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا حق بجانب ہے کہ موجودہ روش اُردو کے مُصلحِ اعظم مرزا غالبؔ ہی ہوئے ہیں۔

انشاؔ اور مرزا غالبؔ کے بعد جس مصلحِ قوم اور خیر خواہِ ملک نے ہندوستان کی تعلیم معاشرت اور اُردو زبان و طرز بیان پر نہ صرف توجّہ و عنایت کی بلکہ دوامی احسان و کرم کیا، وہ ایک اور صرف ایک جواد الدولہ عارف جنگ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم کی ذات مستجمع الصفات ہے۔ ان سے پہلے (بہ لحاظِ عمر) مرزا غالبؔ نے اُردو خطوط نویسی ضرور شروع کی مگر اُسی کے ساتھ فارسی خط و کتابت سے بھی مانوس و مالوف رہے۔ لہذا اُن کی یہ خدمت اگرچہ ہر طرح سراہنے کے لایق ہے پھر بھی اُس کو ایک محدود خدمت سے زیادہ وسعت نہیں دی جا سکتی۔ لیکن سر سیّد نے جس وقت سے اصلاحِ قوم و ملک کے لئے قلم اٹھایا اپنے آخر دم تک اُردو زبان کے سوا دوسری

زبان کو منھ نہ لگایا۔ اسی التزام و استحکام کا نتیجہ مستقل ہے کہ پھر کسی مصنّف و مؤلف نے فارسی و عربی انداز تحریر کو ملکی و علمی، مذہبی و قانونی۔ غرض کسی قسم کے مبادلۂ خیالات کے لئے موزوں و مناسب نہیں سمجھا۔ چناں چہ اُس وقت سے اس وقت تک کوئی قابل الذکر کتاب یا مضمون موجود نہیں جس میں کسی مشہور مصنف نے اُردو کے سوا دوسری زبان استعمال کی ہو۔

سرسید علیہ الرحمۃ کی دو ابتدائی کتابیں (ترجمہ آئین اکبری و آثار الصنادید) ایسی ملتی ہیں جن میں پُرانی اُردو کی جھلک نظر آتی ہے۔ مگر ان اِنی گِنی تحریروں کے بعد اُس خیر اندیش بزرگ نے اپنی زبردست دماغی قابلیت و بصیرت سے اپنی زبان کو اس طرح مانجھا کہ آج اُسی کوشش و سعی کی بدولت اُردو آب رواں کی طرح بے روک ٹوک ہر طرف جاری ہے۔

"نتیجۂ کلام"

اصولاً ہر زبان کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ اول روزمرہ کی بول چال۔ دوم ادبِ کتابی۔ پہلی قسم تعلیم کتابی کی محتاج نہیں۔ البتہ دوسری قسم کے لئے درس گاہ کے بغیر واقفیت دشوار ہے ضرورت ہے کہ عام تعلیم گاہوں میں اپنی ملکی زبان کی تعلیم و تدریس پر کافی توجّہ کی جائے۔ فسانۂ عجائب، چہار درویش جیسی مقفّی و مسجع تحریریں مدّت سے متروک ہو چکی ہیں اور آئندہ کے لئے بھی امید نہیں کہ توسیعِ زبان کا خیال ان پیچیدگیوں کو روا رکھے۔ ایسی عبارتوں کا نصاب میں داخل کرنا تحصیل حاصل ہے۔ اس بات کا لحاظ سب سے مقدم ہونا چاہیئے کہ جس زبان کی تعلیم دی جائے وہ اپنے ادائے مطلب میں بے حد آسان اور زود فہم ہو۔ ساتھ ہی اس کے یہ خیال بھی لازماً کرنا چاہیئے کہ ہندوستان

میں صرف مسلمان ہی آباد نہیں ہیں بلکہ اُن سے بہت پہلے آریا آباد ہو چکے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے ساتھ عربی، فارسی اور ترکی الفاظ لائے ہیں تو ہمسایہ اقوام کے پاس بھی سنسکرت اور دوسری پراکرتیں موجود ہیں۔ اُردو کے جامہ زیب جسم پر بھاری بھاری لفظوں کا بار ڈالنا اُس کی اصلی اور فطری صورت کا بگاڑ دینا ہے۔ دس بیس برس سے یہ وبائے عام پھیلی ہوئی ہے کہ خاص کدو کاوش کے ساتھ غیر مروّج ترکیبیں اور ناموس عربی و فارسی الفاظ کا استعمال اُردو انشا پردازی کا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی اس حرکت نے ہندوؤں کو بھی نچلا بیٹھنے نہیں دیا اور اب وہ بھی اپنے ہلکے پھلکے بیان کو سنسکرت کے بھاری بھرکم شبدوں (الفاظ) سے ملا کر گھٹل کرتے جاتے ہیں۔ اِسی ضمن میں تیسری روشِ تحریر اُن انگریزی خواں اردو دانوں کی ہے جن کو یہ مرض لاحق ہو گیا ہے کہ اُردو کے ایک لفظ کے بعد جب تک چار لفظ انگریزی کے نہ بولیں صحتِ زبان پر یقین نہیں کر سکتے۔ غرض کہ جس طرح سو برس پہلے مسجّع و مقفّیٰ زبان متروک ہو چکی ہے اِسی طرح بلکہ اُس سے زیادہ التزام کے ساتھ یہ موجودہ خود رو روشیں چھوڑ دینے اور بھول جانے کے لائق ہیں، ورنہ انجام میں کہنا پڑے گا

"نہ اینم شد نہ آنم شد دریغا روزگارے من"

اس کتاب کی حقیقت

اِنسان نے انعاماتِ قدرت سے تمام مخلوقات کے مقابل میں صاحبِ زبان ہونے کا جائز استحقاق حاصل کیا ہے۔ یہ کوئی بے معنی و مہمل منطق نہیں بلکہ واقعی اُس نے اپنی خاموش مگر پر جوش خیالی تصویروں میں آواز و حرکات کی جدّت طرازیوں سے گوناگوں نقش و نگار قائم کر دیے ہیں

پیدا ہوتے وقت اگرچہ مویشیوں کی طرح صوتِ محض پر قادر تھا لیکن بہت جلد اپنی نمایاں ترقی کے گہوارے میں نظر آنے لگا۔ چشم وابرو کے اشاروں اور لب ودہن کی حرکتوں نے اتنے ہاتھ پاؤں مارے کہ گھٹنوں چلنے سے پہلے ذوی الارواح کی صف امتیاز میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ رفتہ رفتہ وہی اشارات وکنایات بولتی ہوئی تصویروں کا مرقع بن گئے، اور وہی پرجوش خاموشی طلسم آفریں بن کر اپنے حکم ناطق سے دوسروں کو مسحور کرنے لگی۔ غرض کہ انسان کے نطق وتکلّم نے اتنی مختلف النوع شکلیں اختیار کی ہیں جن کے شمار واحصا کے لئے یہ صفحات کافی نہیں۔

چوں کہ انسان طبعاً اور فطرۃً تکلّم کی بسم اللہ نثر سے کرتا ہے اس لئے یہاں صرف نثر اردو کے متعلق چند خیالات کا اظہار موزوں ومناسب ہوگا۔

نطقِ انسانی کے مدارج بہرحال تین حیثیتیں رکھتے ہیں:۔

(الف) پیدا ہونے کے بعد رونے یا مہمل اوں ایں، آں کے سوا کوئی مطلب کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

(ب) دودھ چھوٹنے سے دو چار برس تک ادھ کٹے اور نامربوط اسماء وافعال پر زبان قادر ہوجاتی ہے۔

(ج) ۷-۸ برس سے ۲۰-۲۲ برس (زمانۂ تعلیم) تک قوت ناطقہ مکمل ہوجاتی ہے۔

اس تکمیلِ نطق کے بعد ایک تعلیم یافتہ میدانِ عمل میں قدم رکھتا ہے اور اب اُس کی گویائی اُپنے رجحانِ طبیعت اور ودیعتِ فطرت کے مطابق ایک طرزِ خاص اختیار کرلیتی ہے۔

ولادت سے ترکِ رضاعت تک زبان وبیان کے متعلق تفصیل وتمثیل تحصیل حاصل ہے

کیوں کہ ہر متنفس اپنے گھر میں وہ صورتیں دیکھتا رہتا ہے، البتہ تیسری حیثیت جس کا آغاز آٹھ دس برس سے شروع ہوتا ہے بہر نوع قابلِ غور ہے، یہی دفتر ادب کا عنوان ہے اور یہیں سے عروج گویائی کو ارتقائی زینے طے کر کے بام تکمیل تک پہونچنے کا موقع ملتا ہے۔ اب اگر اس موقع پر اصلاحِ زبان اور اس کے تحفظ کا سامان نہ کیا گیا تو زبان کی حیثیت قابلِ اعتماد نہیں رہتی۔

انسانی تکلّم دو صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے یعنی تقریر یا تحریر۔ پھر ان صورتوں سے بہت سے مرقّع بن جاتے ہیں، کبھی زبانِ قلم کے ذریعے سے کتابت کی صورت نظر آتی ہے۔ پھر کتابت کے بعد بھی مختلف شعبے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً عام تصنیف و تالیف، یا کسی عنوانِ خاص پر کوئی مضمون یا مراسلت اسی طرح تقریر کہ وعظ یا لکچر کی صورت میں سُنی جاتی ہے یا معمولی اظہارِ خیالات اور روزمرّہ بات چیت کے لئے لب کشائی کرتی ہے۔

جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ پچاس سو کوس کے دَورِ مکانی سے تکلّم کا لب و لہجہ متغیّر ہو جاتا ہے اسی طرح یہ دیکھا جاتا ہے کہ پچاس سو برس کے تفاوتِ زمانی سے زبان و بیان میں بھی اختیار و ترک اور اضافہ و ترمیم کے ذریعے سے تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔

اِس وقت تک جتنی تالیفات اُردو زبان کے متعلق شائع ہو چکی ہیں اُن میں کوئی کتاب ایسی نظر نہیں آئی جس میں ایسی تبدیلیوں کا مفصّل و مشرّح بیان کیا گیا ہو، پُرانی کتابوں میں صرف دریائے لطافت ایک ایسی تصنیف ہے جس میں انشاء اللہ خاں نے بعض اسالیب بیان کے نمونے دکھائے ہیں مگر وہ محدود اور مختصر تمثیلات اس خیال کی تکمیل نہیں کر سکتیں جس کی ضرورتیں تاریخی حیثیت سے فی زمانا محسوس کی جاتی ہیں۔ راقم حروف نے سالہا سال کی محنت و

کاوش اور تجسّس و تلاش کے بعد یہ سرمایہ جمع کیا ہی جس میں ابتدائے ترویج اُردو سے عہد حاضر تک جس قدر انداز بیان اُردو زبان نے پیدا کیے ہیں، اُن سب کے نمونے اصل کتابوں سے اقتباس کر کے یکجا کر دیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مذہب، تراجم، فلسفہ۔ ہیأت۔ تاریخ۔ تفسیر۔ قانون تقاریظ، ریویو، مراسلات، اخبار، تجاویز عدالت، پروانجات، فنونِ لطیفہ، اور پھر ہر سوسائٹی اور طبقے کی تحریریں اور تقریریں شامل کی گئی ہیں اور یہ سب نمونے جُدا جُدا عنوانوں میں دکھائے گئے ہیں اور ہر نمونے کے ساتھ اُس عہد کے مستعملہ الفاظ کا حوالہ دیتے ہوئے آخر میں بطور تبصرہ و کیفیت قابلِ ترک اور لائقِ اختیار انداز بیان اور رفتار زبان کو حواشی (فٹ نوٹ) کے تحت میں دکھایا گیا ہی۔

میری ناقص تحقیقات میں اُردو کا کتابی دور حضرت امیر خسرو (متوفّی ۷۲۵ھ) سے شروع ہوتا ہے، مگر چوں کہ اِس عہد کی کوئی نثر کتاب اِس وقت تک دست یاب نہیں ہوئی اور اس کتاب میں ہر دعوی تمثیل سے ثابت کیا گیا ہی اس لئے آٹھویں صدی ہجری کو نظم کا ابتدائی دور سمجھ کر نثر کی ابتدا نویں صدی ہجری سے قائم کی گئی ہی۔ ہر صدی کے نمونے نمبروار درج کئے گئے ہیں اور ہر نمونے کے تحت میں جتنے علوم و فنون کے مرقع مل سکے ہیں ضروری تفصیل کے ساتھ (سنہ تالیف۔ زمانۂ مصنف وغیرہ) پیش کئے گئے ہیں۔ چوں کہ ہر دور میں تمام علوم و فنون کی تصنیفات و تالیفات موجود نہیں پائی گئیں اس لئے یہ عذر قابل قبول ہی کہ ہر دور میں تمام علوم و فنون کی ترتیب یکجا نہ ہو سکی۔

نویں صدی ہجری (۸۰۱ھ / ۱۳۹۸ء) سے اس وقت (۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء) تک ساڑھے پانچ سو برس کا

زمانہ ہوتا ہی۔ اس زمانے کو بحساب صدی چھ دوروں میں تقسیم کیا گیا ہی اس طرح پانچ دور تو اپنے تمام ارتقائی مراحل طے کر چکے ہیں، البتّہ چھٹے دور نے ابھی آدھا رستہ لپٹیا ہے اس ناتمام دَور کو بھی مکمّل سمجھنا چاہیئے کیوں کہ بظاہر اسباب آئندہ اُردو زبان میں اگر کوئی اضافہ ہوسکتا ہی تو مغربی اندازِ بیان اور یورپی الفاظ کے فیضانِ عام کا جدید اثر ہوگا نہ مشرقیاتِ کہن کا۔

ان ادوارِ شش گانہ میں جتنے نمونے دکھائے گئے ہیں اُن کی وضاحت ایک مخصوص نقشے میں کی گئی ہے جس میں کتاب کا نمبر ترتیب۔ کتاب کا نام۔ مصنّف کا نام اور اُس کا عہد اور اُس کے بعد عبارت کا اتنا نمونہ درج کیا گیا ہی جس سے پڑھنے والے کو اُس زمانے کی زبان کا اچھی طرح اندازہ ہو سکے گا۔

دَور کا سلسلہ صدی کے ساتھ اور نمونے کا سلسلہ فن کے ساتھ قائم کیا گیا ہی۔ یعنی نمونوں کے تحت میں عام تصنیف و تالیف سے اشتہاروں تک جتنے نمونے مندرج ہیں اُن میں ہر دور کا نمونہ نمبر کی ترتیب سے دکھایا گیا ہی۔ جس کا پتا بالائی حاشیے پر دیا گیا ہی۔ اور ادوار کا سلسلہ ہندسوں کی ترتیب سے نقشے میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس حساب سے ہر صدی کی تصنیف ہر دور کے ساتھ مخصوص ہی۔ نمونے کا سلسلہ ۱۰۰۰ھ سے ۱۳۴۸ھ تک پھیلا ہوا ہی۔ اس التزام سے بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ ہر دور میں کتنی کتابوں کے نمونے اس مجموعے میں مندرج ہوئے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف اب سے سات آٹھ برس پہلے شروع ہوئی تھی، اور دو تین سال کی لگاتار محنت نے اس قابل کر دیا تھا کہ شائع کر دی جاتی مگر بعض موانع ایسے حائل ہوئے کہ یہ خیال پورا نہ ہو سکا۔ اِسی دوران میں حیدر آباد دکن کے دو ایک سفر کیے اور وہاں بعض مجالس

اہلِ ادب میں اس کے مذاکرے ہوئے اور کچھ اجزا اُسنے سنائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس تعویق کے زمانے میں دیگر مصنّفین کی طرف سے ایک کتاب شمالِ ہند سے اور دو[2] رسالے خاص حیدرآباد دکن سے اس مبحث میں شائع ہوگئے۔ مسبوق الذکر کتاب جس کا نام سیر المصنفین رکھا گیا، دو حصّوں میں منقسم ہے، اس کتاب کا اشتہار پڑھکر مجھے اپنی محنت کے ضائع جانے کا اندیشہ ہوا تھا مگر اس کی اشاعت کے بعد وہ باتیں اُس میں نظر نہ آئیں جن کو ایک ناقص کے شوق نے مکمّل کیا ہے۔ اسی طرح موخّر الذکر رسائل جو "اُردوئے قدیم" اور "دکن میں اُردو" کے نام سے شائع ہوئے ہیں، وہ بھی مخصوص دکنی زبان کے مرقّع معلوم ہوے۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ "تاریخ نثر اردو" اپنی طرز، اور اپنے انداز میں مختص النّوع تالیف ہے۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ دوسرے مصنّفین کی طرح میں نے اس کتاب میں زبان اُردو کے متعلق اتنی تفصیل و تشریح سے بحث نہیں کی جس کو مکمّل تاریخ کہا جائے۔ نیز اس مقدمے میں اُردو کے ارتقائی مدارج کو ترتیب وار ظاہر نہیں کیا ہے۔ اس اختصار و اجمال کی وجہ یہ ہے کہ اصل کتاب میں وہ جملہ مواد موجود ہے جس کو پڑھکر ایک معمولی مبصّر زبانِ اُردو کے تمام ضروری حالات سے واقف ہوسکتا ہے۔

دریائے انقلاب اور امواجِ تغیّر کے مدّوجزر نے جتنے جواہر پارے سواحلِ مناظر سے ہم آغوش کردیے ہیں اُن سب دُرہائے ناسفتہ کو مختلف نمونوں کی لڑیوں میں پرو دیا ہے، پھر بھی اس سلسلے کی تمام کڑیاں دستیاب نہیں ہوسکیں اس لئے زمانہ و عہد کی مسلسل ترتیب و تنظیم سے قطع نظر کرتے ہوئے مختلف نمونوں یعنی بعید سے بعید اور قریب سے قریب کی نثریں

پیش کی گئی ہیں، اور تا بمقدور التزام کیا گیا ہی کہ ہندوستان کے مشہور صوبوں سے ہر قسم کی تحریروں کے مرقّع پیشِ نظر ہو جائیں جن میں ہر رنگ اور ہر طبقے کے مشہور و معروف محرّر و مقرّر کی طرزِ نگارش و گزارش موجود ہو۔

سالِ گزشتہ ایک کتاب "پنجاب میں اُردو" کے نام سے شائع ہوئی ہی جس کو فی الحقیقۃ حافظ محمود خاں صاحب شیرانی نے نہایت قابلیت سے مرتّب کیا ہے اس تالیف کا نتیجہ بطورِ لبّ لباب یہ ہی کہ "زبانِ اُردو کا نکاس صوبۂ پنجاب سے ہوا ہی" مجھے یا کسی کو اس اطلاع دہی سے کسی قسم کا اصولی اختلاف کیا ہو سکتا ہے اگر اس دعوے کے ثبوت میں قیاسیات کو یقینیات کا لباس نہ پہنایا جائے اس بات کے تسلیم کرنے میں بھی کوئی تامّل نہیں کہ خواجہ مسعود سعد سلمان معاصر شاہ ارسلان بن مسعود متوفّی ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء نے ہندی کا دیوان مرتب کیا ہو مگر جب کہ اُن کا کوئی مصرع اور فقرہ دست یاب نہیں ہوا تو خواہ مخواہ سات سو آٹھ سو برس پہلے جب کہ سنسکرت یا مقامی پراکرتوں کے سوا کوئی مخلوط زبان مروّج نہ تھی۔ اُردو کا موجد مان لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ صرف اس قیاس پر کہ بیرونی حملہ آوروں نے دہلی سے پہلے لاہور کو دار السلطنۃ بنایا، پنجاب کو مرکزِ اُردو سمجھنا اگر صحیح ہی تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ پہلی صدی ہجری میں محمد قاسم کو بانی مبانیِ اُردو نہ سمجھا جائے۔

بہر حال اپنے تفحّص و تجسّس کے بعد راقم حروف کا ظنّ غالب یہ ہی کہ اگر کسی خادم ادب کے ساتھ زمانے نے مساعدت کی اور اُس نے نیا ریا بن کر سرزمینِ دکن کی خاک چھانی تو محتاج اُردو کے لئے ایک نہیں سیکڑوں اکسیر کے نسخے ایسے ملیں گے جو اس مٹی ہوئی زبان میں تازہ روح پھونکیں گے راقم عاجز کا دعویٰ ہی (اور اس دعوے کے ثبوت میں ہزار ہا تمثیلیں) کہ اُردو زبان کے

لئے ہر حیثیت سے جن میں نہ صرف نظم و نثر کے تمام شعبے شامل ہیں، بلکہ اردو املا و انشا کی اکثر خدمات کے لئے بھی ہندوستان کے صوبجات شمال و مغرب اور پنجاب سے بہت پہلے دکن کی آسمان منزل اور فلک نما سرزمین پر ایسے ہن برس چکے ہیں جن کو آج ہم مغربی و شمالی ہند یا پنجاب کے ٹکسالی سکّے سمجھے ہوئے ہیں۔ اِن باتوں کو خیالی تکّے نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ صبر و اطمینان سے آئندہ صفحات کو بالاستیعاب پڑھکر یقین کرنا چاہیئے کہ :۔

یہیں آغاز ہوا تھا یہیں ہوگا انجام
اس تناسب سے دکن مخرج و مخزن ہوگا

اِس مجموعے میں جس قدر نمونے لکھے گئے ہیں۔ اُن میں اکثر غیر مطبوعہ بھی ہیں، جن کو راقم نے مختلف کتاب خانوں سے بلا واسطہ خود نقل کیا ہی۔ اور حتّی الامکان کوشش کی ہی کہ کوئی حرف کوئی نقطہ اپنی طرف سے بڑھایا نہ جائے۔ البتّہ پرانی کتاب کی روش کو جا بجا موجودہ طرزِ کتابت کے مطابق لکھا ہی یا پُرانی ترکیب کے ساتھ نئی طرزِ املا کو قوسین میں ظاہر کر دیا ہی تاکہ عہدِ حاضر کے ناظرین کو اجنبیتِ املا سے اُلجھن پیدا نہ ہو۔

بخلوصِ دل عموماً اُن سب مالکانِ کتب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنی کتابوں سے نقلیں حاصل کرنے کی اجازت عطا کی، اور علی الخصوص محترمی مولوی عبدالحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو کا مرہونِ منّت ہوں جن سے نہ صرف مفید مشورے حاصل ہوئے بلکہ انھوں نے رسالۂ اردو کے ذریعے سے ایسی کتابیں شائع کیں جن سے اس کتاب میں قدیم ترین اردو کے نمونے فراہم ہو سکے، اور جن کی بدولت تاریخِ اردو کا مستند سرمایہ وقفِ عام ہو سکا۔

امید ہے کہ یہ انتخاب، نظری کر دینے کے قابل نہ ہوگا، بلکہ اصولِ علم اللسان پر نظر رکھنے والے اِس تاریخی مواد میں اُردو طلبہ کے لئے بہت زیادہ مفاد پائیں گے۔

نقشِ اوّل میں بہت کچھ موشگافیاں ممکن ہیں، لیکن ایک بے بضاعت کے ساتھ اگر دوسرے اہلِ نقد و اربابِ نظر کی توجّہِ قلم شاملِ حال رہی تو آئندہ اور مفید اضافے بآسانی ممکن ہو سکیں گے۔

نقّاشِ نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل

اور

ہنوز آں ابرِ رحمت دُرفشانست ۔۔۔ مے و مے خانہ با مُہر و نشانست

راقم

احسن مارہروی

پہلا دور

عام تصنیف و تالیف

از

۸۰۰ھ ۱۳۹۸ء تا ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	معراج العاشقین	حضرت بندگی مخدوم ابوالفتح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز متوفی ۸۲۵ھ ۱۴۲۲ء	۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء	نبی علیہ السلام کے، انسان کے بوجنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی۔ نفس اس کا امّارہ یعنی واجب کی آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو۔ حرص کے کان سوں غیر نہ سنا سو۔ حسد نک سوں بدبوئی نہ لینا سو۔ بُغض کی زبان سوں بدگوئی نہ لینا سو۔ کینہ کی شہوت کوں۔ غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا۔ نبض پچھان کو دوا دینا۔ طبیبِ عشق را دکّاں کدام است علاجِ جاں کند ادراچہ نام است

پیر منع کئے سو پرہیز کرنا۔ مراقبے کی گولی مشاہدے کے کانسے میں میکائیل کی مدد کے پانی سوں جلی کا کاڑا کر کو پیلانا۔ سگن کا کاڑا دینا۔ نرگن ہوا تو توشفا پاوے گا۔ طبیب فرمائے تیوں پرہیز کرے تواتے بھی طبیب ہووے گا۔ ہور ماٹی میں ماٹی۔ ماٹی میں پانی۔ ماٹی میں آگ، ماٹی میں بارا۔ ماٹی میں خالی۔ اِن پانچ عناصران کا واجب الوجود یو جا تو معرفت تمام ہوا۔

تبصرہ و کیفیت

اس دور میں اس ایک مصنف کے سوا کسی اور کی تالیف اب تک دست یاب نہیں ہوئی "اردوے قدیم" میں شیخ فریدالدین گنج شکر (متوفی ۶۶۶ھ/۱۲۶۹ء) اور خواجہ چراغ دہلی مرشد اخی سراج (متوفی ۷۵۸ھ/۱۳۵۶ء) کے دو ایک اردو زبان کے فقرے لکھے ہیں، یعنی حضرت شیخ شکر گنج کا ارشاد "پنچ سر کے" اور دوسرے بزرگ کا فرمودہ "تم اوپر ڈے تلے" مگر اُن کو اردو کی مستقل تالیف نہیں کہا جاسکتا۔

زیر نمونہ کتاب انجمن ترقی اُردو کی طرف سے ۱۳۴۳ھ میں اورنگ آباد دکن سے شائع ہوئی ہی جس کے متعلق یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تصنیف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی نہیں۔ اس باب میں مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو نے اس کتاب کے مقدمے میں مفصّل بحث کی ہی جس کے بعد یہ شبہ رفع ہو جاتا ہی اور ماننا پڑتا ہی کہ اگر یہ کتاب حضرت گیسو دراز کی مؤلفہ نہیں، تو اُن کے کسی ہم عصر یا اُس سے قریب زمانے کی تصنیف ضرور ہے۔ یہ چھوٹا سا رسالہ ۱۸ × ۲۲ کی تقطیع پر (۲۹) صفحات میں ختم ہوا ہی اس سلسلے کے علاوہ ان بزرگ سے اور رسائل

وتراجم بھی دکنی اُردو میں منسوب کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں جو اجنبی اور نامانوس الفاظ آئے ہیں اُن میں سے چند الفاظ مع مترادفاتِ حال ذیل میں لکھے جاتے ہیں، جن سے قدیم یا دکنی اُردو کا اندازہ ہوسکے گا۔ اور انہیں الفاظ کو پہلے دور کا استعمال مانا جائے گا۔

شمار	لفظ قدیم	لفظ حال	شمار	لفظ قدیم	لفظ حال
۱	بوجنا	بوجھنا۔سمجھنا	۲۱	لگ	تک
۲	کوں	کو	۲۲	تے	سے
۳	ہور	اور	۲۳	اپسکوں	اپنے کو
۴	پیلا	پہلا	۲۴	آنا	لانا
۵	آنک	آنکھ	۲۵	کیاں	جمع کی
۶	سوں	سے	۲۶	انگے	آگے
۷	دیکھناسو	دیکھنا	۲۷	دُسرا	دوسرا
۸	نک	ناک	۲۸	اندھارا	اندھیرا
۹	بدبوئی	بو۔ بدبو	۲۹	نہن	نہیں
۱۰	جاگا	جگہ	۳۰	اسے	یہ
۱۱	کیے	کیا	۳۱	اچھنا	ہونا
۱۲	تیوں	تو	۳۲	ناکو (نکو)	نہ۔ نہیں
۱۳	اُنے بھی	وہ بھی	۳۳	باج	بغیر
۱۴	معرفیت	معرفت	۳۴	دسنا	دکھائی دینا
۱۵	عناصراں	عناصر۔عنصر	۳۵	بیٹ	بیٹھ
۱۶	سِگُن	تشبیہ	۳۶	پھنگ	مطلق
۱۷	کاڑا	گھولواں۔ ملاہوا	۳۷	ہت	رضا ۔ مرضی
۱۸	نرگُن	تنزیہ۔ پاک	۳۸	ستی	سے
۱۹	ماٹی	خاک۔ مٹی	۳۹	منا	منع
۲۰	بارا	ہوا (بیار)	۴۰	بوجے سو لوگا	علما۔ ماہر۔ جاننے والے

دوسرا دور

سنہ ۹۰۱ھ (۱۴۹۵ء) سے سنہ ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۲ء) تک

نمبر	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	شرح مرغوب القلوب	حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری متوفی ۹۰۲ھ ۱۴۹۶ء	قبل ۹۰۱ھ ۱۴۹۵ء	فہرست ابواب پہلے باب میں توبہ۔ دوسرا باب طریقت کا پہچانت کرنا نفس، دل، روح، سر، ذات، شریعت، حقیقت، معرفت اوپر، تیسرا باب وضو کا، چوتھا باب دنیا، ترک دنیا۔ پانچواں باب تجرید ہور تفرید۔ چھٹا باب اپنی پچھانت سوں نور محمد کا اس پچھانت میں بیجنا۔ ساتواں باب عشق کا۔ اٹھواں باب معشوق۔ نواں باب فنا ہور بقا ہونے کا۔ دسوال باب سفر کا۔

عبارت متن کتاب

پیغمبر کے بج کچ کام کرے گا کوئی خدا نانوں نالے کر تو او کام پائمال ہوگا۔ سرانا، نوازنا خدا کو بہوت کہ او پالن ہارا ہی عالم کا۔

نمبر	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	کلمۃ الحقائق	شاہ برہان الدین جانم خلف میراں جی شمس العشاق بیجاپوری متوفی ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء	قبل ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء	اللہ کرے سو ہووے کہ قادر، توانا سوے کہ قدیم القدیم قدیم کا بھی کرن ہار سہج سہج سو تیر اٹھار و سہج ہوا بھی تو ج بھی باوجود ماں کچھ نہیں بھی تھا تھیں۔ دوجا شریک کوئی نہیں۔ ایسا حال سمجھنا خدا تھے خدا کوں، جس پر کرم خدا کا ہوئے۔ سوال:- یہ تن الادھا (علیحدہ) بلکہ ستنتر یکار روپ دستا ہی۔ یک تل قرار نہیں جیوں مرکٹ روپ۔ جواب:- اے عارف! ظاہر تن کے فعل تے گزریا۔

وباطن کرتب دستے۔ اس کا قانون سو ممکن الوجود۔ دوسرا تن سو بھی کہ اس ایندرین کا بکاز و جیشٹا کرن ہارا سو وہی تن نہیں تو یو خاک وسوکھ و دوکھ بھوگن ہارا۔ جتیا یکار روپ وہی دوسرا تن تو توں نظر کر دیکھ یہ تن فہم سوں گزریا۔ تو گن اُس کا کیوں رہے۔

تبصرہ و کیفیت

اس دور میں بھی دو تصنیفوں سے زیادہ کتابیں اس وقت تک دست یاب نہیں ہو سکیں

یہ گمان قرینِ قیاس ہے کہ اس دور میں دو سے زیادہ اور بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہوں گی مگر چونکہ اس مجموعے میں نمونے کے بغیر کسی کتاب کے وجود کو زیبِ داستان بنانا منظور نہیں اس لئے حاضر کے سوا غائب کا ذکر فضول ہے۔

مبصرینِ زبان کو اس دور کا لب ولہجہ پہلے دور سے متغائر نظر نہ آئے گا بلکہ جابجا نوعیتِ مضامین کے لحاظ سے پہلے دور کے مقابل میں بعض اسالیبِ بیان اور الفاظ نئے معلوم ہوں گے۔ لہذا دورِ اوّل کے مستعملہ الفاظ کو چھوڑ کر بعض نئے الفاظ ذیل میں لکھے جاتے ہیں، جن کا استعمال دونوں صدیوں میں یکساں سمجھنا چاہیے۔

شمار	لفظ قدیم	لفظ حال	شمار	لفظ قدیم	لفظ حال
۱	پچھانت	پہچان	۱۳	جیو	جی
۲	بینا	سمانا۔ شامل ہونا	۱۴	انو کیاں	ان کے پاس
۳	جے کچ	جو کچھ	۱۵	انو ھتی	معرفت
۴	نانوں	نام	۱۶	تُون	تو
۵	نالے کر	نہ لے کر	۱۷	مُنج	میں (شامل)
۶	بھوت	بہت	۱۸	اے ایمانی	مومن
۷	او	وہ	۱۹	اپڑ	پہنچ۔ حصول
۸	سرانا	سراہنا	۲۰	جھالاں	بوچھاڑ۔ پانی کا جھلا یا جھالا
۹	لوگاں	لوگ	۲۱	نپگرٹا	بچہ۔ اولاد
۱۰	کہیا ہے	کہا ہے	۲۲	اندھلا	اندھا
۱۱	انوں	اُن	۲۳	پہلے پہلیں	پہلے پہل
۱۲	ہمنا	ہم	۲۴	بی	بھی

تیسرا دور

سنہ ۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ء سے سنہ ۱۱۰۱ھ ۱۶۸۹ء تک

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	عبارت نمونہ
نمبر ۱	گنج مخفی، در محبت شاہد و مشہود	حضرت شاہ امین الدین اعلیٰ گجراتی بیجاپوری متوفی سنہ ۱۰۸۶ھ ۱۶۷۵ء نبیرہ شمس العشاق	تقریباً سنہ ۱۰۱۰ھ ۱۶۰۱ء	اللہ تعالیٰ گنج مخفی کوں عیاں کرنے چاہا تو اوّل اُس میں سوں یک نظر نکلی، سو اُس سوں اپین دیکھ ہوا اپین شاہد کوں کہتے ہیں۔ یہ دونوں ذات کے دو طور ہیں، ذات نے اپس کوں دیکھا، اسے نظر کہتے ہیں، دیکھکر گواہی دیا تو اُسے شاہد کہتے ہیں، یو (یہ) تینوں مرتبے ذات کے ہیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	شرح تمہید ہمدانی یعنی شرح تمہید	حضرت میراں جی صاحب یا شاہ میراں جی حسن خدانما متوفی سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء	حدود سنہ ۱۰۱۳ھ ۱۶۰۴ء	خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قاضی عین القضات کو کہے کہ تمیں کئے سو کتاب مُنجے دکھلاؤ، تو کتاب دیکھکر بہوت خوش ہوئے، ہور کہے کیا خوب بیان میرے نور کا ہور خدا کے نور کا کیے۔ ہور اے کہنا بھی میرا چ ہے۔ اے تمیں ایک ہے ہیں، تمیں جوں پاناہی یوں پائے۔ دے ہر کسی کوں اے نکو کہو۔ جسے اس کی قدر معلوم ہوگی اسے کہو۔ ہور بھی کوئی طلب رکھے گا تو اُسے بھی کہو۔ دے اس جنس سوں تعلیم دیو۔ جوں دودھ پیتیا سو نہنوا کوں ہیڑا روٹی کھانے کے لائق کرتے ہیں یوں کر دجیوں میں

کیا ہوں۔ بار خدا جی کچ اس حقیقت کا راز مُنجے معلوم تھا سو بولیا۔ کیا ہی کہ اس میں مقصود خوب ہی
کر۔ تو میں تیرے یہاں پناہ منگتا ہوں، کہ اس میں خطا ہور خلل ہور سہو مُنجے ہوا ہی سو اوُ مُنجے بخش
قاضی عین القضات کی دوستی۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر۳	احکام الصلوٰۃ - موافق مذہب حنفی	مولانا عبداللہ صاحب قطب شاہ	۱۰۳۲ھ ۱۶۲۲ء	بات کرنے سوں نماز جاتا ہی۔ نماز میں آدمیاں کی مثال دعا منگنے نماز جاتا ہی۔ واہ کہنے سوں نماز جاتا ہی۔ دردسوں یا مصیبت سوں نماز جاتا ہے۔ نماز میں کسی موت کی خبر سُن کر قالو انا للہ و انا الیہ راجعون بولتے سوں نماز جاتا ہی۔ مصحف دیکھ دیکھ کر پڑنے سوں نماز جاتا ہی۔ قہقہہ ہنسنے سوں نماز جاتا ہی۔ ...... روح قبض ہوا اُسی وقت اُس کیاں انکھیاں سوچنا ہور پاؤں دراز کرنا ہور ہاتھ دراز کرنا دونوں پہلو کی طرف، ولیکن سینے پر نار کھنا، ہور اس کی ٹھوڑی ہور سر کوں ملا کر بندنا۔ یو سب سنّت ہی۔ ہور مرنے تے

اوّل اس کے سر کوں قطب کی طرف سلانا ہور موئے بعد از اُسے غسل دنیا اس طریق سوں۔"

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
۴	سب رس	ملا وجہی معاصر و مداح سلطان عبد اللہ قطب شاہ متوفی سنہ ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء	حدود سنہ ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۴ء	تمام مصحف کا معنی الحمد للہ میں ہی مستقیم۔ ہور تمام الحمد للہ کا معنی بسم اللہ میں ہی قدیم۔ ہور تمام بسم اللہ کا معنی بسم اللہ کے یک نقطے میں رکھا ہی کریم۔ سمجھ! دیکھ!! خاطر لا۔ آتاں تال حدیث بھی یوں ہی کہ :۔ العلم نقطة وكثرها جهال یعنی علم ایک نقطہ ہی، جاہلاں اُسے بڑھائے جہالت کوں اس حد لگن تک لے آئے، ہور فارسی کے دانش منداں جنوں سمجھتے ہیں باتاں کے بنداں اُنو کوں یوں بھایا ہی، انو میں بھی یوں آیا ہی کہ "اگر در خانہ کس است ایک حرف بس است"۔ ہور شہر گوالیر کے چاتراں گنُ

کے گُراں انو بھی بات کوں کھولے ہیں، یوں بولے ہیں۔ فرد۔

پوتھی تھی سو کھوٹی بھئی پنڈت بھیا نہ کوئے

ایک ہی اچھر پیم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے

قدرت کا دھنی سہی۔ جو کرتا سو سب وہی۔ خدا بڑا، خدا کی صفت کرے کوئی کتیک، وحدہٗ لاشریک

ماں نہ باپ، آپیں آپ۔ پروردگار سنسار کا۔ سرجن ہار۔ جتی جے کوئی قدرت دھرتا ہے۔ صفت اُس کی اپنے پُرتے کرتا ہے۔ وہ بے حداس کی صفت کوں کاں حد۔ احد۔ صمد، لم یلد ولم یولد ؎

کسے ہے حد جو خدا کی صفت کی حد پاوے

ہر ایک بال کوں گر سو ہزار جیب آوے

سبب تالیف کتاب و مدح بادشاہ

سلطان عبداللہ، ظل اللہ، عالم پناہ، صاحب سپاہ، حقیقت آگاہ، دشمن پردر۔ ثانی سکندر، عاشق صاحب نظر، خطرے تے باخبر۔ صورت میں یوسف تے اگلے۔ آدم بے ہوش۔ پتھر پگھلے، حکمت میں افلاطون شاگرد سخاوت میں حاتم کا کھوئے برد، شجاعت میں رستم گرد۔ عالی ہمت غازی مرد۔ دارادر ، فریدوں فر۔ کلیم بیان مسیحا دم، مرّیخ صولت، زہرہ عشرت۔ خورشید عَلَم۔ صبح کے وقت بیٹھے تخت، یکایک غیب سے کچھ رمز پاکر۔ دل میں اپنے کچھ لاکر وجہی نادر فن کوں دریا دل گوہر سخن کوں حضور بلائے، پان دیے بہوت مان دیے۔ ہور فرمائے کہ انسان کے وجود میں کچھ عشق کا بیان کرنا، اپنا ناٗوں عیاں کرنا، کچھ نشان دہرنا۔ وجہی بھوگی گُن بھرا تسلیم کر کر سر پر بات دھرا۔ بہوت بڑا کام اندیشا۔ بہوت بڑی فکر کرا۔ بلند ہمتی کے بادل تے دانش کے میدان میں گفتاراں برسایا۔ قدرت کے اسراراں برسایا۔ بادشاہ فرمائے پرچیتا، نوی تقطیع بیتا۔ کہ آگے کے آن ہارے ہمیں بھی کچھ تھے کر سمجھیں بارے۔ ہمارے گن کوں دیکھے سو ہمنا دیکھے۔ گنگا دیکھے جمنا دیکھے۔ ہمنا تے بھی آگے تے سوانو کا کچھ بھی تیز کریں، ریاضت

ہماری شفقت ہماری چیز کریں۔ عاشق کوں عاشق جاننا۔ عاشقوں کوں عاشق پہچاننا۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

زینتِ سخن و تسمیۂ کتاب

یو قدرت اللہ ہی، یو اسرار اللہ ہی، یو ہاتف اللہ ہی، لا الہ الا اللہ، یو عجیب کتاب ہے سبحان اللہ۔ اس کتاب کا نانو سب رس۔ سب کوں پڑھنے آوے ہوس۔ بول بول کوں جڑے اس۔ یادگار رہوا اچھے گا دنیا میں کئی لاکھ برس۔ بہوت بہوت شیریں بہوت بہوت لذیذ، عاشقوں کے گلے کا تعویذ، یو کتاب سب کتاباں کا سرتاج، سب باتاں کا راج، ہر بات میں سو سو معراج۔ اس کا سواد سمجھے نا کوئی عاشق باج۔ اس کتاب کی لذت پانے عالم سب محتاج۔ کیا عورت کیا مرد۔ جس میں کچھ عشق کا درد۔ اس کتاب کوں سینے پرتے ہلاسے نا۔ اس کتاب بغیر کوئی اپنا وقت بہلاسے نا جو کوئی پڑھے گا، جنس جنس کا اثر جھڑے گا۔ جو کوئی سمجھے گا اس کا معنیٰ، کیا حاجت ہے اسے کیف کھانا۔ یو کتاب عاشقوں کا جیو صاحب، معشوقوں کا یار مصاحب۔ ایسے خوش باس پھولاں، اچھوں کسی نہیں ملے، سنگتے دل میں بھرے اُساس۔ کاں ہے وہ پھول جس پھول میں ایسی باس۔ جو کوئی یو کلام سنے گا، پڑھے گا۔ ہور فاتحہ نہ پڑھے گا تو وہ بے خبر خام ہی، اُس کی دانش پر اس بات کا لذت حرام ہی، کیا واسطہ کہ یو بات نہیں۔ یو تمام وحی ہی الہام ہی، جیسے خدا کی محبت سوں عوض ہی، اُس پر ہمارا فاتحہ فرض ہی، اگر ممات ہی تو ادھر کا سعادتی، و اگر حیات ہی تو ادھر

کی سلامتی کا۔ اگرکسی میں سخن شناسی ہور اسرار دانی ہی تو یو کتاب گنج العرش بحر معانی ہی۔ جتیا کوئی طبیعت کے کواڑ کھولے گا اس کتاب میں نہیں سو بات کیا بولے گا۔ جو کچھ آسمان ہور زمین میں ہے سو اس کتاب میں ہی۔ جو کچھ دنیا ہور دین میں ہی سو اس کتاب میں ہی۔ ہر کوئی فصیح اس فصاحت کوں اس نہایت سوں نہیں کیا۔ اس دھات بات کو سلاست نہیں دیا۔ ہر ایک بشر کا کام نہیں، ہر یک باخبر کا کام نہیں۔ جتنے ہوشیاراں، جتیے فہم داراں۔ جتیے گن کار آئے ہوئے، سن! اس لگن کوئی اس جہان میں، ہندوستان میں، ہندی زبان سوں اس لطافت اس چھنداں سوں نظم ہور نثر ملا کر گلا کر یوں نہیں بولا۔ اس بات کوں اس نبات کوں یوں کوئی آب حیات نہیں گھولا۔ یوں غیب کا علم نہیں کھولا۔

تبصرہ و کیفیت

صدیوں کے حساب سے جو دور قائم کئے گئے ہیں اُس ترتیب کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اُردو کے لئے یہاں تک تین دوروں کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہی۔ جن کو پڑھ کر کافی طور سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ اگر ان عہدوں کے نمونے بکثرت دست یاب ہو جاتے تو اُن سب کا اندازِ تحریر بھی یہی نظر آتا۔ لہٰذا مزید کاوش و تفتیش کا التوا اس تالیف کے لئے نامناسب نہیں۔ بقول مشہور " اگر در خانہ کس است یک حرف بس است "

ان صفحات تک جتنے نمونے درج ہوئے ہیں اُن میں ایک کتاب احکام الصلوٰۃ کے سوا (جو مؤلف " دکن میں اُردو " کی تحقیقات کا نتیجہ ہی) سب کتابیں انجمن ترقی اُردو

کے نامور آنریری سیکرٹری کے فیضانِ عام نے تشنہ لبانِ تحقیق تک پہنچائی ہیں۔

اِن تینوں دوروں کے نمونے اگرچہ جنوبِ ہند سے تعلّق رکھتے ہیں لیکن تطابقِ زمانی کے لحاظ سے، نیز اس خیال کے ماتحت کہ اُردو کا مرکزِ اصلی ہندوستان میں دہلی کو کہا جاتا ہی اور یہ کہ وہی خطّہ شہاب الدین غوری کے بعد سلاطینِ اعظم کا پایۂ تخت مانا جاتا ہی، اور اُسی کے شعبے جنوب، پنجاب اور بنگال تک پھیلے ہوئے ہیں، ان نثروں کو باتّباعِ عہدِ سلاطینِ دہلی اُردوئے تیموری، اُردوئے بابری، اُردوئے ہمایونی، اُردوئے اکبری، اُردوئے جہانگیری اور بالآخر اُردوئے شاہجہانی کہا جاسکتا ہی۔

اِس خیال کو مقدمے میں بھی مختصراً ظاہر کیا گیا ہی اور تقویتِ یادداشت کے لئے پھر لکھا جاتا ہی کہ اُردو کی تصنیف و تالیف کا پتا امیر خسرو کے عہد سے چلتا ہی، اور یہ بھی تاریخوں سے ثابت ہی کہ محمد تغلق متوفی ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء کے عہد میں حسن گنگو نے دکن میں اپنی جداگانہ سلطنت قائم کرکے دفاترِ سرکاری میں فارسی کی جگہ ملکی زبان مُروّج کردی تھی۔ اس تغیر کو دیکھتے ہوئے یہ خیال قرینِ قیاس ہی کہ دکن میں دیسی زبان کی کتابت ۷۴۸ھ / ۱۳۴۷ء (سنہ جلوس حسن گنگو) کے بعد شروع ہوگئی ہوگی وہ زبان کیا تھی؟ اِس تحقیقات کی یہاں چنداں ضرورت نہیں جب کہ ہم بدایتہً ۶۹۸ھ / ۱۲۹۸ء سے دکنی اُردو کے ایسے نمونے دیکھ رہے ہیں، جن میں بکثرت گجراتی مرہٹی، تلنگو، تامل وغیرہ زبانوں کے الفاظ اپنی خاص طرز ادا کے ساتھ مستعمل ہونے لگے تھے اگرچہ اُس زبان کے سمجھنے والے اِس زمانے میں کم یاب ہیں مگر قرائن و قیاسات کی مدد سے شمالِ ہند کے رہنے والے بھی اس زبان کو اُردو کی ابتدائی زبان کے سوا کسی اور لقب سے

ملقّب نہ کریں گے۔

جنوبی ہند میں یہ اثر صرف شاہانہ حمایت اور دفتری زبان ہونے کے سبب سے نظر آتا ہے اگر یہی صورت دہلی و نواح دہلی میں بھی نقش پذیر ہو جاتی تو امیر خسرو کی کہہ مکرنیوں اور خالق باری کی طرح محمد تغلق کے عہد سے سرمایۂ نثر بھی جمع ہونا شروع ہو جاتا۔

مرقومۂ بالا ادوار میں جتنے نمونے پیش کئے گئے وہ سب دکنی اردو کے نمونے کہے جا سکتے ہیں۔ اُن کے زمانی تغیرات کا انتخاب اور زبانی تبدیلیوں کا شمار نہ صرف شمالِ ہند کے لئے بلکہ خود جنوب ہند کے واسطے بھی مفید وقت نہیں کیوں کہ ایک دراز مدّت سے یہ انداز بیان دکن میں بھی مفقود و متروک ہے۔ تاہم اُن نمونوں سے چند الفاظ اقتباس کر کے یکجا لکھے گئے ہیں جن سے ہر دور اور عہد کے خصائصِ امتیازی معلوم ہو سکیں گے یہ معلومات وقتی لحاظ سے شاید کارآمد نہ ہو لیکن تاریخی نقطۂ نگاہ سے یقیناً بصیرت افروز ہے۔

مقرّرہ شمار کے لحاظ سے یہ دور تین صدیوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر ان زمانوں کی زبانوں میں کوئی بیّن اور مابہ الامتیاز فرق نہیں نظر آتا ہے۔ بجز اس کے کہ ایک دور کے مقابل میں دوسرے دور میں بعض الفاظ کی کمی بیشی ہو گئی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ نقشوں اور جدولوں سے معلوم ہوگا۔ تیسرے دور کی کتاب سب رس کا انداز بیان اپنے متقدّم نمونوں سے ضرور جُدا نظر آتا ہے۔ اور اس کی مقفّیٰ و مسجّع عبارت پڑھ کر کہا جا سکتا ہے کہ شمال ہند میں جب اُردو نثر نویسی کی ابتدا ہوئی ہوگی تو اغلباً اسی قسم کا تقلیدی نمونہ سامنے رکھا گیا ہوگا۔ بایں ہمہ اس کی

زبان بھی بہت قدیم ہے، سیکڑوں الفاظ اور بہت سے محاورے ایسے پائے جاتے ہیں جو اس وقت سمجھ میں نہیں آتے۔ محاورات وغیرہ کی اجنبیت کے علاوہ زبان کی صرف و نحو میں بھی اس وقت کی زبان سے بہت فرق ہے۔ جس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اکثر عربی الفاظ کے املا کو سادہ کر دیا ہے، یعنی جس طرح سے بولے جاتے تھے ویسے ہی لکھ دیے ہیں۔ جیسے نفع کو (نفا) وضع کو (وضا) یا (وزا) واقعہ کو (واقا) منع کو (منا) وغیرہ

(۲) مؤنث میں فعل کی جمع جیسے اصیل عورتاں ملنتیاں ہیں، دین و ایمان پہچانتیاں ہیں۔

(۳) اضافت کی جمع 'کی' کے عوض (کیاں) اس کی کو (اسکیاں) وغیرہ

(۴) جتنی۔ ایسی۔ جیسی کی جمع (جتنیاں، ایسیاں، جیسیاں) وغیرہ

(۵) "کر" کا استعمال۔ جیسے دانا ہمنا رہنما کر جانے گا۔ اگر بولوں گا دشمن کر جانے گا

(۶) "سی" مستقبل کے لئے جیسے خدا کوں اس نظر سے دیکھیا نا جاسی (دیکھنا چاہیئے)

(۷) اردو الفاظ کی تکرار سے جو معنی تمام و کمال کے پیدا ہوتے ہیں، جیسے گھر گھر۔ در در وغیرہ۔ قدیم دکنی اردو میں ان دو لفظوں کے درمیان حرف (ے) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً گھرے گھر۔ درے در۔ ٹھارٹے ٹھار۔ رگے رگ وغیرہ

(۸) مانگنا یا منگنا بمعنی چاہنا، جیسے اگر منگتا ہے دل میں محبت بھرے تو شراب پی۔

(۹) الفاظ کی تذکیر و تانیث کا امتیاز اور لحاظ اکثر نہیں کیا جاتا تھا۔ شراب۔ خبر۔ صورت دنیا۔ جان وغیرہ کو جو بالاتفاق مؤنث ہیں، مذکر لکھا ہے۔

(۱۰) اکثر نظموں میں بحریں ہندی (بھاشا) ہوا کرتی تھیں۔

(۱۱) عروض و نظم کے اصول و قواعد کی مطلق پروا نہیں کی جاتی تھی۔ اکثر مصرع کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیا جاتا تھا اور ضرورتِ شعری کے لئے لفظوں کی ہیأت بدل دی جاتی تھی۔ ساکن کو متحرک۔ متحرک کو ساکن کر دینا اور امالہ و اشباع کا بے تکلف استعمال معمولی بات تھی۔ اسی قسم کی اور بھی خصوصیات ان عہدوں کی طرز بیان میں پائی جاتی ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ انشا کے علاوہ املا میں بھی اس زمانے کی تحریروں کے خلاف بعض صورتیں نظر آتی ہیں۔ کرتا کی جگہ کیتا۔ مانگنا کے عوض منگنا۔ کیہری بجائے کی۔ انکھیں۔ مترادف آنگے۔ کوایا بمقابلہ کھایا دکھایا گیا وغیرہ۔

اس سے پہلے دورِ اوّل و دوم کے پرانے الفاظ کی مختصر فہرست لکھی گئی ہے۔ چوں کہ اب تیسرے دور پر وہ طرز انشا و املا قریب قریب ختم ہوتی نظر آتی ہے اس لئے گزشتہ فہرستوں سے زیادہ الفاظ لکھ کر پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے ان تینوں زمانوں کے انداز تحریر اور اسالیب بیان کا کافی امتیاز ہو سکے گا۔

نمبر	لفظ قدیم	لفظ حال	مثال و کیفیت	نمبر	لفظ قدیم	لفظ حال	مثال و کیفیت
۱	اچاوے	اٹھائے		۲۱	چینٹرو	گیند	
۲	انگھیں	آگے	عشق کے اگیں ہی کیا فہام	۲۲	چاک	چکھ	
۳	الادھا	علیحدہ		۲۳	دھاوے	ڈورے	دھادیں چاپڑوں ڈھیر
۴	ابھال	بادل		۲۴	دھیر	طرف	
۵	ایلاڑ پیلاڑ	ورے پرے۔ اِدھر اُدھر		۲۵	سوکھ	سکھ	
۶	اتال	اب۔ سمجھ۔ پہچان		۲۶	سٹ دینا	پھینک دینا	
۷	ایسیچ	ایسے ہی	دکن میں ابھی بولتے ہیں	۲۷	سمجاہ	سمجھا	جس کو اللہ دیوے راہ
۸	بہوت	بہت		۲۸	سپت	سات	اس کو دیوے سب سمجاہ
۹	بھٹنت	بھٹی۔ تعریف		۲۹	سمدر	سمندر	
۱۰	بیدھن	چوٹ (چرکا)		۳۰	سہاناچتور	سیانا چتر	چتر یعنی ہوشیار
۱۱	بُورا (واو معروف)	برا		۳۱	سنا	سونا (طلا)	
۱۲	بیسنا	بیٹھنا۔ سمانا		۳۲	سگلا	سب	سگلا عالم کیا ظہور
۱۳	پنگڑا	بچہ	مال اور پنگھڑے تمہارے دشمن ہیں	۳۳	فہام	فہم	
				۳۴	کیری	کی	صفت کروں میں اللہ کیری
۱۴	بھنس	بڑھل					
۱۵	ترت	تیز	ترت کریں یاج	۳۵	کوایا	کھا گیا	تو احمد نام کوایا
۱۶	تھے یا تھی	سے		۳۶	کنیک	کس طرح	
۱۷	جستھیں	جس سے	جستھیں سمجھیں راہ	۳۷	کٹنت	کمی	
۱۸	جھاڑ	درخت	اب بھی بولتے ہیں	۳۸	کیلی	کنجی	سب کی کیلی تیرے ہاتھ
۱۹	جتیے	جتنے	جس قدر	۳۹	گل	گلے	سور کے گل باندھا
۲۰	چندنیاں	ستارے		۴۰	گدھڑے	گدھے	گدھڑے پر قرآن لادا

۴۱	گھوڑ	کوڑی	
۴۲	لگن	تک	
۴۳	لوڑے	چاہیے	جس کو لوڑے دیوے
۴۴	مارگ	راستہ	مارگ اب بھی دیہاتی بولتے ہیں
۴۵	ہیں	مچھلی	جانے جل کا مارگ ہیں
۴۶	نیڑے	نزدیک	
۴۷	نہات	نہایت	
۴۸	نٹھاس	بھاگ	
۴۹	وزاں	وضع	
۵۰	ہمن - ہمنا	ہم	
۵۱	یکھادا	ایک آدھا	
۵۲	یو	یہ	
۵۳	جنوں	جو	
۵۴	باتاں	بات	دکن میں اب بھی بولتے ہیں
۵۵	بنداں	راز - بھید	
۵۶	انوں	اُن	
۵۷	چاتراں	ہوشیار	
۵۸	گن کے گراں	استاد	
۵۹	انیو	وہ بھی	

۶۰	سہی	صحیح	
۶۱	برتے	بوتا - طاقت	
۶۲	کاں	کہاں	
۶۳	وجود دیکھ	وجود ہی	
۶۴	بھوگی	لینے والا	
۶۵	گن بھرا	پُر کار	
۶۶	اندیشا	سوچا	
۶۷	نوی	نئی	اب بھی بولتے ہیں
۶۸	تھے کر	جان کر	
۶۹	بتیا	بنایا	
۷۰	چیز کریں	قدر کریں	
۷۱	امس	موتی	
۷۲	بہوتیچھ	بہت ہی	
۷۳	ہلاسے نا	ہٹا نہ سکے	
۷۴	کیف کھانا	غم کھانا	
۷۵	خوش باس	معطر	
۷۶	اُساس	آہ بھرنا	
۷۷	کیا واسطا	کس واسطے	
۷۸	دھات	طرح	
۷۹	چھنداں	نظم	
۸۰	گلا کر	سموکر	

چوتھا دور

سنہ ۱۱۰۱ھ سے سنہ ۱۲۰۱ھ تک
۱۶۸۹ء — ۱۷۸۶ء

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	صرف و نحو ہندوستانی	جان جوشوا کیٹلر - سفیر ولندیز - متوفی سنہ ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء JOHN JASHUA KATTLER	۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۵ء	ترجمۂ دعا حضرت عیسیٰ[۱] ہمارے باپ کہ وہ آسمان میں ہی، پاک ہوئے تیرے نام، آوے ہم کوں ملک تیرا، ہوئے راج تیرا جوں اسمان تو جمین (زمین) میں روٹی ہمارے نہ تھی، ہم کو آس دے اور معاف کر تقصیر اپنی ہم کوں جوں معاف کرتے اپرے قرض داروں کوں، نہ ڈال ہم کوں اس وسوسے میں، بلکہ ہم کوں گھس کر اس برائی سے، تیری ہی بیچنی؟ سواری؟ عالمگیری حمایت

میں - آمین -

۱؎ رسالہ اردو جنوری سنہ ۱۹۲۴ء

تبصرہ و کیفیت

مسلمانوں کے بعد ہندوستان میں اہلِ یورپ کے قدم کس وقت آئے اس بیان کی یہاں بالوضاحت ضرورت نہیں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ سولھویں صدی عیسوی (سنہ ۱۵۰۰ء کے بعد) کی ابتدا میں وہ تجارت جو باب عرب، بحیرۂ قلزم اور خلیج فارس سے ہو کر دنیا کے تین بڑے بڑے براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر پرتگیزوں کے قبضے میں جا پہنچی اور اس کے بعد پرتگیز نرے تاجر ہی نہیں رہے بلکہ فاتح کی حیثیت میں نظر آنے لگے۔ اگرچہ پرتگیز ہندوستان میں کچھ دنوں اپنی بہار دکھا کر چل دیے لیکن یہ سن کر حیرت ہوگی کہ سترہویں نیز اٹھارویں صدی میں پرتگالی ہندوستان کے ایک بڑے حصّے کی عام اور مشترک زبان تھی۔ خصوصاً بنگال اور جنوبی ہند میں، اور ان مقامات میں جہاں غیر ملکیوں کی آبادیاں اور کارخانے تھے۔ کپتان ہملٹن جو ہندوستان میں سترہویں صدی عیسوی کے آخر تک تھے اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ :- "سمندر کے سواحل پر پرتگیزوں نے اپنی اپنی زبان کی یادگار چھوڑی ہے اگرچہ وہ بہت بگڑی ہوئی ہے تاہم یہ وہ زبان ہے جسے یورپین سب سے اوّل سیکھتے ہیں تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے اور ہندوستان کے مختلف باشندوں سے گفتگو کرنے کے قابل ہوں۔" مسٹر لاکیر (LOCKYER) جو اسی زمانے کے شخص ہیں اور جن کی کتاب ہملٹن کی کتاب سے سترہ سال یعنی ۱۱۲۳ھ میں شائع ہوئی لکھتے ہیں

"پرتگیز بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ اُنھوں نے ہندوستان کے تمام بندرگاہوں میں ایک مشترکہ زبان قائم کردی ہے جو دوسرے یوروپینوں کے لئے بہت کارآمد ہے۔

اس مختصر بیان کے پڑھنے کے بعد شبہ نہیں رہتا کہ پرتگالی کا جب اس قدر زور تھا تو ملک کی زبانوں پر اُس نے ضرور اثر ڈالا ہوگا۔ یوں تو پرتگالی کا اثر تمام ہندوستان پر پڑا لیکن جنوبی ہند کی زبانیں، مرہٹی، بنگالی، آسامی، اڑیا، اور اردو (ہندوستانی) نے کم و بیش خاص طور پر اثر قبول کیا، چناں چہ سیکڑوں الفاظ ایسے پائے جاتے ہیں جن کی اصل پرتگالی ہے اور اُردو میں بے تکلّف بولے جاتے ہیں، بلکہ بعض الفاظ تو ایسے بولے جاتے ہیں جن پر اجنبی ہونے کا گمان تک نہیں ہو سکتا اور اُردو میں ایسے گھُل مل گئے ہیں کہ بالکل ٹکسالی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اچار۔ آیا (کھلائی) الماری۔ باسن۔ بالٹی۔ اسپات (فولاد) بما۔ پاؤروٹی۔ پیچ پیپا۔ پستول۔ پولیس۔ تولیا۔ ساگو۔ صابون۔ فالتو۔ فرما۔ کمرہ۔ کپتان۔ کارتوس کاج (بٹن کا) قمیص۔ میز۔ مستول۔ نیلام (لیلام) وغیرہ۔

فرانسیسی اور ولندیزی (ڈچ) بھی ہندوستان میں آئے مگر اُن کی زبانوں کا اثر ہماری زبان پر کچھ نہیں ہوا اور جو کچھ ہوا بھی تو اس قدر خفیف کہ وہ قابل لحاظ نہیں۔ انگریز سب سے بعد آئے لیکن رفتہ رفتہ وہ ایسے پھیلے اور اُن کے قدم ایسے جمے کہ سارے ملک کے مالک ہو گئے اُن کی زبان کا اثر اُردو زبان اور ادب پر مستقل ہوا۔ لیکن انگریزوں سے قبل بھی بعض یورپینوں نے اُردو زبان کی تحصیل میں کوشش کی اور اس پر کچھ رسالے اور کتابیں بھی لکھیں۔ اگرچہ وہ ادبی لحاظ سے زیادہ قابلِ وقعت نہیں، لیکن تاریخی نظر سے ضرور قابلِ لحاظ ہیں۔

انھیں کتابوں میں سے زیر تبصرہ کتاب (صرف و نحو ہندوستانی) ہے۔ دوسری کتاب اس کے چار سال بعد جان فریڈرک فرز کی شائع ہوئی، جس کا دیباچہ شلزے نے لکھا ہے اُس میں علاوہ اور مضامین کے حضرت عیسیٰ کی دعا کا ہندوستانی ترجمہ تلفظ کے ساتھ دیا ہے۔ جس کو یوں شروع کرتا ہے:-

"آسمان پو (پر) رہتا سو ہمارا باپ، تمارا (تمھارا) نانوں پاک کرنے ہونے دیو، تماری پادشاہی آنے دیو" وغیرہ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یورپین مصنّفوں کا یہ ابتدائی دور تھا، جس میں انھوں نے اردو زبان اور قواعد کے متعلق بہت سرسری، اور صحیح غلط معلومات بہم پہنچائیں۔ اس کے بعد جو دور آتا ہے اُس میں ان کی معلومات زیادہ واقفیت اور صحت پر مبنی ہیں۔

اس دور سے پہلے تصنیف و تالیف کے جتنے نمونے مندرج کئے ہیں عموماً جنوبی ہند کے مصنّفین کی قلم کاریاں ہیں۔ شمالی ہند کی کوئی کتاب گیارہویں صدی ہجری تک نہیں ملتی۔ جان جوشوا کیٹلر کی اردو عبارت، شمالی ہند کے اندازِ بیان سے جدا ہے البتّہ دکنی اردو سے کچھ نہ کچھ ملتی جلتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ جب غیر ملکیوں کی یہ کوشش رفتارِ زمانہ کے مطابق عام طور سے دیکھی گئی ہوگی، اُس وقت شمالی ہند کے اہلِ قلم بھی دوات قلم سنبھال بیٹھے ہوں گے۔ جس کا ثبوت آئندہ صفحات پر ملے گا۔ یہ امر بھی خلافِ قیاس نہیں کہ اہلِ یورپ کے عہدِ تصنیفات سے پہلے یا قریب قریب اُسی زمانے میں موجودہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے مصنّفین نے تھوڑی بہت کتابیں اردو میں لکھی ہوں، مگر چونکہ

دستبُرد زمانہ سے اُن کا کوئی اثر آج نہیں ملتا اس لئے اس قیاس پر زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا۔

تلاش و جستجو سے یورپین مصنّفین کے دو چار نمونے اور بھی اس عہد کے مل سکتے ہیں مگر چوں کہ وہ اسی قسم و انداز کے ہوں گے، لہذا ایسی سعی و جستجو تحصیل حاصل سمجھی گئی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	طوطی نامہ	محمد قادری	۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ع	پچھے (پیچھے) سین (سے) طرح طرح صفت و ثنا پیدا کرنے والے زمین و آسمان کی کیفیت و حقیقت یو (یہ) ہی کہ داستان قصّہ ہا و حکایات حضرت نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کوں بیچ طوطی نامے کے ساتھ عبارت سخت و دقیق کے لکھے ہیں۔ اُس کے تئیں مفصّل بیان وار واسطے معلوم ہونے تمام لوگاں کوں محمد قادری نیک کرے اللہ تعالیٰ مرتبہ اُنو (اُن) کا بیچ عبارت

سلیس اور آسان کے کہ ملی ہوئی اوپر عبارت خطاں کے ہوئے و روزمرّہ جواب و سوال کہ دولت منداں کے تئیں لائق ہوئے، لکھے ہیں۔

تبصرہ و کیفیت

یہ نمونہ رسالہ "اُردو" کے اپریل نمبر ۱۹۲۵ء سے نقل کیا گیا ہی۔ اس ترجمے کے متعلق اِہی

نمبر کے صفحات ۲۶۷ تا ۲۷۱ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اہلِ قلم اس ترجمے کو محمد قادری کی جگہ قادر بخش کا بتاتے ہیں اور بعض دونوں ناموں کو ایک مسمّیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔ نیز ایک اطلاع یہ ہے کہ ابن نشاطی معاصر عبداللہ قطب شاہ نے بھی طوطی نامہ نخشبی اردو دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس بحث کو چھوڑ کر کہ محمد قادری اور قادر بخش، دو ہستیاں تھیں یا تنِ واحد، مندرجۂ بالا نمونے کا طرزِ بیان یہ بتاتا ہے کہ یہ ترجمہ محمد قادری کا نہیں ہے۔ اوّل تو پرانے طریقۂ بیان میں اپنے نام کے ساتھ مترجم و مؤلف انکسار آمیز الفاظ ضرور لکھتے تھے، دوم یہ کہ اپنے لئے تعظیمی ضمائرِ جمع کا استعمال نہ ہوتا تھا۔ یہ دونوں پابندیاں اس ترجمے میں نہیں۔ بہرحال ہم نے یہ سمجھ کر کہ ہمارے مقرر کردہ ایک دور کا نمونہ ہے اس لئے اُنْظُرْ مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرْ مَنْ قَالَ (اسکو دیکھو کہنے والے کو نہ دیکھو) کے تحت میں نقل کر دیا گیا۔

نمبر	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	کربل کتھا۔ ترجمہ روضۃ الشہدا۔ بارہ مجلس	شاہ فضل علی المتخلص بہ فضلی اورنگ آبادی (دکن)	۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲ء	اس کا سبب تالیف کا یہ تھا کہ قبلۂ حقیقی اور کعبۂ تحقیقی میرے نواب مستطاب معلی القاب اعنی نواب بابام اشرف علی خاں سلمہ اللہ الملک المنّان ہر سال تعزیہ ابو عبداللہ الحسین علیہ الصلاۃ والسلام کا بخلوصِ نیت اندرونِ محل بوجہ احسن بجالاتا تھا اور بندۂ حقیر پر تقصیر حسب الارشاد اُس قبلہ گاہ کے روضۃ الشہدا کا خلاصہ کہ سب نکتہ سنجانِ مناقبِ شاہِ لافتی انے اور سب دقیقہ فہمانِ مصائبِ سیدالشہدائے واقعہ شہادت کربلا کا اس میں لکھا ہے سناتا تھا۔ لیکن معنی اُس کے عورتوں کی سمجھ میں نہ آتے

تھے، اور فقرات پرسوز و گداز اُس کتاب مذکورہ کے بسبب لغاتِ فارسی اُن کو نہ رُلاتے تھے۔ اکثر اوقات بعد کتاب خوانی، سب یہ مذکور کرتیں، کہ صد حیف و صد ہزار افسوس، جو ہم کم نصیب عبارت فارسی نہیں سمجھتے، اور رونے کے ثواب سے بے نصیب رہتے ہیں۔ ایسا کوئی صاحب شعور ہووے کہ کسی طرح من وعن ہمیں سمجھاوے اور ہم سی بے سمجھوں کو سمجھا کر رلاوے۔ مجھ احقرِ افقر کی خاطر میں گزرا کہ اگر ترجمہ اس کتاب کا برنگینیِ عبارات اور حسنِ استعاراتِ ہندی قریب الفہم عامہ

مومنین و مومنات کیجیے، تو بموجب اس کلام بانظام کے مَنْ بَکٰی عَلَی الْحُسَیْنِ اَوْ تَبَاکٰا وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ (یعنی جو شخص رویا اوپر حسین کے یا جس نے رونے کی شکل بنائی اس کے واسطے جنت واجب ہوگی) بڑا ثواب لیجیے کیوں کہ اس فائدۂ سبحانی اور اس مائدۂ ربانی سے زن و مرد، پیر و جواں، خواندہ ناخواندہ اور خرد و کلاں کو بہرۂ فاضل اور نصیبۂ کامل ہووے۔ اور ہر ایک بے خبر اس دردِ پرسوز اور اس خبرِ غم اندوز کو سن کر اور سمجھ کر رووے۔ پھر دل میں یہ گزرا کہ ایسے کام کو عقل چاہیے کامل۔ اور مدد کسو طرف سے ہووے شامل۔ کیوں کہ بے تائیدِ صمدی اور بے مددِ جناب احمدی یہ شکل صورت پذیر نہ ہووے۔ اور گوہرِ مراد رشتۂ امید میں نہ پرووے۔ لہٰذا پیش ازیں کوئی اس صنعت کا نہیں ہوا مخترع، اور اب تک ترجمۂ فارسی بعبارت ہندی (اردو) نثر نہیں ہوا مستمع پس اس اندیشۂ عمیق میں غوطہ کھایا اور بیابانِ تامل و تدبیر میں سرگشتہ ہوا۔ لیکن راہ مقصود کی نہ پائی ناگاہ نسیمِ عنایتِ الٰہی گلشنِ افکار پر اہتزاز میں آ، یہ بات آئینۂ خاطر میں منھ دکھلائی کہ یہ فکر عظیم بغیر امداد ارواحِ مقدس حسنین علیہما السلام حسب خواہش محبوں کے سرانجام نہ پاوے۔ چوں ذکر حسنین علیہما السلام کی مدد کا ذہن نشیں ہوا، وہیں دل کو تقویت ہوئی۔ پھر خاطر میں گزرا کہ قادرِ حقیقی اور خالقِ تحقیقی نے ذاتِ انسانی کو ایسی قدرت کرامت کی ہے کہ جیسے کام پر طبیعت اور توجہ کو مصروف رکھے، البتہ معطل و موقوف نہ رہے۔ اور انصرام کو پہنچے۔ اے دل! الحکم اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ (یعنی کوشش اپنی طرف سے اور اس کوشش کا تمام ہونا اللہ کی طرف سے ہے) اس سعادتِ عظمیٰ اور اس عبادتِ کبریٰ کو خاطرِ امید میں موافق دھر، اور اس میدانِ فصاحت و بلاغت کو ساتھ تائیدِ عنایاتِ صمدی کے طے کر۔ اور بمقتضائے حدیث

اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ (نیکی کا محرک نیک کام کرنے والوں کی طرح ہوتا ہے) امید ثواب دھر-
ایک رات بعد کتاب خوانی اور سینہ زنی کے ایک فاتحہ مخفی اس کام بانظام کے لئے پڑھا-
دو ہیں برکت اور میمنت فاتحہ سے مجھ بے دل کے دل کو ایک انشراح اور افتتاح ظاہر ہوا
پھر ساتھ نظر تامل اور تفکر کے مطالعہ لَا تَتَحَرَّکُ ذَرَّۃٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (کوئی ذرہ بغیر حکم خدا حرکت
نہیں کرتا) کا کر، سو گیا میں- اُسی رات واقعہ (خواب) میں دیکھتا ہوں کہ گویا ایک طرف بمع اخوان
ذی شان و دوستان بہتر از جان، سیر کو جاتا- مابین راہ کے ایک شخص اجنبی نے کہا کہ اوّل روضۂ
مقدس حسنین علیہما السلام کی زیارت کر جا- میں بخواہشِ اتم اور بخوشی اکمل اس روضۂ منوّر میں گیا
دیکھتا ہوں کہ عمارتِ باہدایت اس مکانِ لطیف کی بعینہ مانند عمارت حضرت قدم شریف کے
کی ہے- اور متصل دیوار کے دو قبریں نہایت ملی ہوئی باہم جوں قافیہ در دیف ہیں- ایک یا لشت
بھر سرھانے کی طرف سبز ہے اور ایک، اُسی دستور، سُرخ- میں نے باادب تمام اور بصدقِ تام فاتحہ
پڑھ- سرھانے کی طرف بیٹھ- مناقب شروع کیا- جوں مجھے وہ معراجِ بلند حاصل ہوا- دو ہیں میرے
فلکِ چشماں سے رونا نازل ہوا- یکایک اُن مرقدوں سے دو دستے نرگس کے نہایت تر و تازہ
نکلے، تب میں نے یہ دعا مانگی کہ یا امامین علیہما السلام ایک دستہ اور عنایت ہووے- کہ میرا صدق
دل مجھ پر ثابت ہووے، کیوں کہ میں پنج تن کا خادم ہوں- معاً مانگنے اس دعا کے ایک دستہ
اور تر و تازہ نکلا- حاصل الامر میں تا شام اُسی درگاہ ملک بارگاہ میں رہا، اور دل میں کہا کہ اے
فضلی تو ایسی جنابِ مستطاب اور ملجاؤ مآبِ عالم و عالمیاں سے کہاں جاتا ہے اور پھیر (پھر) اپنے
تئیں چاہِ دنیا میں پھنساتا ہے، یہیں رہ، اور مت جا- اس قصد کو مصمم کر و ہیں رہا، یکایک

بعنایتِ ایزدی اور بہدایتِ احمدی ایک جوان ریش وبرودت آغاز انھیں قبروں سے نکلا ایک عبا کہ رنگ اُس کا مجھے یاد نہیں اوڑھے ہوئے دونوں قبروں پر سوار، مجھے خبر نہ تھی کہ وہاں کے خادموں نے کہا۔ اے فضلی دوڑ کہ حضرت امام حسینؑ یہی ہیں۔ یہ سنتے ہی بشادی تمام دست و پا گم دوڑا۔ دیکھا اُس جمالِ جہاں آرا کو کہ مانند مہر منوّر اور ماہِ انور کے برج روضہ مقدّس کو روشن کیے ہوئے بیٹھے روتے ہیں، اور گوہرِ غلطان صدف رخسار آبدار پر بہے ہیں میں دیکھتے ہی اُس جمال باکمال کو تصدق ہو قدموں پر گر کر، یہ التماس کیا، کہ یا حضرت حق تعالیٰ نے میری یہ مراد دی جو پیشانی اِن قدموں مبارک پر ملی۔ لاکن باعث رونے اور مجھ سے نہ بولنے کا کیا۔ یہ کہتا تھا اور آنکھیں اپنی تلووں میں ملتا تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص میرے ہی ساتھ کا آیا اُس نے کہا کہ بھائی! اور آشنا تمھارے سب سوار ہو گئے، اور تم اب لگ (تک) یہیں بیٹھے رہے، بلکہ تمھاری سواری کا گھوڑا بھی گیا۔ جوں میں نے یہ سنا کہ گھوڑا گیا، خوش ہوا اُسے جواب دیا کہ بھلا ہوا گیا، لیکن میں تو یہاں سے نہ گیا ہوں نہ جاؤں گا۔ غلامی اس جناب کی قبول کی، یہیں کماؤں گا۔ تب آپ زبانِ اعجاز بیان سے فرمائے، اٹھو تو جا۔ پھر آئیو! میں نے بہانا کیا کہ یا حضرت اب تو سواری میری کا گھوڑا بھی گیا اور میں تو یہ قدم چھوڑ نہ جاؤں گا۔ پھر زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ باہر ایک پالکی سبز دھری ہے اُس پر سوار ہو کر جا۔ پھر دل حکم نہ کر سکا اور عرض کیا کہ یا حضرت اگر پھر آؤں تو تحفہ شہر سے واسطے نثار کے کیا لاؤں، حکم ہوا کہ کئی رُپے اور ایک کپڑا جھالردار، اور ایک کُپّی تیل کی، اور ایک پڑی مسّی کی۔ تصدق ہو آداب رخصت بجا لایا، باہر گیا اور اسی پالکی پر سوار ہو چلا۔ وہیں آنکھ میری کھُل گئی، دیکھتا ہوں کہ

وقتِ نماز ہی، اُٹھکر بعد ادائے فرض کے دو رکعت شکر بجالایا - یہ گوہر گراں بہا، ذکرِ خواب بتائید بحرِ رحمت الٰہی صدقِ امید سے سلکِ عبارت مین منسلک ہوا، وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا (اللہ کافی ہی شہادت کے لئے) کہ مبرّا از کذب و گزاف ہی بموجب نصِّ صحیح کہ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت) و معہذا تہمت بر جناب امام حسینؑ باعثِ کفر بلاخلاف ہی۔ اگرچہ مجھ نالائق روسیاہ اُس منظر سبحانی کے دیدار مطلع الانوار دیکھنے کی لیاقت کہاں رکھتا تھا، لیکن اُس کے فضلِ خاص اور فیض عام سے بعید نہیں۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

یہ رسالہ مسعودہ اوپر بارہ[۱۲] مجلس اور ایک خاتمے کے ہی۔ اس کے تصنیف کی تاریخ یوں لکھی ہی۔

یہ جو نسخہ ہوا ہی اب تصنیف ہر کسبِ ثواب و فیضِ بشر
چاہا تاریخ اس کی بولی سُرُش شیعیوں کی نجات کا منظر
۱۱۳۵ھ

اور اب نظر ثانی کر، کمیّت و کیفیتِ مضامین و ہندی اصطلاحات و استعاراتِ رنگیں اصلاح دیا اس تاریخ نے صفحہ دل پر جلوہ دیا۔

ہر کس از من کند بہ نیکی یاد
۱۱ ھ ۶۰
بجہاں نامش ہم بہ نیکی باد

تبصرہ و کیفیت

یہی وہ کتاب ہی جس کو مصنفِ آب حیات کی تحقیقات کے اعتماد پر اُردو نثر کی پہلی تصنیف

کہا جاتا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر تاریخ کا سلسلۂ تحقیق منقطع کر دیا جائے اور ابتدائی کڑیوں کو درجہ بدرجہ انتہائی حلقوں تک پہنچانا مناسب نہ سمجھا جائے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس اُردو نے شمالی ہند میں بخصوصیت قبولِ عام حاصل کیا اُس کا نمونۂ اوّل یہی کتاب ہی۔ لیکن اصولاً محققین زبان اس بات کو نہیں مان سکتے، اور جب تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے گا تو بغیر کسی تاویل وتامّل کے کہنا پڑے گا کہ نثر اُردو کی ابتدا کو اب سے پہلے ساڑھے پانچ صدیاں گزر چکی ہیں جن کا ثبوت قرائن وقیاسات نہیں بلکہ بدیہی مشاہدات علی التواتر دے رہے ہیں۔

اس کتاب (کربل کتھا یا ترجمۂ روضۃ الشہدا) کے مترجم کا تخلص تو یقیناً فضلی ہی مگر یہ متحقّق نہیں کہ یہ وہی شاہ فضل اللہ اورنگ آبادی ہیں جن کو مؤلّف تذکرۂ محبوب الزمن (شعرائے دکن) نے نقشبندی اور حنفی لکھا ہی یا کوئی دوسرے بزرگ ہیں، مندرجۂ بالا دیباچے سے مترجم کا شیعہ ہونا ثابت ہی اور یہ ظاہر ہی کہ تشیّع کو نقشبندی اور حنفی سے کوئی مناسبت نہیں مؤلّف تذکرۂ مذکور نے نقشبندی فضلی کی فہرستِ تصنیفات میں اس کتاب کا ذکر نہیں کیا، مگر ولی دکنی کے تذکرے میں لکھا ہی کہ "ولی کی دہ مجلس کو فضلی شاعر نے نظم سے نثر کیا، ولی کی کتاب مشہور ہونے نہیں پائی تھی کہ فضلی کی دہ مجلس محمد شاہی عہد میں معروف ہو گئی اور سب نے مان لیا کہ شہدا کے بیان میں یہی پہلی کتاب ہی کہ اُردو میں لکھی گئی۔

محمد شاہی عہد سے متّصل اور بارہویں صدی ہجری کے آخر تک جتنے تذکرے اُردو شعرا کے حال میں لکھے گئے ہیں اُن میں۔ تذکرۂ فتح علی حسینی گردیزی۔ نکات الشعرا میر تقی میر۔ تذکرۂ شعرا میر حسن۔ مخزن نکات، قائم چاندپوری چمنستانِ شعرا، شفیق اورنگ آبادی

کی ورق گردانی کی گئی۔ فضلی کا تخلص تو ان سب تذکروں میں با ختلاف اسما ملتا ہی مگر کہیں اس تصنیف کا مذکور نہیں۔ تیرھویں صدی ہجری کے تذکرہ نویسوں نے اکثر فضل علی یا فضل اللہ کے ناموں سے فضلی کو منسوب کیا ہی۔ خصوصاً تذکرۂ شعرای ہند مترجمہ و مؤلفہ مسٹر ایف فیلن و مولوی کریم الدین میں مفصّل حالات لکھے گئے ہیں جس سے صرف اتنا پتا چلتا ہی کہ فضل علی فضلی محمد شاہی عہد میں موجود تھے، اور یہ ترجمہ انھیں کا کیا ہوا ہی۔ فضلی نے اس کتاب کے دیباچے میں بسلسلۂ سبب تالیف جن نواب صاحب کا نام لکھا ہی اُن کا اتا پتا بھی نہیں چلتا۔ شرف علی خاں کی جگہ اشرف علی خاں متخلص بہ فغاں کا نام بعض تذکروں میں آتا ہی جن کو احمد شاہ کا کوکا بتایا گیا ہی۔ مگر اُن کا عہد محمد شاہ کے بعد ہی اس لئے اُن کے تخلص و نام کے ضمن میں یہ تفتیش بھی نتیجہ خیز نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال فضلی کی شخصیت اس وقت تک غیر متعیّن نظر آتی ہی۔ اس عدم تعیّن کی ایک وجہ فی الحال یہ بھی ہو سکتی ہی کہ کربل کتھا کا مکمل نسخہ کم یاب ہی۔ ڈاکٹر فیلن یا مولوی کریم الدین اپنے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ "اس کتاب کو تمام میں نے دیکھا وہ میرے پاس موجود تھی"۔ یہ مکمل کتاب پیش نظر ہو تو بہت ممکن ہی کہ اُس سے مترجم کا مفصل حال معلوم ہو سکے۔ چوں کہ کربل کتھا اور اس کے مترجم کا حال تشنۂ تحقیق ہی اس لئے مسٹر فیلن کے تذکرے سے اس کتاب کا پورا دیباچہ نقل کر دیا گیا کہ کم یاب چیز کا جتنا حصّہ شائع ہو جائے تاریخی حیثیت سے مفید ہے۔

اس لحاظ سے کہ ۱۱۶۱ھ میں فضلی نے دوبارہ اپنے ترجمے کی اصلاح کی ہی اور اس گمان پر کہ شاہ فضل اللہ، فضلی اورنگ آبادی، حنفی و نقشبندی کے سوا دوسرے فضلی کا پتا

نہیں ملتا، حسبِ تحریر مؤلف تذکرۂ محبوب الزمن، مترجم مذکور کی وفات ۱۱۴۳ھ میں بعید از قیاس نہیں سمجھی گئی۔

فضلی نے اپنے دیباچے میں تالیف و تصحیح کتاب کی جو دو تاریخیں لکھی ہیں، اُن میں پہلی تاریخ صرف لفظ مظہر سے نکالی ہے اور دوسری تاریخ کے لئے پورے شعر کے عدد محسوب کئے ہیں۔ شعر مذکور میں اگر تاشش کے میم کو بسکون پڑھا جائے گا۔ تو وزن عروضی صحیح رہے گا ورنہ بجائے اصلی (بتحریک) اگلے لفظ ہم کی ہائے ہوز ساقط الوزن سمجھی جائے گی اور غالباً یہی تلفظ صحیح ہوگا کہ زمانۂ قدیم میں عین اور ہ کو الف وصل کی طرح اکثر شعرا گرا دیتے تھے۔

فضلی کو اورنگ آبادی لکھا گیا ہے، مگر اس ترجمے کے دیکھنے سے یقین نہیں ہوتا کہ وہ دکنی ہوں۔ کیوں کہ اس دیباچے میں جنوبی ہند کی زبان کا اگر کچھ اثر ہے تو اتنا ہی جتنا کہ اسی عہد کے دوسرے شمالی ہند والوں کی تحریروں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ یا یہ کہ وطن اصلی اُن کا دکن ہو لیکن وہ خود تمام عمر شمالی ہند ہی میں رہے اور یہیں کی زبان اور طرز بیان کے عادی رہے ایک اور ثبوت اُن کے دکنی نہ ہونے کا یہ ملتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے دیباچے میں یہ دعویٰ کیا ہے "کہ مجھ سے پہلے کسی نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کرنے کا اختراع نہیں کیا" اگر وہ دکنی ہوتے اور وہیں کا رہنا سہنا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اُن کی نظر سے وہ تمام تراجم اردو نہ گزرے ہوتے جن کا وجود آج ہم کو بعد تلاش نگر بکثرت مل رہا ہے اور ایسی حالت میں دیدہ دانستہ وہ ایسے ادعائے اختراع کے لئے غالباً جسارت نہ کر سکتے۔ لہٰذا اس ترجمۂ و تالیف کو صرف شمالی ہند کے لئے پہلی نثر اردو کا نمونہ کہہ سکتے ہیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	دیباچۂ دیوانِ مرزا	مرزا رفیع السودا - دہلوی	۱۱۸۰ھ ۱۷۶۶ء	ضمیرِ منیر پر آئینہ داران معنی کے مُبرہن ہو کہ محض عنایت حق تعالیٰ کی ہی جو طوطیِ ناطقہ شیریں سخن ہو۔ پس یہ چند مصرع کہ از قبیل ریختہ دُرریختہ خامۂ دو زباں اپنی سے صفحۂ کاغذ پر تحریر پائے، لازم ہی کہ تحویلِ سخن سامعہ سنجانِ روزگار کروں، تا زبانی اُن اشخاص کی ہمیشہ موردِ تحسین و آفریں رہوں۔ مطلع:-

قیمت و قدر شناسا ہی سے پہنچے ہے بہم　　ورنہ دریا میں خزف بھی نہیں گوہر سے کم

مضمون سینے میں بیش از مرغِ اسیر نہیں کہ ہو نیچ قفس کے۔ جس وقت زبان پر آیا فریادِ بلبل ہے واسطے گوشِ دادرس کے۔ غرض جو اہلِ سخن کا دُرِ منصفی زینتِ لب ہی، سر رشتہ حسنِ معانی کا اس کلام کے اُس سے انصاف طلب ہی۔ اگر حق تعالیٰ نے صبح کاغذِ سفید کی مانند شام سیاہ کرنے کو یہ خاکسار خلق کیا ہی تو ہر انسان کے فانوسِ دماغ میں چراغِ ہوش دیا ہی۔ چاہیئے کہ دیکھکر نکتہ چینی کرے، ورنہ گزند زہر آلود سے بے اجل کاہے کو مرے۔ ہر چند کلام اُستادانِ سلف پر بھی غلطی کا گمان ہی۔ کس واسطے کہ انسان مرکب الخطا والنسیان ہی۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے جنھیں شعور کرامت کیا ہی وہ سمجھتے ہیں۔ ناگہ اگر لکھ پتی کی بدری سے قدرے زرِ قلب

نکل آوے تو اُس پر کسی کو خوض و غور نہیں، اور جو خریطۂ ظرف سے ایسا کچھ پا دے تو اُسے کہیں ٹھور نہیں، پس لازم ہے ذی ہوش کو، ربط الفاظ سے معنی کو سمجھ کر دے، تا وبالِ فیضانِ ناطقہ اپنی گردن پر نہ لے، چناں چہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اوّل اندیشہ وانگہی گفتار — پائے پیش آمدست و پس دیوار

انسان کہ جس فن سے آپ کو کماینبغی ماہر نہ کرے، چاہیئے کہ اُس میں اپنی حد سے سخن باہر نہ کرے گفتگوئے جاہل پہلوئے عالم، موردِ انفعال، بلکہ خموشی ہے اُس کی برابر صد فضل و کمال ؎

بات گر آوے تو چپ رہ کہ گماں کے نزدیک — سو طرح کا ہے سخن پردہ خاموشی میں

اگر ناآگاہ جس فن کا، آگاہ سے اُس فن کے، بولی بولے، گویا ہر دو لب اُس کے دروازۂ رسوائی کے پاٹ ہیں کہ عمداً اپنے منہ پر کھولے۔ بیت

طرفہ میوہ ہے یہ سخن اے دوست — مغز شیریں و تلخ جس کا پوست

مخفی نہ رہے کہ عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا ہے کہ گوہرِ سخنِ عاصی زیبِ گوشِ اہلِ ہنر ہوا ہے۔ اس مدّت میں مشکل گوئی دقیقہ سنجی کا نام رہا ہے، اور سدا مرغِ معنی عرش آشیاں گرفتارِ دام رہا ہے۔ باوصف اس کے قول خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ (صاف چیز لو اور گدلی چیز چھوڑ دو) پر عمل کیا ہے، بلکہ تمام عالم کے سخنِ انصاف پر تلمیذانہ گوش دیا ہے، جس کی زبان پر بقبیل اعدات سے حرف واقعی اور منصفی جاری ہوا ہے۔ باللہ کہ مرتبہ مَنْ تَعَلَّمَ حَرْفًا فَهُوَ مَوْلَاهُ۔ (جس نے کوئی حرف بتایا وہ مولا (اُستاد) ہوا) طاری ہوا ہے اور بے اختیار زبان سے یہ مصرع ہوا ہے سرزد۔ ع وائے بر جانِ سخن گر بسخنداں نہ رسد۔ لیکن مشکل ترین و فائق طریق مرثیے کا معلوم

کیا، کہ مضمونِ واحد کو ہزار رنگ میں ربط معنی سے دیا۔ چناں چہ اس کام میں محتشم ساکسو نے عنز قبول نہیں پایا ہی، اُسی مغفور نے یہ فرمایا ہی ؎

جمعے کہ پاس محملِ شاں اعتبار داشت　　　گشتند بے عماری و محمل شتر سوار

پس لازم ہی کہ مرتبہ در نظر رکھکر مرثیہ کہے نہ کہ برائے گریۂ عوام اپنے تیئں ماخوذ کرے۔ نادر مقولہ ہی کہ عقلا جو نہ سمجھیں اور ضبطِ تضحیک و قصدِ بکا میں رہیں، اُس کا سیاق و سباق جہلا دریافت کریں اور پھوٹ بہیں ؎

معنی لفظوں سے ہوتے ہیں روپوش　　　یہاں تلک رتبہ سخن پہنچا

تبصرہ و کیفیت

دورِ چہارم میں جو نمونے درج کیے گئے ہیں، اُن میں پہلے دو نمونے بہت ابتدائی اور مختصر ہیں ان کا اندازِ بیان بہت اکھڑا اکھڑا اور نامربوط ہی۔ جس کی اصلی وجہ یہ ہی کہ پہلی کتاب ایک مستشرق کی تالیف ہی، اور دوسری ایک دکنی مترجم کی۔

اُس سے پہلے جتنے دور گزرے ہیں اُن سب میں جنوبی ہند (دکن) کی تالیفات و تصنیفات کے نمونے ملتے ہیں اور اُن کی زبان اور ادائے بیان میں دکنی لب و لہجہ اور طرزِ انشا کے عناصر غالب ہیں۔ چوتھے دور میں جو ایک نمونہ محمد قادری کا پیش کیا گیا ہی اگرچہ اُس کا انداز بھی دکنی انداز ہی مگر معمولی غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ پچھلے تینوں ادوار سے اس کی عبارت صاف قریب الفہم اور شمالی ہند کی زبان سے زیادہ مانوس ہی۔ اس کے بعد جو نمونے فضلی و سودا کے

مندرج ہوئے ہیں اُن کی بابت صرف اس قدر لکھنے کی ضرورت ہی کہ موجودہ ممالک متحدہ آگرہ واودھ کی ابتدائی تحریروں کا عموماً یہی انداز تھا۔ سودا کا دیباچہ فضلی سے ۳۵ برس بعد لکھا گیا ہی، ترکیبِ عبارت میں سجع و قوانی کے لحاظ سے زیادہ فرق نہیں مگر طرزِ ادا میں نمایاں فرق ہی۔ فضلی کی عبارت سلاست اور روانی میں جتنی آسان ہی، سودا کی رنگینی اُتنی ہی اُلجھی ہوئی اور دشوار ہے۔ یہ رنگ عموماً سودا کے بعد بھی اکثر انشاپردازوں میں پایا جاتا ہی۔ سودا کا یہ دیباچہ اُن کے مطبوعہ کلیات میں دیوانِ مراثی کے ساتھ موجود ہی جس کو اُنھوں نے اپنی طبعی اُفتاد کے مطابق کسی حریفِ فن کے لئے لکھا ہی۔

اِس دیباچے کا سنہ تالیف ۱۱۸۰ھ ۶۷-۱۷۶۶ء اس لئے لکھا ہی کہ دیباچہ مسطورمیں سودا نے تحریرِ دیباچہ سے پہلے اپنی مشقِ سخن چالیس برس کی بتائی ہی۔ اور چوں کہ اُن کی ولادت ۱۱۲۵ھ ۱۳-۱۷۱۲ء میں ہوئی ہی لہٰذا پندرہ برس لڑکپن اور آغازِ مشق کے وضع کرکے یہ سنہ قایم کیا گیا ہی۔

ذیل میں مختصراً اُن الفاظ کے نمونے دکھائے جاتے ہیں جو پچھلے عہدوں میں بولے جاتے تھے اور اب چوتھے دور کے بعد متروک ہو چکے ہیں:-

نمبر	الفاظ قدیم	الفاظ حال	مثال و کیفیت	نمبر	الفاظ قدیم	الفاظ حال	مثال و کیفیت
۱	باب	باپ	صرف پرانے مستشرقین کی تحریر میں ہے	۱۶	لگ	تک	
۲	ملگ	ملک		۱۷	اوپر	پر	
۳	جمین	زمین		۱۸	آپ زبان سے فرمائے	آپ نے زبان فرمایا	یہ دکنی روزمرہ ہے
۴	اسمان	آسمان		۱۹	زبان اپنی سے	اپنی زبان سے	
۵	اپرے	اپنے		۲۰	بیچ قفس کے	قفس میں	
۶	پچھے	پیچھے		۲۱	تا زبانی	تاکہ زبانی	
۷	بیچ	میں (اندر)		۲۲	کس واسطے	کیوں کہ	
۸	قصہ ہا	قصے		۲۳	ٹھور	ٹھکانا	
۹	اس کا سبب تالیف کا	اس کا سبب تالیف		۲۴	بسر ہوا	گزرا	
۱۰	کسو	کسی		۲۵	گوش دیا ہے	کان دھرنا	
۱۱	آ	آکر		۲۶	در نظر رکھکر	نظر میں رکھکر	
۱۲	چوں	جبکہ (جوں ہی)		۲۷	کرامت کرنا	بخشنا	
۱۳	دھر	رکھکر		۲۸	بیش از	زیادہ	
۱۴	بمع	مع		۲۹	تحویل کرنا	سپرد کرنا	
۱۵	پھیر	پھر		۳۰	خلق کیا	پیدا کیا	

پانچواں دور

سنہ ۱۲۰۲ھ سے سنہ ۱۳۰۱ھ تک
۱۷۸۷ء ۱۸۸۳ء

نمونۂ عبارت	زمانۂ تصنیف	مصنف	تصنیف	شمار
اے جماعت جنّوں کی اور آدمیوں کی! کیا نہ آئے تھے پاس تمھارے پیغمبر تمھیں میں سے، بیان کرتے تھے اوپر تمھارے نشانیاں میری، اور ڈراتے تھے تم کو ملاقات اُس دن تمھاری کی سے۔ یہ کہا کہ اُنھوں نے گواہی دی ہم نے اوپر جانوں اپنی کے، اور فریب دیا تھا اُنکو زندگانی دنیا کی نے، اور گواہی دی اُنھوں نے اوپر جانوں اپنی کے، یہ کہ تھے وہ کافر۔ یہ اس واسطے نہیں ہی کہ پروردگار تیرا اہلاک کرنے والا بستیوں کا ساتھ ظلم	سنہ ۱۲۰۲ھ ۱۷۸۸ء	شاہ مولوی رفیع الدین دہلوی	ترجمۂ قرآن - پارہ ۸ (۸) رکوع (۳)	نمبر ۱

کے۔ اور لوگ اُس کے غافل ہوں اور واسطے ہر ایک کے درجے ہیں اُس چیز سے کہ کیا ہی اُنھوں نے اور نہیں پروردگار تیرا غافل اُس چیز سے کہ کرتے ہیں، اور پروردگار تیرا بے پرواہی، مہربانی والا اگر چاہے لے جاوے تم کو، اور جگہ پر بٹھا دے پیچھے تمھارے جس کو چاہے، جیسا پیدا کیا تم کو قوم

اور (دوسری) سے، تحقیق، جو کچھ وعدہ دیے جاتے ہو تم البتہ آنے والا ہی اور نہیں تم عاجز کرنے والے، کہہ! اے قوم میری عمل کرو اوپر جگہ اپنی کے، تحقیق میں بھی عمل کرنے والا ہوں، پس البتہ جانوگے تم، کون شخص ہی کہ ہوگا واسطے اُس کے آخر اُس کا۔ تحقیق نہیں فلاح پانے کے ظالم، اور کیا انھوں نے واسطے اللہ کے اُس چیز سے کہ پیدا کیا ہی کھیتوں اور جانوروں سے ایک حصّہ۔ پس کہا انھوں نے یہ واسطے اللہ کے ہے ساتھ گمان اپنے کے اور یہ واسطے شریکوں ہمارے کے پس جو کچھ ہو واسطے شریکوں اُن کے کے۔ پس نہیں پہنچتا طرف اللہ کے اور جو کچھ واسطے اللہ کے پس وہ پہنچتا ہی طرف شریکوں اُن کے کے۔ بُرا ہی جو کچھ حکم کرتے ہیں۔

نمونۂ عبارت	تصنیف	مصنف	تصنیف	شمار
اے جماعت جنّوں اور انسانوں کی! کیا تم کو نہیں پہنچے تھے رسول تمھارے اندر کے۔ سناتے تم کو میرے حکم اور ڈراتے اُس دن کے سامنے آنے سے، بولے ہم نے ماننے اپنے گناہ، اور اُن کو بہکایا زندگی نے، اور قائل ہوئے اپنے گناہ پر کہ وہ تھے منکر۔ یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو ظلم سے، اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں، اور ہر کسی کو درجے ہیں	۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء	مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی	ترجمۂ قرآن اردو (۱) (مرصّع) (۲)	نمبر ۲

اپنے عمل کے اور تیرا رب بے خبر نہیں، اُن کے کام سے۔ اور تیرا رب بے پروا رحم والا، اگر چاہے تم کو لے جاوے۔ اور پیچھے تمھارے قائم کرے جس کو چاہے جیسا کہ تم کو کھڑا کیا اوروں کی اولاد سے، جو تم کو وعدہ دیا، سو آنے والا ہی، اور تم تھکا نہ سکوگے۔ تو کہہ ! لوگو !! کام کرتے رہو اپنی جگہ۔ میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لوگے کس کو ہی آخر کا گھر، مقرّر بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا، اور ٹھراتے ہیں اللہ کا اس کی پیدا کی کھیتی اور مواشی میں ایک حصّہ، پھر کہتے ہیں یہ حصّہ اللہ کا ہی اپنے خیال پر۔ اور یہ ہمارے شریکوں کا سو جو اُن کے شریکوں کا ہی سو نہ پہنچے گا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے، سو پہنچے گا اُن کے شریکوں کی طرف، کیا بُرا انصاف کرتے ہیں۔

نمونۂ دیباچہ ترجمۂ مذکور موسومہ موضح القرآن نوشتہ شاہ عبدالقادر موصوف

الٰہی ! شکر تیرے احسان کا ادا کروں کس زبان سے کہ ہماری زبان کو گویائی اپنے نام کر۔ اور دل کو روشنی دی اپنے کلام کر۔ اور امّت میں کیا اپنے رسول مقبول کی جو اشرف الانبیا اور نبی الرحمۃ، جس کی شفاعت سے امیدوار ہیں ہم کہ پاویں دوجہان کی نعمت۔ الٰہی ! اس نبی امّت پرور کو اپنی رحمتِ کامل سے درجاتِ اعلٰے نصیب کر جو حد نہ ہو کسی مخلوق کی اور اپنی عنایت اُن پر ہمیشہ روزافزوں رکھ دنیا اور آخرت میں۔

تبصرہ و کیفیت

مذہبی خدمت کے غالباً یہ پہلے نمونے ہیں جو مسلمانوں کے قلم سے اردو نثر میں یادگار پائے جاتے

ہیں۔ دونوں مترجم علی الترتیب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزندانِ رشید اور شاہ عبدالعزیز کے برادرانِ خُرد ہیں۔ ترجمۂ اوّل کا سنہ تحریر صحیح معلوم نہ ہو سکا، صرف اتنا علم ہوا کہ ترجمۂ ثانی سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا نمبر اوّل قائم کیا گیا۔ ترجمۂ اوّل بہت کم شائع ہوا، مگر دوسرا ترجمہ عموماً مروّج و مقبول ہے۔ اس قسم کے جتنے نمونے ملیں گے اُن میں الفاظ کی بے ترتیبی اور نشستِ الفاظ کا ڈھیلا پن نظر آئے گا۔ اس کی وجہ اصلی زبان کا ابتدائی زمانہ اور فارسی عربی سے لفظی ترجمے کا خیال ہے۔ فارسی و عربی کی ترکیب میں مضاف پہلے ہوتا ہے، پھر مضاف الیہ۔ جیسے غُلَامُ زَیْدٍ یا غلامِ زید۔ پُرانے بزرگ اُردو میں اس کا لفظی ترجمہ اسی ترتیب سے کرتے تھے، یعنی غلام زید کا۔ اسی طرح عربی میں فاعل و مفعول پر فعل مقدّم ہوتا ہے مثلاً ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا۔ قدیم اُردو میں اس کا ترجمہ یوں ہوتا تھا۔ مارا زید نے عمر کو۔ یا عمر نے زید کو مارا۔ چونکہ اُسی پرانی ترتیب اور اُلٹ پلٹ کی وجہ سے آج کل قدما کی اُردو کا مفہوم صاف سمجھ میں نہیں آتا ایسی ہی ترکیبیں ہر آئندہ زمانے میں متروک ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	تفسیر قرآنی موسومہ حقّانی	سید شاہ حقّانی نبیرۂ شاہ سید برکت اللہ صاحب درگاہ مارہرہ ضلع ایٹہ	سنہ ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱ع	پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اللہ تعالیٰ کا نانو، اور اُس کے حبیب اور اُس کی آل و اصحاب صلوات اللہ علیہم اجمعین کے نانو کو پڑھکر یہ عاصی کہتا ہے کہ احوال اس کے لکھنے کا یہ ہے - جو غور کر کے دیکھا تفسیر زبان عربی ہیں اور فارسی میں - عالموں - فاضلوں، بزرگوں نے اس بارہ سے چھ برس کے عرصے میں تصنیف کری ہیں اور اپنے فہم و عقل کے زور سے معنیوں کو آیت، آیت، حرف، حرف، کے ساتھ فصاحت اور بلاغت کے لکھے ہیں، اور زیر زبر کو قاعدۂ صرف نحو کے سے ثابت کیا ہے اور شانِ نزول اور احوال پیغمبروں کے موافق حدیث

اور روایتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے داخل کرے ہیں - جو ان تفسیر وں کو نظر کیا دریا علم کا اور ہدایت کا ہے کہ موج مارتا ہے، جاری ہے، اور ہر ایک کو اُس کے مدعا کو پہنچا بے اُستاد جیسا کچھ چاہیے مشکل ہے - پھر آخر کار کتب خانۂ اُستادی مرشدی حضرت بھائی صاحب و قبلہ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب قدّس اللہ سرّہٗ العزیز کے سے تفاسیر جدا کرکے حرف حرف کے معنیوں کو اور شانِ نزول ہر ایک کلمے

اور آیت اور سورت کا دریافت کرکے اور سب احوال پیغمبروں کا سمجھکر موافق وقوف اور عقل اپنی کے ہر ایک کلمے اور آیت اور سورت کے ساتھ مختصر کرکے لکھا، داخل کیا۔ تاکہ اَن پڑھوں کو جلد سمجھنے میں آوے۔ عبارت طویل کو موقوف کیا کس واسطے کہ دل عالم کے تنگ ہوگئے ہیں زیادہ عبارت کے پڑھنے سے اُلجھتے ہیں، تنگ آتے ہیں، بلکہ پڑھے اَن پڑھوں سے زیادہ جی چھپاتے ہیں۔

نمونۂ ترجمہ آیتِ آخر سورۂ بقرہ۔ پارہ (۳)

رنج میں نہ ڈالے گا خدائے تعالیٰ کسی کو مگر موافق طاقت اُس کی کے، اُس کو ہی جو عمل کیا۔ اور اوپر اُس کے ہی جو گناہ کیا، اے پروردگار میرے، عذاب مت پکڑ تو مجھ پر، جو بھول جاؤں میں یا خطا کروں میں، اے پروردگار میرے، اور بوجھ مت دے تو اوپر میرے بوجھ بھاری، جیسے بوجھ رکھا تونے اوپر اُس گروہ کے کہ پہلے تھے مجھ سے، اے پروردگار میرے اور مت رکھ اوپر سر میرے کے بوجھ جو کہ نہ اُٹھا سکوں میں اور درگزر کر خطاؤں میری سے اور بخش تو گناہوں میرے کو، اور رحم کر تو اوپر میرے۔ تو ہی خاوند میرا، پھر غالب کر تو مجکو اوپر قوم کافروں کے۔

تبصرۂ وکیفیت

یہ تفسیر راقم کے اسلاف میں ایک بزرگ نے لکھی ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔ یہ نمونہ صرف اس لئے دکھایا گیا ہے کہ اُس زمانے میں اُردو کا عام اثر اتنا ہو گیا تھا کہ گوشہ نشین اور قصباتی اہل علم بھی اُس کی ترویج پر مائل ہو گئے تھے اور اُن کو بھی اس کا احساس ہونے لگا تھا کہ اب فارسی کی جگہ اُردو لینے والی ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	مجمع القوانین	عمال سلطنت ایسٹ انڈیا کمپنی	۱۲۰۸ھ مطبوعہ ۱۸۴۲ء سنہ ۱۷۹۴ء	**فہرست بابوں اور فصلوں کی** **باب اوّل** بیچ ذکر تقرّر دیوانی عدالتوں کے اور اُن کی حدود علاقہ اور اختیاروں کے **باب دوم** درباب مفتی و پنڈت و اہلِ عملہ و وکلاءِ عدالت و مقدمات مفلسی و اسٹامپ کے **تیسرا باب** درباب تجاویز اور فیصلہ مقدّموں کے

دیباچہ

مخفی نہ رہے کہ یہ کتاب موسوم بہ مجمع القوانین دیوانی ترجمہ کی گئی ہے زبان انگریزی سے اُردو میں حسب الحکم گورنمنٹ کے، اور باب دیوانی کے جتنے قانون، اور احکام گورنمنٹ اور صاحبانِ صدر دیوانی عدالت ملک غربی اور شرقی کے۔ جتنے حکام سرکیولر (سرکلر) اور کنسٹرکشن یعنی تفاسیر قوانین

کہ شروع ۱۷۹۳ء سے آخر ۱۸۴۳ء تک صادر و نافذ ہوئے ہیں اور معرضِ نسخ میں آئے ہیں وہ سب اس میں مندرج ہیں، اور یہ تمام قانون اور احکام منقسم ہیں سات باب پر، اور ہر باب مشتمل ہی اوپر چند فصلوں کے، اور علاوہ ان کے کچھ اور احکام درباب پٹہ اور پٹنی تعلقوں اور باقیات زر بھیج (ادخال یا ارسالِ مالگزاری) کے اور درباب قرقی اور نیلام کے کہ بعلت باقیاتِ زر بھیج ہوا کرتے ہیں آخر کتاب میں بطریق ضمیمہ لکھ دیئے گئے ہیں۔ اس واسطے کہ اکثر مقدمات دیوانی میں اُن کا کام پڑتا ہی۔ اور جاننا ان کا ضروریات سے ہے اور احکام کہ متعلق اسٹامپ اور رجسٹری دستاویزات ہیں، وہ بھی اُنھیں حکموں کے ساتھ ضمیمے میں داخل ہیں، اور تمام تفاسیر قوانین اور احکام سرکیولر کہ بالاشتراک دونوں صدروں سے تاریخوں مختلف پر صادر ہوئے ہیں، اُن کے آخر میں دونوں تاریخیں جُدی جُدی بہ ثبتِ الفاظ صدر غربی و صدر شرقی لکھ دیے ہیں۔ لیکن جو حکم دونوں صدر کے کہ تاریخ واحد رکھتے ہیں اُن کے آخر میں یہ الفاظ نہیں لکھے ہیں، اس لئے کہ اُن میں کچھ خصوصیت اس طرح کی نہیں، اور حکم کہ خاص ایک ہی صدر سے نافذ ہوئے ہیں اُن میں حوالہ خاص اُس صدر کا مرقوم ہی، اور ایک فہرست تمام قانون کی بقید دفعہ وضمن اور تمام سرکیولروں اور تفسیروں کے بقید تاریخ ولمبر شروع کتاب میں لکھ دیئے گئے ہیں کہ ہر حکم عند الضرورت بآسانی اور جلدی سے نکل آوے اور تلاش کرنے والے کو دقت نہ پڑے اور آخر میں کچھ اصطلاحات انگریزی بابِ دیوانی کی مع ترجمہ اُردو ملحق ہیں۔ فقط

تبصرہ وکیفیت

انگریزی عملداری میں قانون کی یہ پہلی کتاب ہی جو سرکاری حکم سے اُردو میں ترجمہ کی گئی۔ اگرچہ اس کے

الفاظ کی ترکیب بھی ماقبل تالیفات کی طرح مربوط و پختہ نہیں، تاہم بیان کی صفائی اور عبارت کی سلاست پچھلے نمونوں سے بہتر حالت میں ہی۔

اس دیباچے کے انداز بیان سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہی کہ اس عہد میں (جہاں بیچ ذکر تقرر) داخل کتابت تھا وہاں اس کا مترادف (درباب تجاویز) بھی استعمال میں آتا تھا۔ اسی طرح (اوپر) اور (پر) بھی بیک وقت شامل روزمرہ تھا جس سے ظاہر ہوتا ہی کہ ترک و اصلاح کا سلسلہ اُسی وقت سے جاری ہوگیا تھا اب سے پہلے عموماً اس زبان کو ہندی اور ریختہ کہتے تھے مگر اس تالیف میں اُردو کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہی۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	باغِ اردو (ترجمۂ گلستان)	میر شیر علی افسوس	۱۲۱۷ھ ۱۸۰۲ء	**مناظرہ سعدی کا کسی مدعی سے تونگری اور فقیری کے باب میں** ایک شخص کو درویشوں کی صورت کے موافق اور اُن کی سیرت کے مخالف کسی مجلس میں دیکھا میں نے، کہ بدیاں کر رہا ہی اور دفتر شکایت کے کھول کر ہجو تونگروں کی شروع کی ہی اور سخن کو یہاں تلک پہنچایا ہی کہ فقیروں کا دست قدرت بندھا ہی اور تونگروں کا پا‌ے

ارادت ٹوٹا۔ بیت۔

اہلِ کرم کے ہاتھ میں دام و درم نہیں
دولت ہی جن کے پاس اُنھوں میں کرم نہیں

یہ بات مجھے پسند نہ آئی کہا میں نے، اے یار! بڑے آدمی حاصل ہیں مسکینوں کے، اور ذخیرے ہیں گوشہ نشینوں کے، مقصد ہیں زائروں کے، اور نگہبان ہیں مسافروں کے، برائے راحتِ حرماں، اٹھاتے ہیں بارِ گراں، کھانے میں ہاتھ اُس وقت ڈالیں کہ متعلق اور زیردست کھالیں اور اُن کے جود و کرم کا فضلہ یتیم اور بیوہ اور فقیر و پیر و اقربا اور ہم سائے کو پہنچتا ہی۔ قدرت جود کی اور قوّت سجود کی دولت مندوں کو بہتر میسّر ہوتی ہی کہ مال پاکیزہ و جامۂ پاک و دلِ فارغ، و پاسِ آبرو رکھتے ہیں، اور قوّت طاعت کی لقمۂ لطیف میں ہی۔ اور صحت عبادت کی لباس طاہر میں ظاہر ہی کہ معدۂ خالی میں کیا قوّت ہو اور دستِ تہی میں کیا سخاوت۔ پائے شکستہ سے سیر کیا ہو سکے اور بھوکے کے ہاتھ سے کیا خیر۔

حکایت از باب دوم

ایک بزرگ نے کسی پرہیزگار سے پوچھا کہ فلانے عابد کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں کہ اکثر اشخاص اُس کے حق میں طعنہ آمیز باتیں کہتے ہیں۔ کہا اُس نے کہ بظاہر اُس میں کچھ عیب نہیں دیکھتا اور باطن سے آگاہ اللہ ہی ؎

جس کو ظاہر میں متّقی دیکھے اُس کے تقوے کا تو نہ کر انکار

کھوج مت کر کسی کے باطن کا		محتسب را درونِ خانہ چہ کار

تبصرہ و کیفیت

میر شیر علی افسوس اربابِ اُردو کے اُن نورتنوں میں ہیں جن کی تصانیف و تراجم نے ڈاکٹر گلکرسٹ کے عہد میں اس بے مایہ زبان کو سرمایہ دار بنایا۔ اس ترجمے کے سوا اور کتابیں بھی ان سے منسوب ہیں۔ افسوس نے ۱۸۰۹ء میں وفات پائی۔ باغِ اُردو کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ اور اُس کا انتخاب مدارسِ مدراس میں منتخباتِ اُردو کے نام سے ۱۸۹۰ء تک پڑھایا جاتا تھا۔

شمار	تصنیف	مصنف	سنِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۷	تذکرۂ گلشنِ ہند	مرزا لطف علی لطف	۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء	بعد حمد اور صلاۃ کے رنگ دینے والوں کو چمنِ بیان کے معلوم ہووے کہ شاہ گیتی افروز روشن ضمیر شاہ عالم غازی کی بادشاہت میں اور شمعِ شبستانِ دولت و اقبال وزیرِ اعظمِ ہندوستان نواب وزیر الممالک آصف الدولہ آصف جاہ یحییٰ خاں بہادر ہزبر جنگ کی وزارت میں اور رونقِ بزمِ انصاف

وعدالت نواب عماد الدولہ امیر الممالک گورنر جنرل وارن ہیسٹین جلادت جنگ بہادر کی ریاست اور امارت میں علی ابراہیم خاں مرحوم نے ایک تذکرہ شعرائے ہند کا عبارتِ فارسی میں لکھا اور نام گلزار ابراہیم رکھا ہے۔ سنہ ۱۱۹۸ ہجری اور ۱۷۸۴ء عیسوی میں وہ تذکرہ تمام ہوا۔ مشہور یوں ہے کہ بارہ برس میں سرانجام ہوا، رفتہ رفتہ جب سر حلقۂ بزمِ نکتہ دانی رونق افزائے محفلِ معانی، سخن کی جان اور سخن دانوں کے قدردان صاحب والا مناقب مسٹر گلکرسٹ صاحب کی نظرِ مبارک سے گزرا ازبسکہ شاعروں کا احوال اُس میں مجمل لکھا تھا، ایک مدت سے صاحب عالی حوصلہ کو خیال اس بات کا تھا کہ اگر بیان اس کا مفصل زبان ریختہ میں کیا جائے تو خوب ہو اور ہر ایک شاعر کی پوری پوری غزل اپنا جلوہ دکھائے تو نہایت طبع کو مرغوب ہو، بتدی اس سے بڑا مزا پائیں گے اور نو مشق کیفیت بہت اُٹھائیں گے۔

تبصرہ و کیفیت

اُردو شعرا کا یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں شعرا کے حالات اُردو زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے بلکہ اس کے بعد تک عموماً اُردو شعرا کے تذکرے فارسی زبان میں تحریر ہوئے ہیں۔ یہ تذکرہ مبسوط نہیں ہے پھر بھی اکثر حالات تحقیق و قابلیت سے لکھے گئے ہیں۔ بعض جگہ مؤلف سے تسامح بھی ہو گیا ہے جیسے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ کو اُردو شاعر لکھ کر اشتیاق تخلص بتایا ہے حالاں کہ وہ شاہ ولی اللہ اشتیاق دوسرے ہیں۔ یہ تذکرہ حیدرآباد دکن کی ایک طغیانی میں بہ گیا تھا، مگر مولوی عبداللہ خاں مرحوم کی قسمت سے کنارے آ لگا جس کو اُنھوں نے ۱۹۰۶ء سنہ میں چھپوا دیا ہے۔

نمونۂ عبارت	زمانۂ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
منشا اس تالیف کا یہ ہے کہ ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء کے عہدِ اشرف والا شرف مارکوئس ولزلی گورنر جنرل لارڈ مارنگٹن صاحب کے جن کی تعریف میں عقل حیران اور فہم سرگرداں ہے، جتنے وصف سرداروں کو چاہئیں اُن کی ذات میں خدا نے جمع کئے ہیں۔ غرض قسمت کی خوبی اس ملک کی تھی جو ایسا حاکم تشریف لایا جس کے قدم کے فیض سے ایک عالم نے آرام پایا، مجال	۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء	میر امن دہلوی	چہار درویش	نمبر ۱

نہیں کہ کوئی کسی پر زبردستی کر سکے۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ سارے غریب غربا دعا دیتے ہیں اور جیتے ہیں، چرچا علم کا پھیلا، صاحبانِ ذی شان کو شوق ہوا کہ اُردو زبان سے واقف ہو کر ہندوستانیوں سے گفت و شنود کریں، اور ملکی کام بہ آگاہی تمام انجام دیں، اس واسطے کتنی کتابیں اسی سال بموجب فرمائش کے تالیف ہوئیں جو صاحب دانا اور ہندوستان کی زبان بولنے والے ہیں اُن کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ یہ قصہ چار درویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش جو اُن کے پیر تھے اور درگاہ اُن کی دلّی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر مٹیا دروازے

سے آگے، لال بنگلے کے پاس ہے، اُن کی طبیعت ماندی ہوئی تب مرشدِ کامل کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصّہ کہتے اور تیمارداری میں حاضر رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے چند روز میں شفا دی، تب اُنھوں نے غسلِ صحت کے دن یہ دعا دی کہ جو کوئی اس قصّے کو سُنے گا خدا کے فضل سے تندرست رہے گا۔ جب سے یہ قصّہ فارسی میں مروّج ہوا۔ اب خداوند نعمت صاحب مروّت نجیبوں کے قدردان جان گلگرسٹ صاحب نے کہ ہمیشہ اقبال اُن کا زیادہ رہے، جب تک گنگا جمنا بہے، لطف سے فرمایا کہ اس قصّے کو ٹھیٹھ ہندوستانی (اُردو) گفتگو میں جو اُردو (لشکر) کے لوگ ہندو مسلمان عورت، مرد، لڑکے، بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اُسی محاورے میں لکھنا شروع کیا، جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	طوطا کہانی	سید حیدر بخش حیدری	۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء	سید حیدر بخش، تخلص حیدری شاہجہان آبادی تعلیم یافتہ مجلس خاص نواب علی ابراہیم خاں بہادر مرحوم شاگرد غلام حسین خاں غازی پوری، دست گرفتہ صاحب والا شان جان گلگرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہٗ کا ہے۔ اگرچہ تھوڑا بہت رابطہ موافق اپنے حوصلے کے عبارت فارسی میں بھی رکھتا ہے

لیکن بموجب فرمائش صاحب موصوف کے سنہ بارہ سو پندرہ ہجری مطابق اٹھارہ سو ایک عیسوی کے حکومت مارکوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہٗ کے محمد قادری کے طوطی نامے کا جس کا ماخذ طوطی نامہ ضیاءالدین نخشبی ہے زبان ہندی میں موافق محاورہ اُردوے معلّٰی کے عبارت سلیس و خوب و الفاظ رنگین و مرغوب میں ترجمہ کیا اور نام اس کا طوطا کہانی رکھا۔

اگلے دولت مندوں میں سے احمد سلطان نام ایک شخص بڑا مال دار اور صاحبِ فوج تھا۔ لاکھ گھوڑے پندرہ سے زنجیر فیل، اور نو سے قطار بار برداری کے اونٹوں کی اُس کے درِ دولت پر حاضر رہتے تھے، پر اُس کا لڑکا بالا کوئی نہ تھا کہ گھر اپنے باپ کا روشن کرتا۔

نمبر	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	آرائشِ محفل	سید حیدر بخش حیدری	۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء	یہ قصہ عبارتِ سلیس سے زبانِ فارسی میں کسی شخص نے آگے لکھا تھا، اب اِس سید حیدر بخش متخلص بہ حیدری دہلی کے رہنے والے نے امیر والاتدبیر پشت و پناہِ ہر پیر و جواں دستگیرِ درماندگان و بے کساں نوشیرانِ وقت، ہمایوں بخت، زبدۂ نوآئینان، عظیم الشان، مشیر خاص شاہ کیواں بارگاہِ انگلستان مارکوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہٗ کی حکومت میں

اور خداوند والاشان عالی خاندان جان گلگرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے حکم سے سنہ ۱۲۱۶ھ ہجری سنہ ۱۸۰۱ع کے موافق اور سنہ جلوس تینتالیس ۴۳ شاہ عالم بادشاہ غازی کے مطابق زبانِ ریختہ میں اپنی طبع کے موافق اُس کتاب سے جو ہاتھ لگی تھی ترجمہ نثر میں کیا، اور اُس کا نام آرائشِ محفل رکھا، مگر اُس میں اپنی طبیعت سے جہاں جہاں موقع اور مناسب پایا وہاں زیادتیاں کیں، تاکہ قصہ طولانی ہو جائے اور سُننے والوں کو خوش آئے۔

نمبر	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
۱۰	داستان امیر حمزہ	خلیل علی خان متخلص بہ اشک	سنہ ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء	مخفی نہ رہے بنیاد اس قصۂ دلچسپ کی سلطان محمود بادشاہ کے وقت سے ہے اور اُس زمانے میں جہاں تک راویانِ شیریں کلام تھے اُنھوں نے آپس میں مل کر واسطے سنانے اور یاد دلانے منصوبے لڑائیوں اور قلعہ گیری اور ملک گیری کے خاص بادشاہ وقت سے ہی اور زمانے میں جہاں تک راویانِ شیریں ملک گیری کے خاص بادشاہ کے واسطے امیر حمزہ صاحب کے

قصّے کی چودہ جلدیں تصنیف کی تھیں، ہر رات کو ایک ایک داستان حضور میں سناتے تھے اور انعام واکرام پاتے تھے۔ اب شاہ عالی جاہ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں مطابق سنہ ۱۲۱۵ھ اور

سنہ ۱۸۰۳ء کے قلیل علی خاں نے جو متخلص بہ اشک ہی موجب خواہش گلگرسٹ صاحب عالی شان والا مناقب کے واسطے نو آموزوں زبان ہندی کے اس قصّے کو زبانِ اردوے معلّٰی کے سے لکھا تا کہ صاحبان مبتدیان کے پڑھنے کو آسان ہو۔

نمونۂ عبارت	تصنیف	مصنف	تصنیف	شمار
ہزاروں ہزار شکر اُس خدا کے جس نے اپنی تمام خلقت میں انسان کو فضیلت عطا فرمائی اور عقل کے تاجِ مرصّع سے دین و دنیا میں اُس کے سر کو زیب و زینت بخشی اور طبیعت کے چالاک گھوڑے پر سوار کر کے دانائی کی لگام ہاتھ میں دی اور علم کی تلوار ملکِ دل کے نظم و نسق کے واسطے سپرد کی کہ شیطان دشمن	۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء	میر بہادر علی حسینی نارنول	اخلاقِ ہندی	نمبر ۱۱

کے ہاتھ سے ہوش و حواس کی رعیّت پامال نہ ہو، اور درود بے شمار اُس کے نبی احمدِ مختار اور اُس کی آلِ اطہار پر۔ اے دانا! آگاہ ہو، اس کتاب کو ہند میں "ہیتوپدیس" یعنی نصیحتِ مفید کہتے ہیں، اور اُس میں چار باب مندرج ہیں۔ ایک میں ذکر دوستی کا۔ دوسرے میں دوستوں کی جُدائی کا۔ تیسرے میں لڑائی کی ایسی باتوں کا جو اپنی فتح اور مخالف کی شکست ہو۔ چوتھے میں کیفیت ملاپ کی خواہ لڑائی کے آگے ہو یا پیچھے۔ غرض ایسے عجیب و غریب قصوں میں قصّے

سمٹے ہوئے ہیں جن کے دیکھنے اور سننے سے آدمی دنیا کے کاروبار میں بہت ہوشیار اور نہایت چالاک ہو جاوے۔ علاوہ اس کے بھلی بُری حرکتیں ہر ایک کی نظر آویں۔ چناں چہ یہ کتاب سرکار دولتمدار میں ملک الملوک شاہ نصیر الدین کے (جس کی تخت گاہ صوبۂ بہار تھا) پہنچی، جب اُنھوں نے سنا اس میں قصّے ازبسکہ دلچسپ ہیں اور نصیحتیں نہایت مرغوب اور باتیں بہت خوب اور حکایتیں اکثر مفید، تب اپنے ملازموں سے ایک کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس کو ترجمہ سلیس فارسی میں کرو تو میں اپنے مطالعے میں رکھوں اور اس کے مضمون سے مستفید ہوں، تب اُنھیں سے ایک شخص حکم بجا لایا اور نام اس کا مفرّح القلوب رکھا۔ بالفعل اس عاصی میر بہادر علی حسینی نے ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء میں فرمانے سے صاحب خداوند نعمت جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے زبان فارسی سے سلیس رواجی ریختے میں (جسے خاص و عام بولتے ہیں) ترجمہ کیا اور نام اس کا اخلاقِ ہندی رکھا۔ جو کوئی اس پر عمل کرے گا تو دل و دماغ اُس کا عقل کی بو سے ہر دم تازہ ہوگا اور اکثر دانائی کی باتوں سے واقف ہو کر ہمیشہ خوش و خرّم رہے گا۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۲	مذہبِ عشق یعنی قصۂ گل بکاؤلی	نہال چند لاہوری	۱۲۱۷ھ ۱۸۰۲ء	سبب اس تالیف کا یوں کر ہے کہ اس ستمند نہال چند لاہوری کہ مولد اس نحیف کا شاہ جہاں آباد ہے، آب و خور سے کھینچ کر بیچ اشرف البلاد کلکتے کے جو اس وقت دار السلطنت ہندوستان کا ہے لا ڈالا۔ یہ خاکسار کپتان

دیو رڈ دت سین صاحب بہادر کی خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا تھا، انھیں کی دستگیری سے صاحب نعمت حاتم زماں دستگیرِ درماندگاں منبعِ جود و عطا، چشمۂ فیض و سخا دریائے عنایت و کرمت، بحرِ احسان و شجاعت جان گلگرسٹ صاحب بہادر مدظلہ تعالیٰ کے دامن تک رسائی ہوئی۔ غرض صاحب بہادر کے تفضّلات سے اس ضعیف کی اوقات بخوبی بسر ہونے لگی۔ اور آگے کو بھی امید بندھی کہ اگر یہ دامنِ دولت ہاتھ میں ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن بیڑا پار ہو جائے گا۔ پھر ایک روز خداوند نعمت نے ارشاد کیا کہ قصّہ تاج الملوک کا اور بکاولی کا فارسی سے ہندی ریختے کے محاورے میں تالیف کر۔ کہ باعث سرخ روئی اور یادگاری تیری کا ہو اور موجب خوشنودی ہماری کا۔ چنانچہ اس ضعیف نے بموجب ارشاد فیض بنیاد کے اپنے حوصلے کے موافق صاحب فلاطوں فطنت والا شکوہ عالی حشمت فلک احتشام مارکوئس ولزلی نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے عہد میں ہندی (اُردو) میں تالیف کیا، اور نام اس کا مذہبِ عشق رکھا۔

ساتویں داستان راہ میں تاج الملوک کے ملنے کی بھائیوں سے اور چھین لینا گل بکاولی کا

کہتے ہیں کہ تاج الملوک فقیروں کے بھیس میں پیچھے پیچھے بھائیوں کے چلا آتا تھا کہ اُن کا ارادہ کما حقّہٗ دریافت کرے، الغرض وہ جہاں اُترے ہوئے تھے آن پہنچا۔ اور ایک کونے میں بیٹھکر اُن کی لن ترانیاں اور جولانیاں جھوٹی جھوٹی سننے لگا، آخر نہ رہ سکا سامنے آکر دوبدو کہنے لگا، یہ بیہودہ باتیں آپس میں کیا کر رہے ہو، اپنا منہ دیکھو۔ گلِ بکاولی میرے پاس ہے۔ اور اسی وقت

اُس کو کمر سے کھول کر اُن دغابازوں کے آگے رکھ دیا۔

آٹھویں داستان بکاولی کے جاگنے اور گلاب کے حوض میں گل کے نہ دیکھنے کی اور اُس کے چور کی تلاش میں نکلنے کی

خُم خانۂ سخن کا ساقی اُس پُرانی شراب کو نئے پیالے میں یوں بھرتا ہے کہ جب بکاولی نے جادو بھری آنکھ کھولی اور خوابِ راحت سے چونکی پشواز ناز سے پہنی۔ کنگھی سے بالوں کو سنوارا دوپٹّا اوڑھا، آہستہ آہستہ جھومتی اٹکھیلیوں سے حوض کی طرف چلی۔ ہر ہر قدم پر وہ گل اندام اپنے نقشِ قدم سے زمین کو پائیں باغ بناتی تھی، اور گردِ راہ سے چشمِ بلبل میں سرمہ لگاتی تھی جب حوض کے کنارے پر پہنچی، دستِ نگاریں سے گلاب اپنے رخسار پر ڈالنے لگی اور چہرے کا غبار کہ عنبر کے مانند تھا دھو دھو کر گلاب میں ملانے اور حوض کو چاروں طرف چشمِ مستِ ناز سے دیکھنے بھالنے لگی، ناگاہ گل بکاولی کی جگہ پر نظر جا پڑی، ہر چند بغور و تامّل نگاہ کی کچھ اُس کا نشان نظر نہ آیا۔

شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۳	داستان انشا (۱) داستان رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی (۱)	سید انشا اللہ خان انشا	۱۲۱۴ھ ۱۸۰۰ع	ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھ آئی، کہ کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی (اردو)، چھٹ اور کسی بولی کی پٹ[1] (آمیزش)، نہ ملے، تب جاکے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے، باہر کی بولی اور گنواری کچھ اس کے بیچ میں نہ ہو، اپنے ملنے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے پُرانے دُھرانے بوڑھے گھاگ یہ کھٹراگ لائے، سر ہلاکر منہ تھتھاکر ناک بھوں چڑھاکر، گلا پھلاکر لال لال آنکھیں پھراکر لگے کہنے، یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ ہندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکا

پن بھی نہ ٹھس جائے، جیسے بھلے لوگ اچھوں سے اچھے آپس میں بولتے چالتے ہیں، جوں کا توں وہی ڈول رہے اور چھانوں کسی کی نہ پڑے یہ نہیں ہونے کا، میں نے اُن کی ٹھنڈی سانس کی پھانس کا ٹھوکا کھاکر جھنجھلاکر کہا، میں کچھ ایسا انوکھا بڑ بولا نہیں، جو رائی کو پربت کر دکھاؤں اور جھوٹ سچ

[1] رسالہ اُردو میں پُٹ کی جگہ نپٹ ہی۔ اور آبِ حیات میں پٹ ہی۔ ہمارے خیال میں پُٹ زیادہ موزوں ہے ۱۲

بول کر انگلیاں نچاؤں اور بے سُری بے ٹھکانے کی اُلجھی سُلجھی باتیں کئے جاؤں، مجھ سے نہ ہو سکتا تو بھلا منھ سے کیوں نکالتا، جس ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا۔ اب اس کہانی کا کہنے والا یہاں آپ کو جتاتا ہے اور جیسا کچھ لوگ اُسے پکارتے ہیں (انشاء اللہ) کہہ سناتا ہے۔ دہنا ہاتھ منھ پر پھیر کر مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوں اور آپ کو جتاتا ہوں، جو میرے داتا نے چاہا تو وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کود پھاند اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں جو دیکھتے ہی آپ کے دھیان کا گھوڑا، جو بجلی سے بھی بہت چنچل اچپلاہٹ میں ہرنوں کے روپ میں ہے اپنی چوکڑی بھول جائے۔

چوتُکا (رباعی)

گھوڑے پر اپنے چڑھکے آتا ہوں میں　　کرتب جو ہیں سو سب دکھاتا ہوں میں
اُس چاہنے والے نے جو چاہا تو ابھی　　کہتا جو کچھ ہوں کر دکھاتا ہوں میں

تبصرہ و کیفیت

اس داستان کا مختصر نمونہ تذکرۂ آبِ حیات میں شائع ہو چکا ہے۔ انجمن ترقی اردو کے فاضل آنریری سیکرٹری نے اس کی مکمل نقل حاصل کی جس کو انھوں نے اپریل ۱۹۲۶ء کے رسالۂ اردو میں چھاپ دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "سید انشاء اللہ خاں کی وہ داستان جس میں ایک لفظ بھی عربی فارسی کا نہیں آنے دیا، مشہور تو بہت ہے مگر ملتی کہیں نہ تھی۔ آخر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی پُرانی جلدوں میں، اُس کا پتا لگا۔ مسٹر کلنٹ پرنسپل لا مارٹین کالج لکھنؤ کو اُس کا ایک نسخہ موتی محل لائبریری میں دست یاب ہوا تھا جسے اُنھوں نے سوسائٹی کے رسالے میں طبع کرا دیا۔ ۱۸۵۲ء

میں ایک حصّہ طبع ہوا اور دوسرا حصّہ ۱۸۵۵ء میں۔"

اس میں شک نہیں کہ اس میں عربی فارسی کا کوئی لفظ نہیں آتا لیکن اس زمانے کے لحاظ سے زبان ایسی صاف نہیں جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ بہر حال سید انشا مرحوم کی، جو اپنی بعض خوبیوں کے لحاظ سے یکتا تھے، ایک عجیب یادگار ہے، جس کا محفوظ رکھنا ہمارا فرض ہے۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	شمار
ہدایت نامۂ مال گزاری محرّرہ ۱۸۰۳ء دفعہ (۱۲۷)، قانون ۲۳۔ ۱۸۰۳ء کے بموجب کلکٹری دفتر اس واسطے مقرّر کیا گیا کہ آئندہ کو سرکاری مال گزاری اور رعایا کی حقیّت ملکیت کی محافظت ہو۔ اس کے تقرّر کا خاص مطلب یہ تھا کہ بندوبست اور دیہات منقسمہ کی تقسیم جمع کے جملہ کاغذات اور سب اسناد جو کسی طرح سرکاری مطالبے سے تعلّق رکھتی ہوں احتیاط تمام سے رہیں۔ **تتمّہ نمبر (۳۰) متعلّقہ دفعہ (۳۴۸)** خلاصہ احکام سالیانہ داروں کے پہچاننے کی بابت	سنہ ۱۲۱۷ھ ۱۸۰۳ء	کارپردازان ایسٹ انڈیا کمپنی بعہد چارلس ایلین قائم مقام سکریٹری گورنمنٹ مغربی شمالی	ہدایت نامۂ مال گزاری	نمبر ۱۴

اور اس بات کے انسداد کے واسطے کہ سالیانہ دار کی حیات کے بعد از روے جعل سازی بحال نہ رہے۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۵	جامع الاخلاق	محمد مولوی امانت اللہ شیدا	۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء	نام اس کتاب سعادت انتساب کا جامع الاخلاق ہی۔ اور یہ ترجمہ ہی لوامع الاشراق فی احکام الاخلاق عرف اخلاق جلالی کا، اُردو زبان میں سنہ ۱۲۲۰ھ ہجری ہندی میں مطابق سنہ ۱۸۰۵ء کے مولوی امانت اللہ صاحب مرحوم نے جو فورٹ ولیم کالج کے درمیان منشی تفریق ہندی کے تھے اس کو ترجمہ کیا۔ اب ۱۲۶۴ھ ہجری میں موافق

۱۸۴۸ء کے زبدۂ نوآئینان عظیم الشان مشیر خاص ملکہ قمر درجہ بارگاہ انگلستان جمیس انڈر وارل ڈلہوزی گورنر جنرل بہادر کی حکومت کے وقت اور جناب معلّی القاب عدل و انصاف کے باب کرنیل اسٹیون ڈیوس ریلی بہادر کے دور میں جو سکریٹری کلکتّے کے عربی مدرسے کے اور ممتحن کالج مرقوم کے اور ایکٹنگ جناب والا خطاب معدنِ اخلاق و آداب میجر جارج ترنبل مارشل بہادر سکریٹری کالج مذکور کے ہیں، خادم الطلبا احقر غلام حیدر ساکن ہوگلی نے اس ترجمے کو کلکتّے کے بیچ مطبعِ احمدی میں چھاپا۔ تاکہ طالب العلموں کو اس سے فائدہ پہنچے اور عاصی کو ثواب ملے۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر شمار
صاحبانِ درد و غم اور مبتلایانِ رنج و الم پر ظاہر اور ہویدا ہووے کہ اس حیدر بخش حیدری نے کتاب گلشنِ شہیدا سے جس کو پہلے روضۃ الشہدا سے زبان ریختہ میں ترجمہ کیا تھا، اب شہر محرم الحرام کی بیسویں[۲۰] تاریخ ۱۲۲۶ھ ہجری میں جناب فیض مآب گلِ گلزار معانی شمع بزم نکتہ دانی بحرِ سیادت و امانت سرو جویبار گلشنِ شرافت و	۱۲۲۶ھ ۱۸۱۲ع	سید حیدر بخش حیدری	گلِ مغفرت ترجمہ دہ مجلس	نمبر ۱۴

نجابت مولوی سید حسین علی صاحب جون پوری زاد الطافہ کے ارشاد کرنے سے جن کی خدمت فیض درجت میں اس ہیچ مداں کو ایک رسوخِ دلی اور باطنی ہے اس نسخہ، دہ مجلس کو انتخاب کیا اور نام اس کا گلِ مغفرت رکھا۔ اس لئے کہ ہر ایک خاص و عام کی نظر اشرف سے گزرے، مقبول خاطرِ عاطر ہووے۔ بحق محمدٍ و آلہ الامجاد۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	تصنیف زمانہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۶	مجموعہ ترکیب علاج ہیضہ از رپورٹ ڈاکٹر ... سپرنٹنڈنٹ ... [illegible]	سر جیمز الگزانڈر مرنز	۱۲۳۲ھ ۱۸۱۶ء	**بسلسلۂ ذکر ہیضہ** اخبارات کی رو سے یوں معلوم ہوا ہے کہ ۱۸۱۶ء اگست مہینے کے آگے، ندیا کے ضلع میں اور جہاں گیر نگر یعنی ڈھاکا اور صوبۂ بہار میں یہ مرض شروع ہوا تھا۔ اور اگست مہینے کے اوائل میں سوائے جگہ مذکور کے کئی ایک جگہ میں صوبۂ بنگالہ کے نمود تھا، مگر ڈاکٹر صاحبوں کے سررشتوں سے ایسا معلوم ہوا ہے کہ ہیضہ ندیا کے ضلع میں مئی مہینے

میں اور عظیم آباد میں جولائی مہینے کی گیارہ تاریخ ۱۸۱۶ء میں شروع ہوا تھا اور جنوری مہینے کے آخر تک یکساں عظیم آباد میں اس کی دھوم مچی رہی تھی اور بہت آدمی مر گئے تھے، اور جولائی مہینے میں ہمین سنگھ ضلع میں نمود ہوا۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	تصنیف زمانہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۸	تنبیہ الغافلین بسلطان العروس	صوفی محمد عمران العمرانی اورنگ آبادی	۱۲۳۶ھ ۱۸۲۱ء	بعد حمد اور صلاۃ کے بندہ کثیر العصیاں ضعیف البنیان محمد عمران متوطن شہر مصطفیٰ آباد عرف

رام پور کا کہتا ہے کہ ایک شخص محتاج جو بظاہر خوار و بے اعتبار اور حقیقت میں دیانت دار، اور تقوے سے آراستہ کمال دین دار، رہنے والا دار الامارۃ کلکتے کا بنگالی الاصل، شب و روز قال اللہ اور قال الرسول میں سرگرم، لیکن بسبب تقدیر الٰہی کے علم سے بے بہرہ تھا۔ جس کو سنتا کہ وہ عالم فاضل، پرہیزگار، دین دار، مقبول درگاہ الٰہی کا ہے اُس سے جاکر استفادہ کرتا، اور جو کچھ شک و شکوک مسائلِ دینی میں ہوتے تو پوچھتا، اتفاقاً جناب ارشاد مآب مولوی سید محمد حیدر علی صاحب قبلہ رام پور سے دار الامارۃ کلکتے کو تشریف فرما ہوے، یہ فقیر بھی اُن کی خدمت میں ہمراہ رکابِ سعادتِ انتساب علم کا استفادہ کرتا وہاں تک پہنچا، اُن کے علم و فضل اور کمالات کا شہرہ اطراف و جوانب میں بنگالے کے ہوا، وہ شخص تو طالب ایسے ہی شخصوں کا تھا، سنتے ہی آکر حاضر ہوا، الغرض ایک مدّت تک تو یوں ہی آتا رہا۔ ایک روز بولا کہ حضرت ہم کہاں تک مسائل پوچھ سکیں گے، التماس بندے کا یہ ہے کہ مسائل مسلمانوں کی تجہیز و تکفین کے کہ یہ نہایت ضرور ہیں اور ہر مسلمان کو اُن کی احتیاج ہے اگر اُردو زبان میں مذکور ہوں تو نہایت فیضِ عام ہو اور قریبِ فہم عوام ہو۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۵	فسانۂ عجائب	مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی	سنہ ۱۲۴۰ھ ۱۲۴۲ھ	ناگاہ ایک روز موکبِ (کیمپ) حشمت و جلال با فرّ (شان) و شوکت کمال ایک صحرائے باغ و بہار دشتِ لالہ زار میں ہوا، فضائے صحرا قابلِ تحریر کیفیتِ دشتِ گلشن آسا لائق تقریر، بو باس ہر برگ و گل کی رنگ

مشک، اذ فرِ صفحۂ بیاباں معنبر و معطر، چشموں کا پانی صفا میں آبِ گہر سے آبدار تر، ذائقے میں بہ از شیر و شکر، چلّے کے جاڑے کڑاکے کی سردی تھی، گویا زمین سے آسمان تک یخ بھر دی تھی، پرند اور چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں جمے ہوئے بیٹھے بھوک اور پیاس کے صدمے اُٹھاتے تھے، دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے، قصد سے تھرتھراتے تھے۔ سردی سے سب کا جی جلتا تھا، دمِ تقریر ہر شخص کے منہ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا۔ آواز کسی کی کسی کے کان تک کم جاتی تھی، منہ سے بات باہر آئی اور جم جاتی تھی۔ مارِ سیاہ اوس چاٹنے باہر نہ آتا تھا، سردی کے باعث دُم دبا کے بانبی ہی میں بھاگ جاتا تھا، زمانے کے کاروبار میں خلل تھا، ہر ایک دست و بغل تھا، شمعِ انجمن لگن تک گرتے گرتے اولا تھا، پروانوں نے گرد پھرتے پھرتے ٹٹولا تھا، شعلہ کانپتا تھا، فانوس کے لحاف میں منہ ڈھانپتا تھا، شمع کا جسم برف تھا، پگھلنے کا گیا حرف تھا، ہر سنگ کے سینے میں آگ تھی، گواہ شرعی شرر تھا لیکن سردی کو بھی یہ لاگ تھی اور جاڑے کا ایسا اثر تھا کہ سلیں کی سلیں جمی پڑی تھیں، فولاد سے زیادہ کڑی تھیں، تنورِ فلکِ چارم (سورج) کی چھاتی سرد تھی، گل خن میں یہ برودت تھی کہ کشمیر گرد تھی۔ لُنجوں نے بیڑ پکڑی، لُوے لُولوں کے ہاتھ آئے، لنگڑے ہرن باندھ لائے۔ سرزمینِ ہند میں مردے نہ جلتے تھے۔ زندوں کے ہاتھ پاؤں گلتے تھے، آتشِ رخسارِ گل شبنم نے بجھائی تھی، باغ میں بھی جاڑے کی دہائی تھی، اوس برگ و بار کی صنعت پروردگار کی دکھاتی تھی، مرصع کاری ایک لخت نظر آتی تھی۔ دانہ ہائے اشکِ شبنم خواہ بڑے یا ریزے تھے، ہر شجر کے پتے اور شاخ میں الماس اور موتیوں کے آویزے تھے، اس سردی کا کہیں ٹھکانا تھا، حمام تہ خانے کا خس خانہ

تھا، آگ پر لوگ جی نثار کرتے تھے، زردشت کا طریق اختیار کرتے تھے۔ اُس زمانے میں جاڑے کی یہ ترقی تھی کہ آج تک تنوں کی سردمہری نہ گئی۔ جاڑے میں ہر ایک الست تھا، عالم اللہ کا آتش پرست تھا۔ یہاں تک جاڑے کا زور شور عالم گیر ہوا تھا کہ کرۂ نار زمہریر ہوا تھا۔ جانِ عالم نے فرمایا آج خیمہ ہمارا یہیں ہو۔

نمونۂ عبارت	زمانۂ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
مجموعۂ قوانین ایکٹ ہائے سوپریم گورنمنٹ سنہ ۱۸۳۴ء سے لغایت سنہ ۱۸۵۷ء جو آخر سنہ ۱۸۶۳ء میں نافذ تھے **دیباچہ** مجموعۂ قوانین کی جلد اوّل سنہ ۱۷۹۳ء سے سنہ ۱۸۳۴ء تک مرتب ہو کر سنہ ۱۸۶۴ء میں مطبوع ہوئی، اب یہ جلد ثانی	سنہ ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۳/۶۴ء	مرتبہ سدا سکھ لال	مجموعۂ قوانین مطبوعہ مطبع نور الانوار آگرہ ۱۸۶۴ء	نمبر ۲

متضمن ایکٹ ہائے غیر منسوخہ کی من ابتدائے سنہ ۱۸۳۴ء لغایت سنہ ۱۸۵۷ء مع جلد ثالث من ابتدائے سنہ ۱۸۵۸ء لغایت سنہ ۱۸۶۰ء اور جلد رابع من ابتدے سنہ ۱۸۶۱ء لغایت سنہ ۱۸۶۳ء متضمن جملہ ایکٹ ہائے غیر منسوخہ مروجہ ممالک مغربی و شمالی چھاپ کر شائع کی جاتی ہے۔ ان

جلدوں میں بعض ایکٹ متعلقہ بنگالہ اور سوپریم کورٹ گو کہ وہ متعلق ممالک مذکور نہیں ہیں، مگر باین نظر کہ ترجمہ اُن کا کسی خاص وجہ سے اُردو گورنمنٹ گزٹ ممالک مغربی و شمالی میں چھپا تھا داخل کئے گئے ہیں۔ فائدے اس تالیف کے ایسے نہیں ہیں کہ احتیاج اُن کے بیان کی ہو۔ فی الواقع یہ جلدیں آئینہ نمائے انتظام جملہ سر رشتہ ہائے سلطنت عظیم الشان سرکار دولت مدار انگلشیہ کی ہیں، ان کے دیکھنے سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر باب میں کتنے قوانین مجاریہ وقت ہیں اور کتنے منسوخ ہو گئے۔ واضح ہو کہ مصنّف نے ترجمۂ اُردو میں کہ وہ مسلّمہ گورنمنٹ اور مندرجہ گزٹ سرکاری تھا، کچھ تصرّف نہیں کیا ہے، اگر بنظر سرسری کسی مضمون میں اصل انگریزی سے اختلاف صریح پایا، اُس کو اُسی اصل کے مطابق بہ ثبتِ نشانِ ذیل صفحے میں مرقوم کیا ہے، اور جو ایکٹ منسوخہ یا مرمّمہ یا منقضی المیعاد یا ایکٹ کی دفعات منسوخہ یا مرمّمہ کہ در اثنائے ترتیب داخل ہو گئی تھیں اُن کی فہرست بحوالۂ احکام ناسخ یا مرمّم صفحہ مابعد میں درج کی جاتی ہے۔ اور جو قوانین متعلقہ دیگر پریسیڈنسی یا سوپریم کورٹ یا خاص بنگالہ ہیں اُن کی تاریخ صدور کے بعد صرف حوالہ نام اُس پریسیڈنسی کا یا سوپریم کورٹ یا خاص بنگالے کا لکھ دیا ہے۔ ایکٹ نمبر (۱) ۱۸۳۴ء ولایت ہند نواب گورنر جنرل بہادر کے حضور سے کونسل کے اجلاس میں ۲۰ نومبر ۱۸۳۴ء میں صادر ہوا۔

نمبر	تصنیف	مصنف	تصنیف سنہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۱	اتالیق الصبیان غیر مطبوعہ	سید صالح محمد دہلوی	۱۲۴۹ھ ۱۸۳۳ء	جان تو، جو نیک بخت کرے تجکو اللہ تعالیٰ بیچ دونوں جہان کے، کہ اس فقیر پر تقصیر نے بیچ اس رسالے کے صفت ایمان کی اور عقیدے اور فرض اور واجب اور سنّت اور مستحب اور مسائل ضروری نماز اور روزے اور حج اور زکات کے کتابوں معتبر سے چن کر اور مختصر کر کر

واسطے فائدہ اُٹھانے خاص اور عام کے لکھے، اور ترجمہ کئے، اور واسطے آسان ہونے اور جلد سمجھنے عورتوں اور هر دوں اَن پڑھ کے نظم نہ کیا، یعنی بیتوں میں نہ لکھا، اور اوپر ایک مقدّمے اور پانچ باب اور ایک خاتمے کے منقسم کیا جاتا ہی اور ہر ایک باب میں کئی کئی فصلیں اور ہر ایک فصل میں کتنے کتنے مسئلے ہیں، اور نام اس کا اتالیق الصبیاں رکھا گیا، اور بعد تمام ہونے کے اس ضعیف نحیف نے واسطے دور ہونے شک کے جو بعض مسئلوں میں رکھتا تھا، اور خوف آخرت کے سبب کہ یہ مقدّمہ دینی ہی، شاید کہیں غلطی یا کہ زیادتی نہ ہوئی ہو، اوّل سے آخر تک اس رسالے کو چنے ہوئے فاضلوں اور پیشوا عالموں مولوی محمد اسحاق صاحب یعنی نواسے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے کو، سلامت رکھے اللہ اُن کو جو ساتھ علم اور حلم اور اخلاق کے تعریف کئے گئے ہیں، سنایا، اور اُنھوں نے اوّل سے آخر تک خیالِ دل سے سُن کر جس جگہ شک اور غلطی تھی اصلاح فرمائی اور بہت

پسند کیا، اور آفریں فرمائی، بلکہ کئی سطریں عبارت عربیہ کی مقدمے اس کے ہیں ہاتھ مبارک سے دست خط فرمائیں، اور اُن کو اس عاجز نے تبرّکاً اور تیمّناً اور دستاویز مضبوط سمجھ کر داخل اس رسالے کے کیا۔

شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۲	قصۂ گلِ صنوبر	نیم چند کھتری	۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ و ۳۷ء	**ٹائیٹل پیج** زبان فارسی سے زبان اُردو میں ترجمہ کیا ہوا نیم چند کھتری کا نام سے بابو گورچرن کے، نواب مستطاب لارڈ جارج آکلنڈ صاحب بہادر دام اقبالہ کے عہد میں، داتارام برہمن کی تصحیح سے چھاپا گیا **نمونۂ متن** بعد ازاں فقیر حقیر رضائے الٰہی پر خرسند نیم چند یوں

لکھتا ہے کہ اس عالمِ ناپائدار میں کسی چیز کو قرار نہیں اور نیستی پر سب کا مدار ہے، اُس کی ذاتِ لازوال کے واسطے بقا اور باقی سب کو فنا ہے۔ مگر ایک گلستانِ سخن کہ خزانِ جہاں اُس کے گلوں پر نہیں آتی چوروں کی چوری اور رہزنوں کی سرزوری سے یہ دولت کہیں نہیں جاتی، چمن اُس کا ہمیشہ تازہ و خرّم رہتا ہے اور اُس کی نہروں میں زلالِ زندگی بہتا ہے، اس کے مکان کی نیو کو حادثے کے بھونچال کا کچھ خطرہ نہیں ہوتا۔

شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۳	تاریخ افغانستان	سید فدا حسین عرف نبی بخش	۱۲۵۵ھ ۱۸۳۹ء	امّابعد، یہ آوارہ عاجز و ناکارہ درماندہ و درافتادہ سیّد فدا حسین عرف نبی بخش بخاری الحیدری نسب علاقہ روزگار سرکارِ انگریزی میں بعہدۂ جمعداری تُرک سواروں میں ملازم ہوا تھا، زمانۂ ناہنجار کہ ہر روز بازیِ تازہ برروے کار لاتا ہی اور شعبدہ نیا اُٹھاتا ہی، چناں چہ صاحبانِ عالی شان کو بحمایت شاہ شجاع دُرّانی بادشاہ کابل کے مہم اُس ملک کی اور بادشاہ کرنا اُس کا

مصمّم ہوا، اور رسالہ ہمارا مقام چھاؤنی میرٹھ سے اس مُہم میں مقرّر ہوا، عاصی بھی چار و ناچار بندگی و بے چارگی مثل مشہور ہی سب دوست و یگانہ سے رخصت ہو کر مستعد و آمادۂ سفر ہوا۔ تاریخ ۳- ماہ نومبر ۱۸۳۹ء عیسوی مطابق ۲۵- شعبان ۱۲۵۵ھ ہجری کو شاہ جہاں آباد سے دو تین منزل آگے گئی تھی کہ قضاے الٰہی سے بیماری ہیضہ وبا کی فوج میں پڑ گئی -----

اب پھر آیا میں اوپر مطلب اپنے کے۔ عرض بیچ خدمت سامعانِ کتاب کے یہ ہی کہ دس ہزار فوج لڑائی پر گئی سب ماری گئی۔ ۷ ہزار آدمی وہاں سے بچکر آئے اور باقی وہیں مدفون ہوئے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۴	ترجمہ فقہ اکبر	منشی سعد اللہ مرادآبادی مطبوعہ	۱۲۵۵ھ ۱۸۳۹ء	یہ کتاب ہی اصل توحید اور اعتقاد صحیح کے بیان میں، واجب ہی ہر مسلمان پر کہ صدق دل سے، یقین لایا میں اللہ پر، اور اُس کے سب فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر، اور جِلا اُٹھانے پر پیچھے مرنے کے، اور

خیر و شر کی تقدیر پر، کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہی، اور حساب ہونا، اور تُلنا اعمال کا قیامت میں اور بہشت اور دوزخ سب حق ہی، اور اللہ تعالیٰ ایک ہی، عدد سے نہیں۔ پر اس راہ سے کہ اُس کا کوئی ساجھی نہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۵	عجائب القصص	حکیم احسن اللہ خاں و فخر الدین حسین سخن بفرمائش و میرزا حیدر شکوہ بن سلیمان شکوہ	۱۲۵۶ھ ۱۸۴۰ء	**عبارت دیباچہ** بعد حمد ایزدِ منّان اور نعت و منقبتِ رسول آخر الزماں، ابجد خوانِ دبستان دانش و شعور معتصم بذیل رسول الثقلین محمد فخر الدین حسین نقش پرداز اس دیباچے کا بیچ بیان سبب تالیف اس کتاب فیض نصاب کے گزارش کرتا ہی۔ اور بر خاطر خطیر اربابِ عقل

وتمیز کے پوشیدہ نہ رہے کہ تحریک سلسلہ انجام اس کام کی بوساطت دست و قلم سیادت مرتبت نجابت منزلت سید باقر حسین خلف رشید سید علی نقی خاں کے عمل میں آئی اور اس بزرگوار شایستہ کردار نے بشّاشگی ذہنِ سلیم و فکر مستقیم کے عرائسِ مضامین اس کتاب کو پیرایہ پوش زبانِ اُردو سلیس سے آرائش دی۔

عبارتِ مترجم

"نامۂ اسکندر بنام والدۂ خود"

یہ نامہ ہی بندۂ خدا پسر تیرے اسکندر کی طرف سے کہ مدت اندک اور زمانۂ قلیل میں اہلِ زمین کے ساتھ بے حد رفاقت کی اور اب زمانہ ہاے دراز اور قرنہاے بے شمار مجاورت اہل آخرت کرے گا، بسوے والدہ کہ ہمرلے غوبت میں مواصلت اور ملازمت اُس کی سے متمتّع نہ ہووے اگر خدا چاہے تو عالم نور کرامت اور دار السرور بہجت میں مجاورت اُس کی سے منقطع نہ ہووے، اور یہ وہ نامہ ہی طویل الذیل کہ مفصلاً تاریخ مبسوطہ میں مذکور ہی۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
سید فضل علی بن شاکر علی ابن میر کرم علی رہنے والے قدیم شاہجہاں آباد کے، کہ اُستاد پڑھانے اور لکھوانے میں بادشاہ زادوں کے ہوتے آئے ہیں اور اب بھی	۱۲۵۹ھ ۱۸۴۳ء	میر فضل علی	تفصیل الاحکام	نمبر ۴۶

انھی خدمت پر بھائی صاحب عالی درجات اوپر نوکری روزگار کے بیچ سرکار بادشاہ کے جلوہ گستر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو سلامت باکرامت رکھے۔ لیکن اپنی خرابی اور بربادی کا کیا بیان کروں اور کیا کہوں کہ سینہ قلم کا چاک چاک ہوتا ہے کہ پروردگار عالم نے بزرگوں کی تقدیریں ریاست اور امیری لکھی تھی اور اس نالائق ردِّ خلائق کے مقسوم میں ندامت اور فقیری ------

الغرض یہ بے سر و سامان اور سرگردان ننگ خاندان اپنے کا ہوا، رات اور دن اس پیچ میں رہتا کہ ایّام طفلی میں اس گردشِ کج رفتار و زمانہ ناساز گار نے مانندِ اوراق گنجفے کے سب عزیز و اقربا سے جدا کر کے ایسا ابتر پریشان با دلِ بریان کیا کہ باگ اختیار کی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور رہوارِ برق رفتار حواسِ خمسہ کا نادر حیرانی جانے جنگل پر مستعد ہوا اور کچھ تدبیر بن نہ آئی۔ القصّہ منزلیں طے کرتا رفتہ رفتہ کلکتّے میں پہنچا کہ وہاں نہ کوئی یار نہ مددگار سوائے ذاتِ پروردگار کے مونس و غمخوار نہ تھا۔ نو برس کے سن میں کہ سنہ ۱۲۲۳ھ ہجری تھے، اس کم سنی میں یہ خیال دل میں گزرا کہ کوئی فن کسب کسی طرح کا ہو، اُس کو اختیار کیجیے، اور دل سے سیکھیے، تاکہ آنکھوں میں لوگوں کی عزیز ہو جیئے۔ الحاصل اسپتال انگریزی ڈاکٹر کلاک یا ٹن صاحب کہ نام اُن کا آج تک بیچ کلکتّے کے مشہور اور معروف ہے کہ فنِ جراحی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، اُن کی خدمت فیض درجت میں دست بستہ بہ ارادہ شاگردی حاضر ہوا، اور سوال کیا کہ امیدوار اس بات کا ہوں۔ میری زبانی یہ حال سن کر وہ صاحب فیلسوف ہمسرِ جالی نوس، استادِ زمانہ اپنے فن کا یگانہ مہربان ہوا، اور یوں فرمایا کہ بہتر ہے، مگر رہنا یہیں ہوگا، جب تک اس کو خوب حاصل نہ کر لوگے تب تک پروانگی کہیں جانے کی نہ ملے گی۔

اوپر عاقلوں کے چھپا نہ رہے کہ اس فقیر نے جو یہ اجزا جمع کئے ہیں تو ان میں آسان عبارت اور سلیس ترکیب علاج دیکھکر واسطے تعلیم مبتدیوں کے۔ اگر ان اجزا کو دقیق کرکے لکھتا تو فہم مبتدی اس کو بوجھ نہ سکتا۔ یہ کتاب شہر ذی الحجہ میں تمام ہوئی۔ اور تاریخ دسویں روز دوشنبہ اور ۱۲۵۹ھ ہجری،

مطابق ۱۸۴۳ء۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۷	یہودیوں کا بیان (مطبوعہ)	کارپردازانِ گرجا	۱۲۶۱ھ ۱۸۴۶ء	خداوند نبی اسرائیل پر نپٹ (بہت) غصہ ہوا اور اپنی نظر سے انھیں گرادیا، اُن میں کوئی نہ بچا مگر خالی یہودا کا فرقہ۔ اور سمرونی لوگ جو اُس ملک کے نئے باشندے تھے خدا کو نہ جانتے تھے اور نہ اُس کی بات مانتے تھے اس واسطے اُس نے اُن کے بیچ شیر کو بھیجا جس نے اُن میں بہت سے لوگوں کو پھاڑ کھایا اس لئے اُنھوں نے امور کے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ قومیں جنھیں تو نے سمرون میں بسایا تھا اس ملک کے خدا کی راہ

نہیں جانتیں، اس واسطے اُس نے اُن میں شیر دن کو بھیجا ہے۔

شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۴	رسالۂ گلکرسٹ (قواعدِ اردو)	ڈاکٹر جان گلکرسٹ پرنسپل فورٹ ولیم کالج کلکتہ	مطبوعہ ۱۲۲۴ھ ۱۸۰۹ع	یہ رسالہ زبان ریختہ ہندی کی صرف و نحو میں، مشتمل ہی دو مقدموں پر۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مصدر دلالت کرتا ہی صادر ہونے پر فعل کے فاعل سے۔ یا قائم ہونے پر فعل کے فاعل میں۔ اور اس صدور اور قیام کے بعد ایک کیفیت حاصل ہوتی ہی۔ اُس کیفیت پر جو اسم دلالت کرے وہ حاصل بالمصدر ہی۔ پس اکثر مصادر کی علامت کے حذف کرنے سے جس قدر باقی رہے وہ حاصل بالمصدر ہی۔

تبصرۂ و کیفیت

یہ رسالہ سنہ تصنیف کے لحاظ سے سنہ ۱۸۰۹ع اور ۱۸۲۰ع اور ۱۸۳۱ع میں شائع ہو چکا ہی ڈاکٹر جان گلگرسٹ کا نام اُردو زبان کے محسنین میں نہایت ممتاز ہی۔ اُنھوں نے نہ صرف زبان، قواعد اور لغت پر خود کتابیں لکھیں بلکہ اکثر مشاہیر اہلِ زبان معاصرین۔ مثل میر امّن۔ بہادر علی افسوس۔ حیدری۔ ولا وغیرہم کو جمع کرکے اُن سے ایسی کتابیں لکھوائیں، جن میں سے بعض

ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ ڈاکٹر صاحب نے اُردو کی خدمت کا کام ۱۸۰۰ء میں شروع کیا، اور فورٹ ولیم کالج اُردو زبان کی تالیف وتصنیف کا مرکز انّیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی دس پندرہ سال تک رہا۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	شمار
سب صاحبوں کی خدمت میں بندۂ کمترین کریم الدین یہ عرض کرتا ہے کہ جب بندہ ایک تذکرہ شعرائے عرب کا زبانِ اُردو میں واسطے سوسائٹی کے لکھ کر چھپوا چکا، اُس وقت یہ ارادہ پیرامون خاطرِ عاجز کے ہوا کہ ایک تذکرہ شعرائے ہند کا بھی تاریخ وار جس سے ہر شاعر کے سنہ زندگی کا	۱۲۶۴ھ ۱۸۴۵ء	مسٹر ایف فیلن و مولوی کریم الدین پانی پتی	طبقات شعرائے ہند (از کریم الدین و فیلن)	نمبر ۴۹

حال معلوم ہو جاوے اور یہ معلوم ہو کہ وہ شاعر کس زمانے میں موجود تھا مع اور حالات صادقہ اُس کے کے، جہاں سے پاؤں جمع کر کے چھپواؤں، اس لئے یہ تذکرہ چند تذکروں سے تالیف کر کے درمیان ۱۸۴۵ء کے فراغت پائی۔ گرچہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ بہت تذکرے جمع کر کے اس تذکرے کو فراہم کروں، لیکن مجھ سے پہلے چوں کہ دی ٹاسی نے زبانِ فرنچ میں درمیان ملک فرانس کے ایک تذکرہ ان تذکروں مفصلۂ ذیل سے بہت اچھی طرح تالیف کر دیا تھا اس لئے اور دوسرے تذکروں سے جو اُس کو دست یاب نہیں ہوئے اور اُس تذکرے سے مدد لے کر یہ

تذکرہ میں نے فراہم کیا۔

تبصرہ و کیفیت

یہ اُردو ہسٹری یعنی تذکرۂ شعراے ہند (۶۴۹) شاعروں کے حال پر مشتمل ہے اور غالباً صرف ایک مرتبہ دہلی کے مطبع العلوم میں باہتمام سیّد اشرف علی ۱۸۴۸ء میں چھاپا گیا ہے۔ یہ تذکرہ اپنے تمام ماسبق تذکروں سے زیادہ مفصّل اور صحیح اور مفید تحقیقات سے مملو ہے۔ فضول تعریفیں اور غیر متعلق باتیں بہت کم ہیں۔ مولوی کریم الدین دہلوی اور مسٹر ایف فیلن نے مل کر مرتب و تالیف کیا ہے۔ اس نمونے میں جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں دونوں مؤلفین کی تحریریں لکھی گئی ہیں۔ شروع عبارت سے اس فقرے تک کہ "درمیان ۱۸۴۷ء کے فراغت پائی" مولوی کریم الدین کی تحریر ہے۔ اور اس کے بعد مسٹر ایف فیلن کی۔ انگریزی زبان میں دی ٹاسی کا جو تذکرہ موجود ہے اس کا ترجمہ بھی اس میں شامل ہے اور اسی لئے اکثر ناواقفین اس تذکرے کو دی ٹاسی کا تذکرہ سمجھتے ہیں۔

اس تذکرے میں دیباچے کے بعد اُردو زبان کی مفصّل تاریخ لکھی ہے اور حتّی الامکان پوری تحقیقات کو مدِّنظر رکھا ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۰	آثار الصنادید (طبع اول)	جواد الدولہ عارف جنگ سید احمد خاں	۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء	(بعد حمد و نعت) بہتر ہے کہ فکر مآل اندیش اس داعیۂ محال سے ہاتھ اُٹھا کر اپنے اندازے سے باہر پاؤں نہ نکالے اور اس امر صعب میں ہاتھ نہ ڈالے اس واسطے خاک پاے

اہلِ ہنر خوشہ چینِ معنی طرازانِ سخنور، امیدوارِ رحمتِ صمد سید احمد مخاطب بخطاب جواد الدولہ عارف جنگ بیٹا سید محمد متقی خاں بہادر مرحوم اور پوتا جواد الدولہ جواد علی خاں مرحوم اور نواسہ نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ کا دانایانِ اولی الابصار اور صاحب طبعانِ روزگار کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ مدتِ دراز سے یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ اگر حیلہ گری زمانۂ پُر بہانہ سے اندکے نجات حاصل ہو جاوے اور فلکِ ناتواں بیں کے پنجے سے کچھ مہلت ہاتھ آوے تو ایک نسخۂ عجیب اور مجموعۂ غریب خامۂ چابک رقم کی مدد اور فکرِ آسمان سیر کی عنایت سے لکھا جاوے کہ عمارت سوادِ حضرتِ شاہجہاں آباد حَرَسَہُ اللّٰہُ عَنِ الْفَسَاد (اللہ فساد سے اُسے بچائے رکھے) اور مکانات درونِ شہر اور قلعۂ مبارک کا حال اُس میں مندرج اور اطوار و اوضاع ساکنینِ شہر کا حال اُس میں مندرج (داخل) ہو۔

باب دوم قلعۂ معلّٰی کی عمارت کے حال میں

زہے بلند پایہ حصار کہ اگر آسمان اُس کے ایک برج کے کلس کی وسعت پیدا کرے کلاہِ تفاخر کو اپنے سر پر کج رکھے، اور اگر سپہرِ بریں اُس کے ایک کنگرے کی رفعت بہم پہنچا وے، اپنے جامے میں نہ سماوے، اندیشہ اُس کی بلندیِ دیوار کے اندازہ کرنے میں حیران، اور عقل اُس کی وسعت کی تحقیق میں سرگردان، اُس کی دیواریں آسمان کی پشتیبان، اور اُس کی خندق غیرتِ محیط و عمّان، یہ قلعہ زمانِ دولت اور عہدِ سلطنت شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ اَنَارَ اللّٰہُ بُرْہَانَہٗ (اللہ منور کرے بعید اُس کے) میں بنا ہے، اور تفصیل اُس کی یہ ہے کہ بموجب

فرمانِ قضاجریان اُس بادشاہ کے یہ قلعہ بننا شروع ہوا۔ اور سال دوازدہم جلوسِ شاہجہانی میں مطابق شبِ جمعہ دوازدہم ذی الحجہ ۱۰۴۸ھ ہجری مطابق ۹۔ اُردی بہشت ۱۰۶۱ ملک شاہی کی اچھی سے اچھی ساعت دیکھکر اُستا احمد اور اُستا حامد معماران نے کہ اپنے فن میں اپنا اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور ہندسہ و حساب میں ثانیِ اقلیدس اور رشکِ ارشمیدس تھے۔ اس قلعے کی بنیاد رکھی۔

عبارتِ خاتمہ

الحمدللہ کہ یہ کتاب تمام ہوئی اور دست و قلم کو جو گردشِ دائمی اور گریۂ مدام سے فارغ نہ تھے آسودہ ہوئے۔ فکر کو تسکین اور طبیعت کو اندیشے سے آسودگی بہم پہنچی خدا کرے کہ مقبول صاحب نظران پُر ہنر ہو۔

تبصرہ و کیفیت

اگر لکھنے والے کا نام چھپاکر یہ نمونہ پیش کیا جائے تو آج کل بہت کم ایسے واقفین ملیں گے جن کو اس نمونے پر سرسید احمد خاں کی تحریر کا یقین ہو۔ یہی وہ پہلی کتاب سرسیدؔ کی لکھی ہوئی ہے جس میں فارسی عربی ترکیبیں اور تشبیہات و استعارات کے ساتھ پُرانا اندازِ بیان پایا جاتا ہے۔ اس پہلے اڈیشن کے بعد اسی کتاب کا دوسرا اڈیشن بہت کچھ ترمیم و اصلاح کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ جس میں پُرانی ترکیبوں کے استعارے اور تشبیہیں بہت کم ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۱	ہدایت نامہ مالگزاری	ولیم میور سکرٹری صدر بورڈ و منشی فیض احمد	۱۲۶۲ھ ۱۸۴۵ء	ہدایت نامہ مالگزاری کا حصۂ دوم مجاریہ گورنمنٹ ممالک مغربی اور شمالی ترجمہ کیا ہوا ولیم میور صاحب سکریٹری صدر بورڈ مغربی و شمالی

باستعانت فیض احمد منشی اوّل

سکندرہ (آگرہ) کے یتیموں کے مطبع میں چھپا

فہرست مختصر

ایکٹ بابت سنہ ۱۸۵۱ء

اور

احکام ممالک مغربی کے

موضوع واسطے ترمیم قانون ۱۳ سنہ ۱۸۱۰ع منجملہ مجموعۂ قوانین بنگالہ جو اپیل کے مقدمات کے باب میں مقرر ہی۔

واضح ہو کہ عدالت دیوانی صدر ممالک مغربی متعلقۂ قلمرو فورٹ ولیم بنگالہ جو بطرز حال موضوع ہی، اُس میں صرف تین حاکم مامور ہیں اور اس باعث سے مجموعۂ بنگالہ کے قانون ۱۳ سنہ ۱۸۱۰ع اور ایکٹ نمبر ۲ سنہ ۱۸۴۳ع کے رو سے اُس حالت میں اپیل کی منظوری نہیں ہوسکتی ہی جب کہ فیصلہ جس کی ناراضی سے اپیل ہو، محکمۂ مذکور کے کسی حاکم کی تجویز سے صادر ہوا ہو، پس مقتضائے مصلحت ہی کہ قانون مذکور اصلاح پاوے۔ لہذا حسب ذیل حکم ہوتا ہی۔ عدالتیں دیوانی صدر متعلقۂ قلمرو فورٹ ولیم بنگالہ کی کسی عدالت کے تین حاکموں میں سے کوئی حاکم جو بغرض سماعت اور تجویز کسی مقدمۂ اپیل کے جلسہ کرے اس باعث سے اپیل کے سننے اور تجویز کرنے سے ممنوع نہ ہوگا کہ اُس نے محکمۂ ماتحت میں اس فیصلے کو خود صادر کیا تھا، جس سے اپیل ہوئی ہی۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	نام تصنیف	نمبر
عبارتِ سرورق تاریخ ممالک چین اور دوسرے ملکوں اور قوموں کی جو فرماں بردار یا باج گزار فغفور خطا کے ہیں ابتدائے نو آبادی دنیا بعد طوفانِ نوح سے	[illegible]	[illegible]	تاریخ ممالک چین	۴۳

لغایت

زمان عہد و پیمان و مصالحت میان سلاطین

خاوند انگلستان سنہ ۱۸۴۲ مسیحیہ میں

تالیف نحیف

خوشہ چین خرمن ارباب سخن جمیس کارکرن مصنف جواہر اخلاق

مترجم عدالت دیوانی صدر کلکتہ۔ دو ۲ جلدوں میں تمام ہے

پہلی جلد طبع مؤلف کے اہتمام سے بہ مطبع پادری تامس صاحب

واقع شہر کلکتہ۔ بماہ نومبر سنہ ۱۸۴۶ء ختم ہوئی

دیباچہ

صاحبانِ غور و تامل علمِ تاریخ کو اکثر علوم پر اس واسطے شرف دیتے اور بہتر سمجھتے ہیں کہ تجربہ کاری اور مردم شناسی کے ملک میں پہنچنے کی راہ ہے، اور وہاں کا سفر جس نے تھوڑا سا بھی کیا وہ کچھ ہو رہا، کیوں کہ دنیا کے کارخانوں کی بے ثباتی اور اولادِ آدم کی بد نہادی اور نیک صفاتی سے آگاہ ہوتا اور انقلاب روزگار سے عبرت حاصل کرتا ہے اور اکثر امور دنیوی میں ایسی آنکھ ہو جاتی ہے کہ تفرس کو قوت پیشین گوئی کی اور زبان کو توانائی فال بیانی کی حاصل ہوتی ہے، اور قیاس کو فراولت کے باعث یہ ملکہ ہو جاتا ہے کہ سبب کے دریافت سے انجام کا حال آغاز میں کہہ دیتا ہے، جیسا کہ اہلِ منطق صغریٰ اور کبریٰ سے نتیجہ نکال لیتے ہیں اور نتیجہ سننے سے سبب کو

معلوم کر لیتے ہیں چناں چہ کسی ملک کے حکّام اور اُمرا کے اطوار اگر مورّخ کے روبرو بیان کئے جاویں گے تو اغلب ہی کہ قال حال کو بے تامّل کہہ دے گا۔ سیوا (سوا) ان باتوں کے مورّخ کا علم موجب اپنی فرحت اور غیروں کی راحت کا ہی، اس لئے کہ اہلِ دنیا کی عادات اور حرکات اور نیرنگی زمانے کی جو ہمیشہ دیکھنے اور سننے میں آتی اور نادانوں کے دل میں حیرت اور افسوس کو پیدا کرتی ہی اس شخص کو نئی اور اجنبی نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ دنیا نے اپنی چال نہیں بگاڑی اور آج کل کی باتوں کی نظیریں سلف کے اخبار میں ملتیاں (ملتی) اور تسکین بخشتیاں (بخشتی) ہیں چنان چہ جس کی ناقدر دانی کا شکوہ حافظ شیرازپانچ سو برس پیشتر کرتا ہی اور فرماتا ہی۔ بیت۔

ابلہاں راہمہ شربت زگلاب و قند است قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۳	کتاب حکمت (علم طبعی) ارنٹ صاحب	مترجمہ پنڈت سرپ نرائن و شیو نرائن اعلیٰ اسکالران مدرسہ دہلی	۱۲۶۲ھ ۱۸۴۵ع	"بیچ بیان بخار بن جانے کے" اثر بخارات کا گرمی کے کھنچنے میں پسینے کے نکلنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہی۔ انسان کے جسم کے درجات گرمی ۹۶ درجے سے ۹۸ درجے تک ہوا کرتے ہیں، لیکن جب کہ بہت ورزش کریں اور یا جب کہ تپش گرمی کی ہمارے بدن پر ازحد ہو تو گرمی کو میلان زیادہ

ہونے کا اُسی حالت سے جو کہ واسطے ہماری صحت کے مفید ہی، تیار ہوتا ہی۔ اگر یہ بات پسینوں سے رفع نہ ہو جاوے تو بہت مضر اثر ہوتا ہی۔ جب کبھی یہ بات واقع ہونے کو ہوتی ہی تو پسینے جسم کے پوست پر آتے ہیں تاکہ اسی کے بخارات میں مبدّل ہونے سے بدن اتنا سرد ہو جاتا ہی جتنا واسطے صحت بدن کے ضرور ہے۔

کیفیت

یہ کتاب قاضی محمد سعید و قاضی محمد فرید، ایم اے، رئیسانِ پٹنہ محلہ لودی کٹرہ ولدانِ قاضی عبد الوحید مرحوم مدیرِ تحفۂ حنفیہ کے کتاب خانے میں موجود ہے۔

نمبر	تصنیف	مصنف	تصنیف سن	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۲	تقطیع	امام الدین خاں	۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ع	بنا اس رسالے کی، اوپر دو[2] اصل، اور چند فرع کے ہے۔ اصل پہلی بیچ بیان علم عروض کے کہ اُس میں ایک مقدّمہ اور پانچ فرع ہیں۔ مقدّمہ

جان تو! کہ شعر کے معنی لغت میں "گفتگو با زناں کردن" ہیں، اور اصطلاح میں اہلِ بلاغت کی کلام موزوں، مقفّی کو کہتے ہیں کہ قصدِ متکلّم سے سرزد ہو۔ وگرنہ اُس کو شعر نہ کہیں گے، جیسے

بعض آیتیں قرآن کی کہ موزوں ہیں۔

تبصرہ و کیفیت

فنونِ لطیفہ میں شعر و شاعری کے متعلق ابتداءً بہت کم کتابیں تالیف ہوئی ہیں، اور چوں کہ اُن سے اکثر اہلِ مذاق واقف ہیں اس لئے زیادہ نمونوں کے لکھنے کی اس خصوص میں ضرورت نہیں۔ یہ کتاب سلطان المطابع (لکھنو) میں باہتمام داروغہ مدد علی ۱۲۶۶ھ ۱۸۵۱ء میں چھاپی گئی ہے۔

نمونۂ عبارت	سنۂ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
فوج کشی کرنا جنرل ہارس کا سرنگپٹن پر بموجب حکم لارڈ مارنگٹن بہادر اور مشورے ابو القاسم خاں شوستری اور مشیر الملک بہادر دیوان حیدر آباد کے، لڑائیاں واقع ہونی سلطان اور اُس سپہ سالار کے درمیان، مسخر ہو جانا دار السلطنۃ کے قلعے کا، شہید ہونا سلطان (حیدر علی) کا جو ۱۲۱۳ھ میں واقع ہوا۔ اُن دنوں سلطانِ عالی مقام نے (جو ملکی کاموں	۱۲۶۴ھ ۱۸۴۷ء	مترجمہ شیخ احمد علی گوپاموی	حالاتِ حیدری یعنی تاریخ کرناٹک مع حالاتِ نواب حیدر علی (والی میسور)	نمبر ۳۸

کو بے صلاح و مشورہ انجام کیا کرتا اور اس باب میں خیر خواہوں کا کہنا سننا اُس کی جناب میں مقبول نہیں ہوتا تھا) دو سفیر تحفے ہدیوں سمیت ایک کو زماں شاہ کے پاس مع خطِ محبت نمط بھیج کر آئینِ دوستی تازہ کیا، اور دوسرے کو سلطانِ روم کے حضور میں روانہ کیا، اس عرصے میں مورس بندر سے کئی فرانسیس جن کا موشیر بوسی سرغنہ تھا حضور میں آن پہنچے، چوں کہ انگریز اور فرانسیس کے درمیان سات برس سے ان کی ولایتوں میں جنگ و حرب کا ہنگامہ برپا ہو رہا تھا اس لئے یہاں اُن فرانسیسوں کے وارد ہونے سے انگریزوں کے دل میں دھڑکا پیدا ہوا چنانچہ اُن لوگوں نے ڈر کر سلطنتِ خداداد کی بیخ کنی کے لئے تدبیریں کیں، اور فرانسیس کو اپنی چڑھائی کرنے کا بہانہ ٹھیرایا، مشیر الملک اور میر عالم کی صلاح سے شرح وار یہ روداد لارڈ مارنگٹن بہادر کے پاس جو کلکتے میں تھا لکھ بھیجا، لارڈ ممدوح تو ایسی فرصت کے وقت کا طالب ہی تھا جھٹ پٹ گورے کی چار پلٹنیں ہمراہ لے شعبان کے مہینے میں مدراس میں داخل ہوا اور یہاں سے اُس نے فوجیں اکھٹی کر جرنیل ہارس کے ساتھ سری رنگپٹن کو مسخر کرلینے کے قصد پر آگے روانہ کردیں، اُدھر حیدر آباد سے کرنیل راپٹ اور کرنیل ڈالس بھی چار پلٹن سمیت آکر جرنیل مذکور سے ملحق ہو گئے اور میر عالم آٹھ ہزار سوار ساتھ لے اور روشن راے مع چھے پلٹن انگریزی کی فوج میں آملے اب لارڈ موصوف نے اتمام حجت کے لئے حضور میں سلطان کے پے درپے کئی مکتوب اس مضمون کے بھیجے کہ اتفاق اور دوستی کے آئین میں عہد شکنی پر کمر باندھنی جائز نہیں، مقتضا محبت خلوص کا تو یہ ہے کہ پہلے تو اُن کئی فرانسیس تازہ واردوں کو اس مخلص کے حوالے فرمائیے، اور دوسرا التماس یہ ہے کہ انگریز بہادر کی طرف کا وکیل بارگاہِ سلطان میں حاضر رہا کرے، اور تیسرا یہ کہ

کوڑیال بندر۔ منگلور۔ تھادر وغیرہ قلعے جو جہازوں کے آنے جانے کی جگہ ہیں سرکار انگریز بہادر کو چھوڑ دیجئے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۴	تاریخ یوسفی یعنی سفرنامہ انگلستان از یوسف خاں کمبل پوش()	یوسف خاں کمبل پوش حیدرآبادی	۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء	**آغاز حال مولف** یہ فقیر بیچ سنہ اٹھارہ سو اٹھائیس عیسوی مطابق سنہ بارہ سو چالیس ہجری کے حیدرآباد وطن خاص اپنے کو چھوڑ کر عظیم آباد، ڈھاکا، مچھلی بندر، مندراج، گورکھپور، نیپال، اکبرآباد، شاہجہان آباد وغیرہ دیکھتا ہوا بیت السلطنت لکھنؤ میں پہنچا، یہاں بمددگاری نصیبی اور یاوری کپتان ممتاز خاں منکنس صاحب بہادر کے، ملازمت نصیر الدین حیدر

بادشاہ سے عزت پانے والا ہوا۔ شاہ سلیمان جاہ نے ایسی عنایت اور خاوندی میرے حال پُر اختلال پر مبذول فرمائی کہ نہیں تاب بیان اور یارائے گویائی۔ رسالۂ خاص سلیمانی میں عہدہ جماعہ داری کا دیا، بعد چند روز کے صوبہ داری اسی رسالے کی دے کر درماہہ بڑھایا بندہ چین سے زندگی بسر کرتا اور شکرانہ منعم حقیقی کا بجالاتا، ناگہاں شوق تحصیل علم انگریزی کا دامن گیر

حال ہوا، بہت محنت کرکے تھوڑے دنوں میں اُسے حاصل کیا، بعد اُس کے بیشتر کتابوں تواریخ کی سیر کرتا۔ دیکھنے حال شہروں اور راہ و رسم ملکوں سے محظوظ ہوتا۔ اکبارگی سنہ اٹھارہ سو چھتیس عیسوی میں دل میرا طلب گار سیاحیِ جہان خصوص ملک انگلستان کا ہوا۔ شاہ سلیمان جاہ سے اظہار کرکے رخصت دو برس کی مانگی۔ شاہ گردوں بارگاہ نے بصد عنایت و انعام اجازت دی، عاجز تسلیمات بجالایا، اور راہی منزل مقصود کا ہوا، تھوڑے دنوں بعد دارالامارۃ کلکتے میں پہنچا۔ پانچ چھ مہینے وہاں کی سیر کرتا رہا۔ بعد ازاں جمعرات کے دن تیسویں تاریخ مارچ کے مہینے سنہ اٹھارہ سو سیں تیس عیسوی میں جہاز پر سوار ہوکر بیت السلطنت انگلستان کو چلا۔ نام جہاز کا "ازابیلہ" کپتان اُس کا ڈیبڈ برن صاحب مع اپنی بی بی کے تھا۔ جہاز وزن میں چھ سو ٹن کا کنارے گنگا پر لگا تھا، یہاں سے دریائے شور پہنچنے تک اُس کی اعانت کو دھوئیں کا جہاز مقرر ہوا۔ تھوڑے دنوں میں اپنے زور سے ہمارے جہاز ازابیلہ کو گنگا سے کھینچ کر سمندر میں لے گیا وہاں سے جہاز ہمارا اچل نکلا۔

تبصرہ و کیفیت

یہ سفرنامہ پنڈت دھرم نرائن کے اہتمام سے مطبع العلوم مدرسۂ دہلی میں چھپا ہے جس کا سنہ طباعت ۱۸۴۳ء ہے۔ کتاب کا حجم (۲۹۷) صفحہ ہے، اور اکثر صحت کتابت کا خیال رکھا گیا ہے۔ مگر املا میں یائے معروف و مجہول کا یک قلم لحاظ نہیں کیا گیا۔ زبان عام فہم ہے۔ البتہ پرانی ترکیبیں جابجا موجود ہیں۔ جن پر انتقالِ ذہنی اور توجہِ نظر کے لئے لکیریں (ـــــ) کھینچ دی ہیں۔

شمار	تصنیف	مصنف	سنِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۴	ترجمۂ شمشیر خانی موسوم بہ سرور سلطانی	مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی	۱۲۶۳ھ ۱۸۴۶ع	راویانِ اخبار و حاکیانِ آثار متفق ہیں کہ پہلے جس نے گلزارِ بے ثبات میں روشِ سلطنت نکالی تخت و تاج کی بنا ڈالی، عدل و داد کو رواج دیا، محصول و خراج لیا، وہ کیومرث تھا، بیٹا اُس کا سیامک نام تھا۔ اُس کو عبادت کے سوا اور نہ کچھ کام تھا، دیو نے اُس کو مارا، کیومرث کو بہت قلق ہوا، ہوشنگ سیامک کا بیٹا تھا، اُس نے باپ کے خون کا بدلہ لیا، دیو کو قتل کیا، تیس[۳۰] برس کیومرث نے سلطنت کی، پھر دارِ افنا سے رحلت کی، یہ قولِ فردوسی ہے۔ اس نام کی

تحقیق میں کیومرث کاف فارسی اخیر تا فوقانی، اور ائمۂ اخبار نے اختلاف کیا ہے۔ امام غزالی نے اس وادی سے رم کیا ہے۔ بزرگ ترین اولادِ صلبی آدم لکھا ہے۔ بعضے کہتے ہیں دیلم بن لاوذ بن سام بن نوح ہے۔ اور مصنف روضۃ الصفا لکھتا ہے کہ یافث بن نوح کا بیٹا ہے۔ عرب اُس کو عامر عجم کیومرث کہتے ہیں۔ اور علمائے مجوس آدم اسی کو جانتے ہیں کلشاہ کہکے مانتے ہیں۔ ہزار برس کا سن اور چالیس برس سلطنت کے دن۔

کیفیت

اس نمونے کا انتخاب سیر المصنّفین جلد اوّل مؤلّفہ مولوی محمد یحیٰی صاحب تنہا سے کیا گیا ہی بقول اُن کے اس کتاب میں (۱۹۶) صفحات ہیں اور دو مہینے میں یہ ترجمہ ختم کیا گیا ہی، اور پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۷۵ء میں مطبع نول کشور سے اس کی طباعت ہوئی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	مطلع القمرین فی احکام العیدین	سید احمد ابن سید درویش	۱۲۶۴ھ ۱۸۴۷ء	**عبارت سرِ ورق** یہ ہندی (اُردو) رسالہ مطلع القمرین فی احکام العیدین نام، بنایا ہوا سیّد احمد ابن سیّد درویش ابن سیّد نور اللہ ابن سیّد علی محمد قادری حنفی کا، جو شامل ہی جزئیات و کلیّات پر، مسائل عیدین کے، اس ہندوستان میں ایسی تفصیل و تحقیق سے ہندی (اُردو) زبان میں کوئی

اور رسالہ دیکھنے میں نہیں آیا، سو، رجب کی ستائیسویں بارا سے بیں سٹھویں ہجری میں کشن راج کے چھاپے خانے میں چھاپے کیا، بتیں اس کی دو ہزار جلد (تعداد) ہیں۔ چھپوائے مولوی احمد حسین صاحب، فرزند مفتی امیر اللہ صاحب مرحوم و مغفور کے ہیں۔

دیباچہ بعد حمد و نعت

امّا بعد سیّد احمد ابن سیّد درویش .... قادری مشرباً، حنفی مذہباً، کہتا ہے، کہ ان دنوں جو بارا سے چوتھواں سال ہے ہجرت سے، ایک سیّد نامدار، نیک سیرت، بُردبار، دُرِ دریائے فرزانگی، گلِ سرسبد گلشن دانائی، نہنگِ دریائے دلاوری، شیر بیشۂ بہادری، رستم دل، شیر افگن، شریکِ دوستاں در رنج و محن، سیّد محمود، سلّمہ اللہ الودود، بڑے مبالغے سے التماس کئے، کہ ایک رسالہ عیدین کے احکام میں کرناٹکی روزمرّے میں نفع عام کے واسطے بنایا چاہیئے، تا عوام مرداں اور عورتاں کو نماز عیدین کے مسائل اور قربانی کے احکام سہل میں معلوم ہو جاویں، اور ثواب اس کا آپ کو ملے۔ ہرچند اس عاصی نے قلتِ استعداد، و فقدانِ فرصت کا عذر کیا، پر اُس نے نہ مانا۔ ناچار اس کے بنانے میں شروع کیا۔

تبصرہ و کیفیت

اس نمونے میں کرناٹکی یا جنوب ہند کے اندازِ تحریر اور روزمرّے کے علاوہ جو خصوصیت قابل غور اور توجّہ طلب ہے وہ اپنی نوعیت تاریخی کے لحاظ سے ایک نئی معلومات ہے۔ یعنی املائے اُردو کی بعض خصوصیات کے متعلق عموماً یہ مشہور ہے کہ پنجاب کے ڈائرکٹر تعلیمات مسٹر ہالرائڈ کی تحریک و تشویق سے اس عہد کے اہلِ قلم نے یائے معروف و مجہول اور دو چشمی (ھ)، یا کھلی ہوئی (ہ) ہائے ہوز کی کتابت کا خاص التزام کیا تھا اور گویا موجودہ املائے اُردو کی اصلاح

ترمیم اُسی وقت سے شروع ہوئی ہی۔ لیکن زیرِ نمونہ کتاب کو دیکھکر یہ راز کھلتا ہی کہ اب سے ۹۰ برس پہلے جنوبِ ہند (دکن) میں اس جدّتِ املا کی بنیاد بھی پڑ چکی تھی۔ مذکورۂ صدر عبارت، بعض اُن املائی خصوصیات کے علاوہ جن کا راقم الحروف پابند ہی، بحرفہ وبتامہ اصل مطبوعہ کتاب کی نقل ہی۔ اس کتاب میں عموماً وہ الفاظ جن میں دو چشمی یا کھُلی ہوئی ہائے ہوّز آئی ہی۔ یا معروف و مجہول تحتانی واقع ہی۔ اُن سب حرفوں کو اُسی التزام سے لکھا ہی جس کی پابندی آج بالاکثر اہلِ قلم میں کی جاتی ہی۔ مزید برآں اُردو تلفظ کا لحاظ کرتے ہوے ہائے مختفی کو بحالتِ امالہ یائے تحتانی سے اور بغیر امالہ الف سے لکھا ہی۔ مثلاً چھاپہ خانہ کو چھاپے خانہ۔ اور پارہ کو پارا۔ اسی طرح یائے تحتانی کے تیسرے تلفظ (یائے ماقبل مفتوح) میں بھی یہ التزام و امتیاز قائم رکھا ہی کہ معروف و مجہول (ی۔ ے) کے علاوہ ایسی تحتانی کو خط نسخ سے ملا جلا (ئ) لکھا ہی۔ تلفّظ کے صحیح پڑھنے کا یہ اہتمام کیا گیا کہ (۶۵) بیں ٹھ تحریر کیا ہی وغیرہ وغیرہ۔ انسانی اور فطری سہو و خطا نے کاتب کو کہیں کہیں بہکا دیا ہی مگر یہ نسیان الشاذ کالمعدوم کے حکم سے زیادہ نہیں۔ بوادیدِ حالات کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اُردو زبان کی ابتدائی ترویج کی طرح املاے اُردو کا مُصلح بھی جنوبِ ہند کو نہ مانا جاوے۔

یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر (۱۲۴) صفحات میں ختم ہوئی ہی اور کتب خانۂ نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس حبیب گنج ضلع علی گڑھ میں موجود ہی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۳	علم الحساب موسوم بہ مکتب نامہ	مولوی مسیح الزمان ابن مولوی نور محمد	سنہ ۱۲۴۵ھ ۱۸۲۹ء	پوشیدہ نہ رہے کہ اس کتاب میں لڑکوں کے واسطے نصیحتوں کی تھوڑی سی باتیں اور حکایتیں اور حساب کے ضروری قوانین وغیرہ اوپر چار بابوں کے لکھے گئے۔ اور نام اس کتاب کا مکتب نامہ رکھاہی۔ باب پہلا بیچ نصیحت کے۔ باب دوسرا بیچ حکایات عجیب وغریب کے۔ باب تیسرا بیچ تحریر خطوں اور رقعوں کے۔ باب چوتھا بیچ حساب کے لڑکوں کو لازم ہی کہ اس کتاب کو دل لگاکر پڑھیں اور اس کے مطلب کو خوب سمجھکر یاد رکھیں، تاکہ علم سے بہرہ ور ہوں اور سعادتِ دارین سے باخبر۔ باب پہلا مشتمل اوپر چھیالیس ۴۶ نصیحتوں کے۔ اور نون (ن) اس باب میں نشانی نصیحت کی ہی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر	تذکرۃ الکاملین	ماسٹر رام چندر	سنہ ۱۲۶۶ھ ۱۸۴۹ء	**حال والمیکی جی مہاراج** صاحبانِ دانش وبینش پر ظاہر ہو کہ زمانۂ قدیم میں ایسے ایسے فاضل اور کامل شخص قوم ہنود میں گزرے ہیں کہ وہ فضیلت میں اچھے اچھے حکماے فرنگ اور یونان

کے سے کم نہیں تھے چناں چہ ہنود میں والمیکی جو کہ مصنّف پاک کتاب رامائن کے ہیں بہت مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ اہلِ فرنگ نے اس بات سے کہ یہ بڑے نامی گرامی شخص ہنود میں گزرے ہیں، اُن کے حال کی تحقیقات کی۔ چناں چہ معلوم ہوتا ہی کہ پندرہ، سولہ برس پیشتر سنہ عیسوی کے والمیکی جی کے قدوم کی برکت سے باغ ہستی کو رونق تھی۔ بیان کرتے ہیں کہ والمیکی جی ایک غریب کے گھر پیدا ہوئے تھے، اور اس باعث سے کہ اُن کے مُرّبی مفلس تھے انھوں نے بڑی عمر تک تربیت نہیں پائی، اور بے علم رہے، جبکہ بڑی عمر ہوئی تو اُن کو فرض پڑا کہ اپنے ماں باپ کی پرورش کریں، لاچار اُنھوں نے پیشہ ٹھگی اور قزّاقی کا اختیار کیا۔ اور ایک جنگل میں رہنا شروع کیا، اور اضلاع ہوگلی اور کرشناگڑھ میں جو مسافر کہ گزرا اُس کو لوٹنا اور قتل کرنا اختیار کیا۔ ایک روز تین برہمن جن کو ہمارے بزرگ برہما اور وشن اور نارو کہتے ہیں اُس جنگل میں گزرے۔ والمیکی جی نے جب ان تینوں برہمنوں کو دیکھا مستعد اُن کے قتل کے ہوئے اور چاہا کہ اُن کو جان سے ہلاک کر کر اُن کا مال لے لیجیے لیکن اُن برہمنوں نے کہا کہ اے والمیکی تو ہماری بات سن لے بعد ازاں تجھ کو اختیار ہی۔ والمیکی نے قبول کیا، تب اُنھوں نے کہا کہ اے والمیکی تو جو ربّ العالمین کے بندوں کو مارتا ہی اور ستاتا ہی اور اس گناہِ عظیم میں داخل ہوتا ہی اس کا کیا باعث ہی اس نے جواب دیا کہ واسطے پرورش اپنے ماں اور باپ و کنبے کے یہ کام کرتا ہوں۔ تب اُن برہمنوں نے یہ کہا کہ ایک بات تو اپنے ماں باپ سے پوچھ آ کہ تو جو گناہ کرتا ہی اور جانیں تلف کرتا ہی، تیرے گناہ کے وہ بھی شریک ہوں گے یا نہیں۔ یعنی جبکہ تجھ کو تیرے اعمالوں کی سزا ہوگی تو تیرے شریک تیرے ماں اور باپ بھی رہیں گے یا نہیں۔ یہ بات والمیکی نے قبول کی اور اُن تینوں برہمنوں کو

تین درختوں سے بخوبی مضبوط باندھکر خود اپنے گھر اس سوال کا جواب استفسار کرنے چلا گیا، جب وہ گھر پہنچا اُس نے اپنی والدہ اور باپ سے پوچھا کہ میں جو تمھارے واسطے یہ گناہ کرتا ہوں اس کے تم بھی شریک ہو یا نہیں۔ اُنھوں نے صاف جواب دیا کہ ہم اس پاپ میں تیرے شریک نہیں۔ جو کوئی جیسا فعل کرے گا اُس کا عوض رب العالمین خاص اُس شخص کو جس نے فعل مذکور کیا ہی دے گا۔ یہ سن کر والمیکی جی کے دل میں اثر پیدا ہوا اور دل میں خیال کیا کہ میں اتنا گناہ ناحق کرتا ہوں، کس واسطے کہ میرا کوئی شریک نہیں۔ اور واپس آن کر اُن تینوں برہمنوں مذکور کو درخت سے کھول کر خلاص کیا، اور اُن کے روبرو توبہ کی کہ ایسی حرکت اور فعلِ نالائق پھر نہ کروں گا۔ جب سے والمیکی جی مہاراج نے اِس امر کو ترک کیا، اور قادرِ مطلق کی جناب میں توبہ کی اور پشیمان ہوا۔ اور اب توجہ اُن کی اس بات پر ہوئی کہ کسی طرح سے علوم و فنون میں کمال حاصل کرنا چاہیے۔ چناں چہ علم کی تلاش میں وہ تپ بن میں جو کہ ایک جنگل آٹھ میل کے فاصلے پر چترکوٹ سے ہے چلے گئے۔ (چترکوٹ الہ آباد کے قریب ہی)، اور اُن دنوں رکیشر لوگ یعنی بڑے فاضل و عالم خدا رسیدہ شخص اُس جنگل میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہا کرتے تھے وہاں جاکر والمیکی جی مہاراج نے ایک رگیشر سے علم حاصل کیا اور نہایت کمال حاصل کیا۔ لیکن مدّت تحصیل علم بخوبی تحقیق نہیں ہے۔ بعد تحصیل کے وہ اُسی جنگل میں رہا کرتے اور یادِ حق اور تحصیل علوم فلسفہ میں مشغول۔ ہمیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس زمانے سے والمیکی جی نے اشعار تصنیف کرنے شروع کئے لیکن اُن کی استعداد فن شاعری میں بہت کامل تھی۔ جب

مہاراج رامچندر سامی نے راون والیِ لنکا یعنی سیلون پر فتح پائی اور واپس واسطے لینے راج

اجودھیا کے آئے تو تمام رکیشر واسطے مبارکبادی کے گئے۔ اُس وقت میں مہاراج والمیکی جی بھی تشریف رامچندر مہاراج کے پاس لے گئے۔ کہتے ہیں کہ سیتاجی قبیلہ رام چندر سامی نے وقت بن باس یعنی جلاوطنی میں بیچ جنگل تپ بن کے والمیکی جی مہاراج کے گھر کو رہکر رونق اور فخر دیا۔ ہم کو نہیں معلوم کہ یہ رکیشر کب مرے اور کس سال میں ان کی زندگی کا انجام ہوا۔ اُن کی تصنیفات میں سے نہایت مشہور اور پاک کتاب رامائن ہی۔

تبصرۂ و کیفیت

مؤلف تذکرۃ الکاملین (ماسٹر رامچندر) دہلی کالج کے انگریزی ماسٹر تھے۔ مولوی محمد حسین آزاد۔ مولوی نذیر احمد۔ اور مولوی ذکاراللہ، ان کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہی کہ ماسٹر صاحب نے مذہب عیسوی اختیار کرلیا تھا۔ یہ کتاب اقامت دہلی ہی میں آپ نے تالیف کی ہی۔ یونان، رومہ۔ اور انگلستان کے نامور فلاسفہ اور شعرا۔ اور پھر چند فارسی شعرا اور نیز ہندوستان کے شاعر والمیک کا ذکر کیا ہی۔ شنکراچارج اور ہندس باسکر کا تذکرہ بھی اس کتاب میں موجود ہی۔ اس کی پہلی طباعت ۱۸۴۹ء میں ہوئی ہی اسی لحاظ سے سنہ مذکور اس کا زمانہ تالیف قرار دیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس سے دو ایک برس پہلے تالیف کی ہو۔ تیسری طباعت ۱۸۷۸ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے ہوئی ہی۔ اصول علم ہیات اور عجائب روزگار یہ دو کتابیں بھی انھیں مؤلف کی ۱۸۴۷-۱۸۴۳ء میں دہلی سے شائع ہوئی تھیں۔

(ماخوذ از سیر المصنفین حصہ اوّل)

شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۴	موضح اللسان، حصہ اوّل، مطبوعہ	مولوی کریم الدین دہلوی	سنہ ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ع	دو برس سے مجکو یہ خیال تھا کہ چوں کہ سرکار گورنمنٹ پریسیڈنسی آگرے کا ارادہ زبان اُردو کی ترویج اور پھیلانے کا ہی، تو اس ارادے کی تائید کے واسطے تو بھی کوشش کر۔ گرچہ سرکار عالی مقدار کے دربار میں مجھ جیسے بے شمار ہیں، اور مثل بھی مشہور ہی کہ نقّارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہی۔ پر تب بھی چوں کہ نمک خوار اس سرکار فیض آثار کا ہوں اور مدرسے آگرے میں جو کہ مقام اشاعت

علوم وفنون کا ہی، مُدرّسِ اوّل اُردو کہلاتا ہوں، اگرچہ بالتصریح مامور اس اشاعت کا نہیں ہوا ہوں، پر حقیقت میں ارادے سرکار کے برلانے میں جو کہ میرے عُہدے سے تعلّق اور لگاؤ رکھتا ہی، ضمناً مامور ہو گیا ہوں، جس طرح سے ہوسکے کوشش کروں۔ یہ سوچ کر یوں ٹھرائی کہ مبتدیوں اور نوآموزوں کو اس زبان کی طاقت، بروقت ہونے اُس کے قواعد کے ہو سکتی ہی۔ اور سوائے اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی کیوں کہ جب جڑ ہی مضبوط نہ ہوگی تو پھول پھل کس طرح سے لگیں گے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۲	نسخہ اندر سبھا	میر آغا حسن امانت لکھنوی	سنہ ۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء	**سببِ تالیف اندر سبھا** بندۂ خاکسار و ہیچ مداں آوارہ طبیعت سیّد آغا حسن متخلّص بہ امانت کو شعر و سخن کا ہمیشہ سے ذوق تھا، موزوں کرنے کا شوق تھا، نوحہ سلام کہنے کا ورد تھا، دلگیر کا شاگرد تھا، القصہ انتہائے شوقِ طبیعت میں ایک واسوخت عاشقانہ کہ مطبوعِ زمانہ ہی، طولانی بکمالِ فکر و جاں فشانی کہا گیا اور صحبت قرار دے کر مجمعِ

خلائق میں پڑھا گیا، غلُ تعریف کا خوب ہوا سب کو مرغوب ہوا مشتاق خلقت ہوئی، چھپنے کی صورت ہوئی، چھپ کر روانہ دور دور ہوا، فضلِ خدا سے ہر شہر میں مشہور ہوا، بعد اس کے خانہ نشینی اختیار کرکے دن بھر کمرے میں بیٹھ کر مرثیہ یا غزل کہتا تھا۔ اور شب کو شام سے دو پہر رات گئے تک صحبت میں شاگردوں اور احباب کا مجمع رہتا تھا، مگر دل میں درپردہ عشق کی آگ تھی، طبیعت کو حسن سے لاگ تھی، وضع کے خیال سے کہیں جاتا تھا نہ آتا تھا، زبان کی وابستگی سے گھر میں بیٹھے بیٹھے جی گھبراتا تھا۔ ایک روز کا ذکر ہی کہ حاجی مرزا عابد علی یگانۂ ازلی رفیق شفیق، مونس و غمخوار، قدیمی جاں نثار، شاگردِ اوّل موزوں طبیعت تخلّص عبادت، عاشقِ کلامِ امانت، انھوں نے ازراہِ محبّت کہا کہ

بے کار بیٹھے بیٹھے گھبرانا عبث ہی، ایسا کوئی جلسے (ناٹک یا تھیٹر) کے طور پر طبع زاد نظم کیا چاہیے کہ دو چار گھڑی دل لگی کی صورت ہو وے، اور خلق میں شہرت ہو وے۔ آخر الامر موافق اُن کی فرمائش کے بندہ اس کے کہنے پر آمادہ ہوا، دم بدم شوق زیادہ ہوا، چوں کہ یہ جلسہ کہنا سب کو مرغوب تھا، مگر اپنے نزدیک معیوب تھا، اس لحاظ سے اپنا تخلّص بدل کر اُس میں **استاد** تخلّص کیا، لیکن لوگوں نے غزلوں کے سبب بندے کا کلام دریافت کر لیا، غرض کہ چودھویں تاریخ شوال کی ۱۲۶۸ھ ہجری میں اندر سبھا اس جلسے کا نام رکھکر بجائے چار باب، چار پریاں قرار دے کر شروع کیا، شہرت گھر گھر ہوئی، اہلِ محلّہ کو خبر ہوئی، دو شخص اس جلسے کی تیاری پر آمادہ ہوئے، ہجوم حد سے زیادہ ہوئے۔ رفتہ رفتہ بعد ہزاراں ہزار شور و فساد اور حجّت و تکرار کے ڈیڑھ برس میں جلسہ تیار ہوا مگر اپنے نزدیک بے کار ہوا کہ کس ریاض سے ایک درخت لگایا۔ آخر کو اس سے رنج کا پھل پایا۔ خیر جو ہوا سو بہتر ہوا، اپنا تو یہ قول ہی :-

"تقدیر سے گلہ ہی کسی سے گلہ نہیں"

تبصرہ و کیفیت

عام طور سے اندر سبھا امانت نظم میں مشہور ہی۔ سیّد مسعود حسن صاحب رضوی ایم اے لکچرار لکھنؤ یونی ورسٹی نے ایک محققانہ مضمون کے ساتھ اُس کی شرح نثر کو جو خود امانت کی لکھی ہوئی ہی اپریل ۱۹۲۶ء کے رسالہ اُردو اورنگ آباد دکن میں چھپوا کر اُردو کے لئے بہترین تاریخی سرمایہ بہم پہنچا دیا ہی۔ استاد امانت رعایت لفظی اور انشا پردازی کی عام مصنوعات میں اتنے مشہور ہیں کہ اس خصوص کے لئے مزید تشریح تحصیل حاصل ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۴	محاسن العمل الافضل	مفتی سید عنایت احمد وطن دیوہ ساکن کاکوری استاد مولوی لطف اللہ علی گڑھی شاگرد مولوی بزرگ علی	سنہ ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۵ء	**بیان مذمت ترک نماز کا بسبب نوکری کچہری کے** اکثر آدمی نماز اس طرح قضا کرتے ہیں کہ کچہری میں نوکر ہوتے ہیں، وقت نماز کے کچہری کے کام میں مشغول رہتے ہیں، اٹھکر نماز نہیں پڑھ لیتے۔ سو نوکران کچہری دو قسم ہیں۔ ایک حکّام، جیسے منصف، صدر امین، صدر الصدور۔ ڈپٹی کلکٹر۔ دوسرے عملے کے لوگ، جیسے منشی، سرشتہ دار، محرّر۔ حکّام کو تو اپنے کام میں اختیار ہوتا ہی جس وقت جی چاہے اٹھکر نماز پڑھ لیں۔ کمال محرومی قسمت اور ضعفِ ایمان کی بات ہی کہ باوجود اختیار اور عدم مانع کے نماز نہ پڑھے اور عملے کا یہ حال ہی کہ حاکمانِ

زمانہ صوم وصلوٰۃ کے مانع نہیں ہیں، اور جو لوگ کہ نماز پر مستعد ہیں، حال آں کہ عہدہ سرشتہ داری اور منشی گری وغیرہ پر جو روبروے حاکم رہنے کے کام ہیں، مامور ہیں، نماز قضا نہیں کرتے، اور بوقت آنے نماز کے موقع سے جاکر نماز پڑھ لیتے ہیں، سب مسلمان بھائیوں کو خدائے تعالیٰ توفیق دے کہ ایسے عذر کو حیلہ

قرار دے کے نماز نہ چھوڑیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۳۲	تاریخ رشید الدین خانی مطبوعہ مطبع فخرِ تسنیم (ناکاہ) دکن سنہ ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء	مولوی غلام امام خاں ترین المتخلص بہ ہجر حیدرآبادی	سنہ ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۳ء	امّا بعد اس خوشہ چین خرمنِ اساتذۂ متقدّمین و متاخّرین خادم الطلبہ نائب الشعرا غلام امام خاں ترین المتخلص بہ ہجر ابن محمد منور خاں ملک غفر اللہ ذنوبہما نے سنہ ۱۲۷۰ بارہ سے ستّر ہجری نبوی میں بیچ عہد قطب دائرۂ زماں ناصرِ اہل ایماں بحر الندا علم الہدی اعلی حضرت خلائق پرور کرم گستر والیِ دکن رافع ربخ و محن میر فرخندہ علی خاں ناصر الدولہ بہادر خلّد اللہ ملکہ و سلطانہٗ و افاض علی العالمین برّہ و احسانہ کے حسب الحکم قدر شیم فروزندۂ چترِ اجلال طرازندۂ بساطِ اقبال ...... نواب معلّی القاب اقتدار الدولہ بہادر جنگ محمد رشید الدین خاں بہادر دام اقبالہ کے خلاصہ احوال فرماں روایانِ

ہند و دکن کا راجہ ہائے کبار اور سلاطینِ والا اقتدار سے ضمیمہ کیفیت ورود و نزولِ افسرانِ فرہنگ اہلِ فرنگ کے اور جملہ سوانحاتِ آشتی و جنگ اُن کے رُؤسان سے اس دیار کے ابتداءے عروج سے انتہائے زوال تک ہر ایک ریاست جداگانہ کے کتبِ قدیم و جدید سے جمع فریق اور اخبارات

حال کے انتخاب کرکے سلیس فقراتِ ہندی میں یہ ایک کتاب مختصر تیار کی ہی۔ تا اربابِ امارت اور اصحابِ متانت کو وقت تقریر اور تدبیر کے کارآمد ہو، اور نام اس کا اسم گرامی پر جناب ممدوح کے رشید الدین خانی ہی اور مادۂ تاریخ بھی رشید الدین خانی۔ اور اس کتاب میں ایک مقدّمہ اور تین دفتر ہیں، اور دوسرے دفتر کے آخر میں ایک خاتمہ ہی، اور تیسرا دفتر مشتمل ہی اوپر دو مقالوں کے اور مقالۂ ثانی متضمن ہی دو عنوانوں کے تئیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	تاریخ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۳	رسالہ "در ہیضہ و علاج آن"	منجملہ طبیبانِ گورنمنٹ اکبرآباد	سنہ ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۵ء	سب زمینداروں اور دوسرے لوگوں کو جن کے پاس یہ رسالہ پہنچے، صاحب جلینٹ مجسٹریٹ بہادر کا سلام وہ مرض جس کا ذکر میں کرتا ہوں ہیضہ ہی، اس لفظ کے معنی قے کرنا اور دست آنا ہی۔ جس میں ہمیشہ کم و بیش ڈرانے کی خاصیت رہتی ہی اور بہت سے عالم و فاضل طبیب اس غرض پر کہ مرض مذکور کو روکیں اور

باز رکھیں اور چنگا بھی کریں بڑی دل دہی سے اُس کی خاصیت دریافت کرنے کو متوجّہ ہوئے ہیں۔ صاحبانِ موصوف اپنی خیر خواہ کوششوں میں یہاں تک کامیاب ہوے ہیں، کہ

کمپنی بہادر کے لشکری ہسپتالوں اور ضلع کے جیل خانوں اور سرکاری دواخانوں اور دارالشفاؤں میں جہاں بیماروں کی خبرگیری و حفاظت ہیضے کے پہلے ہی حملے کے بعد جھٹ پٹ ہوتی ہے موت بہت ہی شاذ و نادر نظر آتی ہے' اس میں دیری کرنا ہمیشہ خطرناک ہے، اور اکثر اوقات قاتل ہے۔

کیفیت

یہ دس صفحے کا رسالہ الٰہ آباد کے مشن پریس میں غالباً ایک مرتبہ طبع ہوا ہے۔ کم یابی اور نایابی کے خیال سے بطور یادگار اس کا نمونہ لکھ دیا گیا ہے۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۳	مختصر تاریخ انگلستان	ایلکزانڈر ڈنر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی	۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء	جاننا چاہیے کہ زمانۂ گزشتہ میں ہر ایک کے واسطے اوج و حضیض لازم پڑے ہیں۔ پستی سے بلندی ہے اور بلندی سے پستی۔ اب سُننا چاہیے حقیقت اس قوم کے عروج کی۔ راویانِ آثارِ قدیم نے اس طرح بیان کی ہے کہ انگلستان کا ملک ابتدا میں قوم گال

یعنی فرانس کے متوطنوں سے آباد ہوا، چناں چہ اب تک اُس قوم کے لوگ اس ملک کے کئی قطعوں میں پائے جاتے ہیں اور اُن میں بعضے ہنوز اپنی وہی قدیم زبان بولتے ہیں۔ اگلے

وقتوں میں کسی کو اس جزیرے کی خبر نہ تھی، مگر انیس سو برس[۱۹۰۰] کا عرصہ ہوا اُس وقت روم کے بادشاہ قیصر جولیس نے اُس پر عزیمت کی اُس زمانے میں اس قطعے کو "برطانیکا" کہتے تھے اور وہاں کے متوطّن علم و ہنر سے عاری تھے۔ بعضے اُن میں سے جانوروں کے پوستین پہنتے تھے اور بعضے ننگے مادر زاد رہتے تھے، نہ کچھ پہننے اوڑھنے کی عقل تھی نہ کھانے پینے کی تمیز۔ اور بدن کو اکثر رنگوں سے چیتا کرتے تھے اور خوراک اپنی سمندر کی مچھلی اور صحرائی جانوروں کے شکار پر رکھتے تھے، اس واسطے ہتیار اُس قوم میں پہلے سے چلے آتے ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۶۴	قصہ سورج پور (پہلا حصہ)	منشی کنج بہاری لال ولد [illegible] تحصیلدار [illegible] ضلع متھرا	سنہ ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۵ء	ہے سننے کے قابل یہ قصہ ندیم کہ ہر حرف اس کا ہے دُرِّ یتیم دریائے گنگ کے کنارے پر ایک گانوں سورج پور نام آباد تھا، اور اُس میں سالہا سال سے قوم راجپوت گوت بئیس ٹھاکروں کا دخل اور قبضہ تھا، کل رقبہ اُس گانوں کا پچیس سو بگیھا تھا، من جملہ اُس کے ایک ہزار سات سو بگیھا مزروعہ اور چار سو بگیھا قابلِ زراعت، چار سو بگیھا بنجر غیر ممکن میں آبادی تھی، اور ایک بڑا

تالاب بھی اُس گانوں میں تھا، اس گانوں میں دو تھوک تھے، ایک روپے سنگھ کا اور دوسرا سونے سنگھ کا، سونے سنگھ کی زمین بستی سے پورب کی طرف اور روپے سنگھ کے تھوک کی زمین پچھم کی طرف تھی اُن دونوں تھوکوں کی زمین ایک دوسرے سے علاحدہ تھی۔ لیکن سوائے اس کے چار سو بگھا دھرتی غیر ممکن دونوں تھوک کے شاملات تھی۔ سونے سنگھ کے تھوک میں ایک ہزار بگھا دھرتی مزروعہ، اڑھائی سو قابلِ زراعت، ہمگی ساڑھے بارہ سو، اور روپے سنگھ کے تھوک میں سات سو بگھا مزروعہ، ڈیڑھ سو بگھا قابلِ زراعت، سب ساڑھے آٹھ سو بگھا دھرتی تھی۔ چوں کہ رقبہ اس گانوں کا کچھ منقسم اور کچھ غیر منقسم اور کچھ شاملات دونوں تھوک کا تھا، اس باعث سے یہ گانوں از قسم پٹی داری غیر مکمل سمجھا جاتا تھا۔

تبصرہ و کیفیت

۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے اُردو کی ترویج یا واقفیتِ عامّہ کے لئے گورنمنٹ کے ایما سے اکثر ایسے چھوٹے چھوٹے رسالے جن سے وقتی اور معاشرتی فوائد اہلِ ملک کو حاصل ہوں تقسیم کئے جاتے تھے۔ یہ قصّہ دیہاتیوں اور اَن پڑھ زمین داروں کو پٹواریوں کی چالوں اور فریبوں سے بچانے کی غرض سے شائع کیا گیا تھا۔ جس کو پڑھکر نہ صرف کاشتکاری کے اصول، قواعد اور کاشت کی اقسام وغیرہ کا علم ہوتا ہے بلکہ اخلاقی حیثیت سے بھی بہت سی مفید باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ علی الخصوص پٹواریوں کی بدنام جماعت کے ہتھکنڈوں اور اُن کی فریب کاریوں کا کچّا چِٹّھا بھی سامنے آجاتا ہے۔ چناں چہ اس قصّے میں ایک گانو کے چند زمین داروں اور

اور پٹی داروں اور ذیلی کاشتکاروں کا حال لکھتے ہوئے پٹواری کی چالاکیوں سے نیک، جاہل، اور ناواقف دیہاتیوں کے دام فریب میں پھنس جانے کا مختصر سا خاکا کھینچا گیا ہی۔ چوں کہ اب اس قسم کی کتابوں کی اشاعت مفقود ہی اس لئے بطور یادگار دو ایک نمونے ایسے درج کر دیئے گئے جو تاریخی حیثیت سے غیر مفید نہیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	پنچ پُرش	لالہ کنہیا لال اگروال رئیس مارہرہ (ایٹہ)	سنہ ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۷ع	پرمیشر نے اس غُلُو اندھکار (اندھیرا) میں اوّل پرش و پرکرت پیدا کیا، یعنی پرش خود و پرکرت استری، یعنی مایا پیدا ہوئی کہ پرکرت کو شکت اور اوکالی و بھگونت بھی کہتے ہیں بعد پرکرت کے مہتّت یعنی نور پیدا کیا، بعدش اہنکار (شعاع پرتو) سہ قسم۔ یکے ست، کہ سورج وغیرہ دیوتا، انس اُس کے ہیں۔ دوم رج کہ من و بھوت اندری

(حواس خمسہ) وغیرہ اس سے پیدا ہوئے، سیوم، تم کہ وجود ہر پنج تتّ (جوہر) کا ہی۔ بعد اس کے پانچ تتّ مع گن یعنی فعل پیدا کئے۔ اوّل سبد گن، اکاس۔ بعدش اکاس، یعنی آسمان، پس ازاں بائے یعنی ہوا مع سپرش گن (چھونے کی حس) ہوا۔ پس ازاں پنج آگ، یعنی آتش مع

روپ گن، پس ازاں جل یعنی آب مع رس گُن۔ پس ازاں پرتھی یعنی خاک، کہ کوہ وغیرہم خاک ہے مع گھندا گُن (قوّت شامہ) آں بعدش ہر پنج تتّ دہر پنج گُن شاں یک جسم ہوکر پانچ گیان اندری گوش، بینی، زبان، جسم، کھال یعنی پوست بدن۔ و پنج کرم اندری، منھ، ہاتھ، پانوں، عضو بول، عضو براز، و چار انتسکرن (حواس باطنی) من۔ بدھ، چیت۔ اہنکار۔ بعد اس کے جان داخل کی کہ یہ پُتلا پچیس تتّ کا ہے مع پرش و پرکرت ستائیس تتّ کہتے ہیں خود مرکب بشکل انسان ہوکر اُٹھا اور پیرا ب نام ہو کر کل عالم آپ میں دکھایا۔ بشن نام بھی نام اُسی کا ہے۔ اور شرع اور پب جہابھارت میں لکھا ہے کہ سوائے اندھکار تاریک کچھ نہ تھا، اوّل ایک بیضہ یعنی انڈا کہ تخم کل مخلوقات کا ہے پیدا ہوا۔ برھما جی اس سے پیدا ہوئے۔

تبصرہ و کیفیت

یہ کتاب کسی ادبی نامور کی لکھی ہوئی نہیں ہے، اس کا اندراج یہاں صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ گزشتہ زمانے میں بھی کہیں کہیں ایسے صاحب قلم پائے جاتے ہیں جو عربی خواں کی عربی آمیز عبارتوں کی طرح اردو و سنسکرت کا استعمال بھی ناموزوں نہیں سمجھتے تھے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۹۴	ریاض الابصار مشہور بہ طلسم سحر سیاح (ترجمۂ بوستانِ خیال جلد ۳ و ۴)	بدرالدین عرف خواجہ امان دہلوی	سنہ ۱۲۷۶ھ حدود ۱۸۵۹ء	سپس ژولیدہ بیان کج مج زبان بدرالدین عرف خواجہ امان، بصد گونہ عجز و نیاز عرض پرداز ہے کہ جس وقت حدائق الانظار ریختۂ خامہ ترجمہ نگار مسموع بساط بوستانِ انجمن دولت و اقبال اور معروض باریابانِ سراپردۂ جاہ و جلال ہوئی، پیش گاہ سرکارِ ابدپائدار سے بکلماتِ تحسین و آفریں سرفراز اور حُسنِ خدمت کے جلد و میں بعطیۂ صلۂ گراں اور خلعتِ زرِ نقد سے مشرّف و ممتاز ہوا۔ بمعاینۂ جوہر شناسی و قدردانی سری دربار دولت مدار ترجمہ نگار نے جلد تر ریاض الابصار کو بزیور ترجمہ آرائش دے کر نذر حضور والا فرالسرور گزرانی۔ امید کہ یہ ناطورۂ تالیفِ جدید بھی شل جملہ جلد گزرانیدہ بحصول نقد سرخروئی

پزیرائی اور خلعتِ سرسبزی احسنت جیب و دامانِ مراد پُر کرے، اور چاکرِ موروثی اسی وسیلۂ جزیلہ کے سبب گاہ گاہ مذکورِ بارگاہ فلک کارگاہ و سرمایہ اندوزِ اعزاز و تفاخر ہووے۔ خدا کا شکر کہ ادائے شکر خداوند نعمت کے پردے میں ادائے شکر نعمتِ خدا ہوا، یعنی شکر نعمتِ خداوند کیا۔

شکر خدا ادا ہوا۔ الحال زبانِ دعا خوانی و ہنگامِ آمین سرائی ہے۔

"آغاز جلد سیوم و چہارم، معز الدین نامہ کہ آں را بہار دویم قصۂ بوستانِ خیال و گلشنِ اول می نامند، مشتمل است بر حال جمشید خود پرست و دیگر سلاطینِ عالم مختلف المذاہب مع واقعاتِ شاہزادہ معز الدین نصرت قرین و فتح نمودن طلسم سبعِ سیارہ از مددِ اقبال و برآمدن ازاں طلسمِ عالی باسامانِ صاحبقرانی و جلوسِ خسروانی"

بعد حمد و سپاسِ ملک العلام و نعت و درودِ سید الانام صلی اللہ علیہ مسودۂ اوراقِ قصۂ عجیب و ترجمہ نگارِ افسانۂ غریب ناظرین والاتمکین اور سامعینِ نکتہ چین کی خدمتِ باسعادت میں گزارش کرتا ہے کہ ابتدائے جلد اول یعنی شروع قصے میں معز الدین نامے کے یہ حال بیان ہوا ہے کہ شہزادہ معز الدین والا قدر عالی مقدار نے بعد فتح کرنے محکماتِ عالیات کے مال و اسبابِ غنائم مع عرض داشت متضمنِ روئدادِ جنگ و جدال بطریقِ ہدیہ امیر نجم الدین دلاور کے ہاتھ اپنے پدر بزرگوار سلطان اسماعیل المنصور بقوۃ اللہ کی خدمت میں ارسال کیا، اور سلطانِ اسماعیل نے اُس عرضی کا جواب بایں مضمون شاہزادے کو رقم فرمایا کہ تم اسی قدر تسخیرِ ممالک پر قناعت کرو اور ہمارے پاس چلے آؤ۔

نمونۂ عبارت داستان

اب عاقب حرانی کا حال سنو! اول بیان ہوا ہے کہ عاقب حرانی حکومت کے علاوہ فنِ عیاری میں بھی نہایت مستعد و چالاک ہے، اُس نے ایک شب قصد کیا کہ خبر و اخبار کے واسطے حریف

کے لشکر میں چلیئے اور دیکھیے کہ وہ حکیم ضار منکوس کس کام میں مشغول ہی۔ آخر عاقب حرّانی ایک نقب کی راہ سے جس کا دہن بیرونِ شہر باغ میں تھا باہر نکلا اور بہت ہوشیاری سے جم قدر کے لشکر میں پہنچا، قضارا، اُس وقت ایک خدمت گار خاص ضار منکوس کا کسی کام کے واسطے خیمے سے نکلا تھا، عاقب نے اُس خدمت گار کی گردن میں اس طرح کمند بند کی کہ حلق سے آواز تک نہ نکلی۔ بعد ازاں اُس کا پشتارہ باندھکر ایک خرابے میں رکھ آیا، اور اپنی صورت اُس خدمت گار کی شکل سے تبدیل کی، بلکہ اُسی کا لباس پہنا اور خدمت گاروں کی صف میں وارد ہو گیا، ایک لمحے کے بعد خیمے کے اندر گیا، سنتا ہی کہ ضار منکوس کوئی عمل پڑھ رہا ہی، عاقب نے درگاہِ خدا میں دعا کی یا رخدایا اس وقت ایسی کوئی صورت پیدا ہو کہ میں اس ضار منکوس مردود کو اس کے اعمالِ بد کی سزا دوں اور خود زندہ اور سلامت شہر میں پہنچوں۔ ہنوز عاقب دعا میں مصروف تھا کہ یکایک بادِ تُند ایسی چلی کہ تمام لشکر کے چراغ بجھ گئے حتیٰ کہ ضار منکوس کے خیمے کی بھی شمع خاموش ہو گئی۔ ضار منکوس نے آواز دی کہ کوئی آدمی شمع روشن کر جائے عاقب جو اسی وقت کا منتظر تھا دلیرانہ خیمے میں گیا اور اُس نے بایں چالاکی فتیلہاے سحر پر بے ہوشی چھڑکی کہ ضارِ منکوس کو اُس تاریکی میں اصلا آگہی نہ ہوئی۔

تبصرہ و کیفیت

خواجہ امان مرزا غالب کے قریب ترعزیز تھے۔ میر تقی خیال کی مشہور کتاب بوستانِ خیال (فارسی) کا ترجمہ تقریباً غدر کے زمانے کے لگ بھگ انھوں نے کیا ہی جیسا کہ مرزا غالب

نے اُسی عہد کے خطوط میں دو ایک جگہ ظاہر کیا ہی۔ اس ترتیب و تالیف کے وقت مجھے اس ترجمے کی مکمّل جلدیں نہیں ملیں اس لئے سنہ تالیف کا صحیح تعیّن نہ لکھ سکا۔

یہ ترجمہ مہاراجہ شیو دان سنگھ والی الور کی فرمائش سے کیا گیا۔ اس نمونے کی عبارت میں تھوڑی سی طوالت اس لئے روا رکھی گئی۔ کہ اُس عہد کی قصہ خوانی کا اندازِ بیان ایک مستند کی زبانی معلوم ہو سکے۔ بوستانِ خیال کا ایک اور اُردو ترجمہ آغا ہجو لکھنوی نے بھی کیا ہی جس کا نمونہ اپنے موقعِ ترتیب پر درج ہوا ہی۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	مراۃ العروس	مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں دہلوی	۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء	**انتخاب خط دوراندیش خاں** اصغری خانم! میری صلاح یہ ہی کہ تم گفتگو اور نشست و برخاست میں بھی اپنے میاں کا ادب ملحوظ رکھنا، مذہب میں میاں بی بی کے متعلق بہت احکام ہیں اور چوں کہ تم نے قرآن کا ترجمہ اور اُردو کے بہت سے رسالے پڑھے ہیں، اُمید کرتا ہوں کہ وہ احکام تھوڑے بہت ضرور تمھارے خیال میں ہوں گے، اُن احکام

کا مجموعہ خانہ داری کے لئے بڑا دستور العمل ہی۔ مگر افسوس ہی لوگ خدا رسول کے حکموں کی تعمیل

میں تن دہی نہیں کرتے اور اسی سے انواع و اقسام کی خرابیاں پیش آتی ہیں۔ میں نے حدیث کی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر خدا کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو پیغمبر صاحب فرماتے ہیں کہیں بی بی کو حکم دیتا کہ اپنے میاں کو سجدہ کیا کرے۔ اسی ایک بات سے تم خیال کر سکتی ہو کہ میاں اور بی بی میں کیا نسبت ہے۔ اب اس کے ساتھ ملکی رواج کو ملاؤ کہ بی بی نہ تو میاں کو چھوڑ سکتی ہے نہ بدل سکتی ہے نہ اُس سے کسی وقت اور کسی حال میں بے نیاز ہو سکتی ہے، تو سوائے اس کے کہ سچے دل سے آپ اُس کی ہو رہے اور اطاعت سے خوشامد سے جس طرح ممکن ہو اُس کو اپنا کرلے۔ عافیت کی، عزت و آبرو کی دوسری کوئی تدبیر نہ ہے اور نہ ہونی ممکن ہے۔ کیا وجہ کہ شادی بیاہ ایسے چاؤ سے ہوتا ہے اور چوتھی کے بعد ہی بہو سے ساس نندوں کا بگاڑ ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون غور کے قابل ہے بیاہ کے پہلے تک لڑکا ماں باپ میں رہا اور صرف انھیں کے ساتھ اُس کا تعلق تھا۔ ماں باپ نے اُس کو پرورش کیا اور یہ توقع کرتے رہے کہ بڑھاپے میں ہماری خدمت کرے گا۔ بیاہ کے بعد بہو، ڈولی سے اترتے ہی یہ فکر کرنے لگتی ہے کہ میاں آج ماں باپ کو چھوڑ دیں۔ پس لڑائی ہمیشہ بہوؤں کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔ اگر بہو کنبے میں مل کر رہے اور کبھی ساس کو نہ معلوم ہو کہ بیٹے کو ہم سے چھڑانا چاہتی ہے تو ہرگز فساد پیدا نہ ہو۔

تبصرہ و کیفیت

نمونہ نمبر (۱) کے سوا اور نمونے جو آئندہ پیش ہونے والے ہیں، اُن میں ڈراما، ناٹک وغیرہ کے عنوانوں سے بھی اہلِ قلم کا اندازِ تحریر دکھایا گیا ہے۔ ڈراما وغیرہ سے پہلے قصص و حکایات کا

رواج موجود تھا۔ چوں کہ قصص و حکایات اور ڈراما میں اصولاً بہت فرق ہے۔ نیز اوّل الذکر اکثر مبسوط اور ضخیم تالیف ہوتی ہے اس لئے ایسے قصّوں اور افسانوں کو ڈراما سے جُدا رکھکر عام تصنیف و تالیف کے عنوان میں شامل کیا گیا۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر شمار
بعد تشریف فرما ہونے (وصال) حضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے عالم ظاہر سے اکرم الاکرمین خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہوئے، پھر ہر صدی میں ایک بادشاہ دین پناہ مؤیّد من اللہ صاحب عزم ذی جرأت مہذب الدین رائج دین متین ستودہ صفات ماحیِ منہیات ہوا کہ جس کے زیر فرمان تمام حکّام گردن کش اقالیم سبعہ کے باج گزار اور ظلم و تعدّی ہوائے نفسانی سے اپنے دست بردار، طرف عدالت و نصفت کے مائل اور انتظامِ مملکت میں شاغل رہے۔ اب	سنہ ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء	مولوی غلام امام خاں ترین حیدرآبادی	تاریخ خورشید جاہی مطبوعہ [illegible]ھ	نمبر ۱۵

فی زماننا کہ بادشاہِ اسلام جانشینِ آبائے کرام مجد زماں افضل الدولہ میر تہنیت علی خاں بہادر ظلّ اللہ نظام الملک آصف جاہِ خامس کہ جس کی نظرِ فیض اثر سے مس زر خالص بنے فرماں روائے

ششش صوبۂ دکن ہی، شش جہت میں ثانی اس کا نہ کوئی ایسا حاکم باذل نہ فرماں روا ے عادل ہی جو
جو کام کہ اس حامیِ دین سے تقویتِ دین کے ہوئے ہیں شرح اُس کی احاطۂ بیان سے باہر زبان خامے
کی قاصر ہی۔ سخاوت میں نظیر نہیں، ایسا رعایا پرور شفقت فرما کوئی صاحب تاج و سریر نہیں خلد اللہ
وضاعف جل شانہٗ خاص الخاص داماد نے اس اورنگ آرائے سلطنت حیدر آباد کے
کہ وہ نبیرہ نواب مغفور و مبرور امیر کبیر شمس الدولہ شمس الملک شمس الامرا تیغ جنگ محمد فخر الدین خاں
بہادر نور اللہ تربتہ اور فرزند ارجمند سحاب کرم عالی ہمم مسند آرائے بزم جاہ و جلال شمشیر آبدار میدانِ
رزمِ صباحت و اقبال اقتدار الملک وقار الامرا محمد رشید الدین خاں بہادر زاد اقبالہم کے ہیں، نام نامی
اور خطاب گرامی اُن آفتاب سپہر سعادت وارجمندی نیرِ برج دانش و ہوش مندی کا خورشید جاہ
خورشید الامرا خورشید الملک خورشید الدولہ تیغ جنگ محمد محی الدین خاں بہادر ہے دامت اجلالہم
سنہ ہذا میں کہ ایک ہزار دو سو چوراسی ہجری ہی (۱۲۸۴) اس کمترین عقیدت گزین پیرِ علماءِ دین مولوی
محمد امام خاں ترین ریاضی داں ملک تخلص کو فرمایا کہ ایک کتاب علم تاریخ میں مختصر مفید واسطے ملاحظہ
اوقاتِ گرامی ہمارے اور فوائدِ عام خلائق کے لکھکر گزرانو، تا، ہم اس کو حلیۂ طبع سے آراستہ
کرکے انعام اربابِ استعداد کا کریں۔ چوں کہ بعد تحریر کتاب لاثانی رشید الدین خانی کے کہ اُس وقت
تخلص نامہ نگار کا ہجر تھا، ان ایام میں فرصت حاصل تھی۔ حسب الفرمان واجب الاذعان کے کمر سعی
کی میانِ جان کے باندھکر ارادہ کیا ہی حسبی اللہ نعم الوکیل اور بیشتر اس میں دو مقدمات کہ رشید الدین
خانی میں نہ تھے نوک ریزِ قلم ہیں اور بعض بر بناءِ ضرورت اور نسبت کلام کے لکھے ہوئے بھی داخل
ہوئے ہیں۔ اور چوں کہ اُس میں احوال صوبہ جات کا برا سہ نہ تھا اس واسطے اس کی ابتدا صوبہ جات

سے کی گئی ہے۔ اور ذکر اولیاؤں کا اور سوانحات بادشاہانِ ایران و توران اور روم کے مندرج و مندمج ہیں۔ اور مفصّل کیفیت حال چہاردہ[۱۴] سال کی سنہ ۱۲۷۰ ہجری سے زمانہ ہذا تک بیان کی گئی ہے اور نام اس کا اسم گرامی پر ممدوح کے خورشید جاہی ہے۔ اور مادۂ تاریخ "تاریخ جلیل" ہے اور اس میں ایک مقدّمہ اور چار چاند۔ اور پہلے چاند میں دو شعاع، اور دوسرے چاند میں ایک ضوء ہے۔ اور اُس ضوء میں دو نیّر ہیں۔ اور نیّر دوم میں چھے قطب۔ اور آخر میں تیسرے چاند کے تین ہلال ہیں۔ اور بعد چوتھے چاند کے دو کوکب ہیں۔ اور آخر پر خاتمہ۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ کتاب اور کتاب رشید الدین خانی ہر چند کہ ہر ایک حدِّ ذات میں اپنے کلامِ تام ہے۔ لیکن ہر دو مثل لازم و ملزوم کے ہیں، جو کوئی اُس کا مطالعہ کرے چاہیئے کہ اس کو بھی دیکھے اور جو اُس پر نظر کیا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرماوے۔ تا عجائب انقلابات اور غرائب تحویلات سے اس فن شریف کے خوب مطّلع ہوگا۔

تبصرہ و کیفیت

یہ دونوں تاریخیں یعنی نمونہ نمبر (۴۴) و نمبر (۵۱)، ایک ہی خاندان اور ایک ہی مؤلف کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور اگرچہ ان دونوں کی تالیف میں چودہ برس کا آگا پیچھا ہے لیکن مطبع میں ایک ساتھ چھاپی گئی ہیں۔ اس طرح کہ متن (وسط) میں رشید الدین خانی، اور حاشیے پر خورشید جاہی ہے۔ یہ کتاب تاریخ دکن میں معتبر و مستند سمجھی جاتی ہے۔

باوجود اس تفاوت زمانی کے مؤلف کی طرز تحریر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جو روش چودہ[۱۴] برس پہلے تھی وہی چودہ[۱۴] برس بعد موجود ہے۔ البتہ املائی ترکیب اس زمانے کے موافق

بعض الفاظ میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً یائے معروف و مجہول اور امالۂ ہائے ہوز (بحالت ترکیب قاعدہ کو قاعدے لکھا ہے) نیز دو چشمی (ھ) اور کھلی ہوئی ہائے ہوز کا حسب رواج حال التزام رکھا ہے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۲	تذکرہ دوم (ترجمۂ مآثر الکرام مصنفۂ آزاد بلگرامی) (مطبوعہ)	منشی مولوی شمس الدین	سنہ ۱۲۶۵ھ ۱۸۴۹ع	بعد حمد خدا و نعت محمد مصطفیٰ کے متمسک (حاصل کرنے والا) بطریق کلامی آزاد حسینی واسطی بلگرامی خدائے تعالیٰ آرزوؤں کے ہرنوں کو اُس کے جال میں پھنساوے اور حاجتوں کی ڈالیوں کو اُس کی طرف جھکاوے آئینۂ ضمائر صافی و طبائعِ زاکی (پاک) پر منطبع (منقش) کرتا ہے، سخنوروں کا ذکر زمانے کی بقا تک باقی رہتا ہے بدیں وجہ میری خاطر میں چار مطلب نے خطور (گزر) کیا، اوّل یہ کہ ہندوستان لطافت بیان کا ذکر جو کہ تفسیر و احادیث میں وارد ہوا ہے اُس کو جمع کروں، دوم یہ کہ ہندوستان نزہت اقتران کے عالموں کا

تذکرہ، مگر نہ اس طرح پر علی الاطلاق (عموماً) بلکہ وے (وہ) بزرگ جو تصانیف رائقہ (عمدہ)

و اشعارِ فائقہ (بلند) سے باقیاتِ صالحات (اچھی یادگاریں) رکھتے ہیں، علی الخصوص وے لوگ جن کی نشانیاں ہم تک پہنچیں اور اُن کی برکتیں ہم پر عائد ہوئیں، لکھکر، اُن کی شاخوں کے اہتزاز سے درختوں کو عطر آگیں کروں، لیکن اُن شخصوں کے ذکرِ مکارم سے کہ جو گزر گئے اور کچھ اپنی نشانی نہ چھوڑ گئے کہ وہ ہم تک پہنچتیں معذور ہوں۔ اور اُن کی توصیف میں خاموش ہونے پر مجبور۔

تبصرہ و کیفیت

حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی نے عربی زبان میں کتاب سُبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان تصنیف کی ہے اور عرصہ ہوا کہ وہ مطبع نول کشور لکھنؤ میں چھپ گئی ہے، اُسی کتاب کے ایک حصّے کا اُردو ترجمہ مولوی شمس الدین نے کسی ہندو والی ریاست کی فرمائش سے کیا ہے۔

اس ترجمے کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اہلِ قلم جن کو عربی و فارسی میں کافی لیاقت ہوتی تھی، ابتداً اُردو نویسی میں کس قدر اُلجھن پیدا کر دیا کرتے تھے۔ حال آں کہ اُسی عہد میں بہت سے اہلِ قلم پوری سلاست کے ساتھ دادِ فصاحت دے رہے تھے۔ مگر عام توجہ نہ ہونے یا عدم مہارت کی وجہ سے سلیس اُردو کو عمومیت حاصل نہ تھی۔

اس دورِ پنجم میں زبان اور اندازِ بیان کے لحاظ سے اہلِ نظر کو یہ امتیاز خصوصی نظر آئے گا کہ سنہ ۱۸۰۱ء سے سنہ ۱۸۵۷ء تک بکثرت اُردو کی طرزِ انشا مقفّیٰ، مسجّع، یا سست بندشوں اور اُلجھی ہوئی پُرانی ترکیبوں سے وابستہ ہوگی۔ اور اس کے بعد کی تصانیف سلاست و روانی میں موجودہ عہد کے مطابق ہوں گی۔ اس صورت میں جامع اوراق پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے

کہ جب یہ نمایاں فرق موجود تھا تو اس دور کے دو حصّے کیوں نہ کر دیے گئے، اس کے دو جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ چوں کہ ہر دور کا عرصہ سو برس تک مقرر کر دیا ہے اس لیے اس التزام کا ترک مناسب نہیں معلوم ہوا۔ دوسرا اصلی سبب یہ ہے کہ عربی و فارسی کی مزاولت کے سبب سے اکثر عربی داں اہلِ قلم ایسے پائے جاتے ہیں جنھوں نے انیسویں صدی کے آخر تک اُردو نویسی میں توغُّل حاصل نہیں کیا بلکہ وہی انداز پسند کیا جیسا کہ اس دور کے ابتدائی نمونوں میں نظر آتا ہے۔ اس صورت میں یک بام و دو ہوا کے مصداق یہ امر کہ ۱۸۵۰ء کے بعد جو پُرانی طرز کے نمونے ملتے ہیں اُن کو چھوڑ دیا جائے، اور اگر نہ چھوڑا جائے تو یہ دکھا کر کہ اس عہد کا پہلا اندازِ بیان ختم ہو گیا پھر اسی انداز کی تحریریں پیش کی جائیں، قابلِ پسند نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ یہ دیکھکر کہ انیسویں صدی کا آخری حصّہ چہارم اگرچہ ارتقائی حیثیت سے اُردو کے لئے رفعت بخش ہے مگر چوں کہ اس صدی کا حصّۂ غالب پُرانی انشا پردازی کا حامل ہے لہٰذا قلت کو کثرت پر ترجیح نہ دینی چاہیے۔ بایں ہمہ ناظرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس نمونے کے بعد جتنے نمونے پیش کیے جائیں گے اُن میں ہر حیثیت سے انشائے اُردو کے وہ تمام ارتقائی مناظر نظر افروز ہوں گے، جن کی تقلید آج دور ششم میں بھی ہو رہی ہے۔ اور ہونی چاہیے۔

اس دور کے ختم ہونے کے بعد جن لفظی متروکات کی فہرست دی جائے گی وہ سب اُسی طرز سے متعلق ہوگی جو ۱۸۰۰ء سے شروع کر آخر ربع صدی تک بالعموم مروّج و مستعمل تھی۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
تم کو سمجھنا چاہیے کہ گو آدمی سب ایک طرح کے ہیں، دو کان، دو ہاتھ، دو آنکھیں، دو پانوں، ایک ناک، ایک سر، سب کے برابر ہیں، پھر بھی آدمیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کوئی باپ ہے، کوئی بیٹا۔ کوئی اُستاد ہے کوئی شاگرد ہے۔ کوئی آقا اور مالک ہے کوئی نوکر اور خادم، کوئی مولوی کوئی جاہل، کوئی حاکم، کوئی طبیب کوئی دکان دار کوئی مزدور، پس اگر سب آدمی درجے میں برابر ہوں تو دنیا کا انتظام ٹوٹ جائے اس واسطے ہر ایک کے واسطے خاص درجے اور خاص رتبے مقرر ہیں بیٹے کو باپ کا اور شاگرد کو اُستاد کا اور نوکر	۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۹ء	مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں دہلوی	چند پند (مطبوعہ)	نمبر ۵

کو مالک کا اور رعایا کو حاکم کا اور بیمار کو طبیب کا حکم ماننا لازم اور واجب ہے، عمر اور رشتے اور ذات اور ہنر اور لیاقت اور دولت اور حکومت سے درجہ معلوم ہوتا ہے، جس کی عمر زیادہ ہو یا جو رشتے میں بڑا ہو یا جو ذات میں شریف ہو، جیسے مسلمانوں میں سیّد، اور ہنود میں برہمن، یا جس کو لیاقت زیادہ ہو جیسے مولوی اور پنڈت یا جو دولت مند یا حاکم ہو، سب قابلِ ادب ہیں۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنّف	تصنیف	نمبر شمار
جاننا چاہیئے کہ خدائے عزّوجل نے ہماری ہدایت کے واسطے اپنا محبوب پیغمبر بھیجا اور اپنا خاص کلام اُس پر نازل کیا، اور چراغ رہنمائی کا اُس کے ہاتھ میں دیا، اور اپنی کمالِ مہربانی سے شرک اور کفر کی تاریکی سے نکال کر ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے روشن کیا۔ پس ایمان اور اسلام ایک ایسی نعمت ہے کہ ہم اُس کا شکریہ ادا نہیں کرسکتے۔ لیکن شیطان نے بعد ایمان کے اکثر مسلمانوں کو بہکایا اور اُن کے دلوں کو باطل عقیدوں سے پھر تاریک کر دیا، اور مسلمانوں میں ایسا تفرقہ ڈال دیا کہ بہتّر فرقے گمراہ ہو گئے جن کی نسبت ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پہلے ہی خبر دی تھی، پس	۱۲۸۷ھ ۱۸۷۰ء	نواب محسن الملک سیّد مہدی علی خاں تحصیلدار مرزاپور	آیاتِ بیّنات (حصّۂ اوّل) مطبوعہ ارفن پریس مرزاپور بخطِ ٹائپ	نمبر ۵۴

ہم لوگوں کو فقط اسلام کے نام پر خوش ہونا اور صرف توحید اور نبوّت کے اقرار پر اپنے کو

ناجی سمجھنا چاہیئے بلکہ ہر عقیدے کی تحقیق کرنا اور ہر اعتقادی مسئلے کی تطبیق کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے دینا ضرور ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ جو شخص اپنے سچّے اور صاف دل سے صرف اپنی نجات کی امید پر خدا کی کتاب کو دیکھے اور تعصّب اور عناد کو دخل نہ دے وہ حق اور باطل میں تمیز نہ کر سکے، اور ایسے حق کے طالب کو خدا گمراہی میں پڑا رکھے۔ ہاں جو کوئی پہلے سے سچائی کا طالب نہ ہو اور مذہبی تعصّب میں گرفتار ہو اور سوائے مجادلے اور مکابرے کے اُسے اور کچھ منظور نہ ہو اور اپنے آبائی دین و مذہب کو تقلیداً سچ جانتا ہو وہ بے شک اپنی گمراہی میں پڑا رہے گا اور اپنے دل کو باطل عقیدوں سے کبھی پاک و صاف نہ کر سکے گا۔

شمار	تصنیف	مصنف	سنِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	خطباتِ احمدیہ	سر سید احمد خاں	۱۲۸۷ھ ۱۸۷۰ء	عجائباتِ دنیا میں سب سے زیادہ عجیب وہ خیال ہے جس کو لوگ مذہب کہتے ہیں مذہب اُس امتیاز کا نام ہے جو انسان کے افعال سے علاقہ رکھتا ہے اور جس کے سبب انسانوں کے افعال اچھّے یا بُرے یا نہ اچھے نہ بُرے خیال کئے جاتے ہیں، کیوں کہ اگر انسان کے افعال میں یہ تمیز نہ ٹھہرائی جاوے تو کسی مذہب کا وجود باقی نہیں رہتا، تمام خیالات جو انسان میں پیدا ہوتے

اور تمام یقین جو انسان کسی چیز پر رکھتا ہے اُس کا منشا اُن خیالات اور یقین کے سوا کچھ اور چیزیں ہوتی ہیں جو اُن خیالات اور یقین کے اسباب سمجھی جاتی ہیں، مگر تعجب یہ ہے کہ وہ خیال جس کو مذہب کہتے ہیں بغیر کسی خارجی اسباب کے اور بغیر تجربہ و امتحان کے اور بدون کسی معقول ثبوت کے یکایک دل میں اُٹھتا ہے اور اس لیئے وہی اُس کا مخرج سمجھا جاتا ہے اور پھر اُس پر ایسا یقین ہوتا ہے کہ کسی آنکھ دیکھی چیز پر بھی نہیں، اس تعجب پر اور تعجب یہ ہے کہ اس بن دیکھی چیز اور ان سمجھی بات اور بے دلیل خیال کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہے کہ وہ اثر انسان کے تمام افعال پر اور قدرتی جذبات پر جو انسان میں خدا نے پیدا کئے ہیں غالب ہو جاتا ہے اور جو جوش اور ولولہ اُس از خود پیدا ہوے خیال سے انسانوں کی طبیعتوں پر ہوتا ہے اور کسی چیز سے نہیں ہوتا، گو کہ اُس دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے کے لئے کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور کیسے ہی قطعی ثبوت موجود ہوں۔

تبصرہ و کیفیت

مذہبی خیالات اور اصولی عقائد کو عام فہم اور دل نشین بنانے کے لئے اس سے بہتر اور سلیس اُردو کا نمونہ اس سے پہلے کہیں نہ ملے گا۔ یہی خصوصیت سرسیّد کی اُردو کا امتیازی نشان ہے یہ بات خیال میں رہے کہ سرسیّد چند ہندی بھاشا کے الفاظ جیسے بن دیکھے۔ ان سمجھے اور دو ایک پُرانی اُردو ترکیبیں مثلاً کر کریا جاوے آوے اپنی تحریر و تقریر میں عادةً استعمال کیا کرتے تھے جس طرح کہ اب بھی پُرانے لوگ بول جاتے ہیں۔ علاوہ اس کے فی زمانا بعض اہل قلم ان متروکات کو مجتہدانہ حیثیت

سے روا رکھتے ہیں۔

نمونۂ عبارت	سنۂ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
عورتوں کی حالت آں حضرت صلعم کی تعلیم سے عورتوں کی حالت اس درجہ بہتر ہو گئی کہ آپ سے قبل تمام مُصلحین اور انبیا کی تعلیم سے یہ توقّع نہیں ہو سکتی تھی۔ تمام ملک عرب میں کثرتِ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، طلاق کا کوئی اصول نہ تھا۔ بعض قبائل میں یہ ناپاک ظالمانہ و وحشیانہ رسم جاری تھی کہ وہ اپنی شیر خوار لڑکیوں کو اس لئے قتل کر ڈالتے تھے کہ اُنھیں سُسرے بننے کی ذلّت نہ سہنی پڑے۔ اُن کے دلوں میں عورتوں کی مطلق وقعت نہ تھی بات چیت میں بھی کسی قسم کی تعظیم کا اظہار نہیں کرتے تھے	۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء	نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی	اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام	نمبر ۵۹

قرآنِ مجید کی تعلیم نے رفتہ رفتہ اُن کی ذلیل حالت کو سُدھارنا شروع کیا۔ سب سے اوّل تو کثرتِ ازدواج کو چار تک محدود کیا، یہ اجازت بھی اس شرط کے ساتھ ہے کہ شوہر کو پورا یقین ہو کہ اُن سب کے ساتھ عدل کا برتاؤ کرے گا اور پھر اس امر کا اظہار کر دیا کہ ایک سے زیادہ بی بیوں کے ساتھ عدل کرنا ناممکن ہے اگرچہ مرد ایسا کرنے پر آمادگی ظاہر کریں اور اس طرح درحقیقت کثرتِ ازدواج کو موقوف کر دیا۔

تبصرہ و کیفیت

مولوی چراغ علی ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۵ء میں فوت ہوئے۔ ریاست حیدرآباد دکن سے نواب اعظم یار جنگ خطاب پایا۔ بہت باخبر اور فاضل بزرگ تھے اُن کی تصانیف و مضامین بکثرت ہیں انگریزی میں ایک کتاب "ریفارمز انڈر مسلم رول" لکھی تھی جس کے کچھ حصّے کا اُردو ترجمہ خود اُنھوں نے کیا۔ جس کو انجمن ترقی اُردو نے چھاپ دیا ہے یہ نمونہ اسُی خود نوشت تحریر سے اخذ کیا گیا۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	مبادی الحکمت	مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں دہلوی	۱۳۰۱ھ ۱۸۸۴ء	اب وقت وہ پہنچا اور وہ زمانہ آگیا کہ مشکل سے مشکل مضمون اور پیچیدہ مطلب پر بھی ہم اپنی ہی زبان میں مباحثہ اور مناظرہ کرتے رہیں، پس کیا ایسی حالت میں زبانِ اُردو منطق کی حاجت مند نہیں؟ سخت حاجت مند ہے۔ دعوے کا اثبات، حق کا مطالبہ، استحقاق کی حفاظت، دلیل کی استواری، مطلب کی تائید اعتراض کی تردید، الزام کا دفیعہ، فریب کی پردہ دری، مغالطے کا افشا،

حتّٰی کہ احقاقِ حق، و ابطالِ باطل، منطق نہیں تو کچھ بھی نہیں، یہی حاجت دیکھکر میں نے اس رسالۂ اُردو میں ضروری مسائلِ علمِ منطق جمع کیے۔ باتیں وہی ہیں جو قطبی اور اُس سے فروتر کتابوں میں ہیں، طرزِ ادا میرا ہی۔ اور ایک انگریزی رسالۂ منطق جناب افضل العلما ایم کمیسن صاحب بہادر دام اقبالہم نے عنایت فرمایا تھا کچھ اُس سے اخذ کرلیا ہی۔ یوں عربی اور انگریزی مل کر ایک شانِ خاص پیدا ہوگئی ہی۔

"حدِّ اوسط"

قیاس کے دو مقدّموں میں حدِّ اوسط کا مکرّر ہونا انتاج (نتیجہ دینا) کے لئے شرطِ اعظم ہی۔ اس میں کبھی کبھی مغالطہ بھی واقع ہوا کرتا ہی، اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہی کہ بادی النظر میں تو حدِّ اوسط مکرّر معلوم ہوتی ہی۔ جو لفظ صغریٰ میں ہی وہی کبریٰ میں ہی، مگر ایک میں اُس لفظ کے حقیقی معنی مراد ہوتے ہیں دوسرے میں مجازی۔ یا ایک میں لغوی دوسرے میں منقول۔ یا یہ کہ وہ لفظ مشترک ہی ایک میں کچھ دوسرے میں کچھ۔ مقولاتِ شعرا تمام تر اسی طرح کے مغالطات سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، مثلاً ؎

مکن درخانہ سازی طول اندک عرضِ من بشنو
کہ ایں راقصر می نامند باید مختصر کردن

شاعر اپنے مخاطب کو تقلیلِ عمارت کی رائے دیتا ہی اور اُس کی دلیل یہ بیان کرتا ہی کہ یہ قصر ہے اور جتنے قصر ہیں اُن کو اختصار لازم ہی، نتیجہ یہ ہی کہ اس عمارت کو اختصار لازم ہی۔ یہاں لفظ قصر منشاءِ مغالطہ ہی، کہ اُس کے معنی لغوی بیشک کم کرنے کے ہیں، مسافر کا قصر۔ صلات کا قصر، بالوں کا قصر،

بلکہ قصور معنی خطا سب اسی مادّے سے ہیں، لیکن قصر کے دوسرے معنی حویلی اور محل کے بھی ہیں پس لفظِ قصر مشترک ہوا، صغریٰ میں ایک معنی مراد لئے اور کبریٰ میں دوسرے۔ یا مثلاً ؎

گر آپ کے پھرے شیخ جی کعبے کے سفر سے ... تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے

پھرنا۔ مراجعت اور واپس آنا، ایک معنی تو یہ ہیں۔ اور ایک چیز سے بد عقیدہ ہونا، دوسرے معنی یہ ہیں۔ اللہ کے گھر سے پھرنا، جھگڑے سے نجات پاکر سلامت نکل آنا۔ تیسرے معنی یہ ہیں یا مثلاً ؎

ہوس میں کعبے کی کیوں شیخ بت خانے سے گمرہ ہے ... یہاں تو کوئی صورت بھی ہے وھاں اللہ ہی اللہ ہے

اللہ ہی اللہ ہے دو محاوروں میں مستعمل ہوتا ہے۔ یا یہ کہ سوائے خدا کے اور کچھ نہیں، دوسرا یہ کہ کچھ بھی نہیں۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	تاریخ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۵۸	زر کامل عیار ترجمہ معیار الاشعار (مطبوعہ)	حکیم میر الدولہ میر مظفر علی خاں اسیر لکھنوی	تصنیف ۱۲۸۰ھ مطبوعہ ۱۲۸۷ھ	بعد حمد و سپاس خدائے عز و جل .... کہتا ہے فقیر حقیر سید مظفر علی اسیر کہ دریں ولا اکثر دوستانِ صادق الولا اور آشنایانِ باصدق و صفا فقیر خانے میں جمع ہوئے اور بیشتر تذکرہ اشعار اُردو اور ابیاتِ فارسی کا اور مسائل علم عروض اور قوافی کا بایکدیگر رہا۔ چناں چہ صحیفۂ رشیقہ اعنی کتاب معیار الاشعار تصنیف عالم کامل فخر اماجد و اماثل رئیس الحکما استاد الکملا محقق طوسی

علیہ الرّحمہ کہ اسی صناعت میں ہے اور اُس پر بعضے کملائے اصحابِ خلّت و براعت نے یعنی مولوی سعداللہ صاحب نے حاشیہ لکھا ہے اور انصاف کو بالائے طاق رکھکر جابجا اعتراض کئے ہیں، اور شرح مہدی علی زکی شہرہ یہ ملک الشعرا کی بھی ہے۔ بارہا صحبت میں پڑھا گیا، بعضے مطالب زیادہ حاشیہ اور شرح سے ذہن میں آئے، اور معلوم ہوا کہ بعض مقامات کتاب کی صحت سے بھی رہ گئے ہیں، لہذا بہ تکلیف بعض احباب اور بمفاد وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ احقر العباد نے مطالب تو دکہن عبارتِ اُردو میں بطریق ترجمہ لکھے اور نام اس کا زرِ کامل عیار در ترجمۂ معیار الاشعار رکھا، اور کہیں کہیں عبارت حاشیہ و شرح بھی بعینہ لکھ دی اس لئے کہ دریافت کرنا اُس کا بتدیوں کو سہل ہو، اور جس جس مقام میں عبارتِ متن پیچیدہ اور حاشیہ و شرح میں بسبب عدم فہم کے خلاف واقع ہوگیا ہے منتہیوں پر حال اُس کا منکشف ہو جائے۔ طرزِ تحریر یہ ہے کہ م ارشادہ عبارت متن کا اور ت عبارت اپنے ترجمے سے اور ح نشان حاشیہ کا اور ش علامت شرح کی ؏ و باللہ التوفیق

نمبر شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۹	قواعد العروض	سید غلام حسنین قدر بلگرامی	۱۲۸۸ھ ۱۸۷۱ء	عالم کی شائستہ قوموں نے فنِ عروض کو علمِ ادب کا ایک جزو جانا ہے اور اکثر قواعد صرفی و نحوی کی سلک میں اس کو بھی مدّون کیا ہے۔ اُس پر یہ تماشا کہ ہمارے ہندوستانی احباب اس فن سے کوسوں بھاگتے ہیں، جب گھیر کر راہ پر لاؤ تو مولوی معنوی پر ہاتھ

صاف کرنے کو آستینیں چڑھاتے ہیں کہ ؎

من نہ دانم فاعلاتن فاعلات
شعر می گویم بہ از آبِ حیات

اور نہیں سمجھتے کہ یہ صرف بزرگوں کا انکسار تھا۔

ہندوستان کا چھوٹے سے چھوٹا مقام کوئی ایسا نہ ہوگا جس میں دو ایک شاعر موجود نہ ہوں شاعروں کی یہ کثرت اور موجودات ہے کہ اب نیا تخلّص بھی نسخۂ کیمیا و آبِ حیات ہی اس مردہ دلی کی حالت میں بھی ہم تخلص شعرا کا شمار کرنا قیامت میں ایک ایک نام کے سترّ سترّ ہزار مُردوں کا قبر سے اُبھرنا ہی۔ اُس پر یہ قیامت کہ اُن میں اکثر برائے نام موزوں طبع ہیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	رسوم الخط (اردو) مطبوعہ	مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں دہلوی	۱۳۰۹ھ ۱۸۹۲ء	خوش خطی ایک ہنر ہی جس کی قدر ہر ایک زمانے میں ہوتی رہی ہے، بلکہ ان دنوں میں چوں کہ چھاپے خانے کثرت سے جاری ہیں خوش خطی کی اور بھی زیادہ قدر و منزلت ہی۔ ابتدا میں اگر لڑکے جی لگا کر اس کا اہتمام کریں تو تھوڑی محنت سے سوادِ خط درست ہوسکتا ہی، کچھ یہ ضرور نہیں کہ اس کے واسطے خاص

اُستاد ہو اور تمام وقت مشق اور اصلاح میں صرف کیا جائے، چھپی ہوئی کتابیں ہمیشہ خوش خط لکھی ہوئی ہوتی ہیں، کسی کتاب کو دیکھکر نقل کرنا اور اُسی کے سے حروف بنانے کی کوشش کرنا خوش خط ہوجانے کے واسطے عمدہ اور سہل تدبیر ہی- حرفوں کے جوڑ توڑ، نوک پلک، کشش، دائرہ مرکز، سب جزئیات کو جو خیال رکھتا اور اپنی کی ہوئی نقل کو اصل سے مقابلہ کر کے فرق واختلاف پر نظر کرنی چاہیئے- اگر اسی طرز پر چند روز متواتر مشق کی جائے تو آخر کو اصل سے حرف ملنے لگیں گے لڑکوں کا دستور ہی کہ جب اُن کو حرف بنانا آجاتے ہیں تو گھسیٹ کر چلتے ہیں، نام کے دستخط بنانے کا ولولہ اور جلد لکھنے کی ہوس شروع سے اُن کے خط کو بگاڑ چلتی ہی، اور خط کا دستور ہی کہ جب ہاتھ بگڑا پھر درست ہوجانا مشکل ہو جاتا ہی، جیسے گھوڑا کہ جب اُس کو بدرفتاری کی عادت ہو گئی تو اُس میں قدم بہت دنوں کی محنت میں نکلتا ہی، پس ابتدا میں ہمیشہ ہاتھ کو روکے قلم کو سنبھالے ہوئے آہستہ لکھنا چاہیئے تاکہ حرفوں کی صورت ٹھیک بنتی جائے، اور التزام کے ساتھ آدھ گھنٹا مشق کے واسطے خاص کر لینا چاہیئے جب ایک خاص شان پر ہاتھ بیٹھ جائے گا تو بعد کو جلدی میں بھی وہی شان باقی رہے گی- خوش خطی بجائے خود کوئی علم نہیں، نہ اس سے عقل کو تیزی ہوتی ہی نہ اخلاق کی درستی، نہ معلومات کو ترقی، بلکہ خوش خطی کو صرف مصوری یا نقاشی کا ایک شعبہ سمجھنا چاہیئے، یہ تو کسی طرح مناسب نہیں کہ انسان تحصیلِ علم پر اس کو ترجیح دیں، تاہم یہ عام پسند اور ہر دل عزیز ہنر ایسا بھی نہیں کہ لڑکے اس سے بے بہرہ رہیں-

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
۴۱	انتخابِ یادگار	منشی امیر احمد امیر مینائی	۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء	حمد و نعت و منقبت کے بعد فقیر سراپا تقصیر امیر احمد مینائی متخلّص بہ امیرؔ ابن مولوی کرم محمد مینائی لکھنوی متخلّص بہ کرمؔ غفر اللہ القدیر عرض کرتا ہے ...... کہ ایک دن بندگانِ حضور (نواب کلب علی خاں والی رام پور) کو خیال آیا کہ ایک تذکرہ شعراے ماضی و حال کا ایسا تیار ہو کہ اُس سے خاص اس دار الریاستہ کے متوطّن اور متوسّل شاعروں کی مختصر کیفیت سخن گوئی کی حقیقت نقشِ صفحۂ روزگار ہو، اسی ضمن میں اعزاز

اس ہیچ مداں کا بھی منظور ہوا، لہذا یہ ہیچ میرز اس خدمت پر مامور ہوا، اور محض باقتضاے عطوفت خسروانی آغاز سے انجام تک برابر حضور نے التفات فرمایا۔ تب یہ تذکرہ ایک سال میں تمامی پر آیا، اگر ناخنِ امدادِ حضور گرہ کشائی نہ فرماتا ممکن نہ تھا کہ ایسا تذکرہ جامع جس میں راست راست بے کم و کاست عن عن واقعات تاریخی ہیں ترتیب پاتا، اس مہم کا سر انجام ہونا محض نتیجۂ توجہِ سرکارِ ابد قرار ہے۔ اس بے حقیقت کی سعی مانند حرکتِ خامہ بدستِ نامہ نگار ہے، حق یہ ہے کہ بندگانِ عالی نے صدہا امواتِ بے نام و نشاں کو زندہ فرمایا ہے در حقیقت اعجازِ مسیحائی دکھایا

شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۴	سخن شعرا	مولوی عبدالغفور خان نساخ ساکن کلکتہ	۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء	ہیچ میرز ابومحمد عبدالغفور خالدی متخلص بہ نسّاخ ڈپٹی مجسٹریٹ ڈپٹی کلکٹر ضلع راج شاہی معروف بہ رام پور بوالیہ ابنِ منشی قاضی فقیر محمد مرحوم صاحب جامع التواریخ وکیل عدالتِ عالیہ صدر دیوانی کلکتہ، ابنِ قاضی محمد رضا مغفور متوطن ضلع فرید پور، باش گزیں دار الامارۃ کلکتہ نکتہ فہمان سخن سنجانِ زمن کی خدمت میں عرض رساہے کہ یہاں ہنوز باغچۂ عمر میں نسیمِ شعور کی آمد آمد اور فرشِ سبزۂ رشادِ فضلے سن و سال میں ممتد بھی نہ تھا

کہ سر میں سودائے گل رویانِ مضامین پیدا ہوا، اوّل غنچہ لبانِ معانی کا شیدا ہوا، کلامِ اساتذہ کا شوق رہا غیروں کے سخن سے ذوق رہا تھوڑے دنوں میں بہت سے دواوین نظر سے گزرے عرصۂ قلیل میں تذکرہ ہائے کثیر دیکھے، سبھوں نے دادِ سخن دی ہے جاں فشانی و جاں کاہی کی ہے، ......

میں نے بھی چاہا کہ شربتِ تالیف سے کوزے بھروں اور اس قند کو مکرّر کروں۔ یعنی اس طرح کا تذکرہ لکھوں جس میں اشعارِ آبدار میں اطناب و اعجاز ہو اور احوالِ شعرا میں اختصار و ایجاز۔ اور حالاتِ ابنائے زماں کو بقدر طاقتِ بشری جامع اور حشو و زوائد کو مانع ہو۔ بحمداللہ کہ یہ نادکِ

۶۰م ہد بیثہ مراد ہیں دو سارا ہوا کہ بارہ[۱۲] برس کی محنت میں یہ تذکرۂ شعراے ریختہ مسمّٰی بنام تاریخی سخن شعرا تیار ہوا۔

شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۶۳	گلستانِ بے خزاں معروف بہ نغمۂ عندلیب	حکیم میر قطب الدین باطنؔ اکبر آبادی	سنہ ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء	دریں ولا محفلِ مے خوارانِ رحیقِ سخن دو جگہ آراستہ ہوتی ہے، اور ہر ایک شراب خوارِ فکرِ مضموں کی طبیعت نشۂ رنگین رنگیں سے پیراستہ ہوتی ہے۔ ہر صبوحی کش مست دقائقِ صہباے سخن بے لیت و لعل، شیشۂ رواقِ اشتیاق زیر بغل۔ اس رند نے بھی ساتگینِ بادہ پیر مغاں سے لیا، دلِ عشق منزل کو مست راوقِ سخن کر دیا۔ اُس عالمِ بے خودی میں تذکرۂ تذکرہ ہارہتا جس مست کے دل میں جو آتا سو کہتا، چناں چہ گلشنِ بیخار تالیف نواب مصطفیٰ خاں متخلص بہ شیفتہ جو اوّل سے آخر تک دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت ہیں نوابی پر فریفتہ۔

سب کو حقارت سے یاد کیا، اپنی اوقات کو برباد کیا، بجز سات شخصوں کے ہر ایک کی نسبت عبارتِ ہجو آمیز ہے اور اُن کی زبان کی چھُری دور است از دست وچشم بے آمد پر بہت تیز ہے۔

بزرگش نہ خوانند اہلِ خرد　　کہ نامِ بزرگاں بزشتی برد

اور عبارتِ تذکرہ کی وہ مثل کہ آدھا تیتر آدھا بٹیر، تذکرہ اردو۔ وعبارت فارسی۔ یہ ان کی اور ان کے استاد کی عقل کا پھیر ---- ایسی بے انصافیاں جب نظر آئیں تو عاصی حکیم سید قطب الدین متخلص بہ باطن نے ...... ایک تذکرہ بجواب گلشنِ بیخار بعبارتِ اردو جمع کیا، جس کا نام رکھا گلستانِ بے خزاں۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
چشم بدور یہ رسالہ الفاظِ مؤنث و مذکر کے بیان میں ہی اور سببِ تالیف یہ ہی کہ اس زلّہ ربائے مائدۂ خوش کلامی سید فرزند احمد صفیر ابن سید عبدالحی عرف میر سید احمد بن حکیم مولوی سید غلام یحییٰ حسینی واسطی بلگرامی نے بعد سیاحتِ بلاد و امصار اور اختلاط صغار و کبار کے دیکھا کہ خلائق کو تانیث و تذکیرِ الفاظ میں اختلافِ کثیر واقع ہی، شاعری کا نیک و بد ایک طرف، آج کل مذکر و مؤنث کے لالے پڑے ہیں، لکھنؤ	سنہ ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۶ء	سید فرزند احمد صفیر بلگرامی	مجموعۂ نفیس مشتمل بر [illegible]	نمبر ۱۲

اور دہلی سے قصبات تک ادھر بڑھیے ہر لفظ چھ مہینے نر چھ مہینے مادہ نظر آتا ہی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۹۵	منتخبات نذیر مطبوعہ	شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد (خاں) دہلوی	۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء	کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہیات داں کیلڈیا کے گڈریے تھے۔ اس کا یقین ہم کو بالکل اس سبب سے ہی کہ وہ لوگ بڑے وسیع میدانوں میں رہتے تھے، اور اُس ملک میں موسم بھی ایسا معتدل رہا کرتا ہی کہ خاصی طرح کھلے میدانوں میں لوگ راتیں بسر کر سکتے ہیں. پس ہمیشہ آسمانِ صاف میں اجرامِ فلکی کی شان دار صورتیں اُن کے پیشِ نظر رہا کرتی تھیں اور ایسی حالت میں اُن کو ہیات داں ہونا ہی چاہیے تھا۔ اور وہ تھے بھی۔ اگر آب و ہوا کی صعوبت اور ہوائے محیطِ زمین کی مختلف حالتیں جو ہم کو اکثر آسمان کی دید کی مانع ہوا کرتی ہیں نہ ہوں اور شائستہ و مہذب معاشرت و تمدّن کے جھگڑے بھی فرصت دیں تو ہم سب بھی کیلڈیا کے گڈریوں کی طرح ہیات داں ہو سکتے ہیں۔ آسمان کو دیکھنے سے بادی النظر

میں ستارے خاصے الگ الگ دکھائی دیتے ہیں، مگر دیکھو تو وہ سفید سفید دھندلے بخارات کی طرح جھلکتی ہوئی کیا چیز ہے، جو پٹکے کے مانند آسمان کے گرداگرد لپٹی ہوئی ہے۔ اسی کو کہکشاں کہتے ہیں۔ یہ کہکشاں تاروں کا ایک بادل ہے، اور جس قدر نظر اس کے قریب آتی جاتی ہے ستارے اور بھی گھچ پچ معلوم ہوتے جاتے ہیں۔ اور اُن میں سے اکثر ایسے چھوٹے ہیں کہ آنکھ سے اُن کا امتیاز بدقّت ہوتا ہے۔ کہکشاں کی راہ میں تاروں کا ہجوم یوں آنکھ سے تمیز نہیں ہوتا۔ مگر بڑے پلّے کی دوربین کے ذریعے سے دیکھا جائے تو خوب صاف نظر آتا ہے۔ کہکشاں کو کچھ اور مت سمجھو بہت سے بے شمار تاروں یعنی آفتابوں کا لمبا پرتلا کہکشاں ہے اور بس۔ ہم نے ستاروں کو عموماً آفتاب کہا۔ اس واسطے کہ آگے چل کر ثابت کر دیں گے کہ روشن سے روشن ستارے سے لے کر مدّھم سے مدّھم ستارے تک ہر ستارہ ایک آفتاب ہے۔ الغرض یہ کہکشاں جہانوں کا بڑا بھاری انبوہ اور ازدحام عظیم ہے۔ اور اگر یہ مقولہ صحیح ہے کہ جو تارے کہکشاں سے باہر واقع ہیں وہ بھی اکثر اسی کے ٹکڑے ہیں تو گویا کہکشاں تمام عالم کا لفافہ ہے اور واقع میں یہ لاکھوں آفتابوں کا جتھا متعدّد اور جداگانہ گروہوں میں منقسم ہے اور پھر وہ گروہ بھی اور ایسی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں کہ ہر ٹولی کے حصّے میں دو یا تین آفتاب ہیں۔ ان میں ہر ایک ٹولی کتنی دور تک پھیلی ہوئی ہے اور سب ٹولیاں کتنی دور ہیں اس کا ٹھیک جواب بڑے سے بڑا محاسب بھی نہیں دے سکتا۔ یہاں شمار بے کار ہے۔ اور عدد قاصر۔

اس مقام پر ہم ایک بات اور بھی کہے دیتے ہیں جس کو سن کر بہت سے لوگ تعجب کریں گے وہ یہ کہ ہمارا آفتاب بھی اسی کہکشاں کا ایک ستارہ ہے۔ گو یہ امر بخوبی ثابت ہو چکا ہے

مگر یہ مقام اس کے بیان کا نہیں۔ ان شاء اللہ موقع مناسب پر مذکور رہو گا۔

نمبر	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۹۴	فسانۂ آزاد	پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی	۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء	**"ثریّا بیگم کا مکان"** کوٹھے پر چوکا بچھا ہے، اور اُس پر فرشِ مکلّف۔ اُس کے قریب ایک نازک پلنگڑی پر ثریّا بیگم سادی اور ہلکی پوشاک پہنے بہ آرام تمام لیٹی ہیں۔ ابھی حمّام سے آئی ہیں، لباس عطر میں بسا ہوا۔ اِدھر اُدھر پھولوں کے ہار اور گجرے رکھّے ہیں، باغ سے حنا کی خوشبو آتی ہے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آہستہ آہستہ چل رہی ہے۔ مگر امارت کے چوچلے، مہری پنکھا لئے جھل رہی ہے۔ آب دارخانے والی گڑگڑی لائی تو عبّاسی مہری نے جھک کر کہا، اوئی، اِتّی (اتنی) بوڑھی ہوئیں مگر سلیقہ نہ آیا۔ اے پیچوان لاؤ بوا! جس میں آنچ دور رہے۔ تھوڑی دیر میں پیچوان

آیا۔ گنگاجمنی حُقّہ، بیش بہا پیچوان۔ مخملی دستگی۔ مخملی زیر انداز۔ دو سیرا تمباکو مشک بو، پیچوان عرق بہار اور انواع و اقسام کی خوشبو کی چیزوں سے بسا ہوا تھا۔ سنگِ یشب کی مُہنال۔ تھوڑی ہی

دیر میں تمام محل مہک اُٹھا۔ ثریا بیگم نے آہستہ آہستہ پینا شروع کیا۔ کہا۔ پیچوان مردوں کے لئے موزوں ہے۔ ہمیں تو گڑ گڑی ہی پسند ہے۔ خبردار آج سے پیچوان نہ لانا۔ آب دار خانے والی نے کہا۔ حضور یہ عبّاسی کل کی چھوکری مجکو ڈپٹنے لگی۔ واہ گُڑ گُڑی نہیں، پیچوان لاؤ۔ ہم نے کہا اچّھا حضور، لونڈی تو جانتی تھی کہ حضور ایک کش بھی نہ لیں گی۔ وہی ہوا۔ اب حضور ٹھہریں، میں اور بھرے لاتی ہوں، ایک چار منٹ کے عرصے میں آب دار خانے والی ایک ذراسی گڑگڑی لائی۔ ذراسا نیچہ۔ ذراسی چلم۔ لاکر کہا، حضور اس کو پئیں۔

خواجہ بدیع کی گفتگو کا ایک ٹکڑا

امّا بعد بر می گوید۔ امیدوار مغفرتِ ایزد منّان۔ غریب بے نوا خواجہ بدیع الزّمان سلّمہ الرحمٰن کہ ایّامِ دیرینہ سے اس ہیچ مداں کا شعار فنِ سپہ گریِ جرّار تھا۔ باپ گراس کٹ تھا۔ دادا چڑی مار تھا۔ بدیعا فخرِ خاندان پیدا ہوا۔ عالی شان اولوالا دودمان پیدا ہوا۔ جب زمانہ بر سرِ کار ہوا تو دگلے والی پلٹن کا رسالدار ہوا۔ اس پر ایک شاعر نے جل بھن کر ہجو کی اور میں نے ہاتھوں ہاتھ دادِ سخن دی۔ ہر چند کہ اُس کا قول جاں کاہ ہے، اِلّا بندہ بھی شاعرِ ذی جاہ ہے۔

جدّش زتنور نان بر آری می کرد　　پدرش ہمہ عمر کاشتکاری می کرد
این مرغکہ کے رسالداری می کرد　　عموش دود بکارِ مذکوریاں

شمار	تصنیف	مصنف	سنۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۰۵	آبِ حیات	شمس العلما محمد حسین آزاد دہلوی	۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء	آزاد ہندی نہاد کے بزرگ فارسی کو اپنی تیغِ زبان کا جوہر جانتے تھے۔ مگر تخمیناً سو برس سے کُل خاندان کی زبان اُردو ہی۔ بزرگوں سے لے کر آج تک زبانوں کی تحقیقات میں کمال سرگرمی اور جستجو رہی۔ اب چند سال سے معلوم ہوتا ہی اس ملک کی زبان ترقی کے قدم برابر آگے بڑھا رہی ہی۔ یہاں تک کہ علمی زبانوں کے عمل میں دخل پیدا کر لیا۔ اور عن قریب بارگاہِ علم میں کسی درجۂ خاص کی کُرسی پر جلوس کیا چاہتی ہی۔ ایک دن اسی خیال میں تھا اور دیکھ رہا تھا کہ کس طرح اس نے ظہور پکڑا۔ کس

طرح قدم بقدم آگے بڑھی۔ کس طرح عہد بعہد اس درجے تک پہنچی۔ تعجب ہوا کہ ایک بچّہ شاہجہانی بازار میں پھرتا ملے۔ شعرا اُسے اُٹھا لیں اور ملکِ سخن میں پال کر پرورش کریں۔ انجام کو یہاں تک نوبت پہنچے کہ وہی ملک کی تصنیف وتالیف پر قابض ہو جائے۔

اس حالت میں اُس کے عہد بعہد کی تبدیلیاں اور ہر عہد میں اُس کے باکمالوں کی حالتیں نظر آئیں جن کی وقت بوقت کی تربیت اور اصلاح نے اس بچّے کو اُنگلی پکڑ کے قدم قدم آگے بڑھایا

اور رفتہ رفتہ اس درجے تک پہنچا یا کہ جو آج حاصل ہے۔ صاف نظر آیا کہ ہر عہد میں وہ جدا جدا رنگ بدل رہا ہی اور اُس کے باکمال تربیت کرنے والے وقت بوقت ترکیب اور الفاظ سے اس کی رفتار و اطوار میں اصلاحیں کر رہے ہیں چنانچہ اس لحاظ سے پانچ جلسے سامنے آئے کہ مسلسل اور متواتر قائم ہوے اور برخاست ہوے۔ ایک نے دوسرے کو رخصت کیا اور اپنا رنگ نیا جمایا یہاں تک کہ پانچویں جلسے کا بھی دور آیا جو کہ اب پیشِ نظر موجود ہی۔ ہر ایک جلسے میں صدر نشین اور ارکانِ انجمن نظر آئے کہ جن میں عہد بعہد کے بزرگوں کی رفتار گفتار وضع لباس جدا جدا ہی، مگر اصلاح کے قلم سے کسی کا ہاتھ خالی نہیں اور اس کام کو ہر ایک اپنا فرض سمجھے ہوئے ہی۔ باوجود اس کے اہلِ مجلس بھی شوق کے دامن پھیلائے ہیں اور قبول کے سینوں پر رکھے ہیں۔ زبانِ مذکور کی ہر جلسے میں نئی صورت نظر آئی۔ کبھی بچہ۔ کبھی لڑکا۔ کبھی نوجوان۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ دیکھتا ہی تو اُنھیں کی آنکھوں سے دیکھتا ہی اور بولتا ہی تو اُنھیں کی زبان سے بولتا ہی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	ریاض الانوار	مولوی حافظ محمد عمر متخلص بہ نشاں سراج الحق چشتی	۱۲۰۰ھ ۱۷۸۲ع	اما بعد فقیر حقیر سراپا قصور سراسر تقصیر خاک پائے انام احقر محمد عمر الملقب بہ شاہ سراج الحق .... نبیرۂ خادم سجادۂ جدّی و مرشدی جناب مولانا حافظ شاہ عبدالعزیز صاحب الملقب بہ

شاہ مقبول احمد قادری قدس اللہ اسرارہ بخدمت اصحابِ بصارت وارباب بصیرت عرض رساں ہو کہ زمانۂ حیاتِ فیض سمات جناب غفران مآب سے احقر کو خیال اس امر کا تھا کہ چند اوراق مشتمل برحالاتِ اکتسابِ علومِ صوری و معنوی و برخے کیفیتِ مجاہدات وریاضاتِ شاقہ و نبذے خوارقِ کریمۂ کراماتِ جسیمۂ آں جنابِ ولایت مآب قلم بند کرکے طالبانِ صادق الاعتقاد و مریدانِ واثق الانقیاد و ناظرینِ شائقینِ تذکرۂ اولیاءِ کبار و مقبولانِ کردگار کی خدمت میں ہدیۃً و تحفۃً پیش کروں، چناں چہ بزمانۂ حیاتِ حضورِ مغفور چند سطور حالاتِ مذکور زیبِ قلم کرکے بنظرِ تصحیح خدمت میں حاضر کئے اور داعیِ اجازتِ تحریر و کشفِ مافی الضمیر کا ہوا۔ اُس وقت زبانِ فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا، کہ "ابھی توقف کرو اس امر کا کوئی وقت آنے والا ہی" احقر نے موافق ارشاد واجب الانقیاد موقوف ارشاد واجازت پر رکھ کر ارادۂ مافی الضمیر کو ملتوی کیا۔ دریں ولا بعد ارتحالِ جناب غفران مآب کے اکثر مریدانِ خاص وارادت مندانِ با اختصاص خصوصاً جناب الطاف مآب مکرمی مولوی محمد عبد الکریم وکیل ہمیر پور نے باصرار ارشاد فرمایا کہ میں نے کچھ حالات حضرات شجرۂ سلسلۂ قادریہ کے زبانِ اردو میں لکھے ہیں اُن کی تکمیل بدونِ انضمام حالاتِ حضرتِ قبلہ و کعبہ مرشد پاک ممکن نہیں تو بسعیِ خود حضورِ مغفور کے احوالِ فیض اشتمال زبانِ اردو میں قلم بند کرکے مجکو دے تا بعد تکمیل کے شائع و ذائع کروں۔ چوں کہ یہ خاکسار مدتِ دراز سے خواہاں اس امر کا تھا، مولوی صاحب موصوف کے فرمانے سے زیادہ خیال دامن گیر حال ہوا، مگر بلا اجازتِ حضورِ مغفور قلم نہ اُٹھا سکا۔ الحمد للہ علی احسانہ شب پنجشنبہ تاریخ ۲۹۔ ماہ محرم المکرم ۱۲۹۵ھ بعدِ نماز تہجد قریبِ صبحِ صادق خواب میں دولتِ زیارت سے مشرف ہوا دیکھا کہ حضورِ مغفور حجرہ اندرونی بالائے مسجد میں چارپائی پر آرام فرماتے ہیں اور یہ

یہ خادم دست بستہ باادب محاذیِ پائیں کھڑا ہی اور عرض کرتا ہی کہ اگر ارشاد ہو تو پائے مبارک دباؤں، حضور نے منع فرمایا، پھر خادم نے عرض کیا کہ حضور اکثر مریدانِ باعقیدت اپنے اپنے مرشدوں کے حالات معرضِ تحریر میں لاکر مریدانِ عقیدت کیش کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اگر ارشاد ہو تو یہ خاکسار بھی جناب کے حالات بھی قلم بند کرے۔ فرمایا "ہاں لکھو"، خواب سے بیدار ہو کر شکر خدا بجا لایا اور بعزمِ بالجزم قصدِ مصمّم کیا۔ آج روز جمعہ تاریخ یکم ماہ صفر المظفر ہی وقتِ طلوع آفتاب ۱۲۹۹ھ بعد نماز اشراق کے لکھنا شروع کیا۔

تبصرہ و کیفیت

یہ دَور، ادوارِ ماسبق کے مقابل میں بہت وسیع اور کامیاب دور ہی۔ ہر حیثیت سے اُردو نے اس صدی میں اپنی رفتار کو ہموار اور طرزِ گفتار کو استوار بنایا ہی۔ مندرجۂ بالا (۶۸) نمونے جو دورِ پنجم میں دکھائے گئے ہیں، زبان، طرز بیان سلاست و فصاحت، اور تمام انشا پردازی کی خصوصیات کے اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ بہت ممکن تھا کہ اس دور میں نمونوں کی تعداد دونی بلکہ چوگنی بڑھا دی جاتی جس سے بجز طوالتِ ضخامت کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔ اِن پیش کردہ نمونوں میں جو خاص امتیاز نظر آتا ہی وہ ترتیب دور کے لحاظ سے ضرور قابلِ غور ہی۔ یعنی ابتدائے دور (سنہ ۱۲۰۰ھ) سے پون صدی تک اُردو زبان کی ترکیبِ انشا اپنے دورِ ماقبل سے قریب تر نظر آتی ہی۔ ڈھیلی ڈھیلی بندشیں۔ صلات و اضافات کی بے ربطیاں، بعض ترکیبوں کی الجھنیں غرض پرانی قسم کے تمام اسالیب

موجود ہیں۔ لیکن اس صدی کے تقریباً تین ثلث گزر جانے کے بعد جس سلاست و روانی کو آج پسند کیا جاتا ہے اُس کے نمونے بھی بکثرت ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس نمایاں فرق کو دیکھکر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایسے متغائر اور متبائن انداز بیان کو دو حصّوں (ادوار) میں کیوں منقسم نہ کر دیا گیا ایسا نہ کرنے کا سبب راقم کے خیال میں یہ ہے کہ چوں کہ دورِ پنجم میں اگر دس نمونے پُرانی ترکیبوں کے ملتے ہیں تو اسی زمانے میں بلا تفاوت دو نمونے اس طرز کے بھی پائے جاتے ہیں جس کا آغاز اس دور کی پون صدی کے بعد عموماً ہوا ہے۔ اور اسی کے ساتھ آخری دورِ سلیس کے بعد بھی بعض تحریریں ایسی ملتی ہیں جن میں پُرانی انشا پردازی اپنی جھلک دکھا رہی ہے۔ ان صورتوں میں اس صدی کے ایسے امتزاجی انداز کا تجزیہ فضول سمجھا گیا۔

نثرِ اُردو نے جب تک شمالی ہند میں کتابی صورت اختیار نہیں کی تھی اُس وقت تک اُس کی تحریروں میں بکثرت دکنی لب و لہجہ اور ہندی بھاشا یا دوسری پراکرتوں کے الفاظ شامل رہتے تھے لیکن دورِ پنجم میں ابتدائی ۲۵۔ ۳۰۔ سال کے بعد اُن کی جگہ فارسی عربی تراکیب و الفاظ نے حاصل کر لی اور کہا جا سکتا ہے کہ اس اضافہ و ترمیم کے بعد اُردو زبان میں خاص وقار اور علمی شان نظر آنے لگی۔

دورِ پنجم کے وہ اہلِ قلم جو مسٹر جان گلگرسٹ کی سرپرستی میں اُردو کی خدمت کے لئے منتخب کئے گئے تھے، اُن میں میر امّن دہلوی، میر بہادر علی حسینی۔ شیر علی افسوس۔ حیدری، تحسین جیسی چند ہستیاں بہت مشہور ہیں۔ لیکن ان سب اہلِ قلم کا زمانہ تیرھویں صدی ہجری کے نصف اوّل تک ختم ہو گیا تھا اور اُن کی تصانیف میں زیادہ تر تراجم یا قصّوں اور کہانیوں

کی کتابیں نظر آتی ہیں۔ خالص علمی یا تاریخی تالیفیں جن کا مذاق آخری صدی سے شروع ہوا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تیرھویں صدی کے ربعِ چہارم سے کچھ پہلے جن اہلِ قلم نے اردو زبان کو سلاست و فصاحت سے آراستہ کیا، اُن میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کا پہلا نمبر ہے لیکن اُن کی نثر تحریروں کے نمونے خطوط تک محدود ہیں اور اُن میں بھی جا بجا سجع و قوافی کا زنجیر اتراکیبِ الفاظ کو جکڑے ہوئے نظر آتا ہے۔ صرف سر سید احمد خاں کی تحریریں ایسی پائی جاتی ہیں جن کو (آثار الصنادید کے سوا) موجودہ (چودھویں صدی) اُردو کا صحیح رہنما کہا جا سکتا ہے۔ سر سیدؒ کی ایک خصوصیتِ امتیازی یہ بھی ہے کہ جب سے اُنھوں نے اردو میں لکھنا شروع کیا اُس کے بعد آخر وقت تک کسی اور زبان کو اپنی تالیف و تصنیف کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اُن کے معاصر یا متعاقب جتنے اہلِ قلم اُردو کے سر پرست ہوئے اُن میں، نواب محسن الملک سید مہدی علی خاں۔ شمس العلما ڈاکٹر نذیر احمد خاں مولوی چراغ علی۔ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ۔ شمس العلما مولانا حالی۔ اور آخر میں شمس العلما مولانا شبلی زیادہ مشہور و معروف ہیں۔

اس دور کی زبان میں محاورات و اندازِ بیان کا ترک و اختیار مندرجۂ ذیل نقشے سے معلوم ہوگا۔ جس میں تھوڑے سے الفاظ بطور نمونہ لکھے گئے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے نصف صدی اوّل میں بعض پرانی ترکیبیں مستعمل ہوتی تھیں، جن کا اثر نصف صدی آخر میں یک قلم زائل ہو گیا۔ اور ربعِ چہارم میں زیادہ تر عربی و فارسی کے الفاظ اور مختصر مختصر فارسی ترکیبیں شامل ہونا شروع ہو گئیں۔ اور گویا اسی وقت سے اردو نے علمی زبان بننے کا جائز استحقاق حاصل کیا۔

شمار	لفظِ قدیم	لفظِ حال	مثال و کیفیت
۱	اوپر	پر	اوپر تمھارے
۲	تھے وہ کافر	وہ کافر تھے	
۳	ساتھ ظلم کے	ظلم سے	
۴	جاوے	جائے	
۵	تحقیق	بالتحقیق	
۶	پس البتہ	بے شک	
۷	واسطے اُن کے کے	اُن کے لئے	واسطے شریکوں اُن کے کے
۸	تمھارے اندر	تم میں	
۹	بولے	کہا	
۱۰	اپنے نام کر	اپنے نام سے	گویا کی اپنے نام کر
۱۱	پاویں	پائیں	
۱۲	کری	کی	
۱۳	ساتھ فصاحت کے	فصاحت سے	
۱۴	کرے	کیے	
۱۵	نظر کیا	نظر کی	
۱۶	کرکر	کرکے	
۱۷	آوے	آئے	
۱۸	مت پکڑ	نہ پکڑ	عذاب مت پکڑ تو مجھ پر

۱۹	بیچ ذکر	بذکر۔ یا ذکر میں	
۲۰	جُدی جُدی	جُدا جُدا	
۲۱	زر بھیج	ارسالِ زر	
۲۲	لمبر	نمبر	
۲۳	ہووے	ہو	
۲۴	دیکھا میں نے	میں نے دیکھا	
۲۵	ماندی	علیل	اُن کی طبیعت ماندی ہوئی۔
۲۶	ہاتھ لگی تھی	دستیاب ہوئی	
۲۷	خوش آوے	پسند آے	
۲۸	لپٹے ہوئے ہیں	شامل ہیں	قصّوں میں قصّے لپٹے ہوئے ہیں۔
۲۹	فرمانے سے	حسب الحکم	
۳۰	یوں کرہی	یوں ہی	سبب اس کا یوں کرہی۔
۳۱	آن پہنچا	آ پہنچا	
۳۲	دھیان میں چڑھی	خیال آیا	یہ بات اپنے دھیان میں چڑھ آئی۔
۳۳	اس لئے	تاکہ	
۳۴	جان تو	واضح ہو	
۳۵	یا کہ	یا	غلطی یا کہ زیادتی نہ ہووے۔
۳۶	تعریف کئے گئے ہیں	معروف ہیں	
۳۷	ہاتھ مبارک سے	دستِ مبارک سے	
۳۸	امّا بعد	بعد۔ پھر۔ پس۔ اب۔	
۳۹	پیچھے مرنے کے	مرنے کے بعد	
۴۰	نپٹ	بہت	

چھٹا دور

سنہ ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ء) سے سنہ ۱۳۴۸ھ (۱۹۳۰ء) تک

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۱	تاریخ بلگرام (جغرافیہ)	سید مرزا احمد صغیر بلگرامی	۱۳۰۱ھ ۱۸۸۴ء	واضح ہو کہ بلگرام وہ مقام ہی کہ جس کی شناخت کے لئے کچھ نشان اور پتا دینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اتنا لکھ دینا ضرور ہی کہ صوبۂ اودھ متعلقۂ ہند میں قنّوج شہرِ مشہور سے سمت شمال مائل بہ مشرق پانچ کوس کے فاصلے پر قصبۂ بلگرام واقع ہی اور دریاے گنگ قنّوج اور بلگرام کے بیچوں بیچ بہتا ہی۔ حضرت آزاد بلگرامی کتاب مآثر الکرام میں لکھتے ہیں کہ طول البلد بلگرام کا ایک سو چھتیس (۱۳۶) درجہ اور پچپن دقیقہ سمت قبلہ اور پانچ دقیقہ مغرب سے جانب شمال ہی اور مسافت درمیان مکّہ اور بلدکے ۳۵ درجہ اور ۳۵ دقیقہ ہی۔ اور مسافت درمیان مکّہ

اور بلد کے فرسخوں کے اعتبار سے سات سو نواسی فرسخ ہی۔ بلگرام عہد شاہی میں سرکار خیرآباد مضافات

صوبۂ اختر نگر اودھ مشہور تھا اور اب عہدِ انگریزی میں یہ قصبہ ضلع ہردوئی کے متعلق ہو گیا ہے اور ہردوئی بلگرام سے سات آٹھ کوس ہی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	افادۂ تاریخ	حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی	سنہ ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء	بعد اس کے عرض کرتا ہے ہیچ مداں کج مج بیاں خوشہ چینِ خرمنِ اہلِ سخن نابلدِ کوچۂ ہر علم و فن کمترین بندگانِ ایزدِ متعال سخنورانِ ماضی و حال حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی کہ چونکہ آج تک کوئی رسالہ قواعدِ تاریخ گوئی و شرحِ اقسامِ تاریخ میں اس شرح و بسط کے ساتھ کہ مورّخ یعنی تاریخ گو کو قواعد و قوانینِ تاریخ گوئی سے آگاہی دینے کے لئے کافی و وافی ہو جاتا، نہیں لکھا گیا اور بعضے احباب کو بھی اس امر میں نہایت مُصر پایا....

ناچار جس قدر کہ اس ہیچ مداں کو قواعدِ مذکورہ سے آگاہی و اطلاع تھی اور جو کچھ اپنے اساتذہ محقّق سے اس باب میں پایۂ تحقیق کو پہنچا تھا بقیدِ قلم لایا اور بِنا اس رسالۂ مختصرہ کی ایک مقدّمے اور تین باب اور ایک خاتمے پر کہ وہ بھی مشتمل چند فائدوں پر ہی قائم کی جاتی ہی۔ اور نام تاریخی اس رسالے کے آغازِ تالیف کا مادۃ التاریخ اور ختمِ تالیف کا افادۂ تاریخ رکھا جاتا ہی۔ وہو الموفّق والمستعان۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	سرمایۂ زبانِ اردو (لغت)	حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی	سنہ ۱۳۰۳ھ	حمدِ خدائے سخن آفریں و نعتِ خاتم المرسلین و منقبتِ سید الوصیین کے بعد عرض کرتا ہے فقیر ہیچ مداں کج مج بیاں خرمنِ سخن وراں کا ادنیٰ خوشہ چین خواں پایۂ فصحائے اُردو زباں کا زلہ ربائے کمترین احقر بندگانِ ایزد متعال حکیم سیّد ضامن علی لکھنوی متخلّص بہ جلال کہ جب سے اُردوئے معلّیٰ نے اپنے علمِ ایجاد کو میدانِ گاہِ سخن میں بلند کیا کسی سخنورِ اُردو زبان نے کوئی لغت ایسا کہ جامع ہو جملہ مفردات و مرکّبات یعنی لغات و محاورات و کنایات و مصطلحات و مثلہائے زبانِ اُردو کا اور بعضے اُن لغاتِ اُردو کا جن کو جملہ یا بعض فصحائے متاخّرین نے استعمالاً ترک کر دیا ہے اور بعضے اُن لغات کا جن میں

باہم فصحا میں اختلاف ہے۔ یعنی کچھ فصیح کسی طرح اُن لغات کو بولتے ہیں اور کچھ فصیح کسی طرح بولتے ہیں آج تک نہیں لکھا گیا۔ پس بنابریں مؤلّفِ مستہام بسعیِ بلیغ و کوشش و استقرائے تام چند سال کی مدّت میں جامع اس کتاب جامع کا ہوا۔ بدیں نہج کہ جملہ محاوروں اور کنایوں اور اصطلاحوں

اور مثلوں کے معانی اور محل استعمال لکھ دیے اور بیشتر کے اسناد و نظائر کلام نظم شعراے نامور و معتبر اُردو زبان سے اخذ کر کے تحت میں معانی و مقامات استعمال کے درج کئے اور جن محاورات اور کنایوں وغیرہ کی فارسی یا عربی دست یاب ہوئی وہ بھی بعد حلّ معنی و بیان محل استعمال کے لکھ دی اور جو محاورے کہ مختص تھے عورتوں کے ساتھ یا مشترک تھے مرد و زن میں اُن کی اطلاع بھی جابجا کی گئی اور محاورات خواص اور محاوراتِ عوام یعنی بازاریوں کے محاوروں پر بھی آگاہی دی گئی ------ اور نام اس تالیف کا سرمایۂ اُردو زبان رکھا گیا۔ امید دیدہ ورانِ با انصاف و بالغ نظرانِ والا اوصاف سے یہ ہی کہ جہاں کہیں مؤلّفِ سراپا خطا سے خطا واقع ہوئی ہو حتّی الامکان وہاں اصلاح فرمائیں ورنہ ذیلِ عفو و دامنِ عطا سے چھپائیں وہو الموفّق والمستعان۔

تبصرہ و کیفیت

مؤلّفِ مذکور (جلال لکھنوی) مشاہیر شعراے لکھنؤ میں تھے جن کو مسلّم الثبوت مانا گیا ہے اور اُن کی نظمیں ہر حیثیت سے اُردو کی فصاحت و سلاست کا نمونہ ہیں۔ اُن کی قابلیتِ علمی بھی مستند مانی گئی ہی۔ اس نثر تالیف میں اگرچہ کوئی غلط لفظ بے موقع محاورہ نہیں مگر وہ روانی اور شستہ بیانی مفقود ہی جس کو دوسرے نثر نویسوں میں پایا جاتا ہی۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بعض وہ حضرات جن کو فارسی و عربی کی مزاولت زیادہ رہتی تھی، چودھویں صدی کے ابتدائی دور میں بھی تیرھویں صدی کی زبان لکھا کرتے تھے۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	ابتنیل فی الصرف	مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں	۱۳۱۰ھ ۱۸۹۳ء	میں نے اس رسالے کے جمع کرنے میں نہ تو کوئی نیا قاعدہ باندھا نہ کوئی نیا مسئلہ ایجاد کیا۔ پھر کیا تو کیا کیا؟ اتنا کیا کہ ؎ متاعِ نیک ہر دکاں کہ باشد ادھر اُدھر سے جوڑ ٹوڑ کر مطالب کو اپنے طور پر مرتّب کر دیا ترتیب جو میں نے اختیار کی ہے، میرے گمان میں نئی اور قریب الفہم ہے۔ اوّل تو میں نے یہ ثابت کیا کہ الفاظ میں گروہ بندی ہے۔ جتنے الفاظ میں چند حرف مشترک ہوں اور اُن کے معانی میں بھی کوئی امر مشترک پایا جاے وہ الفاظ ایک گروہ یا ایک باب ہیں۔ اور حروفِ مشترک مادہ یا باب۔ مادہ یا باب میں جو جو تغیّرات حسب غرض سی کیے جاتے اُن کو صرف میں نے قواعد کے طور پر منضبط کر دیا معلوم یہ ہوا کہ تغیّرات اکثر خاص حروف مادّہ یا باب پر زیادہ کرنے سے ہوتے ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	الاجتہاد	شمس العلماء حافظ نذیر احمد خاں دہلوی	۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء	"میں کیوں مسلمان ہوں" شاعروں نے آدمی کو قانون خیال کے ساتھ ٹھیک تشبیہ دی ہی۔ وہ تنہائی میں کچھ نہ کچھ خیال کرتا رہتا ہی، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو دیکھا ہی کہ اکیلے آپ ہی آپ باتیں کرتے چلے جاتے ہیں جیسے کوئی اُن سے ہمکلام ہی۔ آدمی کی یہ عادت خواب میں بھی نہیں چھوٹتی۔ یاد نہ رہنے کی تو اور بات ہی ورنہ آدمی سوتے میں بھی خیالات سے فارغ نہیں ہوتا۔ اسی عادت کے مطابق ایک دن بیٹھے بیٹھے مجھے یہ خیال آیا کہ "میں کیوں مسلمان ہوں" کچھ ایسا پیچھے پڑا کہ ہرچند میں اُس کو ٹالنا چاہتا تھا، ٹلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ یہاں تک کہ کئی سال متواتر میں اسی خیال میں غلطاں پیچاں رہا۔

خیال نے ایسی وسعت پکڑی کہ تھا تو میں ایک مگر ایسا معلوم ہوا کہ ایک سے دو ہو گیا ہوں، ایک حیثیت سے سائل اور دوسری حیثیت سے مجیب۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسا خیال کبھی دوسرے

مسلمانوں کو بھی آتا ہی یا نہیں۔ مگر آنا چاہیئے۔ بلکہ مسلمانوں کی خصوصیت نہیں، میں تو کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص کو جو مذہب کی ضرورت کو سمجھکر کسی خاص مذہب کا معتقد ہو۔ کبھی نہ کبھی اپنے نفس سے پوچھنا چاہیے کہ وہ کیوں مثلاً ہندو، یا عیسائی، یا یہودی، یا پارسی، یا کیا یا کیا ہی۔ ایسا خیال کرنے سے قوی امید ہی کہ وہ حق کو دریافت کرے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے سوال و جواب کی شکل میں گفتگو کو قلمبند کر لیا ہی۔ س ملخص ہی سائل کا اور م مجیب کا۔

س ۵۶۔ بنی آدم کے اختلافِ حالت کو اختلافِ مذہب میں کیا دخل؟

م ۵۶۔ خداشناسی جس کا مذکور ہوتا رہا ہی وہ تو واقع میں اصل مذہب ہی اور اُس میں بنی آدم کے اختلاف کی وجہ بھی تم سن چکے ہو، اسی اختلاف کے رفع کرنے کو خدا نے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے۔ آدم کی نسل کو خدا نے کچھ ایسی برکت دی تھی کہ آدم کی اولاد یوماً فیوماً ساعۃً فساعۃً آناً فآناً بڑھتی اور پھیلتی جاتی تھی ایک وقتِ خاص تک لوگ بعض واقعاتِ گزشتہ کو زبانی یاد رکھتے رہے اسی اثنا میں بہت سی باتیں بھولی بسری ہو گئیں۔ کتابت کا فن تو کہیں مدتوں میں جا کر ایجاد ہوا ہی۔ جس سے یادداشت میں بڑی مدد ملی۔ غرض ہم کو پیغمبروں کا شمار معلوم نہیں کہ کون کس زمانے اور کس ملک میں مبعوث ہوا۔ مگر قرآن سے اتنی بات ثابت ہی کہ شروع سے پیغمبروں کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ اور قرآن میں جو معدودے چند کا مذکور ہی وہ اُن مختلف المذاہب قوموں کے لحاظ سے جو نزولِ قرآن کے وقت ملک عرب میں بستے اور اُن پیغمبروں کو فرستادۂ خدا مانتے تھے۔ مطلب یہ ہی کہ جتنے پیغمبر ہو گزرے ہیں سب کے سب خدا کے بارے میں اسلامی عقائد سکھاتے سمجھاتے رہے، تم لوگ باوجودے کہ اپنے تئیں اُن کی اُمّت اور تبّع کہتے ہو اُن کا مسلک چھوڑ کر لگے شرک اور بُت پرستی کرنے۔

شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۹	محصنات	مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں دہلوی	۱۲۹۰ھ ۱۸۷۵ء	مُبتلا کے باپ کی تو پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ اس کو شروع سے مدرسے میں بٹھایا جائے، مگر عورتوں کو مبتلا کی اتنی مفارقت بھی گوارا نہ ہوئی۔ ناچار پورے چھٹے برس میاں جی کو نوکر رکھ کر اُس کو گھر ہی پر تعلیم کرایا۔ اب میاں جی کا بھی سرمایۂ معلومات ہو چکنے پر آیا اور فارسی کی درسی متداول کتابیں سب مبتلا کی نظر سے نکل گئیں اور بات صاف تو یہ ہو کہ مبتلا کے سر میں اب اور ہوا بھری ہوئی تھی اس کی آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں یاروں کے جلسے دوستوں کی صحبتیں اور وہ گھر پر میسّر نہ تھیں باپ نے کچھ اور سوچا، مبتلا نے کچھ اور۔ غرض سب کی صلاح سے مبتلا مدرسے میں داخل ہوا۔ گو مبتلا نے چھ برس مکتب میں تعلیم پائی مگر مکتب کیا تھا برائے نام اُس کا جی بہلنے کے لئے چار پانچ ریزگی لڑکے اور بٹھا لئے گئے تھے یعنی

بحساب چودہ برس کی عمر تک مبتلا بھونرے میں پلا اور دنیا کی کسی قسم کی ہوا اُس کو نہ لگنے پائی۔

اب جو مدرسے کی عربی جماعت میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا لڑکوں کا جنگل کہ سات سات آٹھ آٹھ برس کی عمر سے لے کر بیس بیس بچیس بچیس برس تک کے اچھے خاصے جوان ہر ذات کے ہر پیشے کے چار ساڑے چار سو لڑکے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر شمار
لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ کیا دھوکا ہوا ہی، ہم مدت تک اسی خیال میں رہے کہ صادقہ اور یوسفی دو سگی بہنیں تھیں۔ اب تحقیق ہوا کہ ایک عورت کے دو نام ہیں، اور اصلی ایک بھی نہیں۔ اُس کو میکے ہی میں لوگ صادقہ کہنے لگے تھے اس واسطے کہ اُس نے ساری عمر نہ کبھی جھوٹا خواب دیکھا، اور نہ اپنے جی سے بنا کر کوئی خواب بیان کیا۔ بیاہی گئی تو سسرال کی طرف سے یوسفی بیگم کا خطاب ملا۔ اس لئے کہ کثرت سے خواب دیکھتے دیکھتے اُس کو تعبیر میں ایسا ملکہ ہوگیا تھا کہ اُس کی رائے تیر بہدف ہوتی تھی	سنہ ۱۳۱۲ھ [illegible]	مولوی حافظ نذیر احمد خاں دہلوی	رویائے صادقہ	نمبر ۱

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۸	ادعیۃ القرآن (پنجسورہ سورہ و دہ سورہ)	مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں دہلوی	سنہ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء	معلوم نہیں کہ پنج سوروں کا رواج کیوں اور کس سے اور کب سے چلا، مگر بہت پرانے پنج سورے دیکھنے میں آئے اس سے ثابت ہوتا ہی کہ پنج سوروں کا رواج کم از کم سیکڑوں برس پہلے سے چلا آتا ہی۔ خیال دوڑانے سے اس کے سوا کوئی اور وجہ سمجھ میں نہ آئی کہ سارے قرآن کی تلاوت دیر طلب کام ہی۔ کسی اتفاقی طور پر اپنی رائے سے سورۂ یٰس، الرحمٰن، تبارک الذی۔ واقعہ۔ مزمل۔ پانچ سورتیں منتخب کر کے اُن کا ورد بنالیا، اور اپنے زعم میں سارے قرآن کی تلاوت سے سبک دوش ہو بیٹھا۔ قرآن فی نفسہ کچھ ایسی بڑی ضخیم کتاب نہیں اور نہ شارع کی طرف سے جلدی کی تاکید ہی۔ مگر لوگوں کی ہمتیں دین کے بارے میں ایسی پست ہو گئی ہیں کہ حافظوں کا تو ذکر نہیں جو قرآن پڑھ سکتے ہیں، اُن میں بھی جیسا چاہیئے تلاوت کا

التزام نہیں، پنج سورے کے موجد نے اُنگلی میں لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا چاہا۔ لوگوں کو حیلہ ہاتھ آیا،

پنج سورے چل پڑے، ہم تو سرے سے قرآن ہی کو قابلِ انتخاب نہیں سمجھتے، قرآن الحمد سے لے کر والناس تک سارے کا سارا انتخاب ہی، مگر لوگوں نے فرمایش کی ہم نے اس خیال سے کہ خیر قرآن کا نام تو ہی، متداول پنج سورے میں سورۂ فتح اور نبأ دو سورتیں بڑھا کر اوّل ہفت سورہ چھپوایا اب سورۂ اخلاص یعنی قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اور مُعَوِّذَتَین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، تین سورتیں اور زیادہ کر کے دہ سورہ بنا دیا اس دہ سورے کے ورد کا مضائقہ نہیں، مگر سارے قرآن کی تلاوت کا فرض تو اس سے ساقط ہونے کا نہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	اقتصار الاغراض	شمس العلماء حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں دہلوی	۱۳۲۳ھ ۔ ۱۹۰۵ء	**ایمان بالقدر** رہا مسئلۂ تقدیر، تو یہ ایسا مشکل مسئلہ ہی کہ عوام تو عوام اکثر خواص بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ سارا اشکال خود آدمی کی خاص طرح کی بناوٹ کا ہی کہ آدمی نہ تو کنکر پتھر کی طرح مجبور محض ہی، جہاں پڑا، پڑا ہے، کوئی اُس کو جگہ سے ہلائے تو ہلے۔ اور نہ بااختیارِ مطلق ہی کہ جو چاہے کر گزرے۔ آدمی کی اس حالت کو پیشِ نظر رکھ کر تقدیر کے معنی سمجھنے کے ہیں۔ تقدیر کی نسبت لوگوں کا عام خیال یا تو

یہ ہی کہ آدمی کو بُرا بھلا جو کچھ پیش آتا ہی اور جو کچھ پیش آنے والا ہی۔ پہلے سے خدا نے اُس کے لئے ٹھہرا دیا ہی یہاں تک کہ اُس کا جنّتی اور دوزخی ہونا بھی۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہیں کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہی اپنے اختیار سے نہیں کرتا اور اسی لئے نیکی کی جزا کا مستحق اور بدی کی سزا کا مستوجب بھی نہیں۔ بے شک کٹ حجتی کے لئے بڑی گنجائش ہی اور اس خیال کی تائید میں بہت سی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے انسان کی مجبوری ظاہر ہوتی ہی۔ مگر یہ لوگ انسانی زندگی کے دوسرے پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، اور نہیں دیکھتے کہ انسان کچھ اختیار بھی رکھتا ہی اور اسی اختیار کی بنا پر وہ دنیا میں اپنے افعال کا جواب دہ سمجھا جاتا ہی۔ دنیا میں یہ قاعدہ جاری ہی تو آخرت میں کیوں نہ ہو دنیا اور آخرت میں نقل اور اصل کی نسبت ہی۔ اور ایک کا دوسرے کے مطابق ہونا ضرور ہی۔

اچھّا پھر تقدیر کو کیا سمجھنا چاہیئے؟ تو لفظِ تقدیر نکلا ہی قدر سے جس کے معنی اندازے کے ہیں۔ پس تقدیر کے معنی اندازہ ٹھہرانے کے ہوئے۔ جو معنی اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ (یعنی ہم نے تمام چیزوں کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہی) کے ہیں وہی معنی تقدیر کے ہیں۔ اس کو ایک مثال سے بآسانی سمجھوگے:۔ ہم نے ایک درزی کو کپڑے کا تھان دیا کہ اس میں سے جتنے بن سکیں ہمارے کرتے بنادو۔ تو درزی پہلے آگا، پیچھا۔ کلیاں۔ چوبغلے۔ آستینیں۔ ہر ایک چیز کا اندازہ کر لیتا ہی تب قطع کرتا ہی۔ لغت کی رو سے اسی کا نام تقدیر ہی۔ معمار تعمیر سے پہلے مکان کا نقشہ بناتا ہی، بڑھئی چوکی کے لئے لکڑی کی تراش کا اندازہ کرتا ہی۔ یہ سب تقدیر ہی۔ اسی طرح خدا نے جو چیز بھی پیدا کی ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی، یہی اُس چیز کی تقدیر ہوئی۔۔۔۔۔۔ پس اس صورت میں تقدیر پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ مخلوقاتِ عالم کو خدا نے جیسا چاہا بنایا اور بہت درست بنایا۔

شمار	تصنیف	مصنف	تصنیف سنہ	نمونہ عبارت
نمبر ۱	ترجمہ قرآن (پارہ ۸ - رکوع ۳)	شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد خاں دہلوی	۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء	(پھر ہم جنّات اور بنی آدم دونوں سے مخاطب ہو کر پوچھیں گے)، کہ اے گروہِ جن و انس کیا تمھارے پاس تمھیں میں کے پیغمبر نہیں آئے کہ تم سے ہمارے احکام بیان کریں۔ اور تمھارے اُس روز (قیامت) کے پیش آنے سے تم کو ڈرائیں۔ وہ عرض کریں گے ہم اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیتے ہیں (یعنی اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہیں) اور (واقع میں) دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں رکھا اور اب اُنھوں نے آپ ہی اپنے اوپر گواہی دی (یعنی اقرار کیا)، کہ بے شک وہ کافر تھے (اے پیغمبر پیغمبروں کو بھیج بھیج کر حجّت تمام کرنا) اس سبب سے ہے کہ تمھارا پروردگار بستیوں کو ظلم (و زبردستی) سے ہلاک کرنے والا نہیں۔ کہ (ادھر اُن کو ہلاک کر مارے اور (اُدھر) وہاں کے رہنے والے خدا کے منشا سے بے خبر ہوں اور جیسے جیسے عمل کئے ہیں اُنھیں عملوں کے

رو سے سب لوگوں کے درجے ہوں گے اور جو کچھ (لوگ دنیا میں) کر رہے ہیں تمھارا پروردگار اُس سے بے خبر نہیں۔

تبصرہ و کیفیت

ممکن ہی کہ بعض طبیعتیں ایک جگہ ایک ہی مصنّف کے اتنے نمونے پڑھ کر گھبرا گئی ہوں، اس کی حقیقت یہ ہی کہ اس عہد کے مصنّفین و مؤلفین و مترجمین میں کسی ایک شخص نے مختلف عنوانات پر شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب کی طرح کتابیں نہیں لکھیں اور چوں کہ اس کتاب میں حتّی الوسع تمام مضامین کے نمونے دکھانے منظور ہیں اس لیے ایسے مصنّف کے نمونوں کو چھوڑ دینا جس کا انداز تحریر نہ صرف امتیازی ہو بلکہ عموماً پسند کیا جاتا ہو نامناسب تھا۔ مصنّف ممدوح عربی و فارسی کی اعلیٰ قابلیت کے ساتھ انگریزی میں بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ اور پھر اُردو ادب کی خدمات اور ترویج کے پورے مؤیّد و عامل تھے۔ سرسیّد اور بعض دوسرے اہلِ قلم کی طرح اُن کی اُردو میں اگرچہ عام سادگی اور سہولت نہ تھی مگر طبیعت کی جولانی اور دماغی قابلیت نے اخذ و اختراع کا مادّہ اتنا پایا تھا کہ با وصف استعمالِ الفاظِ عربی وغیرہ اپنے مطلب کو اس خوبی سے ادا کرتے ہیں کہ مدعائے تحریر ذہن نشین ہو جاتا ہی۔ راقم نے اس نمونے میں نہ اُن کی تمام مصنّفات کو نقل کیا ہی اور نہ ایسی تحریریں منتخب کی ہیں جن میں عربی فارسی اور انگریزی الفاظ کی بھرمار ہے بہت احتیاط سے وہی عبارتیں لکھی ہیں جن میں اجنبی الفاظ زیادہ نہیں آسکے ہیں پھر بھی دوسرے معاصرین اہلِ قلم کے مقابلے میں بھاری بھاری لغات موجود ہیں، اگر ساتھ ہی اس کے خاص

اردو کے ایسے محاورے بھی بکثرت موجود ہیں جن کی مثال دوسروں کی تحریروں میں کم ملے گی۔

نمبر	تصنیف	مصنّف	سنِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۱	دو جلد الانصاف ترجمہ بحر العرفان نامہ تلفیح الاخبار و مہدی نامہ (جلد اول و دوم) نظم و نثر بستان)	مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا (لکھنوی) و نواب مرزا محسن علی خاں عرف آغا تخلص محسن مہدی (لکھنوی) دیباچہ از مرزا و مرزا علی خاں (لکھنوی)	سنہ ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ع	تحریر مرزا محمد عسکری عُرف چھوٹے آغا راویانِ اخبارِ پیشین، و ناقلانِ آثارِ مقرون به یقین صفحۂ تاریخ پر اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ نسب صاحب قراں واجب التسلیم شاہزادہ مُعزّ الدین ابوتیمیم کا بعد دس پُشتوں کے سیّد الصّادقین حضرت عبداللہ جعفر بن محمد صادق علیہ السّلام سے ملتا ہی۔ اور صاحب مرآۃ الجناں حمداللہ ستوفی نے ذکر اُن کے نسبِ شریف کا کتابِ عنوان التّاریخ میں اس طرح نقل کیا ہی کہ مہدیؔ صاحب قراں کے جدِ کلاں تھے وہی اس قبیلے سے پہلے تخت نشین ہوے۔ تحریر کارپردازانِ مطبع نول کشور بابت جلد مذکور قبل ازیں سوائے جلد اوّل و دوم کے کہ مقدم المرام

تھیں خواجہ بدر الدین عرف خواجہ امان مغفور دہلوی نے باندازِ بول چال دہلی کے پانچ جلدوں کا اُردو ترجمہ کیا تھا کہ اُن کی زندگی نے وفا نہ کی اور کتاب ناتمام رہی۔ جو کہ اتمام کو پہنچانا ایسی کتاب نغز و نایاب کا کہ جس کا نظیر آج ہندوستان میں نہیں ہے ضروری نظر آیا۔ و مزید براں اصرار اہل شوق درباره ترجمۂ اُردو جلد اوّل و دوم اس داستانِ نادر البیان کے افزوں پایا۔ لہٰذا لکھنؤ کے نثر نگاروں اور ناظموں کی آبرو و عزت ...... مرزا محمد عسکری صاحب عرف چھوٹے آغا صاحب نے ترجمۂ اُردو جلد اوّل و دوم بوستانِ خیال کا کہ جس کا نام مہدی نامہ ہے اور جس میں ذکر اجداد والانژاد صاحب قرانِ عالی جناب شاہزادہ معز الدین کامیاب کا ہے، اور تذکرۂ جدِّ امجدِ صاحب قرانِ گیتی ستاں جو پہلے تخت نشینِ سلطنت ہوئے، یعنی احوال سلطان ابو القاسم محمد مہدی جدِّ صاحبقراں و صاحبِ خروجِ زماں، اور حال ملکۂ عالیہ خاتون مادرِ صاحب قرانِ عالی شان کا ہے، نہایت عرق ریزی سے عمدہ سلیس زبان میں ترجمہ فرمایا۔

تحریر مترجم دوحۃ الابصار
سبب تصنیف قصۂ ہٰذا

میر تقی خیال متوطن گجرات گردشِ گردونِ دوں سے پریشاں حال ہو کے عہدِ سلطنت میں محمد شاہ بادشاہ کے شہر دہلی میں وارد ہوئے اُن کی منظورِ نظر ایک زنِ مطربہ تھی، شب کو اکثر یہ وہ ان سے قصصِ تازہ کی فرمائش کیا کرتی تھی۔ یہ بپاس خاطر اپنی محبوبہ کے روز ایک قصۂ تازہ اپنی طبیعت سے ایجاد کر کے سنا دیتے تھے۔ ان کے مکان کے عقب میں کچھ لوگ جمع ہوتے تھے

اور داستان امیر حمزہ کی بیان کی جاتی تھی۔ میر تقی بھی کبھی کبھی تفریحاً شریکِ جلسہ ہوتے تھے۔ ایک روز بعدِ ختمِ داستان اہالیانِ جلسہ نے داستانِ امیر حمزہ کی نہایت تعریف کی، لیکن داستان گو نے میر تقی کو سنا کے کہا، جی ہاں داستان کے مرتّب کرنے کے واسطے خداوندِ عالم قابلیت پیدا کرے تو ممکن ہے ورنہ تحصیلِ علوم و فنون سے اگر کوئی شخص داستان مرتّب کرنا چاہے تو محال ہے۔ یہ بات میر تقی کو نہایت ناگوار معلوم ہوئی۔ کہا، کیا کہتے ہو! صاحبانِ علم و فضل کے روبرو ایسے خیالات کی کیا حقیقت ہے۔ یہ کہو کہ اُن کو علوم کی کتابوں کی تصنیف سے اس قدر فرصت کہاں کہ وہ ان ہزخرفات میں وقت اپنا ضائع کریں، بعض نے اُن کے اقوال سے اتفاق کیا، اور بعض نے اختلاف بعدہٗ جلسہ برخاست ہوا، چوں کہ ہر روز حسبِ فرمائش اپنی محبوبہ کے قصصِ تازہ کی فکر تھی، اب زیادہ تر خیال کو وسعت دینے کی ضرورت ہوئی۔ تا ایں کہ تھوڑے ہی عرصے میں چند اجزا اس کتاب کے مرتّب کر کے اُس جلسے میں گئے اور بعدِ ختمِ داستانِ امیر حمزہ اہالیانِ جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ چند اجزا ایک قصّۂ تازہ کے دست یاب ہوے ہیں اجازت ہو تو سناؤں۔ سب نے متفق اللفظ کہا، بسم اللہ ضرور پڑھیے۔ جب پڑھا تمام حاضرینِ جلسہ محو ہو گئے اور ہر طرف سے صدائے تحسین بلند تھی اور آپس میں کہتے تھے کہ واقعی اس طرح کا قصّہ آج تک نہیں سُننے میں آیا۔ یہ قصّہ مصنوعی نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ یہ کوئی واقعۂ اصلی ہے۔ تا ایں کہ اس کی خبر بادشاہِ وقت تک پہنچی دربار میں طلب کیے گئے۔ بادشاہ نے مراتبِ اعزاز و احترام مرعی رکھ کے خلعتِ فاخرہ سے ممتاز فرمایا اور بعد تعیّنِ مواجبِ مناسب حکم طوالت اس قصّۂ عجیب کے واسطے دیا، غرض کہ ایک مدّتِ مدید کے بعد یہ قصّہ تکمیل کو پہنچا۔

طرزِ تحریرِ داستان

شبیہ کشانِ چہرۂ عرائسِ معنی و بیان و نقش طرازانِ حالاتِ گزشتۂ دوراں، لوحِ دفترِ سخن پر اس رنگ سے طراحی کرتے ہیں کہ بعد گزرنے تین سو برس حضرتِ خیرالوریٰ کی ہجرتِ باسعادت سے المنصور بقوت اللہ بن احمد بن محمد سلطان اسمٰعیل ملکِ مغرب کے بادشاہ ہوئے اور دارالخلافت اپنا شہر افریقیہ خاص مقرر فرمایا۔ مورخانِ صادق البیان نے کتبِ تواریخ میں زیبِ رقم کیا ہی کہ سلطان اسمٰعیل بادشاہِ جلیل عدل و داد میں متصف تھا اور رعایا برایا اُس کے عدل و داد سے نہایت شکرگزار تھی۔ اوّل مہدی نامے کی عبارت میں یہ مضمون آیا ہی کہ عبدالعزیز مغربی جب شاہزادہ معزالدّین کے جدِ کلاں ابوالقاسم اور جدِ ثانی قائم الملک سے ہزیمت خوردہ بحالِ خراب ملکِ فرنگ میں پہنچا اور وہاں اُس کا عقد کاردوس فرنگی کی کنیز سے کہ جو نہایت حسن و جمال میں بے نظیر تھی واقع ہوا اور وہ خود بھی عیسائی ہوگیا اور اُس کنیز سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ تھوڑے عرصے میں عبدالعزیز نے انتقال کیا اور کاردوس فرنگی نے اُس بچّے کا نام بیکانوس رکھا جب وہ بچّہ جوان ہوا تو کاردوس اُس کو ملکِ زرکلاہ شاہ فرنگ کی خدمت میں لے گیا، اور تمام حال اُس کا بیان کیا۔ بادشاہ فرنگ نے جو عبدالعزیز بادشاہ کی حقیقت سُنی اُس لڑکے کو فرزندِ شاہزادۂ مغرب سمجھ کے کسی سردار لشکر کو جس کا نام فلیسام تھا واسطے تعلیم کے سپرد کیا۔ اور جب فنونِ سپہ گری میں طاق بلکہ شہرۂ آفاق ہوا تو ایک روز بادشاہِ فرنگ نے بیکانوس سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ تم با فوجِ جرّار و لشکرِ قہّار کے ملکِ مغرب کو جاؤ اور اُس کو فتح کرو اور مذہبِ عیسائی کو رواج دو اور جہاں تک

ہو سکے دینِ محمدی کو مٹاؤ۔

طرزِ تحریر تفریح الاحرار

آغازِ داستان مسرت عنوان کہ اول سے آخر تک مشتمل ہے اوپر حالِ فرخ مآل بادشاہِ جم جاہ سلطانِ عالم پناہ خورشید لوا فاتحِ طلسمِ بیضا مبطلِ بنیادِ کفار سرکوبِ اہلِ عناد و اشرارِ عالی خاندان ولا دودمان زوجِ ملکہ شمسہ تاج دار عذب البیان شہریار واجب التعظیم شاہزادہ معزالدین ابوتمیم کے اور نیز عجائبات و واقعاتِ طلسم اور افسانہائے نوآئین و داستانہائے رنگینِ رزم و بزم سے متعلق ہے۔

جب سلطانِ والا شان خرد پرور صاحبقرانِ اکبر شاہزادہ معزالدین ابوتمیم واجب التعظیم نے کتاب تاریخ الاعظم شاہ نامۂ بزرگ کو ابتدا سے انتہا تک بالتصریح سنا نہایت درجہ سرور حاصل ہوا بعد اس کے ثواب فاتحہ و درود ارواحِ مطہرۂ صاحبقرانِ اعظم گردوں حشم اور صاحبقرانِ اصغر فلک قدر و جنابِ حکیم استقلینوس آلہی و حکمائے بانیانِ طلسم کو بخشا و دیگر مستحقانِ بارگاہ فلک اشتباہ کو بہ عطائے منصب و خلعت و زر و جواہر مالا مال فرمایا۔ اُس وقت یادری ایدروس اپنی کرسیِ زرنگار سے اُٹھا اور پہلے ثنا و صفت بادشاہِ جم جاہ و خسروِ عالم پناہ کی بجالایا اور عرض کی۔

تبصرۂ و کیفیت

اس نمونے کے عنوان میں سلسلۂ تصنیف و تالیف افسانے بھی شامل ہیں، افسانے کا انگریزی نام ناول ہے۔ ناول کے رواج سے پہلے جس رنگ و عبارت میں قصے لکھے جاتے تھے اُن کے نمونہ اوّلیں فسانہ عجائب و آرائشِ محفل وغیرہ ہیں اُسی زمانے کے لگ بھگ خواجہ بدرالدین امان دہلوی نے بوستان خیال کی طولانی تالیف کا ترجمہ کیا وہ ترجمہ اہلِ دہلی کے روزمرّہ میں ہے اور یہ پیش کردہ نمونے لکھنؤ کی طرز ہے باقی قصہ ایک ہے اِن افسانوں اور موجودہ زمانے کے ناولوں کی طرز ادا میں جو فرق ہے وہ آئندہ معلوم ہوگا۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	تصنیف سنہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۲	مقدمۂ دیوان حالی	شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی	۱۳۱۰ھ ۱۸۹۳ء	سب سے بڑی دلیل اس بات کی کہ نئے اور اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات بھی اوّل اوّل اُسی زبان اور اُسی روزمرّہ میں ادا ہونے چاہئیں جس میں پرانے اور پست خیالات ادا کئے جاتے ہیں، یہ ہے کہ کلام الٰہی میں تمام روحانی اور اخلاقی باتیں ویسے ہی محاورات و تشبیہات و استعارات و تمثیلات میں بیان کی گئی ہیں جن میں شعرائے جاہلیت

عشقیات و خمریات اور تفاخر و مدح و ذم وغیرہ کے مضامین بیان کیا کرتے تھے۔ یہ ممکن ہی کہ کسی قوم کے خیالات میں دفعتہً ایک نمایاں ترقی اور وسعت پیدا ہو جائے مگر زبان میں دفعتہً وسعت پیدا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ نامعلوم طور پر بیان کے اسلوب آہستہ آہستہ اضافہ کئے جاتے ہیں۔ اور اُن کو رفتہ رفتہ پبلک کے کانوں سے مانوس کیا جاتا ہی۔ اور قدیم اسلوب جو کانوں میں رچ گئے ہیں اُن کو بدستور قائم و برقرار رکھا جاتا ہی۔ یہاں تک کہ اگر علم کی ترقی سے بہت سے قدیم شاعرانہ خیالات محض غلط اور بے بنیاد ثابت ہو جائیں تو بھی جن الفاظ کے ذریعے سے وہ خیالات ظاہر کئے جاتے تھے وہ الفاظ ترک نہیں کئے جاتے۔ فرض کرو کہ آسمان کا وجود اور اُس کا گردش کرنا۔ زمین کا ساکن ہونا۔ پانی اور ہوا کا بسیط ہونا۔ عناصر کا چار میں منحصر ہونا۔ جامِ جم کا جہاں نما ہونا۔ ظلمات میں چشمۂ حیواں کا مخفی ہونا۔ سی مرغ اور دیو پری کا موجود ہونا اور بہت سی باتیں علمِ انسانی کی ترقی سے غلط ثابت ہو جائیں تو بھی شاعر کا یہ کام نہیں ہی کہ ان خیالات سے بالکل دست بردار ہو جائے بلکہ اس کا کمال یہ ہی کہ حقایق و واقعات اور سچے اور نیچرل خیالات کو اُنھیں غلط اور بے اصل باتوں کے پیرائے میں ادا کرے اور اس طلسم کو جو قدما باندھ گئے ہیں ہرگز نہ ٹوٹنے دے ورنہ وہ بہت جلد دیکھے گا کہ اُس نے اپنے منتر میں وہی اثر بھلا دیئے ہیں جو دلوں کو تسخیر کرتے تھے۔ بہرحال جو لوگ اُردو شاعری کو ترقی دینا یا یوں کہو کہ اُس کو صفحۂ روزگار پر قائم رکھنا چاہتے ہیں اُن کا فرض ہی کہ اصنافِ سخن میں عموماً اور غزل میں خصوصاً اس اصول کو ملحوظ رکھیں کہ سلسلۂ سخن میں نئے اسلوب جہاں تک ممکن ہو کم اختیار کئے جائیں اور غیر مانوس الفاظ کم برتے جائیں مگر نامعلوم طور پر رفتہ رفتہ اُن کو بڑھاتے رہیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۱۳	تاریخ ہندوستان	خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی	سنہ ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء	**سلطانِ سکندر (لودی) کے عہد میں ہندوؤں کا فارسی پڑھنا اور سنسکرت سے کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہونا** سلطانِ سکندر (متوفی ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء) کے عہد سے پیشتر مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں ہندوؤں میں فارسی زبان پڑھنے کا رواج نہ تھا، جب سلطان کو نوکری کے لئے فارسی خواں ہندوؤں کی ضرورت ہوئی تو اُس نے فرمایا کہ " کدام ہندو بچہ ایست کہ فارسی می داند " جواب ملا کہ کوئی نہیں، تو اوّل اُس نے برہمنوں کو بلاکر فارسی پڑھنے کی درخواست کی، برہمنوں نے یہ عرض کیا کہ مہاراج ہم کو اپنے دھرم کرم و ودّیا سے کہاں فرصت ہے جو فارسی پڑھیں۔ پھر چھتریوں سے یہی کہا گیا تو انھوں نے

کہا کہ ہم اہلِ سیف ہیں اہلِ قلم بننا نہیں چاہتے۔ پھر ویش سے یہی کہا اُنھوں نے کہا کہ ہم تجارت پیشہ ہیں

اپنے پیشے کو چھوڑ کر دوسرا پیشہ کیوں کر اختیار کر سکتے ہیں۔ پھر شودروں میں سے کاتبوں سے جو پہلے سے سنسکرت کی لکھائی کی اُجرت سے اوقات بسر کرتے تھے یہ کہا۔ تو اُنھوں نے بسر و چشم قبول کیا۔ اپنے حاکموں کو زباں دانی کے سبب سے مسلمانوں کے عہد سلطنت میں اُن کا پہلے سے زیادہ عروج ہوگیا تھوڑے ہی دنوں میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے علوم سے ایسی آگاہی ہوگئی کہ وہ ان علوم کا درس دینے لگے۔ پنڈت ڈونگرمل تو شاعر بھی ہو گئے جن کا یہ مطلع ہے ؎

دل خوں نہ شدے چشم تو خنجر نشدے گر
رہ گم نہ شدے زلف تو ابتر نشدے گر

بادشاہ کو تصنیفات کا ایسا شوق تھا کہ وہ ہر علم میں کتابیں علما سے تصنیف کراتا۔ اُس نے "امرگرجھا" ویدک کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی زبان میں کرایا۔ اُس نے خراسان اور ہندوستان کے طبیبوں کو جمع کیا دونوں طرح کی طب کی کتابوں سے مضامین کو اُس نے انتخاب کرایا اور اس کا نام طبِّ سکندری رکھا، جو ایک معتبر کتاب علمِ طب میں سمجھی گئی۔

تبصرہ و کیفیت

ترقی پزیر اُردو کے مُصلحین میں خان بہادر شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم کا نام بھی صفحاتِ تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ دوسرے مصنفین کی طرح عبارت آرائی اور رنگیں بیانی سے الگ رہکر جس سادگی اور متانت سے آپنے اُردو زبان میں موادِ تاریخ جمع کیا ہے اُس کی مثال نہیں ملتی۔ جس تاریخ کا انتخاب نمونے میں دکھایا گیا ہے اُس کی ۱۰-۹ جلدیں ہیں اور بڑی تحقیق و قابلیت سے لکھی گئی ہیں۔ اہلِ نظر اس تحقیق و ترتیب

کو وقعت سے دیکھتے ہیں۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
"علمِ کلام عقلی" یہ وہ کلام ہے جو فلسفے کے مقابلے میں ایجاد ہوا، اور در حقیقت ہم کو اسی علمِ کلام کی تاریخ لکھنی مقصود ہے۔ عقائد میں بحث و نظر کی بنیاد جس طرح شروع ہوئی تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ بنو اُمیّہ کے زمانے تک یہ مباحثے اور مناظرے مسلمانوں ہی میں محدود رہے، لیکن عباسیوں کے عہد میں یہ دائرہ زیادہ وسیع ہوا۔ عبّاسیہ کے زمانے میں تعلیم کو نہایت وسعت ہوئی۔ مجوسی۔ یہودی۔ عیسائی وغیرہ اسلامی درس گاہوں میں علومِ عربیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور اس وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی خیالات اور اعتقادات سے واقف ہونے کا اُن کو	۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء	شمس العلما مولوی شبلی نعمانی	علم الکلام	نمبر ۱۲

موقع ملتا تھا۔ اس کے ساتھ عباسیوں نے (بنو امیہ کے برخلاف) لوگوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی، جو شخص جو چاہتا تھا کہہ سکتا تھا۔ اس طرح دوسری قوموں کو جرأت اور موقع حاصل ہوا

کہ اسلامی عقائد پر ردّ و قدح کرسکیں۔ ان سب پر یہ مستزاد ہوا کہ خلیفہ منصور نے دنیا کی تمام زبانوں کی علمی اور مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کرائیں، ان کو پڑھ کر مسلمانوں میں سیکڑوں آدمیوں کے عقیدے متزلزل ہوگئے۔ مورّخ مسعودی نے مروج الذہب۔ قاہر باللہ کے حال میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن المقنع وغیرہ نے فارسی اور پہلوی زبانوں سے مانی ابن دیصان۔ مرقیوں (ائمّہ مجوس) کی کتابوں کے ترجمے کئے اور اس کے ساتھ خود مسلمانوں میں سے ابن ابی العرجا، حماد عجرد، یحییٰ بن زیاد، مطیع بن ایاس، نے ان کتابوں کی تائید میں جو تصنیفات کیں اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں میں زندقہ اور الحاد پھیل گیا۔ یہ اسباب اس بات کے مقتضی تھے کہ علمائے اسلام نے جس طرح اسی قسم کی ضرورتوں سے نحو، لغت۔ تفسیر، بلاغت اور دیگر فنون، مدوّن اور ایجاد کئے تھے اسی طرح خود اپنی خواہش سے علم کلام بھی ایجاد کرتے۔ لیکن کلام کی یہ اور زیادہ خوش قسمتی تھی کہ سلطنت کی طرف سے بھی تحریک ہوئی۔ یعنی خلیفہ مہدی (ہارون رشید کا باپ) نے جو ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا تھا، علمائے اسلام کو حکم دیا کہ مذہب اسلام پر جو شبہات کئے جاتے ہیں اُس کے جواب کے لئے کتابیں تصنیف کی جائیں۔ تاہم اس وقت تک یہ علم علم کلام کے نام سے موسوم نہیں ہوا تھا۔ مامون الرشید کے زمانے میں جب معتزلہ نے فلسفے میں مہارت حاصل کی اور فلسفیانہ مذاق پر اس فن کی تدوین کی تو اُنھوں نے اس کا نام علم کلام رکھا۔

نمبر	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۵	نیرنگِ خیال	شمس العلما محمد حسین آزاد دہلوی	۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء	اردو اور انگریزی انشا پردازی پر کچھ خیالات

اُردو اور انگریزی انشا پردازی پر کچھ خیالات

اگر زبان کو فقط اظہارِ مطالب کا وسیلہ ہی کہیں تو گویا وہ ایک آواز ہے کہ جو کام ایک گونگے بے چارے یا بچّے نادان کے اشارے سے ہوتے ہیں، وہی اس سے ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں اس کا مرتبہ ان لفظوں سے بہت بلند ہے، زبان حقیقت میں ایک معمار ہے۔ کہ چاہے تو باتوں باتوں میں ایک قلعۂ فولادی تیار کر دے جو کسی توپ خانے سے نہ ٹوٹ سکے، اور چاہے تو ایک بات میں اُسے خاک میں ملا دے۔ جس میں ہاتھ ہلانے کی بھی ضرورت نہ پڑے۔ زبان ایک جادوگر ہے، جو طلسمات کے کارخانے الفاظ کے منتروں سے تیار کر دیتا ہے اور جو اپنے مقاصد چاہتا ہے اُن سے حاصل کر لیتا ہے۔ وہ ایک نادر مرصّع کار ہے کہ جس کی دست کاری کے نمونے کبھی شاہوں کے سروں کے تاج اور کبھی شہزادیوں کے نو لکھّے ہار ہوتے ہیں کبھی علوم و فنون کے

خزانوں سے زر و جواہر اُس کی قوم کو مالامال کرتے ہیں، وہ ایک چالاک عیار ہے جو ہوا پر گرہ لگاتا ہے اور دلوں کے قفل کھولتا اور بند کرتا ہے۔ یا مصوّر ہے کہ نظر کے میدان میں مرقّع کھینچتا ہے، یا ہوا میں گلزار کھلاتا ہے۔ اور اُسے پھول گل، طوطی و بلبل سے سجا کر تیار کر دیتا ہے۔ اس نادر دست کار کے پاس مانی اور بہزاد کی طرح، مو قلم اور رنگوں کی پیالیاں دھری نظر نہیں آتی ہیں لیکن اس کے استعارو اور تشبیہوں کے رنگ ایسے خوشنما ہیں کہ ایک بات میں مضمون کو شوخ کر کے لال بھبھوکا کر دیتا ہے۔ پھر بے اس کے کہ بوند پانی اس میں ڈالے ایک ہی بات میں اُسے ایسا کر دیتا ہے کہ کبھی نارنجی، کبھی گلناری کبھی آتشی، کبھی ایسا بھینا بھینا گلابی، بوقلموں اور زنگار رنگ اور پھر سر تا پا عالم نیرنگ۔ جس زبان میں ہم تم باتیں کرتے ہیں اس میں بڑے بڑے نازک قلم مصوّر گزر گئے ہیں۔ جن کے مرقّع آج تک آنکھوں اور کانوں کے رستے سے ہمارے تمھارے دلوں کو تازہ کرتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ آج کل گویا اُن کے قلم گھس گئے ہیں۔ اور پیالیاں رنگوں سے خالی ہو گئی ہیں۔ جس سے تمھاری زبان کوئی نئی تصویر یا باریک کام کا مرقّع تیار کرنے کے قابل نہیں رہی، اور تعلیم یافتہ قومیں اُسے سُن کر کہتی ہیں۔ کہ یہ ناکامل زبان ہر قسم کے مطالب ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ میرے دوستو! یہ قول اُن کا حقیقت میں بے جا نہیں ہے، ہر ایک زبان تعلیم یافتہ لوگوں میں جو عزّت پاتی ہے تو دو سبب سے پاتی ہے، اوّل یہ کہ اُس کے الفاظ کے خزانے میں ہر قسم کے علمی مطالب ادا کرنے کے سامان موجود ہوں، دوم اس قسم کی انشا پردازی ہر رنگ اور ہر ڈھنگ میں مطالب کے ادا کرنے کی قوت رکھتی ہو۔ ہماری زبان میں یہ دونوں صفتیں ہیں مگر ناتمام ہیں اور اس کے سبب ظاہر ہیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	تصنیف سنہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۴	یادگارِ غالب	شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی	۱۳۱۴ھ ۱۸۹۷ء	مرزا غالب نے گلِ رعنا کے دیباچے میں لکھا ہی کہ:۔ "میں نے اوّل اُردو زبان میں شعر کہنا شروع کیا تھا اس لئے ہم بھی پہلے اُن کے اُردو دیوان کا ذکر کرتے ہیں جس روش پر مرزا نے ابتدا میں اُردو شعر کہنا شروع کیا تھا، قطع نظر اس کے کہ اُس زمانے کا کلام خود ہمارے پاس موجود ہی۔ اُس روش کا اندازہ اس حکایت سے بخوبی ہوتا ہی۔ خود مرزا کی زبانی سنا گیا ہی، کہ میر تقی نے جو مرزا کے ہم وطن تھے اُن کے لڑکپن کے اشعار سُن کر یہ کہا تھا کہ "اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اُس نے اس کو سیدھے رستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا۔ ورنہ مہمل بکنے لگے گا۔

مرزا کے ابتدائی اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ کچھ تو طبیعت کی مناسبت سے اور زیادہ تر ملّا عبد الصمد کی تعلیم کے سبب فارسیت کا رنگ ابتدا ہی میں مرزا کی بول چال اور اُن کی قوّتِ متخیلہ پر چڑھ گیا تھا یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ جس طرح اکثر ذکی الطبع لڑکے ابتدا میں سیدھے سادھے اشعار کی نسبت

مشکل اور پیچیدہ اشعار کو، جو بغیر غور و فکر کے آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے زیادہ شوق سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ مرزا نے لڑکپن میں بیدلؔ کا کلام زیادہ دیکھا تھا چناں چہ جو روش مرزا بیدلؔ نے فارسی میں اختراع کی تھی اُسی روش پر مرزا نے اردو میں چلنا اختیار کیا تھا۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔

طرزِ بیدلؔ میں ریختہ لکھنا　　اسد اللہ خاں قیامت ہے

اُن کے دیوان میں ایک ثلث کے قریب بہت سے اشعار ایسے پائے جاتے ہیں جن پر اُردو زبان کا اطلاق مشکل سے ہو سکتا ہے۔

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا　　تماشائے بیک کف بُردنِ صد دل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل، آئینۂ بے مہریٔ قاتل　　کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

شب، خمارِ چشمِ ساقی رستخیز اندازہ تھا　　تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

اِن اشعار کو مہمل کہو یا بے معنی مگر اس میں شک نہیں کہ مرزا نے وہ نہایت جاں کاہی اور جگر کاوی سے سرانجام کئے ہوں گے مرزا کے حق میں جو پیشین گوئی میر تقیؔ نے کی تھی اُس کی دونوں شقیں اُن کے حق میں پوری ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ مرزا اوّل اوّل ایسے رستے پر پڑ لئے تھے کہ اگر استقامتِ طبع اور سلامتِ ذہن اور بعض صحیح المذاق دوستوں کی روک ٹوک اور نکتہ چیں ہمعصروں کی خردہ گیری اور طعن و تعریض سدِّ راہ نہ ہوتی تو وہ شدہ شدہ منزلِ مقصود سے بہت دور جا پڑتے۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
"اقتباس از بابِ اوّل" اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائے برحق نے انسان کو زبان ایک نعمتِ عظمیٰ دی ہے بشرطیکہ خود آدمی اس کی قدر بھی کرے، اور محل موقع دیکھ کر اس سے کام لے ورنہ وہ زہر کی بجھی ہوئی برہنہ اور بے پناہ ایک تلوار ہے جو ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے، جو اچھے بُرے، اپنے عزیز، دوست، دشمن میں مطلق امتیاز نہیں کرتا۔ جو سامنے آجاتا ہے اس پر آنکھ بند کرکے ایک ہاتھ جما دیتا ہے، اور یہ نہیں سمجھتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا تلواروں کے کاری زخم مندمل ہو جاتے ہیں، مگر تیغِ زبان کے اوچھے زخم بھی کبھی التیام کی صورت نہیں دیکھتے۔ اسی زبان سے آدمی، آدمی کا دوست اسی سے دشمن، اسی سے اچھا، اسی سے برا، اسی سے مومن اور اسی سے کافر ہو جاتا ہے، جو چاہے اس سے کہہ لے	۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء	حکیم محمد علی خاں مرحوم طبیب سپرنٹنڈنٹ سلطانی ہردوئی وایڈیٹر مرقعِ عالم	خنجرِ زبان (ناول)	نمبر ۱۴۱

اور جیسا چاہے بن جائے۔ مگر مقتضائے عقلمندی یہی ہے کہ جو کچھ کہے سمجھ کر کہے ورنہ زبان سے جو کچھ نکل جاتا ہے پھر وہ چھوٹے ہوئے تیر کی طرح ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات اس کا خراب نتیجہ انسان کے ساتھ وہی سلوک کرجاتا ہے جو اس نجومی کی حماقت آمیز پیشین گوئی اس کی جان کے ساتھ کرگئی۔ اُمرا و سلاطین کی قُربت اگرچہ آدمی کو مراتب عالی پر پہنچا دیتی ہے مگر اسی کے ساتھ ان کی جان بھی خطرے میں پھنس جاتی ہے۔ اُن صحبتوں اور درباروں میں اپنی زبان کھولنا، اُن کی طبیعت کا میلان دیکھنا بہت ہوشیاری اور احتیاط کا کام ہے۔ اُن کی نازک اور آزاد طبیعتیں کبھی اس کو پسند نہیں کرتی ہیں کہ کوئی ان کی رائے کے خلاف ایک کلمہ بھی کہے اُن کے تنگی مزاج اُن کے سامنے بدشگونی اور فالِ بد زبان سے نکالنے کو بہت بُرا سمجھتے ہیں، اور اُن کے پاس بیٹھکر ذری ذری سی خطاؤں پر انسان کی ساری عمر کی عزّت آبرو خاکِ مذلّت میں ملادی جاتی ہے۔ اور بات بات پر زبان منھ سے نکال لی جاتی ہے۔

منجّم کا ادھر قتل ہونا تھا اور اُدھر ہارون رشید کے مزاجی تغیّر کا بدلنا تھا۔ اس کے پہلو میں چپ بیٹھنے والے روٹھے ہوئے دل نے جلدی سے ایک انگڑائی لی سُستی کم ہوئی۔ خیالات نے عالم کے انقلابات کی طرح پلٹا کھایا اور موت کا روح فرسا اندیشہ جو نجومی کی پیشین گوئی سے پیدا ہوا تھا، اسی طرح دل سے نکل کر روانہ باشد ہوا جس طرح عیش و ستم میں پھنس کر اہلِ دنیا کے دل سے آنے والی موت کا خیال نکل جاتا ہے۔ چہرے کا اُڑا ہوا رنگ اُڑے ہوئے ہوش و حواس کی طرح اصلی رنگ ڈھنگ پر آنے لگا اور ہاتھوں سے نکلی ہوئی طبیعت پھر قابو میں آنے لگی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۸	شوقین ملکہ (ناول)	مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی	۱۳۱۳ھ ۱۸۹۵ء	**انتخاب بابِ چہارم** **"عماد الدّین زنگی کی شہادت"** آدھی رات کا وقت تھا، تارے خوب کھلے ہوے تھے. نسرِ طائر[1] اور نسرِ واقع[2] دونوں سمت الراس[3] سے گزر کے افق مغرب کی طرف بڑھ گئے تھے، اور کہکشاں بھی سمت[4] الرّاس سے ہٹ گئی تھی۔ اور باوجود تاروں کے اندھیرا غالب تھا۔ ادھر اتابکی کیمپ کے آس پاس طلیعہ[5] کے سوار گشت کر رہے تھے۔ ہر گروہ اور ہر فوج کے لوگ سوتے تھے تو کچھ جاگتے تھے۔ بعض بعض منجنیقیں[6] بھی چل

[1] و [2] یہ دونوں ستاروں کے نام ہیں۔۱۲ [3] و [4] آسمان کا بیچوں بیچ۔۱۲ [5] طَلیعہ اُس دستہ فوج کو کہتے ہیں جو رات کو حفاظت لشکر کیا کرتا ہی۔۱۲ [6] مَنجُنیق بفتح اوّل و سوم۔ بڑی گوپھن کو کہتے ہیں جو پُرانے زمانے میں قلعوں پر سنگ اندازی کے لیے کسی لکڑی وغیرہ کے ستون میں باندھکر کام میں لائی جاتی تھی۔۱۲

رہی تھیں جن کے دھڑاکے کی آوازیں رہ رہ کے بلند ہوتی تھیں اور رات کے سنّاٹے میں زیادہ دور تک گونجتی تھیں۔ پہرے والوں کی آوازیں اگر محاصرہ کرنے والوں کے مختلف جتھوں میں سے بلند ہوتی تھیں تو قلعے کی فصیل پر سے بھی سنی جاتی تھیں۔ لڑائی کا سلسلہ جاری ہونے کی وجہ سے اگرچہ رات ویسی خاموش نہ تھی جیسی کہ عموماً ہوا کرتی ہے مگر پھر بھی سلطان کو اپنے گرد و پیش آج معمول سے زیادہ سنّاٹا نظر آتا تھا، اور آج کی خاموشی ہمیشہ سے بڑھی ہوئی تھی۔ اُسے کئی مرتبہ وحشت سی ہوئی، نظر اٹھا کے اِدھر اُدھر دیکھا، اور پھر تلاوت میں مشغول ہو گیا۔ مگر پھر کچھ دل گھبرایا، صحیفۂ ربّانی کو بوسہ دے کے اور آنکھوں سے لگا کے گردانا، اور جا کے پلنگ پر لیٹ رہا۔ ابھی آنکھ اچھی طرح نہیں لگی تھی اور کچھ غنودگی سی تھی کہ یکایک کچھ آہٹ معلوم ہوئی، گھبرا کے چونکا مگر چونکنے سے پیشتر ہی خود اُسی کے ایک نمک حرام غلام کا خنجر اُس کے سینے میں تیر ا ہوا تھا۔ سلطان زنگی چوں کہ نہایت ہی بہادر اور جواں مرد بادشاہ تھا لہٰذا اس موقع پر بجائے اس کے کہ شور و غل کرے تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا جو معمولاً پلنگ کے پاس ہی رکھی رہا کرتی تھی۔ مگر دیکھا تو تلوار نہ تھی۔ دغابازوں نے اُسے پہلے ہی سے ہٹا دیا تھا، اب اُس نے جوش میں آ کے اُٹھنے کا ارادہ کیا مگر دو تین غلاموں نے جھپٹ کے پکڑ لیا اور ساتھ ہی اُس غلام نے جس نے پہلا حربہ کیا تھا خنجر کے اور دو تین کاری ہاتھ مارے، اور جب یقین ہو گیا کہ اب بادشاہ میں کچھ دم نہیں رہا ہے تو خیمے سے نکل کے بھاگے، قلعے کے پھاٹک کے نیچے پہنچ گئے شور کیا کہ سلطان زنگی مارا گیا، اور قلعے کے اندر گھس گئے۔ اس لئے کہ اُن کے لئے پھاٹک پہلے ہی سے کھول رکھے گئے تھے۔ غلاموں کا شور سنتے ہی سب لوگ گھبرا کے شاہی خیمے کی طرف دوڑے، وہاں پہنچ کے جب دیکھا کہ عماد الدّین زنگی موت کی آخری سانسیں لے رہا ہے تو ایک کہرام مچ گیا۔

شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۹	خیالاتِ آزاد	نواب سیّد محمود آزاد - ڈپٹی کلکٹر و انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کلکتہ و رئیس ڈھاکا	سنہ ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء	(ذیل میں)

"بادشاہ نسب امراض"

ہمارے اس عنوانِ ندرت نشان کے دیکھنے سے غالباً ناظرین ظرافت قرین گھبرائیں گے، مگر ہم کو یقین ہی کہ اُن کی تشویش ساری تحریر کے مطالعے سے مبدّل بہ تحقیق ہو جاسے گی اور بہت سے تعجب انگیز امراض کی مطوّل فہرست اُن کے ہاتھ آسے گی- ہم نے اپنے تجربے میں بعض ذہین قابل اور شوخ طبع احباب کو دیکھا کہ اُنھوں نے اپنے چہرے کے بعض خوشنما یا بدنما داغ کی تعبیر اورنگ زیب پھوڑے سے کی- ایسے پُربہار، داغ دار حضرات سے جو اس پھوڑے کی تفصیلی کیفیت پوچھی گئی تو اُنھوں نے بیان کیا کہ اس قسم کا پھوڑا، اکثر حسین اور خوش رو نوجوان کو ہوا کرتا ہی، اور اُس کا داغ، علامتِ حسن میں گنا جاتا ہی، خواہ وہ دوسرے کی آنکھ اور تجویز میں خوشنما معلوم ہو یا نہ ہو- اور رنگ زیب پھوڑے کے داغ بتانے سے

اُس معمولی داغ میں ایک قسم کی غیر معمولی زینت اور عظمت آجاتی ہے، اور اُس کی خوبی کا قبول کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تحقیق اس بادشاہ نسب مرض کی نسبت اُن لوگوں سے نہیں ہوئی جو داغ کو باغ کی طرح دیکھتے ہیں۔ ہم نے اس لفظ کی تحقیق کے لئے قبل دیکھنے کتبِ لغت کے جو اپنے خیال سے کام لیا تو یہ بات ذہن میں آئی کہ شاید کسی زمانے میں بادشاہ کے چہرے پر کوئی پھوڑا نکلا ہو، زخم کے خشک ہو جانے کے بعد جب کہ کوئی بدنما داغ یا نشان باقی رہ گیا اور اطبا سے اُس کا مٹانا ممکن نہ ہوا تو مصاحبینِ اُمرا اور وزرا نے اُس نشان عظمت نشان کی زینت و خوبی کی بے حد تعریف شروع کر دی اور اُس زمانے کے اطبا نے بھی اس جدید مرض کو اپنی تصانیف میں بہ ہذ مرضِ مبارک داخل کر دیا۔ اس کے بعد سے جب کسی کے چہرے پر کوئی نشان یا داغ ہوا اور اُس کی بدنمائی سے وہ گھبرایا فوراً اُس نے اورنگ زیب پھوڑے کی عیب پوش پٹی اُس پر باندھ اپنی خوب صورتی کی تائید مزید میں اُس کو استعمال کیا۔ اطبائے وقت نے کچھ معمولی علامتیں بھی اُس حسن افروز پھوڑے کی کتابوں میں لکھ دی ہوں گی۔ مگر شاید آج بہت کم لوگ اُن کو جانتے ہیں۔ اورنگ زیب پھوڑا اب اکثر ذلت انگیز اور حقارت خیز امراض چھپانے کا ایک محفوظ سرپوش ہے، اور خدا جانے کن کن داغوں اور نشانوں کی مدحت سرشت تاویل اس نام سے کی جاتی ہے اور کتنے بدنما اور ذلت افزا داغوں کے نام یہ شاہی بیماری آتی ہے۔ بعد اس کے ہم نے اپنی رائے کی تائید کے لئے ایشیاٹک سوسائٹی۔ اپنے دقیانوسی کتب خانے۔ اور بھی چند پرانے مخزنِ کتبِ قدیمہ میں نہایت توجہ اور مشقت سے اس مرض کی تلاش اور تحقیق شروع کی دو تین برس کی تلاش میں الحمد للہ اب یہ عقدہ حل ہوا، وہ ... کا ایک دریا ہماری نظر

سے کے آگے موج مار گیا۔ ہمارے اپنے کتب خانے اور بعض قدیم اور نامی کتب خانوں میں فنِ طب کی نہایت قدیم اور بیش بہا چند کتابیں ہماری نظر سے گزریں، جن کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس قسم کے امراض میں اورنگ زیب (یا اورنگ زیبی) پھوڑا نہایت متاخرین امراض میں سے ہی۔ اور اس قسم کے بادشاہ نسب امراض کی ایک بہت بڑی فہرست ہی اور ان کی نسبت ان کتابوں میں خاص فصلوں میں حکمانے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہی۔ صاف معلوم ہوتا ہی کہ سلطنت کے زائل ہو جانے کے باعث یہ امراض بھی رفتہ رفتہ معدوم ہوتے گئے اور آخر کار نہ مرض رہے نہ معالج۔ اس زمانے کے اطبّا نے تو شاید اُن کتابوں کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ لیکن اطبّاے قدیم نے ان بادشاہ امراض کی کیا کیا نازک۔ غیر ممتاز۔ اور دل فریب علامتیں لکھی ہیں کہ جن کے دیکھنے سے اُن بزرگواروں کی قابلیت اور جودتِ طبیعت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہی۔ اللہ اللہ سلاطین ماضیۂ ایشیائی کی کیا جلالت اور عظمت تھی کہ مرض میں اُن کی مجرّد نسبت سے ایک خصوصیتِ طبّی پیدا ہو جاتی تھی، اور اس خصوصیت اور عظمت کا اثر آج تک اس قدر باقی رہ گیا ہی کہ اورنگ زیب سا پھوڑا داغ دار اور گُل دار چہروں کا نقاب عظمت و زینت مآب بنا ہوا ہی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ امراض کو سلاطین کی نسبت سے عزت حاصل ہوتی تھی اور ایک زمانہ یہ ہی کہ ہندوستان میں بہت سے واقف کار اور تجربہ کار شرفا بہت سے بادشاہ نسب لوگوں سے نسبت کرنے کو مصیبت و ذلّت سمجھتے ہیں گو وہ زبان سے اس کا اقرار نہ کریں۔ اب ہم اُن بادشاہ نسب امراض کی جو ہماری تحقیق میں آئے ہیں ایک فہرست مع فہرستِ کتب ذیل میں درج کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جن حضرات کو ہم سے زیادہ فرصت اور سرمایۂ کتب طبّیہ ہی وہ ہماری

اس تحقیق کو اپنی تائید سے اور زیادہ چمکائیں گے۔ اور اہلِ ہند کی معلومات کو اس تاریخی مسئلے کی نسبت بڑھا کر ملک کو فائدہ پہنچائیں گے۔

اورنگ زیب کھوپڑے کے ہم قالب امراض

کے کاؤسی کابوس۔ تاتاشاہی مالی خولیا۔ شدّادی داد۔ چنگیز خانی بول الدّم۔ شیر شاہی خارشت تیمور شاہی نقرس۔ سلیم شاہی گھیگا۔ فنا شاہی نواسیر۔ خلجی فالج۔ جمشیدی رعشہ۔ بطلی موسی ذیابطیس۔ رو فی جلندھر۔ کالاپہاڑی بخار۔ رنجیتی ناخنہ۔ لندھوری ہیضہ۔ نمرودی آتشک۔ فرعونی رعونت۔ محمد شاہی بحۃ الصوت۔ حجاجی ایلاؤس۔ یزیدی سوزاک۔ مردانی قولنج۔ اردشیر دُنبل شاہجہاں پھنسی۔ فرخ سیر دردِ سر۔ داراشکوہ ریاحِ افرسہ۔ (کوزہ پشتی) عظیم الشان سرطان۔ نورجہاں چھائیں۔ نادر بواسیر۔ جہاں گیر اختلاج۔ منصور ناسور۔

شواہدِ کتب

معالجۃ السّلاطین فی امراض المحاطین۔ مخزن الامراض۔ فرہنگِ دقیانوسی۔ قرابا دینِ عادل شاہی۔ نوادراتِ عالی۔ تجرباتِ جعفری۔ معالجاتِ حکیم عبید زاکانی۔ شفاء السّلطان دعا جقرانی ہنڈیۃ العلاج ملّا دوپیازہ ریگستانی۔ سُفرۃ الامراض فنا شاہی۔ لغات الامراض علامہ بیمارستانی قابض الارواح حکیم غوث خاں سوداوی۔ مفاجاۃ الاموات ملّا غسّال الدین گورستانی حقنۃ الخلل فی حقائق العلل حکیم فتح خاں اسہالی۔ قارورۃ القول فی تقریر البول حکیم مثانۃ الدولہ ریگستانی

باؤ پدارتھ۔ مصنفہ بھٹ جی پدمانند پریون نگری۔

تبصرہ و کیفیت

مسلمانوں کے اوّلین طبقۂ انگریزی خواں میں جناب آزاد کی ظرافت نویسی اور جدت طرازی بجد مقبول و مطبوع ہو چکی ہے، اودھ پنچ (لکھنو) کے خاص نامہ نگاروں کی انجمن میں صدارت کے مسند نشین تھے، ان کی طبّاعیوں کے جوہر، خیالات آزاد۔ اور سوانح عمری آزاد کے پڑھنے سے کھلتے ہیں۔ بہت سے پیش نظر چمنستان سخن میں طرح طرح کی رنگینیاں اور گل فشانیاں نوعیت خاص کا سہرا اپنے سر پر باندھے ہوئے ہیں اختراع و ایجاد اور نئے القاب و محاورات کی ترجمانی ایسے دل چسپ اور خاطر نشیں انداز میں کی گئی ہے کہ باوجود اجنبیت الفاظ پرانی لکیر کے فقیر بھی ان سے بھڑکنے نہیں پاتے۔ راقم حروف کو اس موقع پر اتنے اور ایسے خیالات کا اظہار اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آج کل جن اختراعات لفظی کو نوعمر انگریزی خواں پسند کرتے ہیں وہ عام پسند ہونے کے قابل نہیں۔ خصوصاً وہ ترکیبیں جو اصول ادب کی ضروری پابندیوں سے آزاد بنائی جاتی ہیں۔ جن کی مثالیں اسی سلسلے میں آئندہ ملیں گی جناب آزاد کی اکثر تحریریں دلدادگان حسن فرنگ کی بے نقاب تصویریں ہیں جن کا اندراج کم از کم اس کتاب میں مناسب نہیں۔ بہت غور و تامّل کے بعد دو چار نمونے منتخب کئے گئے ہیں جن کو اپنے اپنے موقع و محل پر ناظرین دیکھیں گے۔ اور چوں کہ اب ان کی مطبوعات کم یاب ہیں اس لئے یہ انتخابی طوالت ملالت کا باعث نہ ہوگی۔

نمونۂ عبارت	تصنیف سنہ	مصنف	تصنیف	شمار
دیباچۃ الرّباعیات آج کل اُردو نظم و نثر کی حالت میں حیرت انگیز اور ترقّی خیز انقلاب ظاہری اور باطنی طور پر واقع ہو رہا ہے مغربی انشاپردازی کا عمانِ رحمت نشان زور شور سے ہمارے خشک اور خزاں دیدہ مرغزارِ ادب کی طرف اُمڈا آرہا ہے۔ ہجوم منفعت لزومِ خیالات مغربی اور روش ہائے جدیدہ کی ہمارے ملک کے سخن دانوں کی محفلوں میں دھوم ہے۔ سخن گویوں اور سخن سنجیوں کے مذاق رنگِ شفق کی طرح جلد جلد بدل رہے ہیں۔ پرانی روشوں اور قدیم طرزوں کے عاشق نشۂ انقلاب سے متوالے ہو کر شاہراہِ انشاپردازی پر بے خلل نئی چالیں چل رہے ہیں روشِ قدیم انشا کی اصلاح کا ہر چہار طرف شور ہے۔ پُرانے قیود شاعری کے بے ضرورت اور بلا ضرورت	۱۳۰۹ھ ۱۸۹۱ء	نواب مولوی سید محمد آزاد انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کلکتہ و رئیس ڈھاکا	دیباچۂ رباعیات شہباز	نمبر ۲

توڑ ڈالنے پر بڑا زور ہی۔ شعراء الس مضامین کے سنگار کے اسباب ولایتی مشاطہ کی اونچی دکانوں سے فیاضانہ قیمت دے کر لے رہے ہیں نثار، مکالے۔ سر والٹر اسکاٹ۔ گولڈ اسمتھ۔ کارلائل ڈکین۔ تھیکرے۔ اور سوئفٹ کی معنی خیز اور فصاحت ریز نثروں کی طرزیں اڑا اڑا کر خوب خوب دادِ انشا پردازی دے رہے ہیں۔ تجربہ کار اور مشاق ناظموں نے بے وفائی کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکا لگا کر نہایت تنگ دلی سے اپنی پرانی روشِ سخن پردازی کو ملک کے مذاقِ جدید کی متواتر، دل آزار، اور پُر اثر خفلیوں سے مجبور ہو کر چھوڑ دیا ہی۔ اور خیالی انگلستان میں ولایتی پری وشانِ مضامینِ جادو اثر کی اداؤں سے متاثر ہو کر فرطِ جوش میں بمصداق کُلّ جدیدٍ لذیذ بعض باکار اور منفعت بار مضمون نگاری کی طرز کو جذب شوق کی بے اختیاری میں اختیار کر لیا ہی۔ ہر پرانے خیال کے باجے سے نئے ساز کی آواز ایک نئے راگ میں آ رہی ہی۔ قوم کے شائستہ مذاق سخن آفرینی کی نئی روشوں کی خوش پو بڑی تیزی سے بادِ صبا کی سُبک سواریوں پر سوار ہو کر صبح و شام غیر محسوس انداز سے جا رہی ہی۔ نئی روشوں کے بادۂ پُر رنگالی کے سرورِ لذت سو رسے خم خانۂ خیال کے طرب ریز ہال میں جدید انداز سے مہذب حال و قال ہی۔ نئی روش کے نئے مدرسوں، مولفوں، مصنفوں اور پریس کے ناتجربہ کار اور نو مشق قائم مقاموں کا نئی انشا پردازی کے شوق کی پُر لذت مضطرب ساز۔ اور ہوش رُبا گدگدی سے اکثر غلط اور صحیح ترجمے کی مزے دار غیر محسوس زحمت سہتے سہتے بُرا حال ہی۔ ایسے وقت میں ہمارے ملک کے قابل نوجوانوں کے سرمایۂ نازش و نازِ جناب مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز کا نادر، نو طرز اور دل پسند مجموعۂ رباعیات ہم لوگوں کی دلی توجہ اور ہمدردی انگیز التفات کا مستحق ہی۔

شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۱	عجائباتِ امریکہ	مترجمہ منشی اللہ دت سابق ایڈیٹر اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ	۱۳۱۱ھ ۱۸۹۴ء	پانچواں باب (متن نیچے)

پانچواں باب

ہم اُن لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جو گیند کھیلا کرتی ہے جس کے لئے اُن کی قوم بڑی مشہور ہے ملے۔ اُن میں سے بعض پیدل تھے۔ بعض سوار تھے اور سواروں کے پیچھے اُن کی خوش پوشاک عورتیں تھیں۔ یہ بہت مضبوط اور توانا قوم ہے۔ اور اُن کی ٹانگیں اور رانیں خوب موزوں ہیں وہ بھڑکیلے رنگوں اور آراستگیوں کی بڑی مشتاق ہیں چنانچہ جب اُن کو جنگلات میں فاصلۂ دراز پر دیکھیں تو وہ چمکتی اور خیالی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک کے سر کے گرد قرمزی رنگ کا رومال بندھا ہوا تھا، اور مرغ کی دُم کے کالے پروں کی کلغی اُس کے سر پر لگی ہوئی تھی، اور ایک نے پروں کی تہ ملنے کے سبب اپنی پگڑی میں ایک درخت کے چمکیلے خوشے کو لگایا ہوا تھا۔

چھٹا باب

صبح کے وقت وہ جماعت جس کے پیچھے ہم جارہے تھے، اس دریا سے بھی جو جنگل میں سے ہو کر سیدھا دریائے ارکنا میں سے جاملتا تھا گزر گئے۔ بیٹی دوغلہ جو ہمارے ہمراہ تھا کچھ دیر تک سوچتے ہوئے بول اٹھا، کہ آج شکاری جن کا تعاقب ہم کر رہے ہیں اس راستے پر گئے ہیں سوائے اس نوجوان جاہل دوغلے کے اس کے ساتھ رہنے کو کوئی محافظ یا ساتھی نہ تھا۔ اور اگر کوئی ساتھی تھا تو وہ نوجوان انڈین تھا۔ ایک لادو گھوڑا اور دو سواری کے گھوڑے اور اس کے ساتھ تھے۔ جن کو لے کر وہ اس جنگل کے درمیان جس میں بھنیس اور جنگل کی روئیدگی بکثرت اگی ہوئی تھی جانے والے تھے۔

دورانِ سفر میں جب کہ ہم ایک جنگل سے گزر رہے تھے ہمیں ایک متروک بھوکوں سے مرا ہوا ہوا کتا ملا جو راستے پر چلا آتا تھا اور اس کی آنکھیں سرخ اور حالت وحشیانہ معلوم ہوتی تھی۔ گو ہمارے بندوقیوں کے وہ بہت قریب آگیا لیکن اس نے کسی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا ایک بے پرواہی سے گھوڑوں کے درمیان چلا گیا۔ ہر کوئی پاگل کتا کہہ کر پکارنے لگا، اور ایک بندوق والے نے نشانہ باندھا، لیکن کمشنر کے حکم سے جو بڑا رحم دل آدمی تھا باز آیا، اس نے کہا وہ اندھا ہے اور کسی انڈین کا کتا معلوم ہوتا ہے۔ اور بو کو سونگھتے ہوئے اس کے پیچھے جارہا ہے ایسے وفادار حیوان کو مارنا بڑی بے رحمی ہوگی۔ سپاہی نے پھر بندوق کندھے پر اٹھالی اور کتا گھوڑوں کے درمیان سے بلا ضرر نکل گیا اور اپنی ناک زمین کی طرف کئے ہوئے اس سراغ پر چلا گیا اور کتے کی نادر شکل ہپ ہپ کر گیا۔

تبصرہ و کیفیت

زندہ دلانِ پنجاب کی خدمتِ اردو بہر طرح قابلِ اعتراف ہے۔ مگر راقم حروف مخلصانہ اتنی بات ضرور کہے گا کہ ایسے الفاظ کم از کم اپنی تصنیفات سے الگ رکھنے چاہئیں جن کو اہلِ زبان کا سوادِ اعظم نہیں بولتا۔ مثلاً اُس نے پہنا ہوا تھا۔ پرواہ۔ ہُوا ہُوا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

نمبر	تصنیف	مصنف	تاریخِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۲	تنقیح حقوقِ نسواں المعروف بہ مصباح الایمان	مولوی سید عبدالغنی صاحب عظیم آبادی	۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء	مصنّفِ رسالہ نے جو عقلی بحثیں تردیدِ دلائلِ عقلیہ کے عنوان میں لکھی ہیں سب کی سب چند مغالطوں پر مبنی ہیں۔ پہلا مغالطہ یہ ہے کہ مجموعی فضیلت اور افرادی فضیلت میں خلطِ مبحث کیا گیا اور دونوں کے فرق کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ مردوں کی فضیلت کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ہر ایک مرد ہر ایک عورت سے افضل ہے، بلکہ یہ معنی ہیں کہ چونکہ نوعِ انسان کی صنفِ ذکور میں سے اکثر افرادِ صنفِ اوّل صنفِ ثانی سے افضل ہے۔ مثلاً یہ جو کہا جاتا ہے کہ پنجاب کے سکھ بنگالیوں سے قوی و بہادر ہوتے ہیں تو اس کے

یہ معنی ہیں کہ سکھوں میں سے اکثر فرد بنگالیوں کے اکثر فرد سے قوت و بہادری میں زیادہ ہیں، یا یہ جو واقعہ ہے کہ انگلستان والے ہندوستانیوں سے علم و دولت میں زیادہ ہیں تو اس سے کوئی عقل والا یہ نہیں سمجھتا ہے کہ انگلستان کے خدمت گار، سائیس اور بھنگی بھی ہندوستان کے بی۔ اے ایم۔ اے۔ سے علم میں، اور متھرا و بنارس کے مہاجنوں اور سیٹھوں سے دولت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی کلیوں کے بارے میں انگریزی کا یہ مقولہ ہے کہ "استثنا سے خود قاعدے کا ثبوت ہوتا ہے۔ پس مفضّل علیہ کے تھوڑے سے ایسے فردوں کا پایا جانا جو مفضّل کی سی مابہ النزاع خوبیاں رکھتے ہوں ایسے کلیے کو توڑ نہیں سکتا۔ دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ فرقۂ ذکور و اناث کے تقابل میں اس اصول کا خیال نہیں رکھا گیا ہے کہ جہاں ایک صنف یا گروہ کا مقابلہ دوسری صنف یا گروہ سے کیا جاتا ہے تو دو ہی صورتیں صحیح مقابلے کی ہو سکتی ہیں۔ یا تو مجموعے کو مجموعے کے مقابلے میں دیکھا جائے۔ یا اگر فرد فرد کا مقابلہ کیا جائے تو ہر ایک صنف و گروہ میں سے ایسے ہی افراد لئے جائیں جن میں سے ہر ایک صنفِ متنازعہ فیہا کے سوا کل اُمور میں برابر ہو۔ مثلاً امہات المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ و حضرتِ عائشہ صدیقہ اور حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت صدیق رضؓ کے مقابلے میں دیکھنا چاہیئے نہ کہ ابو جہل و ابو لہب وغیرہما کے۔ اور رابعہ بصریہ و میمونۃ السودا کو حضرت جنید و شبلی سے ملانا چاہیئے نہ کہ نمرود و فرعون سے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ افغانستان و ترکستان کی عورتوں کا مقابلہ وہیں کے مردوں سے کرنا چاہیئے نہ کہ بنگالہ اور شمالی افریقہ کے مردوں سے۔ تیسرا مغالطہ جس سے مصنف رسالہ نے اپنے جوابات میں بہت کام نکالے اور جس کو بار بار مختلف لفظوں میں ذکر کیا ہے۔ یہ ہے

کہ مردوں اور عورتوں کی قوتِ جسمانی و دماغی دونوں کا فرق خلقی و فطری نہیں ہی۔ بلکہ "خاص خاص قسم کے تمدن و معاشرت نے ہزارہا صدیوں کے بعد اس قدر فراق پیدا کر دیا ہی جیسا کہ مختلف اقوام میں اس قسم کے عارضی فرق امتدادِ زمانہ سے پیدا ہو گئے ہیں" ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہی کہ یہ قول بالکل دھوکا ہی اور سچائی سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا۔

تبصرہ و کیفیت

صوبۂ بہار، اگرچہ چند سال سے بنگال کا جزو نہیں رہا ہی، تاہم وہاں کی عام طرزِ معاشرت و مدنیت اڑیسہ اور کلکتے سے زیادہ فرق نہیں رکھتی، لیکن طریقۂ ماند و بود سے قطع نظر کرکے سلیقۂ گفت و شنید کو دیکھا جائے تو صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ سے ملتبس نظر آتا ہی۔ خصوصاً ضلع عظیم آباد پٹنہ ہر حیثیت سے ممتاز ہی۔ ایک دو نہیں سیکڑوں اہلِ قلم آج سے نہیں بلکہ مدتِ بعید سے فصیح و سلیس اردو نگار وہاں پائے جاتے ہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں غائر تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں، تمام ہندوستان میں وہاں کے اہلِ قلم اپنی مقبول تصانیف کی بدولت پھیلے ہوے ہیں۔ من جملہ اُن کارناموں کے پیشِ نظر نمونہ ہی اثباتِ دعویٰ کے لئے حجتِ کافی ہی۔ اس کے مصنف متعدد اور مفید کتابوں کے مترجم و مؤلف ہیں، مزید تعارف کے لئے یہ اطلاع مناسب ہی کہ پٹنے کے مشہور اخبار اپنچ کے بانی اور پہلے ایڈیٹر آپ ہی تھے۔ چوں کہ اس مجموعے میں نثرِ اردو کی تدریجی حالت دکھانی مقصود ہی اور عام صوبوں کے مختلف نمونوں کی کثرت زیادہ ہوتی جاتی ہی اس لئے صوبہ وار ہر صنف کے نمونوں کا پیش کرنا طول

مُل سمجھا گیا- ورنہ مبصّرینِ اُردو میں کون ہی جس کو شمس العلما مولوی سیّد امداد امام صاحب اثر سیّد علی محمد شاد- حافظ فضل حق صاحب آزاد، اور حضرت صفیرِ مرحوم بلگرامی وغیرہ کی سرپرستیِ اُردو پر نظر نہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۲	نگارستان مطبوعہ ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳-۲۴ء	نیاز محمد خان نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار	مطبوعہ رسالہ نقاد آگرہ ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء	"ایک پارسی دوشیزہ کو دیکھکر" سیر کرنے والی عالمِ نور کی شہزادی، ایک نور پاش، خراماں پیکرِ آتش، اک بے خبر، مصروفِ تماشا روشنی کی تِتلی، ایک گلابی رنگ میں ڈوبی ہوئی برقِ متحرک مجھ میں اپنے اشارۂ مُبہم سے ایک انجذابِ مضطر پیدا کر رہی ہی، اور میں ہوں کہ اس قوتِ مجہول کی طرف کھچا جا رہا ہوں! روشنی کی تیز کرنیں، مجھے اِک مودّب فاصلے پر روکے ہوے تڑپ رہی ہیں- تڑپا رہی ہیں، وہ برق پاش نگاہیں، وہ حیات سوز نظریں میرے اعماقِ دل سے ہو ہو کر گزر رہی ہیں اور میں اُس کے شعلۂ بے رنگ

کی پرستش کر رہا ہوں۔

آہ یہ نزہت بارہستی، یہ مصفّا ترکیب عناصر، یہ شاداب حسنِ رواں میرے وجود کو، میری روحِ لرزاں کو مسحور کر رہا ہے، اپنی آنکھوں کے خندۂ سیّال سے اپنے بالوں کی بوئے شگفتگی سے، اپنی شانِ بے خبری سے، اپنے خرامِ وقار سے اپنے کان کے متبسم آویزوں سے اپنی بلوریں کلائیوں سے، اپنی گوری گردن سے۔ میری روح پاش پاش ہو کے، اپنے نقطۂ کشش سے مل رہی ہے، اور خاک ہو ہو کر اُس کے نازک قدموں کے نیچے فنا ہوتی جا رہی ہے۔

اے نقرئی آواز والی دوشیزہ! اے ہر سانس کے ساتھ سینے کو اُبھار کے دماغ سے قوتِ احساس چھین لینے والی تصویرِ خراماں، اے شانوں پر چھوٹی ہوئی زلفوں کے پر لگا کر اُڑنے والی پری، اے کالی پتلی والی، لانبی پلکوں والی، نازک کمر والی، ٹھہر، ٹھہر، میں بھی تیرے ساتھ تیرے سبک خرام وجود کے ساتھ، تیرے یاسمینی شباب کے ساتھ چلتا ہوں تو چلتی چلتی کھڑی ہو کر نغمہ نہ سُن، تو خود اک شعرِ ہی ذی حیات، موسیقی ہی خراماں، تو مجھے دیکھکر ایسی نہ بن کہ گویا مجھے نہیں دیکھتی، میری روحِ بے آرزو، اک آرزو سے بے روح ہی جس کو سوائے مٹ جانے اور برباد ہو جانے کے اور کچھ نہیں آتا۔ اپنے وجود کا صدقۂ نزہت اپنی ہستی کا صدقۂ نزاکت ایک زخم کاری اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا کرے، تیری شگفتگی قایم رہے تجھ کو یہ تیری آگینی مبارک ہو، اور مجھ ایسے، مجھ ایسی روح والے لاکھوں روز تیرے اس حُسنِ دشوار پر قربان ہوتے رہیں۔

تبصرہ و کیفیت

یہی وہ اُردو روشیں ہیں جن کی دیکھا دیکھی محض ضد اور قومی پاس داری کی وجہ سے بعض ہندو اہلِ قلم نے بھی سنسکرت کے کریہہ اور سنگلاخ الفاظ سے اُردو کو لدھڑ کرنا شروع کر دیا۔ کاش ملجائے مُسلم اس نکتے پر نظر کرتے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۲	تذکرہ	ابوالکلام محی الدین آزاد	۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء	انسان کے لیے معیارِ شرافت جوہرِ ذاتی اور خود حاصل کردہ علم و عمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایاتِ پارینہ اور نسب فروشی کا غرورِ باطل۔ ہم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں، نہ یہ کہ اپنی عزت کے لیے خاندان کے شرفِ رفتہ کے محتاج ہوں؟ اربابِ ہمت نے ہمیشہ اپنی راہ خود نکالی ہے اور اپنی عظمت

ورفعت کی تعمیر صرف اُسی سامان سے کی ہے جو خود اُن کا بنایا ہوا تھا۔ نپولین کا ایک قول مجھے نہیں بھولتا۔ فتح پروشیا کے بعد جب فریڈریک اعظم کی قبر پر گیا تو دیکھا

کہ فریڈریک کی تلوار قبر پر لٹک رہی ہے۔ نپولین نے تلوار اُتار کر ایک ساتھی کے حوالے کی اور کہا کہ پیرس کے عجائب خانے کی نذر کروں گا۔ یہ سُن کر جنرل نے کہا "اگر مجھکو ایسی باعظمت اور تاریخی تلوار ملتی تو میں کبھی کسی دوسرے کو نہ دیتا" نپولین نے کہا "کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے؟"

خاندان کے فخر کا بُت بھی دنیا کے عہد جاہلیت کی ایک یادگارِ مشئوم ہے، اور اسلام نے انسان کے بہت سے بنائے ہوئے بتوں کے ساتھ اس کو بھی توڑ دیا تھا، بہت ممکن ہے کہ کل کو ایک نومسلم چمار اپنے حسنِ عمل سے وہ مرتبہ پائے جو شیخ الاسلام کی اولاد کو نصیب نہ ہو، یہ کل کو ہونے والی بات ہے، اور آج بھی دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ "عمل" کا فرشتہ کتنے ہی بڑوں کو چھوٹا کرتا ہے اور کتنے ہی چھوٹوں کو بڑا بناتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرتی ترقی اور قدرتی حقوق کے قیام کے لیے نسب و خاندان کے امتیازِ باطل سے بڑھکر اور کوئی روک نہیں ہو سکتی، یہی چیز ہے جو انسان کو اُس کی ذاتی قوتوں کے استعمال اور اُن کے ثمرات سے محروم رکھنا چاہتی ہے، اور اس خلافِ فطرت راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ ایک شخص کو باوجود عدمِ استحقاقِ ذاتی مستحقِ شرف سمجھا جائے اور دوسرے کو باوجود استحقاقِ ذاتی محروم کر دیا جائے۔ اسلام نے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اور لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے قانونِ عام کا اعلان کرکے اسی مہلکِ انسانیت روگ کو مٹانا چاہا، اور قرآن نے بتلایا کہ دنیا کی تمام قدیم صداقتیں بھی اسی قانون کی طرف دعوت دیتی رہی ہیں۔

پس الحمدللہ کہ نہ اس کی طلب ہے اور نہ اس پر اعتماد، اور نہ نا اہلوں کے اس فریبِ عزت اور سیرابِ شرف کی ضرورت، طلب جس گوہرِ مقصود کی ہے وہ توفیقِ عمل ہے۔ اور اگر کچھ اعتماد ہے تو اپنی عجز و شکستگی اور اُس کی نظرِ کرم کی عاجز نوازیوں پر۔

ان اوراقِ پریشان کی تالیف کا باعث ایک دوست عزیز کا اصرار تھا، اب وہ مُصر ہیں کہ خود اپنے حالات بھی قلم بند کروں، اس تمام داستان سرائی کے اہتمام سے اُن کا اصلی مقصد یہی تھا، ہر چند معذرت کی مگر مسموع نہ ہوئی۔ ناچار تعمیلِ فرمائش کے لیے مستعد ہونا پڑا۔ کئی سو صفحے روشن دلانِ سلف کے تذکرۂ آثار و مناقب سے نورانی ہو چکے ہیں۔ اب دو چار صفحے اپنی سیہ روئیوں اور سیہ بختیوں کے سوادِ تحریر سے بھی سیاہ کرتا ہوں کہ تُعرَفُ الاَشیَاءُ بِاَضدَادِھَا۔

یہ غریب الدیارِ عہد، وفا نا آشنائے عصر، بیگانۂ خویش، و نمک پروردۂ ریشِ معمورۂ تمنا، و خرابۂ حسرت، کہ موسوم بہ احمد و مدعو بہ ابی الکلام ہے ۱۸۸۸ء مطابق ذوالحجہ ۱۳۰۵ھ میں ہستیِ عدم سے اس عدمِ ہستی نما میں وارد ہوا، اور تہمتِ حیات سے متہم۔ والدِ مرحوم نے تاریخی نام "فیروز بخت" رکھا تھا۔ میرے خاندان میں تین مختلف خاندان جمع ہوئے ہیں اور تینوں خاندان ہندوستان و حجاز کے ممتاز بیوتِ علم و فضل اور اصحابِ ارشاد و ہدایت میں سے ہیں، میری والدہ حضرت شیخ محمد بن ظاہر وتری مفتی مدینۂ منورہ کی بھانجی تھیں جو گزشتہ دور کے اکثر علماءِ حجاز کے اُستادِ حدیث اور شیخ عبداللہ سراج کے بعد مکۂ معظمہ کے آخری محدث تھے۔ میرے دادا مولانا محمد ہادی دہلی مرحوم کے ایک مشہور خاندانِ علم

وفضیلت سے تعلق رکھتے تھے، والد مرحوم کے نانا رکن المدرسین مولانا منور الدین اپنے عہد کے مشاہیرِ علم و درس اور اصحابِ طریقت و سلوک میں سے تھے۔ اُن کا شمار حضرت شاہ عبد العزیز کے اجلّۂ تلامذہ میں تھا اور سلطنت مغلیہ کے آخری رکن المدرسین تھے ان کے والد مولانا رشید الدین صوبۂ لاہور کے قاضی القضاۃ اور احمد شاہ ابدالی کی جانب سے نائب السلطنت پنجاب کے مشیر تھے! ور اُن کے والد شیخ صدر الدین ہرات کے مشائخِ طریقت میں معدود، اور وہاں کے خاندانِ قضا کے ایک رکن تھے۔

آبائی وطن دہلی مرحوم ہے۔ مگر وطنِ مادری سرزمینِ مطہر طیّبہ، ودار الہجرۃ سید الکونین، وشہرستانِ نبوّت و وحی ہے۔ قبلۂ عبادت گزارانِ عشق وکعبۂ نیازمندانِ شوق۔ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتحیّہ

مولد ومنشأِ طفولیت وادیِ غیرِ ذِی زَرعٍ" عِندَ بَیتِ اللّٰہِ الحرام ہے یعنی مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفاً وکرامۃً۔ محلہ قدوہ متصل باب السلام۔

تبصرہ وکیفیت

عصرِ حاضر میں مولوی ابو الکلام آزاد کو آسان سے آسان اور مشکل سے مشکل زبان بولنے اور لکھنے پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ یہ نمونہ اُن کی آسان اور سلیس اردو کا ہے۔ دوسرے موقع پر وہ انداز بھی پیش کیا جائے گا جس کی طرزِ تحریر انھیں کے لیے مخصوص ہے اور اُس کی غلط تقلید سے بعض اہلِ قلم جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۵	مصطلحات اردو	منشی اشرف علی اشرف لکھنوی	۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء	اشرف! ازباں آوری سے منھ موڑو، جو کچھ کہنا ہو کہو، سچّی بات تو یہ ہو کہ زبان اُردو وہ پیاری اور ہر دل عزیز زبان ہو کہ جس نے ایک عالم کے دلوں کو لبھالیا ہو روئے زمین پر اپنا سکّہ بٹھا دیا ہو تمام زبانیں اس کے سامنے بے کام

ہوگئیں اُردوئے مُعلّیٰ کا طوطی بولنے لگا جہان میں ہر طرف ڈنکا بجنے لگا سارے جہان میں جہاں دیکھیے اُردو ہی اُردو ہو، اخبارات اسی زبان میں جاری ہوئے، کتابیں تالیف ہوئیں شعرائے ہند نے تو اور بھی فصاحت و بلاغت کوٹ کوٹ کر بھردی، عمدہ عمدہ محاورات اور اصطلاحات ایجاد کیے تحفہ تحفہ کنایات و اشارات پیدا کیے کہ سُن کر دل پھڑک جائے ایک مدّت تک عروج ہی ہوتا گیا مگر اب تھوڑے عرصے سے اس اُردو پر آفت آگئی ہو نئے طرز کے لوگ برباد کیے ڈالتے ہیں، موٹی موٹی لفظیں بھدّے بھدّے محاورے اس میں ملائے ہیں بے ترکیبی سے نئی نئی ترکیبیں اختراع کی ہیں روز بروز بھونڈی بھونڈی بندشیں ایجاد ہوتی ہیں بقول شخصے اگرچہ گندہ مگر ایجادِ بندہ کہ جس سے اُردو کا ستیاناس ہوتا جاتا ہو۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۹	کاشف الحقائق معروف بہ بہارستان سخن۔ جلد اول	شمس العلما مولوی سید امداد امام اثر متوطن نیورہ	۱۳۱۵ھ ۱۸۹۶ء	یہ رسالہ نہ بسبیل تذکرہ لکھا جاتا ہی اور نہ علم عروض سے اس کو کسی طرح کا تعلق ہی۔ اس رسالے کے ملاحظے سے حضراتِ ناظرین پر روشن ہوگا کہ شاعری کیا شے ہے۔ اس کی کے قسمیں ہیں، ہر قسم کا کیا تقاضا ہی۔ فطری، غیر فطری شاعری میں کیا فرق ہے، اور دونوں سے کیا نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی،

مراثی وغیرہ کا کیا انداز ہونا چاہیئے۔ . . . . شاعری کی تعریف آیندہ آتی ہی مگر یہاں چند امور جو شاعری سے متعلق ہیں اندراج پاتے ہیں۔ اربابِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شاعری کا احاطہ اس قدر وسیع ہی کہ اُس کے اندر مضامین اللہ و ماسوی اللہ سب کی گنجایش دیکھی جاتی ہی اسی سے شاعری کی عظمت اور بلند پایگی عیاں و آشکارا ہی، شاعری کو ایسے مضامین سے جیسے، توحید، عدل، ذات، صفات، وجود، عدم، قدم، حدوث، کون، فساد، جبر، اختیار، تقدیر، تدبیر، بقا، فنا، جزا، سزا، حشر، نشر، جعل، خلق، زمان، مکان، صورت، ہیولیٰ، جوہر، عرض

روح، جسم، ثواب، عذاب، دنیا، عقبیٰ، حافظہ، خیال، وہم، عقل، ہوش، ایمان
خلوص، حیا، وفا، قہر، غضب، حلم، صبر، رضا، شکر، ہمت، شجاعت، سخاوت،
مروت، حسد، بغض، جبن، بخل، حرص، طمع، ہوا، ہوس، حسرت، عشق، جنون،
رنج، ملال، رغبت، نفرت، رشک، غرور، شمس، قمر، کواکب، ثوابت، سیارہ، قوس
قزح، بروج، قطب، ہوا، برق، باراں، جبال، بحور، سبزہ زار، دشت، ہامون
صحرا، وحوش، طیور، حجر، شجر، وغیرہ وغیرہ ہیں، کافی طور پر مطلع رہنا چاہیئے پس
جب اس طرح کے مختلف انداز کے مضامین احاطۂ شاعری میں داخل ہیں تو ضرور ہے
کہ ایسے مضامین کی تقسیم کوئی علمی طور پر عمل میں لائی جائے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اگر
کسی شاعر نے کسی مضمون کو باندھا ہے تو وہ از روئے تقسیم کے کس قسمت میں داخل
ہوتا ہے اور جب مختلف اقسام کی شاعری کا مختلف تقاضا ہے تو اُسی تقسیم کے رو سے یہ
امر بھی دریافت میں آسکتا ہے کہ آیا وہ مضمون اُس قسم شاعری کے تقاضے کے موافق
اپنے محل پر بندھا ہے یا نہیں۔ اس تقسیم کے سمجھنے کے لیے ضرور ہے کہ ماسوی اللہ یعنی
مخلوقاتِ خداوندی پر ہم لوگ غور کریں اور دیکھیں کہ ماسوی اللہ کی خلقت کس نہج پر
واقع ہوئی ہے، چناں چہ ہم فلسفی کی آنکھ سے ماسوی اللہ کو دیکھتے ہیں تو مخلوقاتِ خداوندی
کو دو نہج پر واقع پاتے ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۶۳	فنِ شاعری	مرزا سلطان احمد صاحب مرزا افضل احمد قادیانی	۲۵ ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء	"شاعری کی ضرورت" دونوں صورتوں میں یہ سوال ہوسکتا ہے۔ نثر کی کیا ضرورت ہے؟ شاعری کی کیا ضرورت ہے؟ جو جواب ضرورتِ نثر کے مقابلے میں ہے وہی جواب ضرورتِ شاعری کے مقابلے میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ نثر کی اس واسطے ضرورت ہے کہ ہم اپنے

ذخائرِ علمی کی حفاظت اور اظہار بجز اس کے نہیں کر سکتے یا ہم اپنے خیالات کا اظہار اُس کے ذریعے سے کرتے ہیں اور وہ ہمارے کُل بُرے بھلے معلومات کی ضامن اور کفیل ہے شاعری کی اس واسطے ضرورت ہے کہ ہم مضامینِ نثری کی تلخیص اور تخصیص اس کے ذریعے سے کرتے اور ایک نفیس صورت میں اُسے لوگوں تک موثرانہ پیرائے میں پہنچاتے ہیں اور اُس کے ذریعے سے ہماری قوتِ متخیلہ جوش میں آتی ہے۔ نثر عام مضامین پیش کرتی ہے اور شاعری وہ خاص مضامین جمع کرکے دکھاتی ہے جس سے دنیا اور دنیا کی زندگی کا فلسفیانہ اصول ظاہر اور معلوم ہوتا ہے اور اُس سے ہماری مایوسی کا اظہار

اور ہماری تفریح اور صوفیانہ زندگی کی بنیاد پڑتی ہے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	نام مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۰	شعر العجم (حصۂ اول)	شمس العلما مولوی شبلی نعمانی	۱۳۲۵ھ ۱۹۰۶ء	**شعر کی حقیقت** چوں کہ مدت سے علم کی کمی اور طبیعتوں کی بدمذاقی نے شعر کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے، اس لیے ضرور ہے کہ پہلے شعر کی حقیقت سے بحث کی جائے تاکہ ایک صحیح معیار قائم ہو.....

شاعری کی حقیقت اور اُس کی ماہیت پر سب سے پہلے ارسطو نے بحث کی، چناں چہ اُس نے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام بوطیقا (پوئٹری) ہے، اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا، اور ابن رُشد نے اُس کی تلخیص کی۔ اس تلخیص کے جستہ جستہ حصّے پروفیسر شیخو یوکس نے اپنی کتاب علم الادب میں جو بیروت میں چھپ گئی ہے، شامل کیے ہیں۔ افسوس ہے کہ چوں کہ مسلمانوں نے ارسطو کی ادبی تصنیفات کی طرف التفات نہیں کیا اس لیے شاعری کے متعلّق ارسطو کے جو خیالات تھے وہ مسلمانوں میں بالکل پھیل نہ سکے۔ کتب ادبیہ میں شاعری کی جو تعریف کی گئی ہے اور وہی عام و خاص کی زبانوں پر جاری ہے کہ کلام

موزوں، اور متکلّم نے بہ ارادہ موزوں کیا ہو"۔ لیکن یہ تعریف درحقیقت عامیانہ تعریف ہی، آج تو یہ مسئلہ بالکل فیصل ہو چکا ہی، لیکن قدما کے کلام میں بھی اس کے اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہیں کہ شاعری صرف وزن و قافیہ کا نام نہیں۔ کتبِ ادبیہ میں مذکور ہی کہ ایک دفعہ حضرت حسّان بن ثابت کے صغیر السّن بچّے کو بھڑنے کاٹ کھایا، وہ حسّان کے سامنے روتا ہوا آیا کہ مجکو ایک جانور نے کاٹ کھایا ہی۔ حسّان نے جانور کا نام پوچھا، وہ نام سے واقف نہ تھا، حسّان نے کہا، اچھا اُس کی صورت کیا تھی؟ بچے نے کہا۔ کَاَنَّہٗ مُلْتَفٌّ بِبُرْدَیْ حِبَرَۃٍ یعنی "وہ گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخطط چادروں میں لپٹا ہوا ہی"۔ چوں کہ بھڑوں کے پروں پر رنگین دھاریاں ہوتی ہیں اس لیے مخطّط چادر سے تشبیہ دی۔ حسّان اچھل پڑے اور خوشی کے جوش میں کہا کہ وَاللہِ صَارَ ابْنِی الشَّاعِر" یعنی خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہو گیا"، فقرہ موزوں نہ تھا لیکن چوں کہ نہایت عمدہ تشبیہ تھی حسّان نے سمجھا کہ بچّے میں شاعری کی قابلیت موجود ہی، اس سے اندازہ ہوتا ہی کہ اہلِ عرب کے نزدیک شعر کی اصلی حقیقت کیا تھی۔

شعرائے فارس کے نزدیک بھی شاعری دراصل تخیّل کا نام تھا۔ نظامی عروضی سمرقندی جو بہت بڑا شاعر اور نظامی گنجوی کا معاصر تھا اپنی کتاب چہار مقالہ میں لکھتا ہی۔۔

اس تعریف کا ماحصل یہ ہی کہ شاعری اُس کا نام ہی کہ مقدّمات موہومہ کی ترتیب سے اچھی چیز بدنما اور بُری چیز خوش نما ثابت کی جائے جس سے محبّت و غضب کی قوتیں مشتعل ہو جائیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۹	امیر اللغات (حصہ اول)	منشی امیر احمد امیر مینائی	۱۳۰۹ھ ۱۸۹۱ء	میں نے ہوش سنبھالا، آنکھیں کھولیں تو یہ دیکھا کہ اچھے اچھے اہل زبان و زباں داں اس سرزمینِ سخن کے فرماں روا ہیں، اُنھیں صحبتوں میں اُردو زبان کی چھان بنان کا شوق مجھے بھی ہوا اور اُسی زمانے میں یہ آرزو پیدا ہوئی اور بہ تھکر بےچین کرنے لگی کہ اُردو الفاظ کے بکھرے ہوئے موتیوں

کی ایک خوش نما لڑی بناؤں۔ اتنے میں لکھنؤ کی سلطنت مٹ گئی اور غدر ہوگیا، وطن کی تباہی اور گھر بار کے لٹنے سے چندے حواس ہی جمع نہ ہو سکے الفاظ کیسے! لیکن اس آرزو کی آگ دل میں سلگتی رہی یہاں تک کہ فردوس مکاں نواب محمد یوسف علی خاں بہادر والیِ رام پور نے مجھے طلب فرما کر عزت کا خلعت اور اطمینان کا سرمایہ دیا۔ اب میں پھر اپنی تمنا کے سلسلے کو بڑھانے لگا مگر اُس زمانے میں رام پور کی عدالت دیوانی مجھ سے متعلق تھی، نواب فردوس مکاں اپنے کلام میں بھی مشورہ فرماتے تھے اور فنِ شاعری کے مشغلے جو نئی نئی شکلوں سے پیش آتے تھے وہ یوں بھی کم فرصتی کی زنجیر دل میں جکڑے ہوئے تھے اتنی مہلت تو نہیں نہ پا سکا کہ اپنے ارادے کو پورا

کروں تاہم کچھ کچھ شغل چلا گیا۔ جب خلد آشیاں نواب کلب علی خاں بہادر کا عہد آیا تب فرصت کی کمی اور بڑھی، لیکن کچھ ہی ہوا یہاں وہی دُھن بندھی رہی۔ ۱۸۸۴ء میں علوم کے قدردان سر آلفرڈ لائل صاحب بہادر (لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ نے) نواب خلد آشیاں طاب ثراہ سے اردو کے ایک جامع لغت کی فرمایش کی۔ نواب خلد آشیاں نے مجھے حکم دیا، یہاں تو یہ تمنا ہی تھی فوراً "آنکھ" کے لفظ کا ایک نمونہ تیار کیا۔

خدا سے اُمید ہے کہ یہ لغت اردو زبان کے متعلق مدرسوں اور مکتبوں میں طلبہ کو، مطالعۂ کتب میں ماسٹروں اور معلموں کو درس تدریس میں شعرا کو ضروریات شاعری میں، نثاروں کو نثر نگاری میں، غیر زباں داں کو تکمیلِ زباں میں اور عام طور پر ہر مشتاقِ زبان کو فائدہ پہنچائے گا۔ کچہریوں اور دفتروں میں بکار آمد ہوگا، غیر ملک والوں کو ہندوستانیوں کے امورِ خانہ داری اور اُن کے طریقۂ زندگی، اُن کے اخلاق، اُن کی رسمیں، اُن کے خیالات وغیرہ وغیرہ کا پتا دے گا۔ جہاں اختلاف ہوگا وہاں فیصلہ کرنے میں مدد دے گا، اس لیے مؤلف نے اپنے معلومات کے علاوہ بہت سے مستند اور لائق لوگوں کے تصانیفِ نظم و نثر میں جو کچھ متفرق طور پر تھا اُس کو اس میں یکجا کر دیا ہے"

تبصرہ و کیفیت

دورِ پنجم کی کتاب "انتخابِ یادگار" نمبر (۶۱) بھی امیر مینائی کی مؤلفہ کتاب ہے انیس برس کے تفاوتِ زمانی سے جس قدر فرقِ زبانی ہوا ہے اُس کا اندازہ اس کتاب (امیر اللغات)

کے اندازِ بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ اثر عام طور سے بیسویں صدی (دورِ ششم) میں پایا جاتا ہے۔ امیر اللغات کے صرف دو حصے (الف مقصورہ و ممدودہ) مؤلفِ مرحوم کی زندگی میں طبع ہوئے تھے، وہی اس وقت موجود ہیں، باقی حصصِ لغت غیر مطبوع سنے جاتے ہیں۔

نمبر شمار	نام تصنیف	نام مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۳	فرہنگ آصفیہ (۴ جلد)	خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی	سنہ ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء	**فرہنگ آصفیہ میں کیا کیا ہے؟** تذکیر و تانیث کی تمیز اہلِ دہلی و لکھنؤ کے موافق اس میں موجود ہے، زبانوں کا فرق اور اُن کی اصلیت کا پتا اس سے لگتا ہے۔ عام محاورے اس میں درج ہیں۔ خاص خاص محاورے اس میں داخل ہیں۔ فقیروں کی صدائیں اس میں

سن لو۔ سودے والے کی آوازیں اس میں دیکھ لو۔ دل لگی اس میں ہے ظرافت اس میں ہے۔ بعض بعض موقعوں پر جواریوں۔ ٹھگوں۔ دلالوں۔ چابک سواروں۔ بدمعاشوں مختلف پیشہ وروں کے وہ ملتے جلتے روزمرے جن کے نہ جاننے سے اکثر انسان دھوکا کھا جاتا ہے، بہ ترتیبِ حروف اس کتاب شامل کر دیئے ہیں۔ جو لفظ جس درجے

کے آدمیوں میں مروّج ہی وہ اُنھیں کے نام سے لکھا گیا ہی۔ عورتوں کی بولی اس میں نہیں چھوڑی۔ جاہلوں کی باتوں سے اس میں پرہیز نہیں کیا۔ ہاں اگر چھوڑا ہی تو مغلظات اور فحش چھوڑا ہی۔

تبصرہ و کیفیت

اُردو زبان میں اس وقت جتنی کتبِ لغت لکھی گئی ہیں اُن میں فرہنگِ آصفیہ کے سوا کوئی کتاب تمام حروف کی ترتیب پر اس تفصیل و تشریح کے ساتھ حاوی نہیں، اگرچہ اس میں کہیں کہیں فاش غلطیاں اور خامیاں رہ گئی ہیں پھر بھی بکثرت متراد ف اور مفید الفاظ کا ذخیرہ اس میں موجود ہی۔ چار جلدوں میں یہ کتاب منقسم ہی مگر اب بہت کم یاب ہی۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۱	مصباح القواعد	مولوی فتح محمد خاں جالندھری	۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء	**حروفِ تہجّی** انسان کی زبان سے جو مختلف آوازیں نکلتی ہیں، اُن کو لفظ کہتے ہیں، اور زبان و دہان کے اختلافِ جنبش سے آوازوں میں جو فرق پیدا ہوتے ہیں اُن کا نام حرف ہی اُنھیں حرفوں کو

جو مُنھ اور زبان اور گلے میں ذرا ذرا فرق سے نئے نئے پیدا ہو جاتے ہیں حروفِ تہجّی یا حروفِ ہجا کہتے ہیں۔ . . . . . بعض حرف ایسے ہیں کہ ایک زبان میں آتے ہیں دوسری میں نہیں آتے، تو جس زبان میں آتے ہیں خاص اُس زبان کے حرف کہلاتے ہیں۔ جیسے ث۔ ح۔ ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ ق۔ یہ نو حرف خاص عربی زبان کے ہیں، اس لیے کہ فارسی زبان میں نہیں آتے۔ اور حرف پ۔ چ۔ ژ۔ گ۔ خاص فارسی کے حرف ہیں، اس لیے کہ عربی میں نہیں بولے جاتے۔ مگر ہندوستانی زبان کے مقابلے میں حروفِ تسعۂ مختصّۂ عربی میں سے ق اور حروفِ اربعۂ مختصّۂ فارسی میں سے پ۔ چ۔ گ۔ ان چار حرفوں کی کچھ خصوصیت نہیں، اس لیے کہ یہ حرف جیسے عربی اور فارسی زبان میں بولے جاتے ہیں، ویسے ہی ہندوستانی زبان میں بولے جاتے ہیں، جیسے تڑاق۔ پڑاق۔ چلنا۔ گلنار۔ ژ۔ البتّہ فارسی سے مخصوص ہے۔ ٹ۔ ڈ۔ ڑ اور تمام وہ حروف جن میں ہ کی آواز ملی ہوئی ہوتی ہے خاص ہندوستانی زبان کے حرف ہیں اس لیے کہ یہ حروف نہ عربی میں آتے ہیں نہ فارسی میں، صرف ہندوستانی زبان میں بولے جاتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں پر جو حروف زبان عربی یا فارسی یا ہندی سے مخصوص بیان کیے گئے ہیں وہ اُنھیں زبانوں کے لحاظ سے مختص ہیں۔ ورنہ یہ حروف اور زبانوں میں بھی آتے ہیں مثلاً ح اور ق ترکی زبان میں آتے ہیں، اور ٹ، ڈ انگریزی میں بھی۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	زمانۂ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۳۲	قواعد اردو	مولوی عبدالحق بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو	۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء	"ہجا" یہ حرف جو ہر ملک کے لئے مخصوص کیے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آوازیں آب وہوا وغیرہ کے وجوہ سے ان لوگوں کے گلوں سے بہ آسانی نکلتی ہیں، مگر دوسرے ممالک کے لوگ انھیں وجوہ سے ان کو ادا نہیں کر سکتے، یا بہ دقت ادا کرتے ہیں۔ انسان کا گلا آلۂ موسیقی کے

اصول پر بنا ہے اور اسی طور سے اس میں تار بھی بندھے ہوئے ہیں۔ سانس کے ہوا میں ملنے سے زبان، تالو، ہونٹھ، دانت، اور خلائے دہن کی مدد سے آوازیں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اردو، فارسی، عربی حروف پر اگر نظر ڈالی جائے تو گویا وہ دیکھنے میں مختلف آوازوں کی علامات ہیں۔ لیکن درحقیقت ان حروف کے نام سے کوئی سادہ آواز پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ خاصے الفاظ ہیں مثلاً الف۔ عین۔ جیم۔ وغیرہ وغیرہ حروف نہیں بلکہ پورے الفاظ ہیں چہ جائے کہ ان سے سادہ آوازوں کا کچھ بھی خیال پیدا ہوتا ہو۔ اس کی وجہ بلاشبہ

یہ ہو کہ یہ اُس زمانے کی یادگار ہیں جب کہ اس قسم کی تحریر ایجاد نہیں ہوئی تھی، بلکہ لوگ اپنے خیالات، تصویریں بنا بنا کر ظاہر کرتے تھے۔ اوّل اوّل تو جس شے کا بیان کرنا مقصود ہوتا تھا اُس کی تصویر بنا دیتے تھے، مثلاً گائے یا عورت کا بتانا مقصود ہی تو وہ گائے یا عورت کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ دوسرے دور میں یہ اصلاح ہوئی کہ شے سے اس کا فعل ظاہر کرنے لگے مثلاً آنکھ سے نظر یا دو ٹانگوں سے رفتار مراد لینے لگے۔ تیسرے دور میں یہ ہوا کہ شے سے اُس کی ممتاز خصائص یا ظاہری علامت سے اصل شے مراد لی جانے لگی۔ مثلاً لومڑی کی تصویر سے مکّاری، یا تخت سے سلطنت مقصود ہوتی تھی۔ چوتھے دور میں ایک شے کے اظہار میں یہ ترکیب کرنے لگے کہ اُس شے کے بولنے میں جو آوازیں پیدا ہوتی تھیں اُن میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک تصویر بناتے تھے۔ مثلاً اگر گرا لکھنا ہو تو پہلے گھنٹے کی تصویر بنائیں گے کیونکہ گنی گھنٹے کو کہتے ہیں اور پھر سورج کی۔ کیونکہ را سورج کو کہتے ہیں۔ بعد ازاں یہ ہوا کہ یہی تصویریں مختلف اصوات کی قائم مقام ہو گئیں۔ اور انھیں تصویروں کی یادگار یہ حروف ہیں، جو اب بھی کسی قدر اُن سے مشابہ ہیں۔ مثلاً الف۔ الف کے معنی بیل کے سر کے ہیں، چوں کہ آ کی آواز اس لفظ کے آغاز میں تھی، تو اس آواز کے ظاہر کرنے کے لیے گائے کا سر بنا دیتے تھے، بعد ازاں خود یہ لفظ بجائے آ کی آواز کے تحریر میں ایک حرف قرار پایا اور یہی وجہ ہو کہ فارسی۔ عربی عبرانی زبانوں کے حروف درحقیقت الفاظ ہیں جس کی ابتدا کے حروف اس کی مناسب آواز کی بجائے کام دیتے ہیں۔ اسی طرح ب درحقیقت بیت سے ہے جس کی ابتدائی

شکل ایک مکان مستطیل کی سی تھی اور اُس کے نیچے نقطہ ایک شخص کا تھا جو مکان کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا، اب رفتہ رفتہ اس کی شکل ایسی ہو گئی اور وہ آدمی نقطہ رہ گیا

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۳۳	آئینِ اردو	مولوی محمد ابراہیم صاحب کاکوروی	۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء	"حروفِ ہجا" ہر زبان والوں نے اپنی ضرورت کے موافق جو علامتیں اور سہارے اپنے مدّعا کے لکھنے اور محفوظ رکھنے کے لیے بنائے ہیں اُن کو حروفِ ہجا یا حروفِ تہجّی کہتے ہیں،

اُردو، یہ زبان قدیم اور خالص نہیں بلکہ متعدد زبانوں سے مل کر بنی ہی، اس زبان کے جزوِ اعظم تین زبانیں ہیں، ایک ہندی یعنی پراکرت زبان جو سنسکرت سے ماخوذ ہی، سب سے زیادہ اسی کے الفاظ اُردو میں ہیں، دوسرے عربی زبان، اس کے الفاظ اُردو میں بمقابلہ ہندی کے اگرچہ کم ہیں، مگر بمقابلۂ فارسی کے زیادہ ہیں، تیسری فارسی زبان اس کے الفاظ بمقابل ہندی اور عربی کے کم ہیں، ترکی الفاظ فارسی کے ملاپ سے اُردو میں بھی آئے اور، اور زبانوں کے الفاظ سہولت تجارت اور ذرائعِ تبادلۂ خیالات کی وجہ سے داخل ہوئے۔ آج کل ان دونوں اسباب کے سوا

حکومت کی زبان ہونے کی وجہ سے اور نیز مخزنِ علومِ جدیدہ ہونے کے باعث انگریزی دخیل ہو رہی ہے۔ اس لیے اردو میں ہندی اور عربی اور فارسی تینوں زبانوں کے حروف برتے جاتے ہیں ان کی تعداد ترپن۵۳ ہے، لیکن اگر ہائے مخلوطی کو جس کو دو چشمی ہے بھی کہتے ہیں اور جو بلا دوسرے حرف کی آواز کی مدد کے آواز نہیں دیتی، اور جس کی علاحدہ صورت اس طرح (ھ) لکھتے ہیں الگ نہ گنی جائے تو یہ تعداد باون۵۲ حرفوں کی ہو جاتی ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۳	قواعدِ اردو (حصہ دوم)	مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی	۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء	"علم ہجا" (۱) علم ہجا سے حرفوں کے ہجّے کرنے اور ملانے کا صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ (۲) حرف وہ سادہ آوازیں ہیں جن سے لفظ بنتے ہیں۔

(۳) ہر حرف کا ایک نام ہے اور لکھنے کے لیے ایک شکل۔

مثلاً الف = ا بے = ب تے = ت

(۴) اردو زبان میں سب (۳۵) حرف ہیں جن کے مجموعے کو الف بے تے یا حروفِ تہجّی کہتے ہیں۔

(۵) اُردو کی الف بے تے میں ہندی - فارسی - عربی تینوں زبانوں کے حرف شامل ہیں - اُن میں سے :- ٹ - ڈ - ڑ - خاص ہندی ہیں - ژ - خاص فارسی ہی - ث ح - ص - ض - ط - ظ - ع - ق - یہ آٹھ خاص عربی کے ہیں - پ - چ - گ - ہندی فارسی میں مشترک ہیں - عربی میں نہیں آتے - ذ^ط^ - ز - خ - ف - عربی فارسی میں مشترک ہیں ہندی میں نہیں آتے -

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۳۵	سیرۃ النبی (حصہ اوّل)	شمس العلما مولوی شبلی نعمانی	۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء و مطبوعہ ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء	عالمِ کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہی کہ نفوسِ انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے، یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل و اخلاق زہد و تقویٰ، عصمت و عفاف، احسان و کرم، حلم و عفو عزم و

ثبات، ایثار و لطف، غیرت و استغنا کے اصول و فروع نہایت صحیح طریقے سے قایم کیے جائیں اور پھر تمام عالم میں اُن کی تعلیم رائج کی جائے -

---

؀ ذال کو متقدمین نے عربی و فارسی میں مشترک مانا ہی مگر صحیح یہ ہی کہ فارسی میں ذال کا وجود نہیں - اس لیے گزرا اور گزارش کا املا ز سے چاہیئے -

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہی۔ اس سے زیادہ متمدّن طریقہ یہ ہی کہ فنِ اخلاق میں اعلیٰ درجے کی کتابیں لکھی جا کر تمام ملک میں پھیلائی جائیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دلائی جائے۔ ایک طریقہ یہ ہی کہ لوگوں سے بجبر محاسنِ اخلاق کی تعمیل کرائی جائے اور رذائل سے روکے جائیں۔

یہی طریقے ہیں جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا میں جاری ہیں، اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جا سکتا، لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہی کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کیے جائیں، نہ جبر و زور سے کام لیا جائے، بلکہ فضائلِ اخلاق کا ایک پیکرِ مجسّم سامنے آجائے۔ جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو، جس کی ہر جنبشِ لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامرِ سلطانی بن جائے۔ دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہی سب انھیں نفوسِ قدسیہ کا پرتو ہے، دیگر اور اسباب صرف ایوانِ تمدّن کے نقش و نگار ہیں۔

کیفیت

مصنّف مرحوم کی یہ آخری اور ناتمام تالیف ہی، جس کی اشاعت اُن کے انتقال سے پانچویں برس شروع ہوئی ہے۔ اس مبارک تالیف کا آغازِ طباعت علیاحضرت نواب سلطان جہاں بیگم فرماں روائے بھوپال کے گراں قدر عطیات کا رہینِ

احسان ہے سیرۃ النبی کا حصۂ اول مولّفِ مرحوم کی حیات میں بصورتِ مبیضہ نقش پذیر ہو چکا تھا۔ اُسی حصّے سے یہ نمونۂ عبارت نقل کیا گیا ہے۔ باقی جلدیں (جن میں اب تک دو حصّے اور شائع ہو چکے ہیں) مرحوم کے فخر التلامذہ مولوی سید سلیمان ندوی کی ترتیب دی ہوئی ہیں۔

نمبر شمار	نام تصنیف	نام مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۶	فلسفۂ امثال	شمس العلما مولوی ذکاء اللہ دہلوی	۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء	"ضرب الامثال کی اصل" ضرب المثل کی تعریفیں جو اوپر ہم نے کی ہیں اُن پر گو اعتراض ہوں، مگر اس میں کوئی بات اعتراض کی نہیں ہے کہ ضرب المثل کی اصل عام پسندی ہے جس کے بغیر مثل بن ہی نہیں سکتی۔ اکثر

ضرب المثلوں کے مصنّف نہیں معلوم، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم مثل کی یہ تعریف کریں کہ وہ مصنّف کے بغیر تصنیف ہوئی ہیں۔ وہ خود بخود نہیں پیدا ہوگئیں بلکہ وہ ایک احوالِ گزشتہ کو بتلاتی ہیں کہ کسی نہ کسی وقت ایک حادثہ یا واقعہ پیش آیا جس کی نسبت کسی نے کچھ کہا، یا ایک حال کی دوسرے حال کے ساتھ کسی نے مثال دی اور اُس میں ایک غرابت و لطافت ایسی تھی کہ عوام کو پسند آئی۔ پس جب وقت ویسا ہی سانحہ

اور واقعہ پیش آتا ہی یا ویسی ہی تمثیل دینی ہوتی ہی تو اُس مثل کو عام و خاص بولتے ہیں؛ تاکہ سننے والے کے ذہن میں جو امر تخیل تھا وہ متیقن ہو جائے غائب بمنزلہ مشاہدے کے ہو جائے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۳	تذکرۃ الشعرائے ہنود	منشی دیبی پرشاد بشاش	۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء	شائقین سخن کو مژدہ ہو کہ یہ دوسرا حصّہ تذکرۃ الشعرائے ہنود کا اُن کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہی اور مؤلف کا مقصد اس کی تالیف سے سوائے بقائے نام ابنائے جنس کے اور کچھ نہیں ہی۔ ہندوؤں کی

فارسی شاعری کا احوال تو اوّل حصّے میں حوالۂ قلم ہو چکا ہی اور اس جلد میں اُن کی اُردو شاعری کا بیان ہی۔ اوّل اُردو شاعر ہندوؤں میں منشی ولی رام ولی تخلّص قوم کایتھ ہوئے ہیں، یہ حضرت شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں تھے۔ اُن کے بعد رائے انند رام مخلص اور مہاراجہ رام نراین موزوں نے اس شاعری کو کچھ وسعت دی مگر جو ترقی اور سرسبزی اُس کی رائے سرب سنگھ دیوانہ اور کاکاجی پروانہ کی ذات سے ہوئی وہ بہت عجیب اور لاثانی تھی کیونکہ رائے سرب سنگھ دیوانہ نے تو اپنی اُستادی سے اس کے اثر کو بذریعہ اپنے شاگردوں کے کہ ازاں جملہ ایک جعفر علی حسرت جو میاں قلندر بخش جرأت

کے اُستاد تھے، دور دور پہنچایا، اور کاکاجی پروانہ نے اپنی قدردانی اور فیاضی سے اُس کی مربی گری کی پھر تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس کا جابجا رواج ہو گیا اور دلّی و لکھنؤ دو بڑے مرکز اُس کے قرار پائے۔ جہاں بادشاہوں کی سرپرستی اور صلہ بخشی سے بڑے بڑے اُستاد اہلِ زبان پیدا ہوئے جن کی سحر طرازی اور نکتہ پردازی سے اُردو کی شاعری نے وہ فروغ پایا کہ تمام ہندوستان میں اُس کا آفتاب اوجِ اقبال پر چمک رہا ہے اور گانوں تک کے لوگ مثل ذرّوں کے اُس کے جمالِ باکمال اور نورِ لایزال سے فیض پائے ہوئے ہیں، چناں چہ آج صرف ہندوؤں میں بہت ایسے شاعر شیوا زبان موجود ہیں کہ جن کی شاعری کو ہندو اور مسلمان دونوں پسند کرتے ہیں، بھلا کون ایسا ہوگا جو بصیرؔ، جوہرؔ، فرحتؔ، وقارؔ، اور وہبیؔ وغیرہ کے دل کش اور پسندیدہ شعروں کو سن کر داد نہ دے گا ہم اس بیان کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے ناظرین آگے چل کر خود دیکھ لیں گے، کیوں کہ مشک آنست کہ خود بو یدنہ کہ عطّار بگوید۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ مسلمانوں کی بہ نسبت ہماری قوم میں عمدہ شاعروں کی تعداد کم ہے، سبب اس کا یہ ہے کہ پچاس برس اوّل تو ہماری قوم کے لوگ معاش کی ضرورت سے اُردو کی بہ نسبت فارسی کو زیادہ پسند کرتے تھے، اور اب انگریزی بہت پسند کرتے ہیں، پس اُردو کی شاعری جس قدر ان پچاس برسوں میں ہم لوگوں کے اندر مروّج ہوئی گو کافی نہ تھی پر اس قدر تو ضرور تھی کہ پچاس برس اوّل جو مسلمانوں کا خیال ہندوؤں کی اُردو شاعری اور زباں دانی کی نسبت تھا وہ اُس سے بہت کچھ بدل گیا تھا، یا

تو ایک دن وہ تھا کہ انشاء اللہ خاں نے اپنی کتاب میں ہندؤں کو خالی از فصاحت لکھا، ایک دن ایسا آیا کہ مرزا غالب جیسے استاد مسلّم الثبوت نے پنڈت دیا شنکر کی مثنوی گلزار نسیم کو سراپا بلاغت کہا اور نسیم کے بعد جو نامی ہندو شاعر ہوے وہ فصیح بھی تھے اور بلیغ بھی۔ اس مجموعے میں پانسو اکیس (۵۲۱) شاعروں کا کلام ہی۔ گو قیاس چاہتا ہی کہ یہ تعداد باعتبار کثرت اور لیاقتِ علم و فضل ہندؤں کے جو آج دیکھنے میں آتی ہی بہت کم ہی، کیوں کہ اس سے زیادہ تو اس وقت ہندو موجود ہوں گے، لیکن جب صرف اسی قدر کی محنت تلاش اور دشوار یابی پر خیال آتا ہے تو بے اختیار یہ شعر زبانِ حال سے نکل جاتا ہی ؎

یوں لائے اُس کے کوچے سے دل اپنا ڈھونڈھکر　　دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا

شمار	تصنیف	مصنف	سنِ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۳۴	گلزارِ سخن	بابو گنگا پرشاد صاحب متخلص بہ فیض	۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء	گلزارِ سخن نخل بند حقیقی کی صنعتِ کاملہ کا ادنیٰ ظہور ہی یہی باعث ہے جو یہ گلزار اس قدر پُر نور ہے۔ نہ معبود حقیقی، طوطیانِ سخن کی زبان میں اس قدر حلاوت اور شیرینی بخشتا نہ اس چمن کا نقشہ صفحۂ قرطاس پر کھچتا زہے صنعت و قدرت

اور خمے عنایت و رحمت۔ نغمہ سنجانِ گلشنِ معانی اور زمزمہ آرائے گلزارِ خوش بیانی آئیں اور اس گلستانِ سدا بہار کی سیر فرمائیں، کیوں کہ انھیں کے خرمنِ سخن سے یہ انبار لگایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ذخیرہ گلِ گلزارِ سخن کے نام سے پکارا گیا ہے۔

تبصرہ و کیفیت

اس تذکرے کے مؤلف سنہ ۱۹ء میں کھنڈوا ضلع نماڑ (ملک متوسط) کے اکسٹرا اسسٹنٹ اور نائب مہتمم بندوبست تھے۔ یہ تذکرہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے نو مشق شعرائے اردو کے لیے بکار آمد ہے۔ علاوہ انتخاباتِ منظومات جس میں اکثر اصنافِ سخن شامل ہیں۔ قوافی۔ و عروض وغیرہ کے ابواب بھی ہیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	تصنیف سنہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۹	[illegible]	خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام	سنہ ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء	یہ چند اوراق جو میں نے کتاب کی شکل میں لکھوا دیئے ہیں یہ صرف منہ سے نکلی ہوئی صوت نہیں، بلکہ دل جگر خون ہو گئے ہیں۔ یہ اسی خون کے قطرے ہیں جو لفظوں کی شکل میں کاغذ پر آ بیٹھے ہیں۔ کیا ظلم عظیم ہے، تمدن و ترقیِ انسان

یہ یورپ کی جو تصنیف اُٹھاتا ہوں، اُن سب میں میں اسی تعلیم کی اک خفیف سی جھلک دیکھتا ہوں جو اپنے کامل رنگوں میں کتابِ حمید کی سطروں میں آ جلوہ افگن ہوتی ہے بسا اوقات میں نے ایسی مغربی تصانیف آہوں اور آنسوؤں کے ساتھ پڑھیں دل میں درد اُٹھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہی الفاظ اکثر زبان پر آئے۔ کہ اے بارِ الٰہ ان مغرب کی تصانیف میں جو رازہائے زندگی ظاہر کیے گئے ہیں۔ وہ تو اس رازِ حیات سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے جو لوحِ قرآن میں محفوظ ہیں۔ پھر حاملانِ قرآن کو کیا ہوا، اس کے جواب میں خود قرآن نے ہی یہ جواب دیا کہ ”انھوں نے مجھے چھوڑا خدا نے انھیں چھوڑا۔“

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	ارض القرآن	مولوی سید سلیمان ندوی	۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء	اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ قدیم وجدید معلومات کی تطبیق کے ساتھ ارض القرآن (عرب) کے حالاتِ مذکورہ کی اس طرح تحقیق کی جائے کہ قرآنِ مجید کی صداقت اور معترضین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہوجائے، اس موضوع کی اہمیت

اور ضرورت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا، قرآنِ مجید میں عرب کی بیسیوں قوموں،

شہروں، اور مقامات کے نام ہیں، جن کی ہر قسم کی صحیح تاریخ سے نہ صرف عوام بلکہ علما تک ناواقف ہیں، اور نہایت عجیب بات ہے کہ تیرہ سو برس میں ایک کتاب بھی مخصوص اس فن پر نہیں لکھی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود مسلمانوں کو ان حالات سے ناواقفیت رہی، اور دوسری طرف غیروں کو انھیں افسانہ لکھنے کی جرأت ہوئی۔ تورات میں ہزاروں اشخاص، اقوام، بلاد اور مقامات کے نام ہیں جو تطاولِ زمانہ اور تغیرِ السنہ کی بنا پر مجہول اور ناپدید ہو گئے ہیں، لیکن علمائے نصاریٰ کی ہمت سزاوارِ آفریں ہے کہ وہ ارضِ تورات اور انسائیکلوپیڈیا آف بائبل کے ذریعے سے ۳ ہزار برس کے مردہ نام اپنی مسیحیت سے زندہ کر رہے ہیں۔

قرآنِ مجید میں بیس تیس اقوام و اشخاص سے زیادہ نہیں، تاہم ان کی تحقیق کے لیے مخصوص طور سے کوشش نہیں کی گئی، عموماً یہ مباحث تفسیر کے ضمن میں لکھے گئے یا تاریخِ عمومی میں مقدمے کے طور پر مذکور ہوئے۔ حال آں کہ اس کی اہمیت مستقل بحث و تصنیف کی محتاج تھی۔

مقامِ عبرت ہے کہ ہماری مذہبی کتاب کی تحقیق و کاوش میں بھی اغیار نہایت کوشش و جاں فشانی سے مصروف ہیں، جرمن، فرنچ، اٹالین اور انگلش مستشرقین نے تاریخ عرب قبلِ اسلام پر محققانہ کتابیں لکھیں، یونانی و رومانی تصنیفات سے جو عرب قبلِ اسلام کے حالات سے پُر ہیں انتخاب و خلاصہ کیا، قرآن مجید نے جن اقوام و بلاد کا ذکر کیا ہے اُن کے کھنڈروں کا مشاہدہ کیا ان کے کتبات کو حل کیا اور اُن سے عجیب و غریب نتائج مستنبط کیے۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر
اس تذکرے کی پہلی جلد پیشِ نظر ہے۔ اس وقت کو جب میں نے دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کا اوّل جزو لکھا تھا آج پورے سترہ برس ہو گئے۔ گو سترہ برس کہنے میں دو لفظ اور سننے میں ایک بات ہے مگر اس برق رفتار زمانے میں کسی کام کو انجام تک پہنچانا درحقیقت	۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء	لالہ سری رام ایم اے دہلوی	تذکرۂ ہزار داستان (خمخانۂ جاوید)	۱۳

نہایت دشوار کام ہے۔ تعلیم کی تکمیل۔ امتحانات کی تیاری۔ ملازمت کی پابندی۔ خانگی سانحات، تفکرات و مکروہات اور دائمی مریض رہنے کے باعث یہ تذکرہ اس عرصے تک تعویق اور التوائے اشاعت میں پڑا رہا۔ مگر پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ کام ہوتا ہی رہا۔ میرے دل کی کیسی ہی حالت کیوں نہ ہوئی ناپسند واقعاتِ زندگی نے کتنا ہی مجبور کیوں نہ کیا، مجھے مختلف بیماریوں نے کتنا ہی کیوں نہ گھیرا، گرم و سرد زمانہ نے کتنا ہی جی سرد اور دماغ بے کار کیوں نہ کیا، لیکن اس تذکرے کی تکمیل کا جن میرے سر سے نہ اترا اور اس کی اشاعت کی دُھن عاشقانہ دھن بن کر میرے دل و دماغ کو ابھارے گئی۔

تبصرۂ و کیفیت

سنہ ۱۹۳۰ء تک اس تذکرۂ خمخانۂ جاوید کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں بہ ترتیب حروفِ تہجی اُن شعرا کا تذکرہ ختم ہوا ہے جن کے تخلص حرف ش تک پہنچے ہیں۔ اس ضخیم تذکرے میں جتنے شاعروں کا کلام اور حال جمع ہوا ہے اس بسط و شرح کے ساتھ اور کسی تذکرے میں نہیں ملتا۔ فی الحقیقۃ مولّفِ تذکرہ نے اس سرمائے کے فراہم کرنے میں اپنی عمر، اپنی صحت، اور اپنی دولت جس شغف، جس کاوش، جس فراخ دلی سے صرف کی ہے اُس کی مثال اگر نایاب نہو تو کم یاب ضرور ہے۔

جن تالیف و تصنیف کا دار و مدار انتخابِ کتب، اور اوراق گردانیِ صحائف پر ہو اُس کی دقّتیں وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جو صرف مطالعۂ کتب کے اہل ہیں۔ پھر ایسی صورت میں کہ مؤلّف دوسرے مشاغل میں بھی انہماک رکھتا ہو، مزید برآں صحت کی طرف سے بھی مطمئن نہ ہو۔ راقم آثم کو بذاتِ خود مولّفِ خم خانۂ جاوید کی مشکلات اور حالات کا علم ہے باوجود ملازمت کی پابندیوں اور ضروریاتِ ذاتی کے کسی وقت اُن کو اس کام سے غافل نہیں پایا۔ یہ مجموعہ شاعروں کی ایک ایسی تاریخ ہے جس میں کامل۔ ناقص۔ اعلیٰ۔ ادنیٰ۔ کہنہ مشق۔ نومشق۔ عزلت نشیں اور ہنگامہ آرا غرضکہ ہر صنف اور قسم کے شاعر و متشاعر کا نام اور تخلص اور کم از کم دو ایک شعر مندرج ہیں۔ حروفِ تہجی کے اعتبار سے تقریباً ابھی آدھی کتاب

کی اشاعت باقی ہو۔ مگر چند سال سے مؤلف اپنی صحت کی طرف سے بہت غیر مطمئن حالت میں ہیں خدا کرے اُن کو صحت کاملہ حاصل ہو تاکہ اس مفید کام کا اتمام اُنھیں کے ہاتھ سے نقش پزیر ہو۔ اس تذکرے میں جہاں بے شمار یا با فراط شعرا کے اذکار ہیں وہاں بعض معروف شعرا کے ایسے حالات بھی درج ہو گئے ہیں جن کی صحت میں تامّل ہے۔ مثلاً مولوی شاہ ولی اللہ والد ماجد شاہ عبدالعزیز دہلوی کا اردو شاعر ہونا۔ یا سراج اورنگ آبادی کا تذکرہ بغیر تحقیقات کے درج ہو جانا۔ اسی طرح بعض غیر معروف اور غیر واقعی شعرا کا مذکور۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ایسی فروگزاشتیں مؤلف کی طویل علالت اور بعض حالات کی مجبوریوں سے ہو گئی ہیں جن کی صحت و ترمیم آخر جلد میں یا دوسری اشاعت میں ممکن ہو۔ افسوس کہ اس کاپی کی تصحیح کے زمانے میں مؤلف کے انتقال کی خبر سنی گئی۔ انا للہ

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۲	موازنۂ انیس و دبیر	شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی	۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء	شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا، کسی واقعے کا کسی حالت کا، کسی کیفیت کا اس طرح بیان کیا جائے کہ اُس کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ دریا کی روانی جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزے کی لہک، پھولوں کی

مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی سختی گرمی کی تپش، جاڑوں کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلاویزی، یا رنج و غم، غیظ و غضب، جوش و محبت، افسوس و حسرت، عیش و طرب، استعجاب و حیرت، ان چیزوں کا اس طرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلوں پر چھا جائے اس کا نام شاعری ہے۔ اسی کے ساتھ الفاظ میں فصاحت سلاست، روانی بندش میں چستی، اور چستی کے ساتھ بے تکلفی، دلاویزی، اور برجستگی لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات، اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف میں کون سی چیز مرزا دبیر میں پائی جاتی ہے۔ فصاحت ان کے کلام کو چھو بھی نہیں گئی، بندش میں تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات اکثر دور از کار۔ بلاغت نام کو نہیں، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہیں۔ خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہے لیکن اکثر جگہ اس کو سنبھال نہیں سکتے۔ ہماری غرض یہ نہیں کہ اُن کے کلام میں سرے سے یہ باتیں پائی ہی نہیں جاتی۔ وہ نہایت پُرگو تھے، اُن کے اشعار کا شمار ہزاروں کیا لاکھوں تک ہے اخیر اخیر میں وہ میر انیس کی تقلید بھی کرنے لگے تھے اس بنا پر اُن کے کلام میں جابجا شاعری کے لوازم اور خاصے پائے جاتے ہیں، لیکن گفتگو قلت اور کثرت میں ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۴	المیزان (بحث موازنۂ انیس و دبیر)	چودھری سید نظیر الحسن رئیس ہنسوا بن [illegible]	۱۳۲۵ھ ۱۹۰۶ء	دلی جوش جو شاعر سے جذباتِ صادقہ کا نقشہ کھچوا دیتا ہی اُس کی تعریف یہ کی گئی ہی کہ "مضمون بے ساختہ الفاظ اور موثر پیرائے میں بیان کیا جائے، جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے ارادے سے مضمون نہیں باندھا بلکہ خود مضمون نے شاعر کو مجبور کر کے اپنے تئیں اُس سے بندھوایا

ہے۔ ایسا جوش شاعر کے ہر قسم کے کلام میں عام اس سے کہ اپنی حالت بیان کرے یا دوسرے کی خوشی کا بیان کرے یا غم کا۔ تعریف کرے یا مذمت سب میں پایا جانا ممکن ہی۔ شاعر کی ذات میں ہر چیز سے متاثر ہونے، ہر شخص کی خوشی و غم میں شریک ہونے" اور ہر ایک کے جذبات سے متکیف ہو جانے کا ایک خدا داد ملکہ ہوتا ہی۔ وہ بے زبان بلکہ بے جان چیزوں کی حالت اُن کی زبانِ حال سے ایسا ہی بیان کر سکتا ہے کہ اگر اُن میں گویائی ہوتی تو وہ بھی اپنی حالت اس سے زیادہ بیان نہ کر سکتیں۔ پس فصیح و بلیغ شاعر کا اصلی جوہر یہ ہے کہ وہ جس واقعے کا ذکر کرے اُس کے اطراف و جوانب و متعلقات کا اس خوبی کے ساتھ خیال رکھے کہ جس جس واقعے کے ساتھ جو جو

امور ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں الفاظِ مناسب بعینہ اُن کی تصویر کھینچ دیں، تاکہ آنکھوں کے سامنے وہی سماں بندھ جائے ورنہ واقعے کی اصلی تصویر کھینچنے سے جس قدر بُعد ہوگا اُسی قدر تاثیر میں کمی آجائے گی۔ مرزا دبیر صاحب نے چوں کہ طبیعت نہایت گداز پائی تھی اس لیے پہلے تو وہ خود ہر کیفیت سے متاثر ہوجاتے تھے اور جب اُن کے دل پر چوٹ لگتی تھی تو زبان سے درد انگیز الفاظ نکلتے تھے اور سننے والوں کے دل پر بھی وہی حالت طاری ہوجاتی تھی جو خود اُن کے دل پر پیدا ہوئی تھی پس اُن کے اشعار گویا اُن کے اندرونی احساس کی اصلی تصویریں ہوتے ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۱۳	حیاتِ انیس	مولوی سید امجد علی اشہری	۱۳۲۵ھ ۱۹۰۶ء	میر انیس کی شاعری میں ایک بڑا کمال یہ ہے کہ جس موقع پر جو الفاظ خاص اثر دے سکتے ہیں۔ وہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور بی بی اور کنیز اور آقا و خادم، چھوٹے، بڑے کے مختصاتِ ادب کے لیے جو الفاظ مناسب ہیں وہی صرف کرتے ہیں۔ میر انیس ثقیل

لفظوں اور تعقیدِ کلام کو بالکل ناپسند کرتے ہیں اور اُن کو کیسا ہی مضمون ہاتھ لگے لیکن جب تک وہ فصیح لفظوں کو ڈھونڈھ نہیں لیتے اُس مضمون کو داخلِ نظم کرنے پر

متوجہ نہیں ہوتے۔ میرانیس کا کلام بلاغت کی جان، سلاست کی روح، اور فصاحت کی کان ہی۔ میرانیس فصیح لفظوں کو اس خوبی سے ترتیب دیتے ہیں جیسے جڑیا نگینوں کو نہایت صحیح مناسبت کے ساتھ تھیوؤں میں بٹھاتا ہی۔ میرانیس کا روزمرہ اتنا صاف اور منجھا ہوا ہی جو لکھنو جیسے شہر میں بے مثل مانا جاتا رہا ہے اُن کی روزمرہ کی بول چال پر تمام لکھنؤ مٹا ہوا ہے جو اُن کی شاعری کی جان ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۵	واقعاتِ انیس	مہدی حسن احسن لکھنوی	۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء	شاعری فی نفسہ کیا ہی اور لوازمِ شاعری کس قدر ہیں۔ اس وقت ہم اس سے بحث نہیں کریں گے ارسطو سے لگا کے موجودہ زمانے کے عالی دماغ اہل قلم تک اس لفظ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور واقفانِ رموزِ شاعری نے اس

مضمون پر اپنی معلومات کے دریا بہا دئیے ہیں۔ مجھے اس وقت صرف میرانیس کی قسم شاعری سے غرض ہی اور اُن کی شاعری کی مدح سرائی کے لیے دنیا کی ڈکشنری میں بڑی تلاش سے ایک لفظ ملتا ہی یعنی فصاحت اور اس لفظ کی تشریح میں علوم متنوعہ مستعمل ہیں۔ فصاحت کی طنابیں اُن کے ہاتھ میں ہیں اور حسبِ ضرورت

گھٹا بڑھا رہے ہیں، دنیا کے اہل الرائے متفق ہیں کہ اُن کی شاعری اکتسابی نہ تھی، وہ شاعرِ وہبی تھے اُنھوں نے اُردو و علم ادب کے خزانوں کی مہریں توڑ ڈالیں، اور بیش بہا جواہرات پر قبضہ کر لیا، وہ اس خزانے کو ملک کے ہر گوشے پر تقسیم کر گئے - اہلِ زبان اُن کے احسانات سے گراں بار ہیں - اُنھوں نے شاعری کی سنگلاخ زمین کے چپے چپے پر ایسی داغ بیل ڈالی جس کے سہارے سے آج فصحائے زبانِ اُردو منزلِ مقصود کے راستے طے کر رہے ہیں اور اُنھیں نشانات سے تحقیق کی آخری منزل پر پہنچ جاتے ہیں -

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۰۹	یادگار انیس	مولوی امیر احمد علوی کاکوروی پنشنر ڈپٹی کلکٹر	سنہ ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء	میر صاحب اور اُن کے باکمال ہم عصروں کے سو سو پچاس پچاس مرثیے پڑھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قسّامِ ازل نے میر صاحب کی فطرت میں ایک خاص جوہر ودیعت رکھا تھا جو دوسرے شعرا کے یہاں کم یاب ہے اور اسی نعمت کے مناسب اور بجا استعمال نے انہیں کو مجلسِ کمال کا مسند نشین بنایا، اس جوہر کا مختصر نام

"مصوری" یا واقعہ نگاری ہے۔ جس کو لکھنؤ کے عوام ان الفاظ سے تعبیر کرتے تھے کہ "حفظ مراتب جیسا ان کے کلام میں ہوتا ہے وہ انھیں کے ساتھ مخصوص ہے یعنی "موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وے"۔ انگلستان کے ایک فلاسفر کا قول ہے کہ شاعری فطرت کی پوشیدہ دل جبیبوں کے چہرے سے نقاب اُٹھا دیتی ہے اور اُس کے اثر سے ہم کو مانوس چیزیں انوکھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ میر صاحب جس حالت یا جذبے کو بیان کرتے اُس کی تصویر کھینچ دیتے اور بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں جن پر معمولی شاعر کی نظر بھی نہیں پہنچتی وہ بغور و تعمق دیکھ لیتے اور اُن کا اظہار ایسی سادہ زبان اور مناسب الفاظ میں کرتے کہ کلام انوکھا معلوم ہوتا تھا اور سہلِ ممتنع کا خطاب پاتا تھا۔ تصویر کشی کا کمال یہ ہے کہ نقشہ اصل کے مطابق ہو لیکن میر صاحب کی کھینچی ہوئی تصویر اصل سے بہتر ہو جاتی تھی۔ مثلاً شبنم کے قطرے دیکھکر انسان کے جذبات پر وہ اثر نہیں پڑ سکتا جو اس تصویر سے پڑتا ہے:۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

تبصرہ و کیفیت

نمبر (۱۴) سے نمبر (۴۵) تک کے نمونے ایک موضوع اور ایک ہی شخص کے متعلق ہیں۔ جن کے نمونے ایک مقام پر اس لیے دکھائے گئے کہ ایک ہی زمانے

سے ایک مبحث پر مختلف اہل قلم کا اندازِ تحریر بآسانی معلوم ہو جائے۔ آخر تالیف (یادگار انیس) کے سوا باقی چاروں کتابوں کی اشاعت یکے بعد دیگرے قریب قریب دو تین سال کے تفاوت سے ہوئی ہے اگرچہ کتاب نمبر (۲۲) اور نمبر (۲۴) میں کسی جگہ سنۂ طباعت مذکور نہیں، لیکن دیباچے کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ جس ترتیب سے ان کا اندراج اس جگہ کیا گیا ہے اسی ترتیب سے ان کی طباعت و اشاعت ہوئی ہے۔ اس وقت تک اہلِ ادب اور نیز بعض تعلیم گاہوں میں موازنۂ انیس و دبیر کی شہرت کافی ہو چکی ہے نیز اُس کی متعدد مرتبہ کی اشاعت اس کی عام پسندی کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک فنِ مرثیہ گوئی اور اصولِ شاعری وغیرہ کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے۔ کہ موازنۂ دبیر و انیس سب سے بہتر تالیف ہے اور جس قدر ذاتی حالات و واقعات کی نسبت ہے واقعاتِ انیس کو سندِ صحت مل سکتی ہے۔ کیوں کہ موخر الذکر میر انیس کے ایک خاندانی فرد کی مرتبہ کتاب ہے۔ باقی دونوں کتابیں علم کلام اور چند معمولی اور خیالی اندازسے مالامال نظر آتی ہیں۔ البتہ آخری کتاب موجودہ مذاقِ زمانہ کے لحاظ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

موازنۂ انیس و دبیر کی تردید میں ردّ الموازنہ اور حیاتِ دبیر کی طرح بعض کتابیں شائع ہوئی ہیں، مگر چوں کہ یہ کتاب صرف علم کلام کی تاریخ نہیں اس لیے زیادہ نمونے ضروری نہیں سمجھے گئے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۲۰	واقعات مملکت بیجاپور	مولوی بشیر الدین احمد خلف شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی	۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء	"عیدِ نورس" ابراہیم عادل شاہ بڑا رنگیلا بادشاہ تھا، اس نے ایک نئی عید نورس کی نکالی، یعنی جس چاند میں نویں تاریخ جمعہ کو آن پڑتی عید منائی جاتی تھی اور تمامی بڑے بڑے اُمرا مجلسِ رقص و سرود میں شریک ہوتے تھے، اور چوں کہ بادشاہ کو خود فنِ موسیقی کا بہت شوق تھا سب گاتے بجاتے

تھے اس دن دربار عام ہوتا تھا اور سارے شہر کے اُمرا اور شوقین جمع ہوتے تھے، شہر کے تمام نامی گرامی قوّال۔ گویئے۔ کتھک۔ طوائف سب ہی آتے تھے۔ مشک و گلاب و عنبر انواع و اقسام کے عطریات اور خوشبوئیں لنڈھائی جاتی تھیں، ہر قسم کے فواکہ نادر اور انواع و اقسام کے لذیذ اور پُر لطف کھانے پکتے تھے جن سے تمام لوگ دسترخوانِ شاہی سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ خدمتگار، شاگرد پیشہ اور فقرا اور مساکین اور عامۂ خلایق کو بھی کھانا کھلایا جاتا تھا۔ جتنے اُمرا کو سرفرازیاں ہوتی تھیں نورس کی عید میں ہی ہوتی تھیں، بادشاہ خود بھی نہایت خوش آواز تھا اور

گانے کا شیدائی تھا، بچپنے سے اُسے فنِ موسیقی کا شوق تھا، جس کی وجہ سے اس فن کا اُستاد ہو گیا تھا۔ قریب چار ہزار گویوں کے دربار میں حاضر رہتے تھے جن میں بیشتر اپنے فن کی معراج الکمال تک پہنچے ہوئے اور مشہور، زمانے کے نامور اُستاد تھے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۳	شعر الہند	مولوی عبدالسلام ندوی	۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء	دل کے نزدیک شاعری، عزلت گزینی اور گوشہ نشینی کا نتیجہ ہے، اس لیے جب وہ گوشۂ تنہائی سے نکل کر اُمرا و سلاطین کے درباروں میں قدم رکھتی ہے تو اپنے اصلی مرکز سے دور ہو جاتی ہے بالخصوص عاشقانہ شاعری پر جو

تمام تر وارداتِ قلبیہ کا مجموعہ ہوتی ہے، درباری تعلقات کا سخت مُضر اثر پڑتا ہے اور درباروں کے مادّی تکلّفات اُس کی روحانی لطافت کو بالکل فنا کر دیتے ہیں۔ اگرچہ عام خیال یہ ہے کہ عاشقانہ شاعری کے لیے محاسنِ اخلاق سے زیادہ رندی اور اوباشی کی ضرورت ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عاشقانہ شاعری سے زیادہ کوئی چیز اوصافِ حمیدہ کی محتاج نہیں، قناعت، خودداری، بلند حوصلگی، فراخ مشربی آزادی اور پاکیزگی غرض وہ تمام اوصاف جو ایک صوفی منش شخص کے لیے درکار

ہیں عاشقانہ شاعری کا عنصر اور انھیں سے وہ لطیف جذبات اور بلند خیالات پیدا ہوتے ہیں جو عاشقانہ شاعری کا آب و رنگ ہیں، لیکن جو شاعر دربارِ شاہی میں قدم رکھتا ہے اُس کو لازمی طور پر ان اوصاف سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اس لیے اُس کی شاعری، درد، اثر، جوش اور سوز و گداز سے بالکل تہی دامن ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ گوشہ نشین میر کے کلام میں جو گرمی، تاثیر اور خلوت گزین درد کے کلام میں جو متانت اور ثقاہت پائی جاتی ہے اردو زبان کے درباری شعرا یعنی ذوق و سودا اور انشا کے کلام میں اُس کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا

تبصرہ و کیفیت

ندوۃ العلما کی کوششوں سے جس گلشنِ علم و عمل کا وجود قائم ہوا اُس کے برومند نونہالوں کی چمن بندیوں نے حسبِ اُمید دنیائے ادب میں ایک خاص فضا پیدا کر دی ہے۔ انھیں چمن آفرینیوں کی پھلواریوں میں وہ چند سر برآوردہ ہستیاں ہیں جن میں مؤلفِ شعرالہند بھی شامل ہیں۔ دارالمصنفینِ اعظم گڑھ سے ہر سال ایسی تازہ تازہ مفید تصنیفات و تالیفات شائع ہوتی رہتی ہیں جن کو علم و ادب کی روح و رواں کہنا ہرگز مبالغہ نہیں۔

شعرالہند دو حصوں پر منقسم ہی۔ اقتباسِ بالا جلد اوّل سے کیا گیا ہی۔ یہ کتاب اصولاً اپنے موضوع کے لیے نہایت مفید اور بغایت پسندیدہ تالیف ہی۔ البتّہ

مؤلف نے بعض موقعوں پر اپنی ذاتی یا انفرادی رائے اس انداز سے ظاہر کی ہے جس کو پڑھکر اختلاف کا ہنگامہ برپا ہو سکتا ہے۔ نیز بعض شعرا کے حالات پر کافی غور و تامّل نہیں کیا ہے اور ایسے واقعات لکھ گئے ہیں جو تاریخی حیثیت سے قابلِ گرفت ہیں۔ مثلاً۔ جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ "انشا اور جرات نے تو کوئی مثنوی ہی نہیں لکھی ..... اور لکھنؤ میں ناسخ و آتش نے تو مثنوی کو ہاتھ ہی نہیں لگایا

(شعر الہند جلد دوم صفحہ ۱۶۶)

حال آں کہ انشا کے مجموعۂ کلام میں اسّی اسّی اور نوّے نوّے اشعار کی متعدد مثنویاں موجود ہیں جیسی کہ میر تقی میر نے کھٹمل اور ہاتی وغیرہ کے متعلق کہی ہیں سب سے زیادہ تعجب اس جرأت پر ہوتا ہے کہ مثنوی حُسن و عشق یا صرف حسن جس میں شیخ قلندر بخش جرأت نے حَسَن اور بخشی کے واقعاتِ عشق لکھے ہیں اور جس کے اشعار کی تعداد ایک ہزار سے کم نہیں اُس کے شائع ہو جانے کے باوجود یہ کہنا کہ جرات نے کوئی مثنوی نہیں لکھی!! کس قسم کی تحقیقات ہے۔ اسی طرح شیخ ناسخ نے بھی ایک مبسوط مثنوی لکھی ہے جس میں چار ہزار اشعار ہیں اور لطفِ سراج ہے؟

بعض معاصرینِ موجودہ کے متعلق جس متکلمانہ اندازِ بیان سے یک طرفہ فیصلہ کیا گیا ہے مناسب وقت نہ تھا، چناں چہ اس کا اثر یہ دیکھا گیا کہ شعر الہند کی اشاعت کے بعد چند مخالف آوازیں سنی گئیں۔ اگرچہ یہ مسلّم ہے کہ کسی قسم اور کسی مبحث کی کتاب ہو سب کے سب اُس کی موافقت میں سرِ تسلیم خم نہیں کرتے، تاہم مؤلف کو حتی الامکان اصولاً اپنے موضوع سے الگ نہ ہونا چاہیے۔

نمبر	نام تصنیف	نام مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۵۳	ازالۂ اوہام	مرزا غلام احمد قادیانی	۱۳۰۸ھ ۱۸۹۰ء	اب رہی یہ بات کہ الہام بے اصل اور بے سود اور بے حقیقت چیز ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے بڑھکر ہے، سو جاننا چاہیئے کہ ایسی باتیں وہی شخص کرے گا جس نے کبھی اس شرابِ طہور

کا مزہ نہیں چکھا اور نہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ سچا ایمان اُس کو حاصل ہو بلکہ رسم اور عادت پر خوش ہے اور کبھی نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا کہ مجھے خداوندِ کریم پر یقین کہاں تک حاصل ہے اور میری معرفت کا درجہ کس حد تک ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیے کہ تا میری اندرونی کمزوریاں دور ہوں اور میرے اخلاق اور اعمال اور ارادوں میں ایک زندہ تبدیلی پیدا ہو جائے اور مجھے وہ عشق اور محبت حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے میں بآسانی سفرِ آخرت کر سکوں اور مجھ میں ایک نہایت عمدہ قابلِ ترقی مادّہ پیدا ہو جائے بے شک یہ بات سب کے فہم میں آ سکتی ہے کہ انسان اپنی اس غافلانہ زندگی میں جو ہر دم تحت الثّریٰ کی طرف کھینچ رہی ہے اور علاوہ اس کے تعلقاتِ زن و فرزند اور ننگ و ناموس کے بوجھل اور بھاری پتھر کی طرح ہر لحظہ نیچے کی طرف لے جا رہے ہیں ایک بالائی طاقت کا ضرور محتاج ہے جو اس کو سچی بینائی اور سچّا کشف بخش کر خدائے تعالےٰ

کے جمالِ باکمال کا مشتاق بنا دیوے. سوجاننا چاہئے کہ وہ بالائی طاقت الہامِ ربّانی ہی

شمار	تصنیف	مصنّف	سنۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۰	سماع الاموات ثابت بالاحادیث والآیات	مولوی حکیم محمد عبدالقیوم والد ماجد مولوی عبدالماجد بدایونی	۱۳۱۸ھ ۱۹۰۱ء	ہوش و حواس والا انسان سمجھ سکتا ہی کہ راحت رساں چیز سے تلذذ اور ناملائم شے سے ایذا و درد نا بلکہ سمع، بصر و دیگر تمام ادراکاتِ جان کے ساتھی یعنی فی الحقیقت روح کے صفات و لوازمِ اصلیہ ہیں۔ گو بعض اوقات مجازاً یہی صفاتِ روحیہ بدن کی طرف بھی نسبت کردیئے جاتے ہیں، اور جس طرح موت بدن کو سڑا گلا کر مٹی کر دیتی

ہے اسی طرح روح پر موت کا اثر مترتب نہیں ہوتا، اور اگرچہ ترکیبِ انسانی میں روح و جسم دونوں شریک ہیں لیکن پھر بھی روح کا پایہ بھاری اور نمبر بڑھا ہوا ہی۔ اور انسانیت کا جزوِ اعظم روح ہی ہے اور اُسی کو غلبہ اور قوّت حاصل۔ مگر عبرت خیز اور حیرت انگیز انقلابِ زمانہ دیکھیے کہ انسانیت سے گزرے ہوئے حضرات سارا دار و مدار اسی کالبدِ خاکی اور گوشت و پوست کے ڈھیر پر ٹھہرا کر اصلی و حقیقی چیز کے ملیامیٹ کر دینے پر اپنی تمام قوّت صرف کیے دیتے ہیں، جسمِ خاکی و فانی کو حقیقتِ انسانیہ کا

جزوِ اعظم اور اصل مان کر اُس کے تغیر و فنا کے ساتھ تمام ادراکات کا خاتمہ سمجھ لیا ہی، گو صاف طور پر نہ کہیں مگر اصل منشا اور مُنتہائے غرض یہی مفہوم ہے کہ دنیاوی زندگانی کا منشا صرف لذّتِ معہود کے پورا کر لینے کا نام ہی و بس۔ جس کے بعد مر کر مٹّی اور معدوم محض ہو جانا، نہ عذاب نہ ثواب۔ نہ جزا۔ نہ سزا۔ مر گئے یعنی تمام بکھیڑوں سے نجات مل گئی۔ مگر مصیبت اور ٹیڑھی کھیر یہ ہی کہ اگر کھُل کر صاف طور پر اپنے خبثِ باطنی اور ما فی الضمیر کو ظاہر کر دیں تو زبان کترنے والے بھی تیز مقراضیں لیے سامنے کھڑے ہیں چار طرف سے لعنت کی بوچھار ہوئی جاتی ہی، مسلمانوں کے رُپیے سے مستفید ہونے کا ذریعہ مفقود ہوا جاتا ہے، اور عوام اہلِ اسلام دامِ تزویر میں نہ پھنسیں گے روٹی کیسے چلے وہی مثل صادق ہوئی جاتی ہے کہ "دھوبی کا کتّا گھر کا نہ گھاٹ کا"، ناچار تاویل کے پردے میں قرآن و حدیث کے انکار کی راہ نکالی توحید کی آڑ میں دین و ایمان پر ہاتھ صاف کرنے کی ٹھہرائی۔

پیارے بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ جس زور شور کے ساتھ اس فتنۂ دجّالیہ نے اپنے منحوس اور بدبخت قدم کا پھیرا کیا تھا اسی طرح سچے مذہب کے حافظِ حقیقی اور اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور دیگر مقبولانِ بارگاہ کی عظمت و رفعت بڑھانے والے نے اپنے بعض مخصوصینِ دربار کے ہاتوں میں وہ یداللہی قوّت بخشی جس نے اُس فتنۂ دجّالیہ کی بیخ و بنیاد اُکھیڑ دی اور ہزارہا بندگانِ الٰہی جو جادۂ حق سے سرک گئے تھے طریقِ قدیم سلفِ صالحین پر آ گئے۔ اور صدہا نے اپنے خیالِ باطل سے رجوع کیا۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۱	ادعیہ والعوذات طاعون	مولوی شاہ محمد بدر الدین قادری مجیبی سجادہ نشین پھلواری	سنہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۱ء	شیخ خلیل بن شاہین ظاہری نے اپنی تالیف کتاب الاشارات فی علم العبارات، الباب الثمانون فی رویا رنوادر میں لکھا ہے مطبوعۂ مصر جلد دوم صفحہ ۴۰۱۵۔ مجھے ایک ثقہ نے خبر دیا کہ ایک سال میں شہر بیت المقدس میں داخل ہوا اُن دنوں وہاں طاعون تھا، وہاں طیلونیہ میں بابِ حطّہ کے قریب شیخ ابو بکر حلبی قاطن سے میں نے ملاقات کی، اُن سے میں نے سابق میں حدیث پڑھا

تھا، اس دفعہ ان کے ورد قرآن شریف میں ظہر کی نماز کے بعد اُن کا شریک ہوا۔ جب ورد سے وہ فارغ ہوئے تو ان الفاظ میں اُنھوں نے تین بار دعا کیا اور اُن کے شاگردان دعا میں ساتھ تھے، میں نے اُس دعا کی حقیقت اُن سے پوچھا تو فرمایا کہ حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ماثور ہی۔

تبصرہ و کیفیت عربی داں اہلِ قلم اور خصوصاً وہ اشخاص جن کو زبانِ اُردو کی طرف یک قلم توجہ نہیں، عموماً اسی انداز کی زبان لکھا کرتے ہیں۔ اس نمونے میں تذکیر و تانیث وغیرہ کا اختلاف صوبۂ بہار کی امتیازی نشانی ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۲	شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ	مولوی احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء	اللہ عزّوجل پناہ دے ابلیسِ لعین کے مکائد سے، سخت تاکید یہ ہے کہ آدمی سے حسنات کے دھوکے میں سیّئات کراتا ہے اور شہد کے بہانے زہر پلاتا ہے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ اُس مسکین تینوں تصویراتِ مذکورہ بنانے والے اُن کی زیارت ولمس وتقبیل کرانے والے نے

گمان گیا کہ وہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا حقِ محبت بجا لاتا اور حضور کو راضی کرتا ہے۔ حالاں کہ حقیقۃً وہ اپنی ان حرکاتِ باطلہ سے حضورِ اقدس سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی صریح نافرمانی کر رہا ہے۔ اس پر پہلے ناراض ہونے والے حضورِ والا ہیں، صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ذی روح کی تصویر بنانا بنوانا اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا اور اُس پر سخت سخت وعیدیں ارشاد کیں اور اُن کے دور کرانے مٹانے کا حکم دیا۔ احادیث اس بارے میں حدِّ تواتر پر ہیں۔

رہا نقشۂ روضۂ مبارکہ، اس کے جواز میں اصلاً مجالِ سخن وجائے دم زدن

نہیں۔ جس طرح اُن تصویروں کی حُرمت یقینی ہے یوں ہی اس کا جواز اجماعی ہے۔ شرعِ مطہّر میں ذی روح کی تصویر حرام فرمائی۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۳	دفع زیغ زاغ، لقب تاریخی (رامی زاغیان)	مولوی سلطان الدین سلطنی	۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء	فقیر غلام محی الدین عرف محمد سلطان الدین حنفی قادری برکاتی سلطنی عامله الله بلطفه الخفی الوفی خدمت برادرانِ دین میں عرض رسا، اس زمانۂ فتن و محن میں کہ علم ضائع اور جہل ذائع ہے، بعض شوخ طبیعتیں پیرانہ سالی میں بھی نچلی نہیں بیٹھتیں آئے دن ایک نہ ایک بات ایسی نکالتے رہتے ہیں جن سے مسلمانوں میں اختلاف پڑے، فتنہ

پھیلے اپنا کام بنے، نام چلے۔ جناب گرامی القاب وسیع المناقب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے پہلے مسئلہ امکانِ کذب نکالا کہ معاذ اللہ، اللہ عزّوجل کا سچا ہونا ضرور نہیں، جھوٹا بھی ہو سکتا ہے پھر ابلیسِ لعین کے علم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتایا۔ اُن کے یہ دونوں مسئلے براہینِ قاطعہ کے صفحہ ۳ و صفحہ ۴۷ پر ہیں۔ پھر بحکم آں کہ ع قدمِ عشق پیشتر بہتر۔ ایک مُہری فتوے

میں تصریح کر دی کہ اللہ تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا ماننا فسق بھی نہیں، اگلے امام بھی خدا کو ایسا مانتے ہیں، جو خدا کو بالفعل جھوٹا کہے اُسے گمراہ، فاسق، کچھ نہ کہنا چاہیے، ہاں ایک غلطی ہے جس میں وہ تنہا نہیں بلکہ بہت اماموں کا پیرو ہے، حضرت کا یہ ایمان اُن کے مُہری فتوے میں ہے۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۵	تعلیم التفسیر مجتبیٰ	محمد عبدالرحمٰن مجتبیٰ مظفرپوری، مرسلمی	۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء	امّا بعد عبدِ ضعیف عبدالرحمٰن مجتبیٰ بن منیر الدین حسین بن ریاض الدین حسین پوکھریروی مظفر پوری ترسٹھی اللہ اُس کو اپنا کرے اور اُن دونوں کو اپنی رحمت میں جگہ دے، کہتا ہے کہ برادر عزیز نسبتی منشی احمد اللہ سلّمہٗ اور منشی سبدل مقامی بھیر وتھان ضلع پورنیہ کے اصرار

اور فرزند اکبر محمد ولی الرحمٰن زاید علمہٗ کی تعلیم کے لیے متوکّلاً علیٰ اللہ تفسیروں سے بطور اقتباس کلامِ باری عزّ اسمہٗ کو معنی اور مطالب سے وقتاً فوقتاً لکھتا رہا اور رفاہِ عام کے لیے حامیِ سنّت ماحیِ بدعت عالمِ بے بدل فاضلِ اکمل محبّی مشفقی مولانا قاضی محمد عبدالوحید صاحب حنفی سنّی فردوسی مُدیرِ تحفۂ حنفیہ سلّمہٗ ربّہٗ سے اپنے تحفے میں جگہ

دینے کے لیے درخواست کی، للہ الحمد کہ وہ درخواست سلکِ اجابت میں منسلک ہوئی۔ اس لیے آج تاریخ ۹۔ ماہ ذی القعدہ شب روز جمعہ ۱۳۱۸ھ ہجری قدسی سے اوراقِ منتشر کو یکجا کرنے کی طرف مائل ہوا۔ واللہ کہ اس فقیر کو اپنی ہیچمدانی کا کمال اعتراف ہے۔"

تبصرہ وکیفیت

نمونہ نمبر (۵۰) سے نمونہ (۵۴) تک اُن علما و فضلا کی تحریریں پیش کی گئی ہیں جن کی شرعی علیت و فضیلت شہرت پذیر ہے۔ ان کے سوا اور عربی داں علما و کملا بھی اُن کے معاصر اور اہلِ قلم گزرے ہیں مگر چوں کہ اُن سب کی طرزِ تحریر قریب قریب اسی روش اور انداز پر ہے اس لیے محض طوالت کتاب کے خیال سے اُن سب کا اندراج ضروری نہیں سمجھا گیا ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

نمبر شمار	نام تصنیف	نام مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۵	فلسفۂ اجتماع	مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی	۱۳۳۴ھ ۱۹۱۵ء	"از مقدمہ" مملکتِ فرانس کی کسی عدالت کے سامنے ایک مقدمہ درپیش ہے، جج کے گرد جوری حلقہ کیے ہوئے ہیں، ملزم کی طرف سے پیروکار مشہور و معروف فرینچ بیرسٹر مسٹر مسیو لاشاد ہیں وہ تقریر

شروع کرتا ہے اور ساتھ ہی جج اور ممبرانِ جوری متاثر ہونے لگتے ہیں، لیکن ایک خاص جوری اس عام کیفیت سے مستثنیٰ ہے۔ اسے مقدمے کے واقعات کی رتی رتی اطلاع ہو چکی ہے، وہ دل میں یہ عہد کر کے آیا ہے کہ وکلا و بیرسٹروں کی خطابت اسے کسی طرح شاہراہِ انصاف سے منحرف نہ ہونے دے گی۔ مانا کہ بریت جرم پر تقریر کرنے والا نہایت مشہور سحر بیان بیرسٹر ہے، مگر اس سے کیا ہوتا ہے وہ خود ذاتی طور پر ملزم کے مجرم ہونے کو متحقق کر چکا ہے اور آج وہ ہرگز اپنے حسِ عدل پروری کو وکیلانہ چرب زبانی سے نہ مغلوب ہونے دے گا۔ لاشاد کی تقریر کو شروع ہوئے دس منٹ، پندرہ منٹ، بیس منٹ ہو چکے ہیں، اور تمام سامعین اُس کے زورِ بیان و فصاحت پر مرحبا و آفریں کہ رہے ہیں، لیکن اس جوری کا یقینِ واثق اب بھی بالکل غیر متزلزل ہے۔ ناواقفوں کا فریب میں آجانا ممکن ہے۔ لیکن اُسے ناواقف کون کہہ سکتا ہے؟ وہ ذاتی طور پر اس معاملے کی تحقیق کر کے ملزم کے قصوروار ہونے کے نتیجے پر پہنچ چکا ہے۔ اور اُس کے یقینِ کامل کو دنیا کی کون سی زبان آوری شکست دے سکتی ہے؟ آدھ گھنٹا ہو گیا، پینتیس، چالیس، یہاں تک کہ پورے پینتالیس منٹ گزر گئے اور عہدِ راسخ اب تک خطابیات کی حملہ آوریوں سے غیر مغلوب ہے۔ مسیو لاشاد کا جوشِ تقریر اب اپنے منتہائے شباب پر ہے۔ سامعین میں سے ہر شخص ہمہ تن گوش ہے، اور عدالت کے در و دیوار کے ساتھ حاضرین کے دلوں سے بھی اُس کے موثر الفاظ کی صدائے بازگشت آرہی ہے، کہ بے نشان و گمان دفعتہً وہ اپنی تقریر میں قطعِ کلام کر کے،

حاکم عدالت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "براہِ مہربانی چپراسی کو حکم دیجیے کہ سامنے کے دریچے پر پردہ چھوڑ دے، ادھر سے دھوپ آرہی ہے، جس سے فلاں جوری صاحب کو تکلیف ہو رہی ہے"!

یہ جملہ ایک عملِ تسخیر تھا عہد و پیمان، عزم و ثبات کا قلعہ بات کی بات میں مسخّر ہو گیا، چہرے پر سُرخی کا آنا، لبوں پر خفیف مسکراہٹ کا نمودار ہونا اور زبان کا شکریے کے لیے کھلنا آناً فاناً کا کام تھا، بالآخر چند منٹ کے بعد جب ملزم کی رہائی کا حکم سُنایا گیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا، کہ اُس فرمانِ رہائی پر اُن جوری صاحب کے بھی دستخط تھے۔

نفس بشری کی اثر پذیری و تلوّن کی یہ کیسی روشن مثال ہی!

صفحاتِ بالا میں ناظرین کو متعدد واقعات سے جو تاریخ یا روزانہ زندگی کے مشاہدات سے ماخوذ ہیں روشناس کیا گیا، لیکن کیا ان بظاہر باہم غیر مربوط معلومات کے اندراج سے ناظرین کی محض تفریحِ طبع یا ضیافتِ ذوق منظور تھی؟ نہیں ان کا اصلی مقصد متفرق مادی مثالوں کے ذریعے سے ایک اہم ترین حقیقت نفسیاتی کو ذہن نشین کرانا تھا، جس سے لاعلم رہ کر کوئی شخص انسان کی حیاتِ نفسی کے حقیقی طریقِ کار کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس سے ہماری مراد اس عام عقیدے کی تغلیط سے ہی، کہ انسان کا کیرکٹر یا مزاج شروع سے آخر تک یکساں رہتا ہی۔

بابؒ جماعات کے اجمالی خصائص

جو لوگ اُس عالمگیر ناموسِ طبعی کے اصول و فروع سے واقف ہیں جس کا نام قانونِ ارتقا ہی، انھیں شاید یہ بتانے کی حاجت نہیں کہ اس قانون کی ایک اہم ترین تفریع توارثِ عمرانی کا وجود ہی، میراثِ عمرانی کی اصطلاح اُن تمام چیزوں پر حاوی ہے جو کسی ہیاتِ اجتماعیہ کے افراد اپنے اسلاف سے، کسی حیثیت سے، بطورِ ترکہ یا ورثہ کے پاتے ہیں۔ دولت و جائداد، علوم و فنون، زبان و ادب، اخلاق و آداب، شرع و آئین، معتقدات و تخیّلات، شاعر و افکار، احساسات و جذبات حظوظ و آرام، غرض ہر وہ شے جو کسی حیثیت سے بھی ہیاتِ اجتماعی کے وجود کا رکن یا جزو بن سکتی ہے یا کسی جماعت کے قیام میں کچھ بھی معین ہو سکتی ہے، میراثِ عمرانی کے مفہوم میں داخل ہے۔

تبصرہ و کیفیت

اس نمونے کی طوالت کو بالقصد اس لیے روا رکھا کہ ناظرین ایک انگریزی تعلیم یافتہ اور عربی داں مصنّف کی طرزِ تحریر کا پورا اندازہ کر سکیں، مقدمے اور اصل کتاب کی دونوں عبارتیں اپنی سلاست و پیچیدگی کا بخوبی اظہار کر رہی ہیں۔ اس کی پہلی اور اصلی وجہ تو یہی ہے کہ اُردو زبان میں اسما و اعلام تو عموماً عربی و فارسی کے

بکثرت ہیں، مگر علوم و فنون کی اصطلاحیں اتنی کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں مجبوراً جب یورپی زبانوں سے علوم و فنون کے تراجم اردو میں کیے جائیں گے تو مترجم و مؤلف کو اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ انھیں زبانوں کی اصطلاحیں اردو میں شامل کرے جس سے اردو زیادہ آشنا ہو۔ دوسری وجہ بعض بعض موقعوں پر مترجمین و مؤلفین کی بے پروائی اور سہل انگاری یا جدّتِ طبعی بھی ہو جایا کرتی ہے۔ یہ اختراعاتِ فائقہ اردو زبان کے لیے فی زمانناً مفید نہیں۔

نفسِ بشری کی اثر پذیری اور تلوّن مزاجی کی جتنی مثالیں قابل مصنّف نے لکھی ہیں وہ سب وقوعی اور واقعی ہیں جن پر خود اُن کی ذات شاہد عادل ہے کہ اس تصنیف سے قبل وہ اکثر کی نگاہوں میں فلسفی اور اس کے بعد بعض کے خیالوں میں مُلحد اور اپنے الفاظ میں لاادری تھے مگر آج سب کی اور غالباً خود اپنی نظروں میں والہانہ جذباتِ حقیقی کے پیکرِ مجازی اور تصوّفِ اسلام کے اہلِ صُفّہ بنے ہوئے ہیں۔

موجودہ زمانے کے اردو نویس اہلِ قلم میں فلسفۂ اجتماع کے مؤلف سر برآوردہ اشخاص میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں ان کی تحریروں میں عربی الفاظ کی جتنی ترکیبیں ہوتی ہیں یا وہ الفاظ جن کا استعمال عموماً اردو نویس کم کیا کرتے ہیں اُن الزامات سے بری ہیں جن کو اکثر غیر عربی داں نوجوان محض وقعتِ تحریر بڑھانے کے لیے نافہمی سے لکھ دیا کرتے ہیں۔ اس طبعی کایا پلٹ ہو جانے کے بعد جن کی نگاہیں اخبار "سچ" پر پڑتی رہتی ہیں وہ جانتے ہیں کہ اُن کی دس پندرہ برس پہلے کی زبان کا اب کوئی نمایاں اثر باقی نہیں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۶	سفرنامہ	یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر وزیر اعظم دکن	۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء	نواب صاحب موصوف اسیر زنجیرِ حضرتِ خواجہ (اجمیری) ہیں زندہ دلی پاکیزہ خیالی علمِ مجلس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے حقیقت یہ ہی کہ اُن کی سادہ زندگی اُن پُر اسرار جذبات سے لبریز ہے جن کے لیے طالبانِ حق اپنی عمر کا پورا حصّہ صرف کرنے پر بھی حاصل نہیں کر سکتے" اگر کوئی شے انسانی زندگی کی مشکلات کو جن کا اثر انسان

پر پڑتا ہے آسانی کے ساتھ انسان بنانے کے قابل بناتی ہی تو وہ وہی قابلِ اعتبار جذبات ہیں جن کا تعلق تزکیۂ نفس اور ریاضت سے ہی۔ راحت و اطمینان قلب کی تلاش میں جو شخص جس طرف جاتا ہی اپنی حالت کو قابلِ اطمینان بنانے کی کوشش کرتا ہی۔

فطرتِ انسانی پر ایک باریک نظر سے غور کیا جاے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو ہمہ تن اعتبار ہوتا ہے اور اُس کی بدولت دنیا اُس کو ایک سبز باغ معلوم ہوتی ہے اور ہر چیز سے خواہ وہ خورد سال ہی کیوں نہ ہو اُمید و اطمینان کی جھلکی نظر آتی ہے اسی کا نام بچپن کی بھولی بھالی سادگی ہے اور یہی

وہ چیز ہے جو اس کے ایک سیدھے سادے دل کو زنگِ معصیت سے محفوظ رکھکر معصومیت کا نورانی حلہ پہناتی ہو، لیکن جب وہ وادیِ حیات میں آگے قدم بڑھاتا ہو تو بہت جلد اس راہ کی دشوار گزار صعوبتیں اُس پر ثابت کردیتی ہیں کہ ہر چمکدار شے طلائے خالص نہیں ہے اور نہ ہر سبزۂ خوابیدہ تازگی بخشِ روح ہو، بلکہ اکثر اُس میں سانپ بچھّو انسان کی گھات میں چھپے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں، پس ایسی حالت میں اگرچہ اس وحشت خیز تجربے کا ابتدا میں یہ میلان ہوتا ہے کہ انسان اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگے لیکن اگر اس کا دل قوی اور اس کے جذبات کی رہبری کے لیے صحیح اصولِ تربیت موجود ہوتے ہیں تو اُس کو بہت جلد کھوٹے کھرے میں تمیز ہو جاتی ہو اور معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی زندگی کیا ہے۔ اور کن پُر اسرار جذبات سے اُس کو لبریز ہونا چاہیے۔ کچھ شک نہیں کہ نواب صاحب نے ان اسرار کو سمجھ لیا اور اس مسلک کے سالک بننے کے اہل تسلیم کیے جا چکے۔ نواب صاحب کا دوازدہ سالہ اعتکاف دنیا طلبی کے لیے ریائی نہ تھا بلکہ حقیقی تھا۔ نواب صاحب کی یہ عاقبت اندیشی رشک کے قابل ہے کہ اُنھوں نے حضرتِ خواجہ کے آستانے پر ہی تمام دنیا کی کائنات کو پیشِ نظر رکھ لیا ہے اور ایک جگہ بیٹھکر وہ تجربہ حاصل کیا ہے کہ کسی سیّاح کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایسی خوش گوار زندگی پر مسیح و خضر بھی مرتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو، جلوۂ خواجہ پیشِ نظر جس کے ہوئے ہو رہے۔ جہاں بیٹھے بیٹھے۔ اُن کی یہ آزادانہ روش قابلِ رشک ہے۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۵	علمائے سلف	مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی (نواب صدر یار جنگ)	سنہ ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء	"کتابوں کا لکھنا" چھاپے نے اس زمانے میں کتابوں کا وجود اتنا آسان کر دیا ہے کہ اب اُس وقت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے جو اگلے زمانے میں کتابوں کے بہم پہنچانے میں پیش آتی تھی۔ آج کل عمدہ سے عمدہ کتاب دام خرچ کرنے سے بلا دشواری مل سکتی ہے۔ لیکن پہلے یہ بات کہاں تھی۔ جو بھاری

کام اب سیسے اور پتھر نے اُٹھا لیا ہے وہ اُس وقت کے طلبہ کو خود کرنا پڑتا تھا، یعنی وہ اپنے واسطے کتابیں خود لکھتے تھے گویا چلنے کے واسطے اُن کو سڑک بھی خود بنانا پڑتی تھی۔ شقائقِ نعمانیہ میں لکھا ہے کہ ابتدائً جب علاّمہ تفتازانی کی تصانیف روم میں پہنچیں اور درس میں مقبول ہوئیں تو اُن کے نسخے دام خرچ کرنے پر بھی نہیں ملتے تھے۔ مجبوراً علامہ شمس الدین کو علاوہ جمعے اور سہ شنبے کی معمولی تعطیلوں کے دوشنبے کی تعطیل مدارس میں اور مقرر کرنا پڑی۔ پس ہفتے میں تین دن طلبہ کتابیں لکھتے تھے اور چار دن پڑھتے تھے۔ کثرتِ مشق اور رات دن کے لکھنے نے اگلے لوگوں کو تحریر پر

ایسا قادر کر دیا تھا کہ اب اُن کی حکایتیں مشکل سے باور ہوتی ہیں۔ حافظ ابن فرات بغدادی نے جب وفات پائی تو کتابوں کے اٹھارہ صندوق چھوڑے، جن کتابوں سے اٹھارہ صندوق بھر گئے تھے اُن میں اکثر خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ خوبیِ تحریر کی سند اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتی ہے کہ محدثین کے نزدیک اُن کی لکھی ہوئی کتابیں صحتِ نقل اور جودتِ ضبط میں حجت اور سند خیال کی جاتی تھیں۔ سبط ابنِ جوزی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا (شیخ ابن جوزی) کو ایک بار سرِ منبر یہ کہتے سنا کہ "میں نے اپنی ان اُنگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ جس شیخ وقت نے ڈھائی سو کتابیں تصنیف کی ہوں اُس کا دو ہزار جلدیں لکھ لینا ناممکن نہیں، جن قلموں سے اُنھوں نے حدیث شریف کی کتابیں لکھیں تھیں اُن کا تراشہ جمع کرتے گئے تھے جب وفات پانے لگے تو وصیت کی کہ غسل کا پانی اُسی تراشے سے گرم کیا جائے چناں چہ اُن کے غسل کا پانی اُسی پاک ایندھن سے گرم ہوا۔

حضرت یحییٰ بن معین نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھیں ہیں۔ امام ابو اُسامہ کوفی نے ایک سو دس برس کی عمر میں وفات پائی تاہم سلسلۂ تحریر آخر عمر تک قائم رہا اُن کے بیٹے نے بیان کیا ہے کہ میرے والد نے جب اشعارِ عرب مدوّن کیے تو کچھ اوپر اسی قبائل کا کلام تھا۔ ایک قبیلے کا کلام شائع کر چکتے تو اُس کے شکرانے میں ایک نسخہ کلام اللہ کا لکھ کر مسجد میں پہنچا دیتے۔ اسی طرح اسی سے زیادہ نسخے کلامِ پاک کے اُنھوں نے لکھکر وقف کر دیے۔

نمونۂ عبارت	سالِ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر شمار
"وفاءِ عہد" عہد و پیمان کی پابندی کو اہلِ عرب فرض سمجھتے تھے، اور جان و مال اور اولاد سب کو اس پر قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ہانی بن مسعود نے نعمان	۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء	مولوی حافظ محمد اسلم جیراجپوری	تاریخ الامت	نمبر ۵۰

بن منذر کے مال و اولاد کو جو اُس کی امانت میں تھے باوجود کسریٰ کے حکم کے دینے سے انکار کر دیا اور بلا اندیشۂ انجام دولتِ ایران سے جو اُس وقت دنیا کی سب سے زبردست سلطنت تھی لڑائی مول لی۔ سموال بن عادیا بھی وفاءِ عہد میں ضرب المثل ہے۔ اُس کا واقعہ یہ ہے کہ عرب کے مشہور شاعر امرءُ القیس نے اپنی تلواریں اور زرہیں امانتاً اُس کے پاس رکھوا دی تھیں۔ حارث غسانی نے سموال سے اُن کو طلب کیا اُس نے امانت داری کے خلاف سمجھکر دینے سے انکار کیا۔ آخر حارث ایک جرّار لشکر لیکر چڑھ آیا۔ سموال میں مقابلے کی طاقت نہ تھی اس لیے وہ اپنے قلعے میں محصور ہو گیا۔ دورانِ محاصرہ میں حارث نے اتفاقاً اُس کے بیٹے کو قلعے کے باہر پکڑ لیا۔ سموال کو پکارا وہ برج پر آیا، اُس سے کہا کہ اگر تم امرء القیس کی امانت میرے حوالے کر دو

تو میں تمھارے بیٹے کو چھوڑ دوں ورنہ قتل کر دوں گا۔ اُس نے بیٹے کا قتل ہو جانا گوارا کیا لیکن بد عہدی نہیں جائز رکھی۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۵۹	امرائے ہنود، سلطنتِ مغلیہ	منشی سعید احمد مارہروی	۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء	مذہبِ ہنود کی نسبت مسلمان بزرگوں کی رائیں اس مقام پر یہ دکھانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہی کہ ہمارے پیشوایانِ دین اور حاملانِ شرعِ متین اور فاضل مورّخین جن کا اقتدار اُس زمانے

میں نہ صرف عام رعایا بلکہ بادشاہوں اور امیروں پر بھی بے حد تھا، ہندوؤں اور اُن کے مذہب کی نسبت کس قسم کے بے تعصبانہ خیالات رکھتے تھے۔ حضرت میرزا جانِ جانانِ مظہر علیہ الرّحمۃ جو سلوک اور تصوّف میں بہت بڑے پائے کے شخص گزرے ہیں یہاں تک کہ قاضی ثناء اللہ صاحب کو آپ کی کفش برداری پر ناز تھا، اُن سے کسی نے دریافت کیا کہ ہندو مذہب کی نسبت ہم کو کیا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ آپ نے مفصّل خط میں اس کا جواب لکھا۔ یہ خط اُن کے مکاتیب کے مجموعے میں شایع ہو چکا ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ مع اصل متن کے شمس العلما مولانا شبلی صاحب نعمانی

نے شائع فرمایا ہی۔ بوجہ طوالت اصل متن کو چھوڑ کر اُردو ترجمہ درج کیا جاتا ہی:-

"آپ نے دریافت کیا تھا کہ کیا کفّارِ ہند کا مذہب بھی مشرکینِ عرب کی طرح کوئی اصل نہیں رکھتا ہی۔ یا اُس کی کوئی اصل ہی۔ اور دیگر ادیان کی طرح منسوخ ہوگیا ہے۔ اور ان کے اسلاف کی نسبت کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے، اس لیے ایک مختصر بیان بطورِ تحقیق و انصاف لکھا جاتا ہے۔ جس قدر اہلِ ہند کی پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہی وہ یہ ہی کہ رحمتِ الٰہی نے انسان کی ابتدائی پیدائش کے زمانے میں اُن کے معاد اور معاش کی درستی کی غرض سے ایک کتاب بید جس کے چار دفتر ہیں اور جو تمام امر و نہی اور واقعاتِ گزشتہ اور آیندہ کا مجموعہ ہے۔ ایک فرشتہ برہما کے ذریعے سے جو ایجادِ عالم کا واسطہ ہی نازل کی۔ اُس زمانے کے علمائے مجتہدین نے اس کتاب سے چھ مذہب استنباط کر کے عقائد کی بنیاد اُن پر قایم کی۔ اس فن کو دھرم شاستر کہتے ہیں۔ جس سے علمِ کلام مراد ہے اسی طرح چار قومیں قرار دیں۔ اور چار طریقے اُس کتاب سے مستنبط کر کے ہر طریق کے لیے ایک مسلکِ خاص مقرر کیا۔ اور تمام اعمال اور افعال کی بنیاد انھیں طریقوں پر قائم کی۔ اس فن کو کرم شاستر کہتے ہیں جس سے علمِ فقہ مراد ہے۔ چوں کہ یہ لوگ احکام میں نسخ و تبدیل کے قائل نہیں ہیں اور عقل اس کو تجویز کرتی ہے کہ ہر زمانے میں انسانی طبائع کے لحاظ سے اعمال و احکام میں تغیّر و تبدّل ہو۔ اس لیے انھوں نے زمانے کی چار تقسیمیں کیں، اور ہر ایک کا نام جگ مقرر کر کے ہر ایک کے لیے اُس

کتاب سے ایک دستور العمل مرتّب کیا۔ اس کے بعد متاخّرین نے جو کچھ تصرّف کیا وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

الحاصل اُن کے اصولِ مذہب میں ایک ایسا نظم و نسق پایا جاتا ہی جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ یہ دین بھی مرتّب لیکن منسوخ شدہ ہی اور جبکہ ہماری شریعت اکثر انبیا کے حال سے ساکت ہے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے حق میں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ نہ ہم کو ان کے مقلّدین کے کفر و الحاد پر ایمان واجب ہے نہ اُن کی نجات پر اعتقاد فرض ہی۔ لیکن اگر تعصّب نہ ہو تو احتمالِ حُسنِ ظن موجود اور متحقق ہی۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۰	وضعِ اصطلاحات	مولوی سید وحید الدین سلیم پانی پتی	۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء	واضح ہو کہ علماے السنہ نے جنھوں نے دنیا کی زبانوں کا مطالعہ نہایت غور و فکر سے کیا ہی اس بات کا سراغ لگایا ہے کہ کون سی زبانیں اپنی خاص بناوٹ اور قواعدِ ترکیب اور الفاظ کی مشابہت کے لحاظ سے ایک سلسلے میں رکھی جا سکتی ہیں اور کون سی زبانیں جدا

گانہ بناوٹ اور قواعدِ اشتقاق اور الفاظ کی مشابہت کے لحاظ سے دوسرے

سلسلے میں مسلسل ہو سکتی ہیں۔ پھر ایسے ہر سلسلے کو جس کے ماتحت کئی زبانیں ہوں ایک خاندان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ان خاندانوں میں سے تین بڑے خاندان بہت مشہور ہیں جو حسب ذیل ہیں :۔

(۱) آریائی (۲) سامی (۳) تورانی۔ ان میں سے پہلا خاندان نہایت اہم ہے۔ اس کو انڈو یورپین، انڈو جرمینک اور انڈو کلٹک بھی کہتے ہیں۔ علمائے السنہ نے اس خاندان کو دو بڑے ڈویژنوں یا جماعتوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ایک جماعت مشرقی اور دوسری مغربی کہلاتی ہے۔ پھر ہر جماعت کئی سب فیملی یعنی چھوٹے خاندانوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پھر ہر چھوٹا خاندان متعدد برانچوں یعنی شعبوں میں اور ہر شعبہ متعدد گروپوں یعنی مجموعوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ان میں سے ہر مجموعہ کئی زبانوں پر مشتمل ہے۔ مشرقی جماعت میں چار چھوٹے خاندان حسب ذیل ہیں :۔

(۱) انڈو ایرانین (۲) اناٹولک (۳) تھریسو الیرین (۴) بالٹو سلیوک۔

ان میں سے پہلا چھوٹا خاندان دو شعبوں انڈک اور ایرانین میں منقسم ہوتا ہے، پھر شعبۂ انڈک میں دو بڑے مجموعے سنسکرتک اور نان سنسکرتک بتائے گئے ہیں، سنسکرت مجموعے میں جو زبانیں شامل ہیں اُن میں سے چند زبانیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) سنسکرت (۲) پالی (۳) پراکرت (۴) مہاراشٹری (۵) ماگدھی (۶) سورسینی (۷) کشمیری (۸) کوہستانی (۹) پنجابی (۱۰) ملتانی (۱۱) سندھی (۱۲) مرہٹی (۱۳) اُڑیا (۱۴) بہاری (۱۵) بنگالی (۱۶) آسامی (۱۷) ہندی بھاشا (۱۸) اُردو

(۱۹) راجستانی (۲۰) گجراتی (۲۱) نیپالی (۲۲) سنگھالی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان اُن زبانوں میں داخل ہے جو سنسکرت سے مشتق ہوئی ہیں۔

نمبر سلسلہ	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
۹۱	انتخاب زرّیں (تذکرہ)	سید راس مسعود (نواب مسعود جنگ)	۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء	کسی قوم کی تہذیب و تمدّن کے اندازہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُس کے سرمایۂ نظم کا مطالعہ کیا جائے، چند سالہائے گزشتہ سے میں یہ ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ ایک ایسا انتخاب شائع کروں جس پر ایک نظر ڈالنے سے میرے ہم وطن

دوستوں کو اُردو نظم کے بہترین حصّے کا لطف حاصل ہو جائے۔ میں اس موقع پر اس بات کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مجموعہ بالخصوص اُن اصحاب کے لیے مرتّب کیا گیا ہے جو میری طرح، اس نئی روح پر جو ہماری شاعری میں پھونکی جا رہی ہے نگاہ رکھتے ہیں، اور قدیم طرز کے خیالات کے شیدائی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی مشہور غزلوں کو جن میں وہ خیالی مضامین نظم کیے گئے ہیں جو ایک زمانے میں ہماری پرانی شاعری کی جان سمجھے جاتے تھے (لیکن افسوس! کہ موجودہ زمانے میں اُن کا ہمارے جذبات پر کچھ اثر نہیں ہوتا) اس تذکرے میں جگہ نہیں دی گئی ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۶۲	جاپان اور اُس کا تعلیمی نظم و نسق مؤلفہ سید راس مسعود	مترجم مولوی محمد عنایت اللہ بی اے ناظم شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ	۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء	"جاپانی زبان" مغربی ترقّی کے راز کو لوگوں پر جلد افشا کرنے کی آرزو میں جن سخت دشواریوں کا سامنا جاپان کو ہوا اُس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہو کہ جاپانی زبان کی بعض خصوصیات کو حتّی الامکان صاف طور پر بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس خصوص میں سب سے پہلی بات جو اکثر غیر ملک والوں کو موجب حیرت ہوتی ہو وہ یہ ہی

کہ باوجود ایک ظاہری مشابہت کے جو چینی اور جاپانی طرزِ تحریر میں پائی جاتی ہے چینی زبان جاپانی زبان سے بالکل مختلف ہے۔ چینی زبان یک مقطعی ہو (یعنی اس کے ہر لفظ میں صرف ایک حرکت ہوتی ہے) اور جاپانی زبان کثیر المقاطع ہو (یعنی اُس کے ہر لفظ میں ایک سے زیادہ حرکتیں ہوتی ہیں) اور ان دونوں زبانوں کی نحو میں بھی متعدد اختلافات ہیں۔

اصل واقعہ یہ معلوم ہوتا ہی کہ چینی تمدّن کو اختیار کرنے کے بعد جاپانیوں نے چینیوں کے ایڈیوگرافوں یعنی "علاماتِ تصوّری" کو (جن میں ہر علامت ایک پورے خیال کو تعبیر کرتی ہی) تین طریقوں سے استعمال کرنا شروع کردیا۔ ایک طریقۂ استعمال تو وہ تھا جس کو صوتی کہتے ہیں یعنی جاپانی الفاظ کی آواز کو لکھنے کے لیے چینی ایڈیوگراف (علاماتِ تصوّری) بلا لحاظ اُن کے معنوں کے استعمال میں لائے گئے، چناں چہ اسی شکل میں جاپانیوں کے بعض بالکل ابتدائی زمانے کے گیت اب تک محفوظ چلے آتے ہیں۔ دوسرا طریقۂ استعمال یہ تھا کہ ان چینی ایڈیو گرافوں (علاماتِ تصوری) کو ان ہی معنوں میں جو چینی زبان میں وہ رکھتے تھے استعمال کیا گیا۔ لیکن ان علامتوں کا تلفّظ وہ کیا جو جاپانی زبان میں اُن کے ہم معنی الفاظ کا تلفّظ تھا۔ تیسرا طریقۂ استعمال یہ تھا کہ چینی ایڈیوگرافوں (علاماتِ تصوّری) کو بطور ایسے چینی الفاظ کے استعمال کیا جو جاپانی زبان میں اختیار کرلیے گئے تھے۔

ان تینوں استعمالوں کو زیادہ صاف طور پر بیان کرنے کے لیے میں ہر ایک کی مثال جُدا جُدا پیش کرتا ہوں۔ فرض کیجیے کہ ہند میں ہم لوگوں نے اپنی زبان کو لکھنے کا کوئی طریقہ ایجاد نہیں کیا ہی بلکہ جس طرح جاپانیوں نے چینیوں کے ایڈیوگراف (علاماتِ تصوری) اختیار کرلیے ہیں، ہم انگریزی ہندسوں میں جو در اصل ایڈیو گراف (علاماتِ تصوّری) ہیں، اپنی زبان لکھتے ہیں۔ اب ہم انگریزی ہندسوں کا

صوتی استعمال اُردو لفظ ٹوٹن کے لکھنے کے لیے کریں گے تو ہم اُس کو ۲، ۰/ لکھ دیں گے۔ یہ مثال اُس صوتی استعمال کی ہوئی جو چینی ایڈیوگرافوں (علاماتِ تصوّری) کا جاپان نے شروع کیا تھا۔ دوسرے طریقۂ استعمال کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ ہم نے پھر ان ہی ہندسوں یعنی ۲، ۰/ کو لکھا مگر اس کا تلفظ "دو دس" کیا۔ تیسرا طریقۂ استعمال جس میں جاپانیوں نے چینیوں کے ایڈیوگراف (علاماتِ تصوّری) استعمال کیے ایسا ہی ہے جیسے کہ ہم انگریزی لفظ پنسل استعمال کرتے ہیں جس کو ہم نے اُردو زبان میں اختیار کر لیا ہے۔

شمار	تصنیف	مصنّف	سنۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۶۳	گلزارِ نونہال (تعلیم اطفال بطریق کنڈر گارٹن)	لالہ خزان چند چاولہ بی اے ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع لائل پور	۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۶ء	کِنڈر گارٹن جرمنی زبان کا ایک لفظ ہے، جس کے معنی "گلزارِ نونہال" ہیں، (کنڈر بمعنی بچے گارٹن بمعنی باغ) فروبل صاحب کے خیالات کے مطابق کنڈر گارٹن کی طرز کا اسکول ایک باغیچہ ہے۔ بچے پودے اور مدرّس کی مثال باغبان کی سی ہے۔ بچوں کی جسمانی، عقلی و اخلاقی تعلیم کا یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ ان میں صرف علم یا واقفیت کا ذخیرہ پر نہیں کیا جاتا بلکہ ایسے

طور پر سیدھے سادے کھلونوں کے ذریعے سے اُن کی تربیت کی جاتی ہے کہ اُن کو علم حاصل کرنے کا اصلی طریقہ بھی آجاتا ہے اور اُن کے قوائے ذہنی و جسمانی کو بھی معمول سے زیادہ تقویت ہوتی ہے۔ چناں چہ وہ اپنے حواسِ خمسہ کو استعمال کر کے مشاہدے اور تجربے سے ہر ایک چیز کی نسبت جو اُن کے سامنے آئے پوری واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی نئی چیز (چھتری وغیرہ) کسی عام طالب علم کے سامنے پیش کی جائے تو وہ اُس کی بیرونی شکل دیکھ کر خوش ہوگا، اور شاید کہے "آہا! بڑی خوبصورت بنی ہوئی ہے۔ لیکن اگر وہی چیز کسی ایسے لڑکے کے ہاتھ میں دی جائے جس کی اس طریقے پر تربیت کی گئی ہے تو اُس کی بیرونی شکل دیکھنے اور اُس کی خوبصورتی کی تعریف کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرے گا، بلکہ اُس کے ہر ایک حصّے، جوڑ پُرزے وغیرہ کو بغور دیکھے بھالے گا اور اُس کے دل میں اس قسم کے سوالات پیدا ہوں گے کہ یہ پُرزا یہاں کیوں لگا ہوا ہے؟ فلاں جوڑ کا کیا فائدہ ہے؟ پھر اُن کے جوابات خود بخود سوچنے کی کوشش کرے گا اور جب تک کسی امر میں اُس کی پوری تسلّی نہیں ہوگی اوروں سے پوچھ کر اپنی تشفّی کرے گا۔

تبصرہ و کیفیت

کاروباری زندگی میں تعلیم کا معیار زیادہ تر معلوماتِ عامّہ پر رکھا گیا ہے۔ مختلف طریقوں سے کوشش کی جاتی ہے کہ جس قدر کم وقت اور آسان صورتوں سے ممکن ہو ذرائعِ تعلیم بہم پہنچائے جائیں، اسی سلسلے میں یہ شعبہ نو ایجاد بھی ہے۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنِ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۲۴	سعادت الکونین فی فضائل الحسنین	مولوی حافظ محمد رحیم بخش دہلوی	۱۳۱۱ھ ۱۸۹۴ء	بہرصورت آپ (امام حسین) نے مُسلم بن عقیل کو بھیجنے پر مجبور کیا، اور فرمایا، وہاں جاکر ایک گوشے میں بیٹھنا اور بشرطاس کے کہ کوئی تمھاری اطاعت کرے مجھے طلب کرنا تاکہ میں بھی پہنچوں پس مُسلم کوفے میں پُہنچے اور ایک محفوظ گوشے میں بیٹھے اور تمام کوفے میں یہ خبر پھیل گئی کہ امام حسین نے پہلے ان صاحب کو اپنی بیعت کے

لیے بھیجا ہے اور پیچھے پیچھے وہ بھی تشریف لاتے ہیں تو اُس وقت ایک کثیر جماعت اور جمّ غفیر مُسلم کی طرف متوجہ ہوئی اور بارہ ۱۲ ہزار آدمیوں سے زیادہ نے حضرت مُسلم سے بیعت کی۔ تو حضرت مسلم نے امام حسینؑ کو اپنا اور کوفے کے بڑے بڑے سرداروں کا خط بایں مضمون روانہ کیا کہ تمام اہلِ کوفہ میرے یہاں آنے سے بہت خوش اور آپ کے دیدار کے منتظر ہیں ...... جب یہ خط امام حسینؑ کے پاس پُہنچا آپ نے بے حد خوشی کے ساتھ کوچ کا جازم ارادہ کیا اور حضرت مُسلم کو لکھ بھیجا کہ تم مطمئن رہو میں بہت جلد آتا ہوں .....

امام حسین نے عمرو بن سعد کو اس مضمون کا خط لکھا کہ تو تین کاموں میں سے ایک کام کر، یا تو مجھے حجاز میں جانے کی اجازت دے، یا مجھے یزید کے پاس بھیج دے اور اگر ان دونوں باتوں کو جائز نہیں رکھتا ہی تو ہمیں ترکستان میں جانے کی اجازت دے.... عمرو بن سعد نے یہ پیغام عبید اللہ بن زیاد کو لکھ بھیجا مگر مایۂ فساد شمر نے کہا کہ اے عبید اللہ جب تک وہ تیرے حکم پر راضی نہ ہو اور تیری مرضی کا تابع نہ ہو اُسے یزید کے پاس نہ بھیج، بعدہٗ عبید اللہ بن زیاد نے عمرو بن سعد کو لکھ بھیجا کہ اگر امام بیعت قبول کریں بہتر ورنہ جلد قتل کر ڈال، چناں چہ عمرو بن سعد نے جواب مذکور حضرت امام حسین کے پاس بھیج دیا کہ جب تک آپ ابن زیاد کی اطاعت بجا نہ لائیں گے یزید کے پاس نہ جا سکیں گے۔

یزید کا نامہ پہنچتے ہی اُس (ابن زیاد) نے جواب صاف لکھ بھیجا کہ دو چیزیں مجھ سے نہیں ہو سکیں گی اوّل پیغمبر کے فرزندِ ارجمند کو قتل کر ڈالنا، دوسرے خانۂ خدا کو ویران اور خراب کرنا، اور بظاہر بیماری کا بہانہ اور حیلہ کر دیا، یزید یہ سُن کر خاموش ہو رہا۔

تبصرہ و کیفیت دراصل یہ کتاب فارسی میں مفتی اکرام الدین نبیرۂ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مؤلفہ ہی، جس کا سنۂ تالیف ۱۲۲۴ھ ہجری ہے۔ مؤلف کی ولادت ۱۱۹۱ھ ہجری اور وفات ۱۲۶۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ یہ اردو ترجمہ دومرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ عبارت مندرجہ کا انتخاب دو مقامات سے کیا گیا ہے، اول شہادت امام حسین، دوم واقعات عبد اللہ ابن زبیر۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۹۵	محرّم نامہ	خواجہ حسن نظامی دہلوی	۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء	آخر یہ مشورہ قرار پایا کہ حضرت امام کے بھائی حضرت مُسلم ابن عقیل خفیہ طریقے سے جائیں اور کوفے کی حالت دیکھیں..... حضرت مُسلم دو آدمیوں کو لے کر چُپ چاپ کوفے تشریف لے گئے اور پوشیدہ طور سے ایک محبِّ آلِ رسول کے

گھر میں اُترے۔ خاندانِ رسالت کے دوستوں کو خبر ہوئی تو جوق جوق حضرتِ مسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ پہلے ہی دن بارہ[12] ہزار آدمیوں نے بیعت کی، اہلِ کوفہ کی محبّت اور جوش و خروش دیکھکر حضرتِ مُسلم نے اُسی روز ایک خط حضرت امام کو لکھا جس میں ساری کیفیت کوفیوں کی بیان کی اور تحریر کیا کہ بارہ[12] ہزار نے تو آج میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے.... آپ پس و پیش نہ فرمائیے اور فوراً تشریف لائیے، حضرت امام خط کو دیکھکر خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم چلو میں بھی آتا ہوں۔

حضرت امام نے (عمر و سعد سے) فرمایا، میں تین باتیں چاہتا ہوں۔ اوّل تو یہ کہ مکّے چلا جاؤں۔ اور وہاں گوشے میں بیٹھکر یادِ خدا کروں۔ دوسرے کسی اور ملک میں جا کر جہاد کروں اور وہیں کی بود و باش اختیار کروں، تیسری بات یہ

ہے کہ راستہ چھوڑ دو میں خود دمشق میں یزید کے پاس چلا جاؤں۔ عمر وسعد نے کہا، بہت اچھا میں اس کی اطلاع ابنِ زیاد کو دیتا ہوں۔ اُس کی اجازت آنے پر فیصلہ ہو جائے گا، عمر وسعد نے ابنِ زیاد کو یہ ساری کیفیت لکھی ابن زیاد نے جواب دیا پہلے حسینؑ کو میرے پاس آنا چاہیے اوّل میری بیعت کریں اُس کے بعد یزید کے پاس میرے ذریعے سے بھیجے جائیں گے۔

ابن زیاد نے یہ حکم (یزید کا) پڑھکر اپنی مجلس کے حاضرین سے کہا کہ مجھ سے دُو دُو کام نہ ہوں گے کہ پیغمبر خدا صلعم کے فرزندوں کو بھی قتل کروں اور خانۂ خدا کے ویران و تباہ کرنے میں بھی حصّہ لوں۔ لہٰذا میں ہرگز مکّے کے حملے میں حصّہ نہ لوں گا اور یزید کے اس تازہ حکم کی تعمیل نہ کروں گا، چناں چہ ابنِ زیاد نے ایسا ہی کیا اور یزید کو جواب لکھ بھیجا کہ میں بہت بیمار ہوں، سفر کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
۲۰۲	کلیسا اور کلیسا	خواجہ حسن نظامی دہلوی	۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء	(انتساب) "من موہنی کے نام" حبیبِ صادق حاجی محمد حسین ساکن پریم دروازہ احمد آباد کے نام کو مختصر کر کے دل میں بُلایا تو

اوّل و آخر کے دو حرف (م ۔ ن) مَن کی صورت میں اندر آئے۔ سنسکرت کا فلسفہ مَن کے عرفان کی خاطر صدیوں سے وجد میں مصروف تھا۔ فارسی فلسفہ بھی من و تو کے خلجان سے گھبرا کر حرفِ مَن ہی کو باقی رکھنا چاہتا تھا، قرآن نے بھی مرضی و منشا کے اختیارات کی تشریح میں لفظِ مَن یہ کہکر استعمال کیا تھا۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ جس کو چاہتا ہی عزّت دیتا ہی اور جس کو چاہتا ہی ذلّت دیتا ہے۔ محمد حسین، من مورت بن کر میرے من میں آیا تو میں نے اُس کے ایک چٹکی لی اور گُدگُدایا جب وہ اُف کہکر ہنسا تو اپنے سوا کوئی غیر نظر نہ آیا۔ اُس وقت یہ عقل آئی کہ وہ غیر نظر آنے والا جب من بنا تو میری ہی مورت اور میری ہی صورت تھی۔ اس واسطے اس کتاب کو جو میرے من سے نکلی تھی، تن من اور دھن قربان کر کے اُس کے حوالے کر دیا

نئی دل لگی

یہ کتاب جس کا نام چٹکیاں اور گدگدیاں ہی، نئی اُردو کے نئے لطیفوں کا مجموعہ ہی۔ ظرافت ہر بڑی اور مشہور زبان کا لازمی اور ضروری حصّہ ہی۔ قوموں کی زندگی زبان سے ہوتی ہے اور زبان کی زندگی میں جہاں علوم و فنون کا بڑا حصّہ مددگار ہوتا ہے وہاں بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی بھی اُس کی جان سمجھی جاتی ہی۔ اسلام نے ایسی ظرافت کی اجازت دی ہے جس میں جھوٹ اور فحش و بے شرمی کی باتیں نہ ہوں کسی خاص شخص کی دل آزاری نہ ہوتی ہو۔ رسولِ خدا صلعم کی مبارک زندگی میں اس قسم

جائز ظرافت کی بہت مثالیں پائی جاتی ہیں۔

تبصرہ و کیفیت

بیسویں صدی عیسوی کے اہلِ قلم میں خواجہ حسن نظامی صاحب کا خامۂ رواں

جس جولانی اور وقت شناسی کے ساتھ میدانِ تالیف و تصنیف طے کر رہا ہی، اہلِ

نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اگر یہاں اُن کے قلم و تصانیف کی فہرست ہی لکھی جائے

تو بلا مبالغہ نصف جزو بلکہ اس سے زاید کاغذ صرف ہو گا۔ کوئی اخبار، کوئی رسالہ

کوئی فہرست اور کوئی بک ایجنسی اُن کے ناموں اور کارناموں سے تہی دست نہیں

اسی کے ساتھ خواجہ صاحب کی طرزِ نگارش دوسرے روسائے تحریر کی طرح

نوشتۂ موسیٰ نہیں، جس کا پڑھنے اور سمجھنے والا خدا کے سوا بندگانِ خدا میں

کوئی نہ ہو۔ با ایں ہمہ، باوجود عام کثرتِ اشاعت کے اُن کی تمام مصنفات کو

طبقاتِ خاص کے کتاب خانوں میں کم دیکھا جاتا ہے۔ آسان اور سلیس اندازِ تحریر

کی یہ شان قابلِ تعریف نہیں کہ لفظی سادگی کی پرواز کے ساتھ معنوی روح

بھی ہوا ہو جائے۔ خواجہ صاحب کا یہ قول سچ ہی کہ "آیندہ زمانے میں اردو علم

ادب میری ہی تحریر کی روش پر قایم کیا جائے گا اور تمھارا انبارِ تاریخی سسک

سسک کر دم دے دے گا۔" (یزیدنامہ صـ۱۱) معمولی تامل و غور سے اس کی صداقت

یوں ثابت ہو سکتی ہی کہ مستقبل میں اُردو پڑھنے والے ایسے انگریزی داں رہ جائیں گے

جن کی اُردو دانی عوام الناس کے افہام و تفہیم کی خاطر معمولی بات چیت سے آگے نہ بڑھے گی۔ غالباً اسی یقین کا اثر ہے کہ خواجہ صاحب نے اس پردہ دری کے باوجود کہ "۱۹۱۱ء میں جب میں نے (خواجہ صاحب نے) مصر کا سفر کیا تو وہاں کے مشہور مورخ، ناول نویس اور نامور مصنّف جرجی زیدان سے بھی ملاقات ہوئی اُس نے مجھ سے علاّمہ شبلی کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ اُنھوں نے میری اکثر تصنیفات کا چربہ اپنی کتابوں میں جوں کا توں اُتار لیا ہے اور ہندوستان میں اُس کو اپنی معلومات کی شان سے پیش کیا ہے۔" (یزید نامہ صہ ۱۲) اپنی کتاب یزید نامے میں کہیں اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ ہماری ان کتابوں میں (محرم نامہ و یزید نامہ) ایک ایسی کتاب سے جوں کا توں چربہ اُتارا گیا ہے جو اُردو زبان ہی میں ان تالیفات سے چند سال پیشتر دہلی ہی سے شائع ہو چکی ہے۔ ایسی اطلاع نہ کرنے کی وجہ اس کے سوا کوئی سمجھ میں نہیں آتی کہ موجودہ عہد میں وہ آنے والا اثر پھیل رہا ہے جس کا اشارہ سطور بالا میں کیا گیا ہے۔

ہم نے اسی لیے دونوں تالیفوں کے نمونے ایک ساتھ درج کر دیئے ہیں کہ دیکھنے والے نمونہ نمبر (۶۳ و ۶۴) کو پڑھ کر بآسانی اندازہ کر سکیں کہ ایک ہی مضمون اور ایک ہی واقعۂ تاریخی کو کس نے پہلے لکھا اور کس نے بعد کو۔ اور یہ کہ متاخر کو اپنے متقدم کی تحریر سے کس قدر فائدہ اُٹھانے کا موقع ملا ہے اور اُس نے کس انداز سے اُس میں ترمیم و اضافہ کیا ہے۔ مضائقہ نہ ہوتا اگر اپنے ماخذ متقدم

سے ناظرین کو آگاہ کر دیا جاتا۔ خصوصاً اُس تالیف میں جہاں کہ خود اسی معاملے میں دوسروں کی پردہ دری کی جا رہی ہو۔

یہ تبصرہ و کیفیت محترم نامہ و یزید نامہ نمبر (۶۳) کے متعلق ہے۔ اب نمبر (۶۵) کے باب میں اس بات کی تائید کرتے ہوئے کہ "ظرافت ہر بڑی اور مشہور زبان کا لازمی اور ضروری حصہ ہے" اتنی بات اور عرض کرنی ہے کہ جو عنوانات اور جس قسم کے لطائف و ظرافت ان چُٹکیوں اور گُدگدیوں میں مندرج ہوئے ہیں وہ ادبِ لطیف کی جگہ تمسخرِ سخیف سے معنون ہو سکتے ہیں من کہ ایک دھوبی کو اگر کاغذی گھاٹ پر دیکھا جائے تو غریب اُردو نہ گھر کی نظر آتی ہے نہ گھاٹ کی۔ اسی کتاب میں فرضی اور تخیلی چُٹکیوں اور گُدگدیوں کے جو عنوانات لکھے ہیں وہ عامیانہ اور غیر دلچسپ مذاق کا ثبوت دیتے ہیں مثلاً۔

فرام بکری۔ جادم کی زر خواست۔ عید کی چھینک۔ مرچ نامہ۔ پلّے کوں کوں کرتے تھے۔ آل گچھری۔ مس چڑیا کی کہانی۔ طائر ہوائی کی بیٹ۔ آبان۔ دردِ مہ۔ لال ہلا۔ لطیفِ اخبار۔ زوجۂ الاؤنس۔ اپ ریل۔ بنتِ چھپکلی۔ یہ گھر میرا ابا چرٹے کا۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ تاریخی نقطۂ نگاہ سے تنہا خواجہ صاحب نے جس قدر اُردو کی اشاعت کے لیے اپنے قلمی کارنامے فراہم کر دیئے اور کرتے جا رہے ہیں وہ کسی کمیٹی اور کسی ادارے کی مجموعی کوششوں سے بھی نظر نہیں آتے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۹۶	الہام اور وحی	مرزا حیرت دہلوی	۱۳۲۳ھ سنہ ۱۹۰۵ء	تمام بحث اور علما کے اقوال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ الہام کیا چیز ہے اور آیا وہ خاص مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے یا غیرِ اسلام کو بھی ہو سکتا ہے، ہم اس پر بحث کرنا چاہتے

ہیں اور اس مشکل مسئلے کو ایک حد تک سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں، خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے کام میں کامیاب ہوں۔ الہام کی تعریف تو یہی ہے کہ ایسا خیال دل میں گزرے جس کا اُس سے پہلے کبھی شان و گمان بھی نہ ہوا ہو۔ اس لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی انسان خواہ وہ کسی مذہب و ملّت کا ہو ایسا نہیں ہے جس کے دل پر پے در پے ایسے خیالات نہ گزرتے ہوں جن کا اُسے پہلے وہم و گمان بھی نہ ہوا اور اُس کے خیالات یا الہام ہمیشہ اُس سے دست و گریبان نہ ہوتے ہوں۔ انسان کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُس کی قوّتِ متخیّلہ ہر وقت اُس کے آگے نئے نئے اور اعجوبہ عالم بنا کے کھڑے کر دیتی ہے لیکن یہ اعجوبۂ عالم خاص اُس کے مذاق سے بہت کچھ تعلق رکھتے ہیں مثلاً ایک مصوّر کو ہمیشہ تصویر ہی کے متعلق الہام ہوگا اور ایک بادشاہ کا الہام ہمیشہ امورِ سلطنت اور ملک گیری سے

تعلق رکھے گا۔ اسی طرح ایک صوفی کا الہامِ ربّانی مدارج کی ترقّی اور تنزّل پر موقوف ہی

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۰۹	خیابانِ فارس یعنی ترجمہ کتاب پرشیا مؤلفہ لارڈ کرزن وائسرائے ہند	مترجم مولوی ظفر علی خاں بی اے	۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۲ع	**دیباچۂ مترجم** قلمروِ ایران کے حالات کے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس موضوع کی مسلسل و عمیق دلچسپی اور وسیع اہمیت نے ایک عرصۂ دراز سے اس کو اُن ذی رُتبہ سیاحوں اور مقیمِ ملک مُصنّفوں کا مبحث بنا رکھا ہی جنھیں اپنے شوقِ سفر یا تعلّقاتِ سفارت کی وجہ سے اس مسئلے پر رائے زنی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے، چناں چہ اس سرزمین کے مختلف پہلوؤں کو عالم

وفاضل و تجربہ کار لوگوں نے وقتاً فوقتاً اپنے زورِ قلم کا تختۂ مشق بنایا۔ کسی نے اس کی تاریخ لکھی، اور کسی نے اس کے جغرافیۂ طبعی۔ اس کی ہیاتِ طبقات الارض۔ اس کے تمدّن۔ اس کی السنہ۔ اس کی اقوام اور اس کے آثارِ قدیمہ پر خامہ فرسائی کی بعض مصنّفین نے دولتِ ایران کے اُن تعلّقاتِ سیاسی کو جو اسے دولِ خارجہ سے

ہیں اور نیز اس کے اندرونی طرزِ نظم ونسق اور اس کی تدبیرِ مملکت کے مالہٗ وما علیہ کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا۔ لیکن آج تک کسی ایک کتاب میں ان تمام امور پر اُس وضاحت سلاست اور امعانِ نظر سے بحث نہیں کی گئی جو لارڈ کرزن کی جامع تصنیف کی حقیقی خصوصیات ہیں۔

نمونہٗ ترجمہ

ڈاک کی سڑک

قدیم ڈاک کی سڑک، جس پر (جاپار) کا شیدائی جانا پسند کرے گا گاڑی کی سڑک کے جنوب کو جاتی ہے اور "جاپار خانوں" کے نام عبداللہ آباد سفر خوجہ (جسے سفر خواجو بھی کہتے ہیں) اور شنگر آباد اور میاں جب اس راہ پر مقام کرتج میں جو دو مؤخرالذکر منزلوں کے مابین طہران سے ۲۶ میل کے فاصلے پر ہے ایک محل یا شکار منزل سلیمانیہ نامی جو شاہ کی ملک ہے اور جسے اُس کے پردادا فتح علی شاہ نے ۱۸۱۲ء میں تعمیر کیا تھا واقع ہے۔ سلیمانیہ نہر کرتج کے کنارے پر جو کوہستان سے نکلتی ہے اور جس کا مصفّٰی اور پاکیزہ پانی فتح علی شاہ مشکوں میں بھروا کر ہر روز طہران منگوایا کرتا تھا واقع ہے۔ اور اس میں دو بڑی تصویریں آغا محمد علی شاہ اور اُس کے بھتیجے فتح علی شاہ کے درباروں کی عبداللہ خاں کے ہاتھ کی کھچی ہوئی ہیں جو ابتدائے شاہانِ قاچار کے دربار کا مشہور نقاش تھا۔

سفر ایران کے لیے بہترین موسم کے انتخاب کے دو اختیاری پہلو ہو سکتے ہیں، یا تو موسم خزاں کا آخری حصّہ اور یا فصلِ بہار۔ موسم اوّل: لذکر اکتوبر سے جنوری تک رہتا ہے اور ثانی الذکر مارچ سے شروع اور مئی میں ختم ہوتا ہے۔ عام طور پر اواخر ماہ دسمبر میں طہران میں اور آذربائیجان میں اس سے بھی پہلے برف پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور مرتفع درّوں کو بند کر دیتی ہے۔

کیفیت

یہ سفرنامہ چار جلدوں میں ترجمہ کیا گیا ہو مگر مطبوعہ صرف جلد اوّل ہے۔ جس کے صفحات ۶۱۲ ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۶۹	تمدنِ ہند (ترجمہ کتاب ڈاکٹر لی بان فرانسیسی)	شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی مرحوم	سنہ ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء	**بُدھ کا مذہب** بُدھ مذہب کی ابتدا کا زمانہ قصص و حکایات کا زمانہ ہے، اور اس مذہب کی ابتدا کے جو حالات ہم تک پہنچے ہیں، اُن کا شمار بھی کہانیوں میں ہے۔ اسکندر کی فوج کشی کے بعد تقریباً ۲۵۰ سنہ قبل مسیح میں جب بُدھ مذہب تمام ہندوستان کا شاہی مذہب ہو گیا اُس وقت سے ہمیں اصلی

حالات معلوم ہونے لگے اور کہانیوں کے کُہر میں سے تاریخ کا صاف میدان نظر آنے لگا۔
لیکن یہ حالت زیادہ دنوں نہ رہی، اسکندر کی فوج کشی کا زمانہ ۳۲۷ قبل مسیح ہے۔ ایران کے ملک کو فتح کرنے کے بعد اسکندر نے ہندوستان کا ارادہ کیا اور اس کی غرض یہ تھی کہ تمام ایشیا کو فتح کرلے۔ اُس وقت پنجاب چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتوں میں منقسم تھا، جن میں باہمی سخت رقابت تھی، اور اس وجہ سے اسکندر نے باآسانی اُنھیں زیر کرلیا۔

کیفیت

مترجم کی وفات کے بعد اُن کے خلف سید مجتبیٰ علی بلگرامی سول انجینیر نے مطبع مفید عام آگرہ میں اس کتاب کو چھپوایا ہے جو ۵۳۱ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔
تمدنِ ہند سے پہلے تمدنِ عرب کا اردو ترجمہ بھی ۱۸۹۸ء میں مطبع مفید عام آگرہ سے چھپ کر شائع ہوا ہے جس کی ضخامت (۶۵۹) صفحے اور قیمت (لعہ) ہے
یہ دونوں کتابیں فرانسیسی زبان سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ شمس العلما سید علی بلگرامی ۱۸۔ زبانوں کے مستند عالم تھے۔ حیدر آباد دکن سے پنشن پاکر انگلستان چلے گئے اور وہاں ٹرنٹی کالج کیمبرج میں مرہٹی زبان کے لکچرر ہو گئے تھے۔ اُسی زمانے میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ بالآخر ولایت سے واپس آکر ہردوئی میں قیام کیا اور مئی ۱۹۱۱ء میں وفات پائی اور اپنے وطن بلگرام میں مدفون ہوئے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۰	طبیعیات علمی (آواز و روشنی)	محمد مولوی عبدالرحمٰن خان ایم اے ایس سی۔ پروفیسر نظام کالج	سنہ ۱۳۳۰ھ ۱۹۲۱ء	**ساتواں باب** **طیوف اور طیف پیما** سر آئیزیک نیوٹن کے مشہور تجربے کی طرح جب سفید روشنی کی پنسل ایک منشور میں سے گزرتی ہی تو مختلف رنگوں میں منتشر ہو جاتی ہے اور رنگین قطعات کا ایک سلسلہ نظر آتا ہی جو طیف کہلاتا ہی۔ خالص طیف تیار کرنے کے لیے جس میں ایک رنگ کا قطعہ دوسرے رنگ کے قطعے کے بازو

ہو، تہ کہ اُس پر متراکب، مبداءِ نور ایک تنگ جھری کی شکل میں ہونا چاہیئے اور منشور کو اقل انحراف کی وضع میں رکھکر اُس میں سے متوازی شعاعوں کی پنسل کو گزرنے دینا چاہیئے۔

تبصرہ و کیفیت

جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے سلسلے میں دارالترجمہ سے جو کتابیں نئے علوم

وفنون میں شائع ہو رہی ہیں اُن میں اکثر اصطلاحات کا یورپی زبانوں سے
اردو کے لیے ترجمہ کیا جاتا ہے جس کی اشاعت انجمنِ ترقی اُردو کی طرف سے
اکثر ہوتی رہتی ہے۔ مندرجۂ بالا نمونے میں مترجم نے لفظ بازو جس موقع اور
جس مفہوم کے لیے استعمال کیا ہی یہ خاص دکنی روزمرہ ہی۔ اگرچہ اس کا
مفہوم اجنبی نہیں اور کسی کو سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی لیکن شمالی ہند میں یوں
نہیں بولتے کہ ایک قطعہ دوسرے قطعے کے بازو برابر۔ پہلو بہ پہلو) میں ہے۔
اس نمونے میں جو نئی اصطلاحیں آئی ہیں اُن کی تشریح حسب ذیل ہی:۔
انحراف۔ Curvature) منشور۔ Prism)
طیف نما۔ Spectroscope)

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	مفتاح المنطق (حصہ دوم استقرائی)	مولوی مرزا محمد ہادی بی۔اے۔ لکھنوی	۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء	**باب بستم** وہ ضابطے جن سے علل اور معلومات پر حکم کرتے ہیں۔ باب گزشتہ میں معلوم ہوا کہ تجربے سے استدلال کرنے کی بنا اس تعیّن پر ہی کہ عالم میں کلّی ارتباطات موجود ہیں، اگر زمین کے کنارو

ں کے گرنے کی کوئی اصلی وجہ نہیں ہے تو اُن

حالات کو ملاحظہ کر کے جن میں ایسا وقوع ہوا کرے حکم کرنا حماقت ہوگی۔ آیندہ اگر ایسا ہو تو یہ ہوگا، لیکن جب ایسے کلی ارتباط موجود ہیں تو ان حالات کی جانچ ہم کو اُن کے دریافت کرنے میں مدد دے گی، اور ہم ان ارتباطات کو پہچان لیں گے تو پھر حسبِ واقعات ہم اُن کی تعمیم بھی کریں گے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۱۰۲	کیمیا (دوسرا حصہ) از مسٹر ٹرچیٹ ایم اے	محمد عبدالرحمن خان بی اے ایل ایس سی سپرنٹنڈنٹ ورکشاپ کیمیا عثمانیہ کالج	۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء	(۱۰۲) آکسیجن کی تیاری، تجارتی پیمانے پر برن (Brin) کا قاعدہ حال میں برن نامی ایک شخص نے ہوا سے بالواسطہ آکسیجن حاصل کرنے کا ایک قاعدہ وضع کیا ہے، اور اب تجارتی پیمانے پر آکسیجن تیار کرنا ہوتا ہے تو کارخانہ دار لوگ زیادہ تر اسی قاعدے سے کام لیتے ہیں۔ اس قاعدے میں بیریم آکسائیڈ (Barium Oxide) (BaO)

سے مدد لی جاتی ہے، اس مرکب کو ہوا میں رکھ کر جب یہاں تک گرم کیا

جاتا ہے کہ مدھم سے رنگ سرخ انگارا ہو جاتا ہے تو وہ ہوا سے آکسیجن لے لیتا ہے اور ڈائی اکسائیڈ (Dioxide) بدل جاتا ہے۔

تبصرہ و کیفیت

دارالترجمہ حیدر آباد دکن سے بالالتزام اور مسلسل نئے علوم و فنون کی کتابیں اُردو میں ترجمہ ہوتی رہتی ہیں۔ اُن میں دو چار مثالیں یہاں لکھ دی گئی ہیں۔ جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان تراجم کی زبان سمجھنے کے لیے جب تک کہ اصل فن سے واقفیت اور طبیعت کو لگاؤ نہ ہوگا عام اُردو دانوں کو اتنی ہی دقت کا سامنا رہے گا جس قدر کہ دو صدی قبل کی اُردو زبان کے سمجھنے میں اس زمانے کے اُردو دانوں کو ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آیندہ اسلوب بیان کے سہل اور قریب الفہم بنانے کی خاص کوشش مدِنظر رہے گی۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۳۰۱	نظام الملک طوسی	مولوی محمد عبد الرزاق کانپوری	سنہ ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء	امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے (عمر کی ۸۰ منزلیں طے کر چکے تھے) اور تمام اطراف میں اُن کی شہرت تھی، فیض کا یہ عالم تھا کہ جس نے امام صاحب سے قرآن اور حدیث

کا سبق لیا وہ دنیاوی مراتب میں ضرور بڑے درجے پر پہنچ جاتا تھا، اس لیے والد بزرگوار نے مجھکو فقیہ عبدالصمد کی اتالیقی میں طوس سے نیشاپور روانہ کردیا اور وہیں امامِ محترم کے حلقۂ درس میں شریک ہوا۔ امام صاحب میرے حال پر خاص طور سے توجّہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا، چناں چہ چار برس تک امام موفّق کے درس میں شریک رہا، اسی زمانے میں عمر خیّام اور حسنِ صبّاح بھی امام صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے، یہ دونوں نہایت فہیم اور ذکی الطبع تھے اور چوں کہ میرے ہم عمر بھی تھے اس لیے میں اُن کا ہم درس ہوا اور میرا ربط ضبط اُن سے بہت بڑھ گیا، حلقۂ درس سے اُٹھ کر میں انھیں رفیقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا۔ انھیں دنوں کا تذکرہ ہے کہ ایک دن حسنِ صبّاح نے عمر خیّام اور مجھ سے کہا کہ یہ مشہور بات ہے کہ امام موفّق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہنچتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اگر ہم سب جاہ و دولت کے مرتبے پر نہ پہنچیں تو کوئی ایک تو ضرور کامیاب ہوگا اس لیے ہم تینوں معاہدہ کریں، میں نے کہا کہ شرائط کی تکمیل کیوں کر ہوگی، حسن نے کہا کہ ہم میں سے خدا جس کو جاہ و حشم کے درجے پر پہنچائے اُس پر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونوں دوستوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاملے میں ترجیح دے، چناں چہ سب نے اس معاہدے کو تسلیم کیا اور معاہدہ تحریر ہوکر مُہر و دستخط سے مزیّن ہوا اور درس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۷۲	معرکۂ مذہب و سائنس	مولوی ظفر علی خاں بی۔ اے	۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء	حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے چار سو سال پہلے یونان علم و حکمت میں اتنی جلد جلد ترقی کر رہا تھا کہ قدیم مذہب کی قبا اُس کے قامت پر تنگ ہو چلی تھی وہاں کے فلاسفہ نے جب ماہیت کائنات پر غور کیا تو قوانین فطرت کی عظمت و

جبروت کے مقابلے میں اولمپس کے دیوتا اُنھیں سخت حقیر اور ذلیل نظر آئے۔ مورخوں نے جب معاملاتِ سیاسی کے انضباط و ترتیب اور افعالِ انسانی کی ہموار اور با قاعدہ روش پر نگاہ ڈالی اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ دنیا میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آتا جس کی کوئی صریح علت کسی واقعۂ سابقہ کی شکل میں موجود نہ ہو تو اُنھیں شبہ ہونے لگا کہ کہیں وہ معجزے اور آسمانی نشانات جن سے عہدِ عتیق کے سفائن معمور ہیں محض من گھڑت قصّے کہانیاں ہی تو نہیں۔ اور جب فوق القدرۃ واقعات کا ظہور موقوف ہو گیا تو یہ بدیہی سوال پیدا ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ کسی دیوتا کے منہ سے اب کوئی پیشین گوئی سُننے میں نہیں آتی اور کرامات و عجائبات کا دروازہ مطلقاً مسدود ہو گیا ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۶۵	عقدِ ثریّا (مناظرِ نسا)	خواجہ قمرالدین خان راقم خلف خواجہ بدرالدین خاں مترجم بوستانِ خیال	۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء	**گزارشِ مصنّف** واضح ہو کہ یہ پہلی کتاب ہی جو اُردو زبانِ نسواں میں بطرزِ جدید مقفّی و مسجّع لکھی گئی ہی، قبل اس کے اکثر مصنّفوں نے حسب اشتہار مجریۂ گورنمنٹ بنام نہاد زبانِ نسواں میں کتابیں لکھیں اور بعض نے انعام بھی بقدرِ مرتبہ پایا اگر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ عام زنانی مردانی زبان ملی جُلی ہی. اور نہ اُن کُتب کے مطالب سے عورتوں کو نفع پہنچتا ہی، جو کہ آج کل تعلیمِ نسواں کی زیادہ

ضرورت ہے، اور گورنمنٹ عدل گستر کا خیال بھی اسی طرف ہے، لہٰذا مصنّفِ پریشاں گفتار نے یہ کتاب خاص اس غرض سے لکھی، اور خاص جدید انداز سے لکھی ہے کہ یہ نادر کتاب درسِ نسواں میں اُستانی کا کام دے اور مصنّف کو گورنمنٹ عادل سے امداد ملے

نمونۂ اصل کتاب

افسانوں میں سنا ہی، داستانوں میں سنا ہی، جہاں سنا ہی سنا، مرد سے پڑھا

گنا، جہان میں مشہور ہے، ہندوستان میں مشہور ہے، جو دنیا میں رہتا ہے، وہ یہی کہتا ہے مرد ہشیار ہے، عورت بے کار ہے۔ موئی کوئی چیز نہیں، جس کو کچھ تمیز نہیں، بُوا تو عورت کو بے آبرو عورت کو ناحق وفادار بناتی ہے۔ موتیوں کا ہار بناتی ہے، زبان کے آگے کیا ہے، عورت کا پردہ کھلا ہے، بوا عورت بُری بَری، موئی زنگ لگی چھری، بدنامی کا گھر، ادھر نہ اُدھر"۔ دوسری جلی بُھنی نے، سمجھ دار پڑھی گنی نے، جھنجلا کر کہا، چل ہوا کھا، ہوش میں آ، اپنی فصد کھلا، پانوں نہ پھیلا، للّو نہ چلا، مرد دیکھے بھالے ہیں، آخر عورت نے نکالے ہیں، ہوش سے بات کر، عورت کا ساتھ کر، کس کو بُرا کہتی ہے، دیوانی کیا کہتی ہے، مرد بے چارے کیا ہیں، سب کے سب بے وفا ہیں، واہ عورت تو تو خوب ہے، شاید تجھے مرد مرغوب ہے۔ جو مرد کی تیح کرتی ہے، جھوٹ بات سچ کرتی ہے"۔

تبصرہ و کیفیت

بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں جنھیں زمانے اور رنگِ زمانہ پر پوری نظر نہیں ہوتی وہ لوگ اگرچہ اُس عہد کی ترقیوں اور انداز و رفتار کو دیکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اُس روش پر گام زن ہوں لیکن اپنی طبیعت کی نامناسبت یا پڑی ہوئی عادت کی وجہ سے وہ اس تقلید میں کامیاب نہیں ہوتے۔ متذکرۂ بالا نمونہ ظاہر کرتا ہے کہ مصنف نے مرآۃ العروس، بنات النعش وغیرہ جیسی کتابیں دیکھ کر عورتوں

کے لیے اس تصنیف کے لکھنے کا ارادہ کیا مگر معانی و مضامین، اور تراکیب و الفاظ کی ہیأت کذائی بتاتی ہے کہ موجودہ دور میں اس قسم کی عبارت آرائی نہ صرف بے وقت کی شہنائی ہے بلکہ ایک غیر مفید تضیع اوقات کا سامان پیدا کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کی زبان قلعۂ دہلی کی زبان ہے جس میں بکثرت عورتوں کا روزمرّہ اور اُن کے دلچسپ محاورے ہیں، مگر یہ قافیہ پیمائی روزمرّہ گفتگو اور اتنی مسلسل گفتگو کے لیے کسی عنوان سے فطری اور طبعی نہیں کہی جاسکتی البتّہ لغت نویسوں اور محقّقینِ زبان کے واسطے یہ افسانہ اکثر زنانے محاوروں کا خزانہ کہا جاسکتا ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۰۶	سیاحت نامہ	خواجہ غلام الثقلین	۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء	میرا تجربہ بمبئی کا اور جہاز کا یہ ہی کہ گورا۔ بمبئی اور گجرات کے لوگ لہجے میں عموماً اکھڑ ہیں، اور ہمارے خیال میں بے تہذیبی سے آدمی کو مخاطب کرتے ہیں، مگر شاید اُن کی نیت یہ نہ ہو کہ سختی

سے گفتگو کریں، ممکن ہے کہ کرخت لہجہ اہل عرب سے انھوں نے لیا ہو، اس صوبے میں ایک عیب تو اچھے پڑھے لکھے لوگوں سے لے کر عوام تک میں ہے کہ اُن کے نزدیک

کسی شخص سے کوئی غلطی ہو جائے تو بغیر ٹوکے نہ رہیں گے، تحمّل و ملائمت نہیں جانتے مگر اُن کی نیت غالباً بُری نہیں ہوتی تربیت کی کمی اُس کا باعث ہے۔

ایک نئی بات جہاز پر دیکھی، یعنی ان لوگوں (مسیحی مشنری) نے ایک نابینا عیسائی عرب دکھایا جس نے بغداد میں اندھوں کے مدرسے میں معلّمی کی ہے یہ شخص لکھتا ہے اور پڑھتا بھی ہے، ایک فرانسیسی نے اُس کو نوشت و خواند کی تعلیم دی ہے! ور ایک سوئی سے ہر آواز پر کچھ نقطے بناتا ہے اور پھر انگلی سے مس کر کے اُن کو پڑھتا ہے، چناں چہ میں نے یہ عبارت بتائی:۔ خواجہ غلام الثقلین ساکن پانی پت از مضافاتِ دہلی، ملک ہندوستان، اس نے اپنے نقطوں میں عبارت لکھی پھر انھیں نقطوں میں مگر کسی قدر بدلے ہوئے تلفّظ میں اُس کو پڑھ دیا۔ یہ طریقہ اُٹھارہویں صدی کے آخر میں ایک فرانسیسی پادری نے نکالا تھا۔

یہ بےچارہ انقلاب فرانس ۱۷۹۳ء میں قتل ہوا، وہ گونگوں اور بہروں کو بھی اسی طرح تعلیم دیتا تھا، پادریوں نے بغداد میں اندھوں کا اسکول کھولا ہے جس میں چالیس پچاس طالب علم بیان کیے جاتے ہیں۔

شطّ العرب کا پانی شیریں اور اچھا ہے اور اگر آب پاشی باقاعدہ ہو تو کچھ شک نہیں کہ یہیں ایران و ٹرکی ہر دو کی آمدنی ایک ایک کرور رُپیہ ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ امن کامل ہو اور آبادی کو ترقی دی جائے۔ یہ آمدنی چار پانچ سال کے اندر بڑھ سکتی ہے۔ یہاں کھجوریں نہایت کثرت سے ہیں اور ان کی تجارت زور پر ہے کہا جاتا ہے کہ سب سے عمدہ کھجوریں یورپ کو چلی جاتی ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	ام الالسنہ المعروف بہ "زبان اردو کا اصل خاندان"	خواجہ کمال الدین	سنہ ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء	یہ جو آج یقین کر لیا گیا ہی کہ یورپین۔ ایرانی اور بعض ہندی اقوام کے آبا و اجداد ایک وقت ایک ہی جگہ آباد تھے اور ایک ہی زبان بولتے تھے۔ اس قیاس کی بنیاد نہ تو کوئی قدیم تاریخ ہے اور نہ زمانۂ عتیق کا علم ادب۔ صرف ان اقوام مختلفہ کی زبانوں کی الفاظی مشارکت و

مجانست ان نتائج کا موجب ہوئی ہی۔ دراصل فلالوجی ہی ایک صحیح ذریعہ اور زبان ہی ایک محفوظ راستہ ہے کہ جس سے دنیا کے دور دراز حصص میں رہنے والی اقوام ایک دوسرے کی ہم رشتہ اور ہم اصل ثابت ہو سکتی ہیں۔

کسی زبان کے اُم الالسنہ ہونے کے لیے دو امور کا ہونا ضروری ہی۔ اوّل یہ کہ اُس زبان کے اور دوسری زبانوں کے الفاظ اور روٹوں میں صوری معنوی مشارکت و مجانست ہو تا کہ یہ سمجھا جائے کہ یہ زبانیں ہم ماخذ ہیں۔ دوسرا یہ کہ اُس زبان کے روٹ و الفاظ ابتدا سے آج تک اپنی اصلی شکل و صورت میں محفوظ رہے ہوں۔ عربی زبان کو آخر الذکر خصوصیت مسلمۃً حاصل ہے۔

نمونۂ عبارت	سنہ تصنیف	مصنف	تصنیف	نمبر شمار
حضرت مرزا صاحب کی پیدائش یہ ایک سنّت اللہ ہو کہ جو عظیم الشان انسان دنیا میں آتے ہیں اُن کی پیدائش کے دن سے ہی بعض آثار و علامات ایسے شروع ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی نظر میں اُس وقت قابلِ لحاظ نہیں ہوتے لیکن بعد میں وہ ایک نشان	۱۳۳۴ھ ۱۹۱۵ء	یعقوب علی عرفانی۔ ایڈیٹر الحکم قادیان	حیاۃ النبی (سیرت مسیح موعود)	نمبر ۱

ٹھہر جاتے ہیں، حضرت مرزا صاحب کی پیدائش اسی قسم کے آثار و علامات سے خالی نہ تھی ..... چناں چہ حضرت مرزا صاحب خود رقم فرماتے ہیں:۔

میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی، میری پیدائش سے پہلے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے، ایک دفعہ ہندوستان کا پاپیادہ سیر بھی کیا، لیکن میری پیدائش کے دنوں میں اُن کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا اور یہ خدا کی رحمت ہے کہ میں نے ان کے مصائب کے زمانے سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا اور نہ اپنے دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملک داری سے کچھ حصہ پایا، بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جن کے ہاتھ میں صرف نام کی شہزادگی

بوجہ داؤد کی نسل سے ہونے کی تھی اور ملک داری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے، ایسا ہی میرے لیے بھی بگفتن یہ بات حاصل ہے کہ ایسے رئیسوں اور ملک داروں کی اولاد میں سے ہوں۔ شاید یہ اس لیے ہو کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری ہو

شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۶۹	تذکرۂ آبِ بقا	مصنّف خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی و مرتّب مرزا جعفر علی نشتر لکھنوی	۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء	ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت سلطان ابنِ سلطان خاقان ابنِ خاقان ابوالمنصور ناصر الدین سکندر جاہ بادشاہ عادل قیصرِ زمان سلطان عالم محمد واجد علی شاہ اختر، سابق شاہ اودھ اُردو کی ہر صنف میں قادر الکلام تھے اور نظم کے ہر صیغے میں آپ نے دادِ سخن دی ہے۔ شاہی میں مشاعرے نہایت شان و شوکت اور دھوم دھام سے ہوتے تھے، لال بارہ دری میں سہ پہر کو چمن بندی گُل و فوّارہ کی ہوتی تھی، کمرے میں تمام سامانِ عیش

تیار ہوتا تھا۔ . . . مشاعرے عام نہ ہوتے تھے۔ مشاعرے میں ہمیشہ اہلِ دربار شریک ہوتے تھے اور کبھی خاص اعزّائے بادشاہ مدعو ہوتے تھے۔ شام سے مرزا خرم بخت بہادر

نواب یحییٰ علی خاں، مرزا عظیم الشان نواب محمد تقی علی بہادر، مرزا رفیع الشان بہادر، نواب مجید الدولہ عظمت الدولہ، مرزا سلیمان قدر بہادر، دارا سطوت، مرزا حیدر نیشاپوری تشریف فرما ہوئے اور اپنے مراتب کے موافق دہنے بائیں بیٹھے، بیچ میں مسند پر بادشاہ جلوہ افروز ہیں.... اس کے بعد مشاعرہ شروع ہوا ہر ایک نے غزل پڑھی اور یہ پُر لطف صحبت بارہ بجے شب تک ختم ہوگئی۔ اہلِ دربار کا مشاعرہ ہر مہینے میں ہوا کرتا تھا۔ اہلِ دربار اپنے اپنے قرینے سے مودّب بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ مدار الدولہ علی نقی خاں بہادر وزیر، یہ کون ہیں؟ فتح الدولہ بخشی الملک مرزا محمد رضا خاں برق، یہ کون ہیں؟ آفتاب الدولہ قلق، یہ کون ہیں تدبیر الدولہ دبیر الملک منشی مظفر علی خاں بہادر جنگ اسیر، یہ کون ہیں؟ مقبول الدولہ احسان الملک کپتان مرزا مہدی علی خان ثابت جنگ قبول۔ اسی طرح تمام درباری تشریف لائے اور اپنی اپنی جگہ پر فروکش ہوے۔ اتنے میں حضور جانعالم برآمد ہوئے۔ تمام اراکین سروقد کھڑے ہوے اور بسم اللہ بسم اللہ کی صدا چاروں طرف سے آنے لگی حضور مسندِ زرنگار پر باجاہ و جلال جلوہ افروز ہوئے مشاعرہ دہنی طرف سے شروع ہوا اور مختصراً غزلیں پڑھی گئیں۔ سب کے بعد حضور نے اپنا کلام پڑھا اور مشاعرہ برخاست ہوا۔ رؤسا اور امرائے شہر کے بہت سے مشاعرے ہوتے تھے مگر حضور کبھی کسی مشاعرے میں تشریف نہیں لے گئے۔

فتح الدولہ برق نے اور منشی اسیر نے بادشاہ کی اکثر غزلوں پر مصرعے لگائے ہیں جو مشہور عام ہیں یوں تو بادشاہ کا کلام بہت ہے مگر اس وقت ہمارے سامنے کلیاتِ مبارک ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	وضیح حق	مولوی محب احمد بدایونی	۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء	مسئلۂ اذانِ جمعہ ایک فرعی مسئلہ جو آپ کو بھی مسلّم حضرت تاج الفحول و دیگر اکابرِ خاندانِ مارہرہ مقدّسہ و کافۂ اہلِ سنّت قدّست اسرارہم کا معمول معلوم، اس پر یہ شوری مخالفت کس طرف سے ہوئی اس مسئلے میں یہ ضروری نہیں کہ

سارا عالم وہی بولی بولے جو آپ کی بولی ہو اس فرعی مسئلے کو کہاں تک طول دیا گیا اور اپنی پیروی نہ کرنے والوں کو کس درجہ مطعون مطرود مردود نہ ٹھرایا گیا اور کیا کچھ نہ بنایا گیا اور نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ملا کہ نذیر حسین کی سنّت کا آپ نے احیا کیا اور انھوں نے بھی آپ کو اپنا نہ سمجھا اور آپ نے اپنوں کو تو جہاں تک ہو ابیگانہ بنا ہی لیا تکفیر تک کے احکام والزام صاف صاف دربارِ تجدید سے جاری ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

وہی رنگ وہی ڈھنگ وہی ترانہ وہی آہنگ، انھیں اعتراضات اور الزامات کا خزینہ زور و بہتان و مفتریات واکاذیب اباطیل واقاویلِ سخیفہ و خبیثہ کا گنجینہ ہے وہی پچھلی باتوں کا اعادہ وہی رونا خالی از افادہ۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنّف	سنۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	سدّ الفرار علی الصید الفرّار (یا) ناز برداریِ چورِ بدایوں	مولوی حامد رضا خاں ولد مولوی احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء	(ایک) شکل کہ بفضلہ تعالیٰ سُنّیت، حنفیّت، قادریت، برکاتیت، کی مربّع بنی ہوئی تھی، عجب! عجب!! نہ ایک عجب ہزار ہزار عجب کہ اُنھیں چار کا رنگ پکڑ کر کجی و انحراف کی طرف جُھکے جس کے سبب بڑے سے بڑا مہندس مربّع و منحرف میں تمیز نہ کرسکے۔ فسبحٰن مقلب القلوب والابصار خیر مشیّتِ الٰہی جو

اُس نے چاہی سب سے بڑھکر قیامت حدیثِ صحیح ابو داؤد شریف ڈالے ہوئے ہے کہ خود صحابی عربی اہلِ زبان، دروازے پر اذان کو بین یدی فرما رہے ہیں، وہ کون سا تجویز کیا جو اُن کی زبان کا عرف اُن سے زیادہ جانے، اس کا جواب یہ کہ حدیث صریح نہیں۔ جی کیوں نہیں؟ یہ یہاں فی بطن القائل، ہاں آگے والی اس کی تصریح پر مائل۔ جیسے بعونہ تعالیٰ وہیں ذکر کیا جائے گا۔ ان سب سے آنکھیں بند، اور ایسی بے تُکی کا روشن برہان نام رکھنا پسند۔ یہ تو روشن کیا اندھیری بھی نہیں پوری بُرہان کہاں آدھی بھی نہیں۔ ہاں پچھلا کاری زخم نا مندمل چور ہا کہ فقہائے کرام صدہا سال

سے علمگیری کے وقت تک تو برابر تصریحات فرماتے آرہے ہیں کہ لَا یُؤذن فی المسجد
کوئی اذان مسجد میں نہ ہو اس کا ایک فرزے دار جھنجھلائی ادا میں جواب یہ دیا کہ فقہا نے
عام حکم دیا ہے خاص اس اذان کا نام نہ لیا ۔ ۔ ۔ غرض جتنی عبارات نام کو نقل
کی تھیں، سب نرا دکھاوا تھیں آخر مجبور ہو کر سب سے ٹوٹ کر ساری سند کی پگڑی
عرفِ خانگی کے سر باندھی، کہ دروازے پر اذان ہو تو لوگ خطیب جی کے پاس نہ
کہیں گے ۔ یا مثلاً ہند کے لوگ یا حال کے عرب بھی سہی، یہ نہ کہیں گے یا فقہا شرع بھی۔
اوّل تو کھلا دور مضمر ہے اس اذان کا حکم لا یُؤذن سے خارج جاننا بحکم بنا اس پر
موقوف کہ بین یدی و عند کو دخول پر دال مانیں اور ان کو دخول پر دال ماننا اس
پر موقوف کہ داخلِ مسجد کو صالح اذانِ جمعہ جانیں، اور داخلِ مسجد کو صالح اذانِ
جمعہ جاننا اس پر موقوف کہ اس اذان کو حکم لا یُؤذن سے خارج جانیں، اُلٹ پلٹ کر
شے خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی ۔ ثانیاً وہی پُرانا دور پھر دورہ کرتا ہے ۔ یہ اذان
لا یُؤذن سے کیوں خارج اس لیے کہ بین یدی کہا ہے، بہت اچھا بین یدی ہیں
وَب بھی ہو تو کتنا وسیع ہی، اس سے خاص دخول کیوں کر لے لیا ۔ اس کا وہی جواب
کہ ہاں وسیع ہے مگر مراد دخول ہے ۔ ایک یہ گڑھی کہ کسی کلیّے سے ایک جزیئے پر استدلال
اُس کلیّے کو اس جزیئے میں منحصر کر دیتا ہی، اس کے خصوصیات سب اس میں داخل ہو کر
اُس کی کلیت ملیا میٹ کر دیتے ہیں علمائے کرام نے مسئلہ اذانِ مغرب میں جو کلیّہ
لَا یُؤذن فی المسجد سے استدلال فرمایا اور اس سے اوپر اذانِ مغرب کے

لیے مُنڈنہ کا ذکر تھا، وہ مُنڈنہ اسی کلیے میں گھس گیا۔ اس پر اہلِ حق نے فقہائے کرام کی تصریح دکھائی کہ عند بمعنی بحیث پڑا ہوا آیا ہے یعنی جو پیشِ نظر ہو عند ہے۔ اس پر اگرے والی یوں نکھرتی ہے کہ کیا صاحب وقایہ تیار ہیں کہ ہر جگہ عند کی تفسیر پڑا ہوا کردیں۔ الحمد للہ صولتِ حق کی یہی شان کہ اُس کی گواہ خود مخالف کی زبان، سب دیکھ رہے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں یہی تین ہیں۔ بین یدیہ۔ اور عندا ورادّعائے باطلِ توارث۔ حدیث صحیح سے ثابت کہ زمانۂ رسالت وخلافت میں دروازۂ مسجد پر تھی اور اب آپ اپنے ہی گھر دیکھ رہے ہیں کہ اندر ہوتی ہے تو تبدیل ضرور ہوئی تاریخ ذکر کرے یا نہ کرے۔ الحمد للہ قسم کی کیا حاجت آپ بھی قبولے دیتے ہیں کہ نص کی نس بھی نہیں نرا ناس ہے۔

ناظرین با انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ کتنا قاہر اعتراض لاجواب تھا۔ جو سارا کا سارا ہضم فرمالیا اور نقل میں یہاں سے لیا قولہ بدایوں والی میں فرمایا، اس حیاداری سے تو یہی بھلا تھا کہ وہ قاہر اعتراض وہ جاں گسل اعتراض وہ دنداں شکن اعتراض جہاں سارا ہضم ہوا تھا یہ ٹکڑا بھی نقل نہ کیا ہوتا کہ عیاریوں میں ایک اور بھاری نمبر اضافہ نہ ہوتا، آخر پچاس میں اُنتالیس سے جواب نہ دیئے اس ٹکڑے کا ذکر بھی منھ پر نہ لاتے، تو کیا بدایوں کا قاضی گلہ کرتا، جناب مولانا آپ نے اس عیارہ مکارہ تحریر کی عیاری دیکھی، مولنا اس کے تو وہ جوڑ ہیں کہ وہابیہ بھی اس کے سامنے من ہار کے بیٹھ رہیں گے، چوڑیاں پہن لیں گے، بلکہ چوڑیاں کوٹ کر کھا مریں گے۔ الحمد للہ زمانہ اُس شہسوارِ لشکرِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے نیزۂ برق بار کا لوہا مانے ہوا تھا کس کا زہرہ تھا کہ سامنے

آئے کس کا جگرا تھا کہ بیٹھ کے بدلے مُنھ دکھلائے۔

یہ رضا کے نیزے کی مار ہی کہ عدو کے سینے میں غار ہی
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار، وار سے پار ہے

تبصرہ و کیفیت

حتّی الامکان کوشش کی گئی ہی کہ اس کتاب میں اُردو تحریروں سے ہر قسم کے نمونے یکجا کر دئیے جائیں اس لیے متذکرۂ بالا عبارتوں کا انتخاب مناسب معلوم ہوا، کیوں کہ یہ تحریریں نامور اور مشاہیر طبقات علمائے مذہب کی تالیفات سے ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم چودھویں صدی کے علمائے اسلام میں بہت بڑے متبحّر اور جامع العلوم بزرگ گزرے ہیں، اُن کی مذہبی حد بندیاں اور فقیہانہ سختیاں مشہور و معروف ہیں۔ جن کے متعلق اس کتاب میں تفصیل سے لکھنا بے موقع ہی۔ مسلمانوں کے نام نہاد فرقے وہابی غیر مقلد شیعہ قادیانی اور مولوی صاحب ممدوح کے مفروضہ فرقوں ندوی، نیچری، وغیرہ کے مکالمات میں اس قسم کی تحریریں بکثرت ملتی ہیں، یہاں صرف ایک ایسی کتاب کا نمونہ درج کر دیا گیا ہی جو ایک فقہی مسئلے کے متعلق ہے۔ چوں کہ اس تالیف میں ضلع جگت۔ پھکڑ۔ اور اسی قسم کے دیگر سخیف نمونے موجود ہیں اس لیے دوسری تحریروں کی عریانی ادب عالیہ کی توہین سمجھی گئی۔ ناظرین کی توجہ کے لیے ایسے فقرات پر جن

سے ذلیل ظرافت و تمسخر و استہزاد کا تیا چلتا ہی خطوط کھینچ دیئے ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف مولانا احمد رضا خاں صاحب کے فرزند اکبر مولوی حامد رضا خاں بریلوی دکھائے گئے ہیں، مگر حقیقت حال یہ ہی کہ اس قسم کی تمام معرکۃ الآرا تحریریں مولانا ئے موصوف کے دست و قلم کی کاری گریاں ہوا کرتی تھیں۔ اس قسم کے لٹریچر کا رواج زیادہ تر ندوۃ العلما کے انعقاد سے شروع ہوا ہے اور کم و بیش ایک ربع صدی تک یہ ہنگامہ آرائی رہی۔ اب اس انداز کے نمونے الشاذ کالمعدوم ہیں۔

فالحمد للہِ علیٰ ذٰلک۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۲	بہشتی زیور	مولوی اشرف علی تھانوی	۱۳۳۱ھ ۱۲-۱۹۱۳ء	**تبرکات کی زیارت کے وقت اکٹھا ہونا** کہیں کہیں جبہ شریف یا موئے شریف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور بزرگ کا مشہور ہے، اُس کی زیارت کے لیے یا تو اُسی جگہ جمع ہوتے ہیں یا اُن لوگوں کو گھروں میں بُلا کر زیارت کرتے

ہیں اور زیارت کرنے والوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اوّل تو ہر جگہ ان تبرکات کی سند نہیں اور اگر سند بھی ہو تب بھی جمع ہونے میں بہت خرابیاں ہیں، بعض خرابیاں وہاں بیان کردی ہیں جہاں شادی میں عورتوں کے جمع ہونے کا ذکر لکھا ہے پھر شورو

غل اور بے پردگی اور کہیں کہیں زیارت والوں کا گانا، جس کو سب عورتیں سنتی ہیں یہ سب ہر شخص جانتا ہی کہ بُری باتیں ہیں، ہاں اگر اکیلے میں زیارت کرے اور زیارت کے وقت کوئی خلافِ شرع بات نہ کرے تو درست ہے اور رسموں کا پورا حال اصلاح الرسوم ایک کتاب ہی اُس میں لکھدیا ہے، ہم اس جگہ صرف تم کو ایک گُر بتلائے دیتے ہیں اس کا خیال رکھو گی تو سب رسموں کا حال معلوم ہو جائے گا اور کبھی دھوکا نہ ہوگا، وہ گُر یہ ہی کہ جس بات کو شرع نے ناجائز کہا ہو اُس کو جائز سمجھنا گناہ ہے اور جس کو جائز بتلایا ہو مگر ضرور نہ کہا ہو اُس کو ضروری سمجھکر پابندی کرنا یا نام کمانے کو کرنا یہ بھی گناہ ہے، اسی طرح جس کام کو شرع نے ثواب نہیں بتلایا اُس کو ثواب سمجھنا گناہ ہے اور جس کو ثواب نہ بتلایا ہو مگر ضرور نہ کہا ہو اُس کو ضروری سمجھنا گناہ ہے اور جو ضرور نہ سمجھے مگر خلقت کے طعن کے خوف سے اُس کے چھوڑنے کو بُرا سمجھے یہ بھی گناہ ہے، اسی طرح کسی چیز کو منحوس جاننا گناہ ہے اسی طرح بدون شرع کی سند کے کوئی بات تراشنا اور اُس کا یقین کر لینا گناہ ہی، اسی طرح خدا کے سوا کسی سے دعا مانگنا یا اُن کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا یہ سب گناہ کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے بچاویں۔

تبصرہ و کیفیت

اکثر دیوبندی اور تھانوی تحریروں میں علاوہ اور معمولی انشائی کمزوریوں اور خصوصیتوں کے ایک نمایاں خصوصیت یہ دیکھی جاتی ہی کہ جہاں کہیں خداوند تعالیٰ

کے اسمائے ذات و صفات لکھے جاتے ہیں وہاں اُن کا تخاطب فعلِ جمع سے ہوتا ہے۔ مثلاً عام اہلِ زبان یوں لکھتے ہیں کہ خدا ایسا کرتا ہے تو وہ کہیں گے کہ "خدا ایسا کرتے ہیں" جس کی مثال متذکّرۂ بالا نمونے کے فقرۂ آخر میں بھی موجود ہے۔ اور اس تحریر کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ضمیر واحد کے استعمال میں بدتہذیبی ہے۔ حال آں کہ ذاتِ واحدِ مطلق کے لیے عربی و فارسی میں بھی اُردو کی طرح ہر موقع پر ضمیر واحد ہی فصیح سمجھی جاتی ہے اور بالاتّفاق تمام اہلِ زبان (دہلی و لکھنؤ) کا یہی دستور العمل ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۰	عجائب الرحمٰن	شمس العلما نواب عزیز جنگ بہادر ولا	سنہ ۱۳۲۵ھ ۱۹۱۵ء	امّا بعد بندۂ ہیچ مداں احمد عبدالعزیز ولا تخلّص بن جناب مولوی حاجی محمد نظام الدین مغفور نائطی شافعی مدراسی، جس کو سرکار نظام نے اس کے خدمات کے صلے میں وظیفۂ حسنِ خدمات اور خطاب خاں بہادر عزیز جنگ سے

سرفرازی بخشی ہے، اور گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کے مشاغلِ علمی کے اعتراف میں خطاب شمس العلما کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔ طالبین و شائقینِ فنِ جُمل کی خدمت میں

بادب عرض پرداز ہے کہ اگرچہ ہندوستان نے اس فنِ لطیف کو متقدّمین میں عجم سے لیا ہے اور عجم نے عرب سے، لیکن کیسے افسوس کی بات ہے کہ نہ زبانِ فارسی میں اس فن کی کوئی مبسوط کتاب پائی جاتی ہے اور نہ زبان اردو میں کوئی جامع رسالہ عربوں کے پاس جو کچھ ذخیرہ اس فن کا رہا ہوگا وہ آج زمانے سے معدوم ہے۔ فارسی کے بعض متقدّمین نے اگرچہ اس فن میں عملی طور سے قدم رکھا ہے۔ اور متاخّرین کے تاریخی کلام سے اُن کی اعلیٰ دل چسپی کا اندازہ معلوم ہوتا ہے لیکن علمی ذخیرے کی حفاظت میں اُنھوں نے کچھ نہیں کیا۔ ہمارے معلومات کی حد تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ علمائے عرب نے تو فنونِ غیر کے ضمن میں کچھ نہ کچھ اس کا ضمنی تذکرہ کرکے اصولِ فن کو بچا لیا ہے، لیکن فارسیوں نے یا تو اس کو معمولی چیز سمجھکر چھوڑ دیا، یا زحمت پسندی سے کنارہ کیا، آفرین ہے ہمارے ہندوستان جنّت نشان پر کہ اس نے عجمیوں سے زیادہ اس کی قدر اور حفاظت کی۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی متعدد تصانیف میں اس فن کے متعلق عرب کی پیروی کی ہے یعنی خال خال مضامین کو اپنے مختلف تصانیف میں ضمناً بیان کیا ہے۔ اور جلال لکھنوی نے ایک مستقل رسالہ افادۂ تاریخ کے نام سے لکھا جو ۳۲ صفحوں پر مشتمل ہے اور چھپ چکا ہے۔ پھر منشی انوار حسین سہسوانی نے فارسی زبان میں ایک اچھی کتاب لکھی تو تلخیصِ تسلیم سے موسوم ہے۔

ہم نے جہاں تک ان کتابوں کی سیر کی اُس سے یہ نتیجہ حاصل کیا کہ لائق مؤلّفین نے ان کتابوں کے اکثر حصّے میں اجمالِ بیان سے کام لیا ہے اور تعریفات میں تاریخی نظائر کی پابندی بہت کم کی ہے۔

نمبر	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۲	مصباح الکلام فی اصول الاسلام	مولوی محمد عبد الغفور فاروقی محمد آبادی	۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء	مومنوں کے لیے ایک طرف بڑے بڑے وعدے انعام و رحمت کے منصوص ہیں، اور دوسری طرف تارکانِ عملِ خیر و مرتکبانِ معاصی کو بلا تفریق مومن و مشرک کے روح فرسا عذابِ اُخروی کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ واسطے تطبیق

وعدہ و نیز وعید کے عالمانہ خیالات میں جنبش پیدا ہوئی اور دقیقہ سنجوں نے اپنے اپنے مذاق کے موافق تاویلیں کیں، بعضوں نے اعتقاد و عملِ شرعی کو عین ایمان بتایا لیکن یہ دونوں رائے اس لیے ناقابلِ قبول ہیں کہ قرآن میں بہت جگہ ایمان اور عمل کا بشکلِ عطف بیان ہوا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف الحقیقت چیزیں ہیں۔ اکثر علما بہ سندِ حدیثِ متذکرہ بالا فرماتے ہیں کہ ایمان نام اعتقاداتِ اسلامی کا ہے اور ایسے اعتقاد رکھنے والے خلود فی النار سے محفوظ ہیں۔ اور ایک نہ ایک دن اُن کو نعمائے جنت سے بہرہ مندی حاصل ہوگی، اُن میں جو لوگ مرتکب گناہِ کبیرہ ہوئے ہوں ممکن ہے کہ اپنے کیے کی چند روز سزا پائیں اور پھر جنت میں جائیں یا یہ کہ فیضِ باری اُن کی دستگیری کرے اور عفوِ الٰہی چند روزہ عذاب سے بھی بچالے۔ یہ رائے معقول ہے۔

شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۸۵	گلگشت فرنگ یعنی میرے روزنامچہ یورپ کے چند صفحے	مترجم اُردو مولوی محمد عزیز مرزا۔ و مصنف انگریزی نواب فتح نواز جنگ	۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء	۱۰ فروری، آخرکار میری روانگی کا دن آپہنچا، اسباب صبح ہی سے درست کرلیا تھا دو بجے کوک کے لوگوں نے جہاز پر رکھدیا، شام کے تین بجے دوستوں کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہوے اور سوا تین بجے دُخانی کشتی پر سوار ہوئے تھوڑی دیر کے بعد ہی کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عالی شان جہاز پر کھڑے ہوئے ہیں۔ مجکو حیرت ہوتی ہے کہ مہذب قوموں میں علم کو کس قدر ترقی ہوئی ہے۔ فنِ جہاز رانی تو

خصوصاً ترقی کے درجۂ کمال پر پہنچ گیا ہے۔ سمندر میں جہاز کا ٹھیک مقام اب آسانی اور صحت سے دریافت کرلیتے ہیں جیسے کسی گھوڑا گاڑی کا کرہ زمین پر۔ کپتان نے مجھ سے بیان کیا کہ اگر اس ساحل کے پاس کوئی چیز پھینک دی جائے اور عدن میں جاکر کسی جہاز کے کپتان سے کہدوں تو وہ اُس کو نہایت آسانی سے نکال لے گا۔ جب کہ برقی تار سمندر کی تہ میں ٹوٹ جاتا ہے تو تار والے تسلسل برقی کے امتحان سے

فوراً دریافت کر لیتے ہیں کہ کہاں ٹوٹا ہے۔ اور جہاز بھیج کر جوڑ دیتے ہیں۔

۲۴۔ اکتوبر:۔ آج ہم نیپلز کی خوشنما مضافات کو دیکھنے گئے شہر سے دو میل چل کر ایک بلبے تہ زمین کے پل میں داخل ہوئے جس کا نام گروٹوڈی پاس لیپو ہے۔ اس پل کا نصف میل طول ہے اور پہاڑ کاٹ کر بنایا ہے۔ قدیم رومیوں کی صنّاعی کا ایک عمدہ ثبوت ہے۔ پل سے نکل کر ہم نے بہت سے رومی مکانات دیکھے، وہاں سے لاگوڈی اگین نو کی طرف گئے جو پہلے ایک پُر فضا جھیل تھی مگر اب خشک پڑی ہے یہاں بھی ایک کھوہ ہے جس کا نام گروٹوڈوکان ہے، اُس کے اندر زمین سے کوئی دو فٹ اونچا ایک نشان ہے جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اس سے نیچے ہوا میں سمّیت ہے۔ ہمارے رہبر کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی اُس نے امتحاناً اُس کو نشان سے نیچے کیا فوراً گُل ہو گئی۔ مجھ سے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہم ایک کُتّے پر اس کا تجربہ کر کے آپ کو دکھلاتے ہیں وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گا لیکن میں نے ایسے ظالمانہ اور بے فائدہ تجربے کی اجازت نہ دی۔

التماسِ مترجم

اس کے بعد (۱۰ فروری سے ۲۴۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء تک) نواب صاحب کو سفرنامہ لکھنے کی مہلت نہ ملی اور اُن اہم کاموں میں مشغول ہوئے کہ جن کا بیان کرنا حیدرآباد کے مورّخ کا کام ہے اور نویں جنوری ۱۸۸۹ء کو مع الخیر کامیابی اور شادکامی کے

ساتھ حیدر آباد واپس آئے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۹۴	حیات النذیر (سوانح عمری مولوی نذیر احمد دہلوی)	سید افتخار عالم مارہروی	سنہ ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ع	نہایت جستجو کے بعد بھی مولانا کے بچپن اور شباب کے حالات اس قدر مختصر دستیاب ہوئے کہ گویا اُن کا عدم وجود برابر ہے۔ مولوی سعادت علی صاحب مولانا نذیر احمد صاحب کے نانا کے انتقال کے بعد خاص بجنور میں اپنے آبائی مکان میں آکر رہنے لگے۔ اُس وقت مولانا کی عمر کوئی چار برس کی ہوگی۔ عسرت اور توکّل دو ملازم ان کے ماں

باپ کے ساتھ آئے تھے، کوئی پھوپھو۔ انّا یا دادا۔ مولانا کے لیے نہیں رکھی گئی۔ وہاں تمام کھلائیوں کا مجموعہ صرف ایک ماں تھیں جنھوں نے اپنی محبت آمیز، متبرک گود میں آرام سے سُلایا اور مقدس ہاتوں کے جھولے میں چھوٹی چھوٹی پینگوں سے اُن کو جھلایا اور چوں کہ مولانا بچپنے میں گداز جسم بھی تھے تعجب نہیں کہ اُن کی والدہ گیند کی طرح اُن کو اُچھالا بھی کرتی ہوں۔

مولانا ہونہار اور ہوشیار لڑکوں کی طرح بچپنے میں نہایت چُلبلے تھے اُنھوں

نے کبھی ایک جگہ بیٹھکر ایک نشست میں پوری حجامت نہیں بنوائی، آدھی بنوائی اور بھاگ گئے دوبارہ سہ بارہ گرفتار ہو کر آتے تھے تو وہ آدھی پوری ہوتی تھی اور اسی وجہ سے جا بجا چوٹیں بھی لگا لیا کرتے تھے، جن کے نشان اب تک موجود ہیں۔ بے وضو نماز کا پڑھنا گویا ایک معمولی بات تھی، اکثر ایسا ہوا ہوگا کہ سحری اور افطار کے لالچ میں روزے رکھے ہوں گے اور کچھ عجب نہیں کہ پوشیدہ طور پر توڑے بھی ہوں۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۴۲	گلِ رعنا (یعنی) تذکرۂ شعرائے اردو	مولوی حکیم سید عبد الحی سابق ناظم ندوۃ العلما	۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء	اگلے زمانے میں جن لوگوں کو کچھ بھی علمی مذاق ہوتا تھا وہ اپنے پاس ایک ایک بیاض رکھا کرتے، کبھی اُس کی تقطیع کتابی ہوتی جن کا شیرازہ عرض میں کاغذوں کو موڑ کر باندھا جاتا، کبھی طول میں کاغذوں کو موڑ کر بہی کی طرح باندھتے، وہ ایک سادی کتاب ہوتی جو ہر وقت پاس رہتی۔ چھاپے خانہ اُس زمانہ میں نہیں تھا،

کسی خوش قسمت کو خود لکھکر یا لکھوا کر کتابیں مل بھی جاتی تھیں تو اُس زمانے میں ریل نہیں تھی اور اس طرح سفر سہل اور آسان نہیں تھا، کتابوں کو اپنے ساتھ سفر میں رکھنا

دشوار تھا اور رکھتے بھی تو سارا کتب خانہ کہاں کہاں لیے پھرتے، وہی سادی کتاب ساتھ رہتی، اسی وجہ سے اُس بیاض کا ایک نام "زاد السفر" بھی تھا۔ مذاقِ علمی بھی ایک طرح کا نہ تھا، جو طبیب ہوتے وہ بیاض پر اپنی مجرّبات یا کہیں سے کوئی مجرّب نسخہ ہاتھ آتا اُس کو لکھتے جاتے، کوئی نادر کتاب طب کی کہیں مل جاتی تو اُس میں سے نوادر کو جن کا محفوظ رکھنا ضروری سمجھتے اُسی بیاض میں قلم بند کر لیتے، عربی کی مثل ہے العلم صید والکتابۃ قید۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک بات کتابوں میں پڑھکر یاد ہو جاتی ہے مگر چند روز میں ایسا ذہول ہو جاتا ہے کہ وہی بات یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آتی اس واسطے لکھ لینا آیندہ چل کر کام دیتا ہے۔

تبصرہ و کیفیت

نمونہ (۱) کے چھوٹوں دور اس نمونے کے ساتھ ختم کیے جاتے ہیں، اور اب نمونہ (۲) شروع ہو گا جس میں دفاترِ سلطنت کے نمونے درج ہوں گے۔ اُردو زبان کی تردیج و ترتیب کے لحاظ سے جو تسلسلِ ادوار نمونہ (۱) میں قایم رہا ہے اُس کا التزام آیندہ نہ ملے گا۔ جس کی صرف ایک وجہ ہے کہ ۱۸۳۵ء تک عام بول چال اور خاص خاص تصانیف و تراجم کے سوا اُردو، دفاترِ سرکاری میں مروّج نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ سنۂ مذکور میں عام حکم جاری ہو جانے کے باوجود بھی ۸۔۱۰ برس تک کچہریوں کے اکثر فیصلے فارسی ہی میں لکھے جاتے تھے۔ یہاں اس اظہار

ہے مقصد یہ ہو کہ اُردو زبان کے تدریجی اور ارتقائی نمونے اور اس کتاب کا ماحصل جو کچھ ہے وہ سب اسی ایک نمونے کے چھ (۶) ادوار میں دیکھنا چاہیے آیندہ جتنے نمونے دکھائے جائیں گے اُن میں نہ اتنے دَور ہوں گے نہ ایسا تسلسل نہ ہر موقع پر تبصرہ و کیفیت کی کوئی خاص پابندی پائی جائے گی۔ نیز یہ کہ جس طرح اس نمونے کے ہر دور کی انتہا پر متروک و مستعمل اور قدیم و جدید الفاظ کی فہرست لکھی گئی ہے وہ بھی اب نہ لکھی جائے گی۔ کیوں کہ اُردو اور اُس کے الفاظ بہر حال وہی ہوں گے جو اس نمونے میں اپنے عہد کے ساتھ تدریجاً مستعمل و متروک رہے ہیں۔ آیندہ نمونوں میں زیادہ عنوانات کا تنوع ہوگا نہ زبان کا البتہ جن نمونوں میں زبان و محاورات کا فرق پایا گیا ہے اُن میں دستیاب شدہ مثالوں کے لحاظ سے ترتیب ادوار قائم کر دی گئی ہے۔

اس اطلاع کے بعد نمونہ (۱) کے دورِ ششم کی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:-

منشائے اصلی اس تاریخ کی تدوین و ترتیب کا یہ ہو کہ ادب نواز ناظرین کے سامنے تو وہ جتنی مثالیں اُردو زبان کی تصنیفات و تالیفات سے مل سکیں وہ بحرفہ و بجنسہٖ پیش کر دی جائیں۔ اور ذہن کو متوجہ کرنے کے لیے اپنی لیاقت و معلومات کی حد تک ایسی تبدیلیوں کو اجمالاً لکھ دیا جائے جن سے اندازہ ہو سکے کہ اُردو کی ابتداءً کیا حالت تھی اور رفتہ رفتہ کن کن مراحل کو طے کر کے کس منزل پر پہنچ چکی ہے۔ نظم و نثر کی اگلی پچھلی جتنی مثالیں ملتی ہیں اُن کو ترتیب دینے کے بعد تاریخی

اصول پر یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اردو یا ہندوستانی زبان جس میں عربی، فارسی۔ ترکی الفاظ اپنی اصلی صورت میں یا بہ تبدیلِ ہیأت شامل ہوئے ہیں، مسلمان فاتحین و سلاطین اور بزرگانِ دین و متصوفین کی آمد و سکونت کے ساتھ شامل ہوئے ہیں۔ اب اس کی تخم پاشی محمد قاسم فاتحِ سندھ (۹۲ھ / ۷۱۱ء) کے عہد سے مانی جائے یا اس کی نشو و نما محمود غزنوی (۳۹۷ھ / ۱۰۰۶ء) اور شہاب الدین غوری (۵۸۸ھ / ۱۳۲۴ء) کے زمانوں سے متعلق کی جائے، یا اس کے پھلنے پھولنے کا سہرا حضرتِ امیر خسرو (۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء) کے سرِ مبارک پر باندھا جائے۔ کوئی صورت ہو انھیں تین چار زمانوں میں نظر آئے گی۔ یہاں قدرۃً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تک اردو کی کتابیں تحقیقی طور سے تالیف و تصنیف نہیں ہوئی تھیں اس کا وجود کیا حیثیت رکھتا تھا؟ معمولی غور کرنے سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی ملکی زبانیں مسلمانوں کے ابتدائی عہدوں میں بھی تلنگو، تامل۔ مرہٹی۔ بنگالی۔ اڑیا۔ کڑیا اور برج بھاشا وغیرہ کے سوا کچھ اور نہ تھیں اسی طرح اُن کے مقابل میں مسلمانوں کی زبانیں عربی، فارسی۔ پشتو اور ترکی معروف و مشہور تھیں سلطنت و حکومت کے غلبے سے موخّر الذکر زبانوں کو دفاتر میں عموماً اور تالیف و تصنیف میں خصوصاً باریابی حاصل ہوئی اور مغلوبیت و محکومیت کے اثر سے مقدّم الذکر زبانوں کو کم و بیش ترمیم و تنسیخ کے ساتھ معمولی کاروباری روزمرہ کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ جس نے مقتضائے ضرورت کے ماتحت یوماً فیوماً مختلف انداز و اسالیب پیدا کر کے مدّتوں کے بعد اپنی انفرادی صورت قایم

کرلی۔ اس حقیقت کے سمجھنے میں کسی تامّل کی ضرورت نہیں۔ اب سے نصف صدی قبل کی انگریزی زبان کا ہلکا ہلکا اثر اور عصرِ حاضر کی پوری پوری گہری پیوستگی بتا رہی ہے کہ ہر نئی زبان کی ابتدا کس طرح ہوتی ہے اور انتہا تک کیا نوبت پہنچتی ہے۔ جس طرح آج چار لفظ اُردو کے اور دس لفظ انگریزی کے ایک جملے میں بولے جاتے ہیں اسی طرح اُس زمانے میں غیر ہندی مگر شاہی زبان اگر دیوبانی کے دامن کی چولی بنی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اس ابتدائی و انتہائی تاریخی استعارات کے بعد دیکھنا چاہیے کہ مندرجہ بالا ادوار میں ہر زمانہ و عہد کی زبان کیا حیثیت و حالت رکھتی تھی۔ آج ہم جس زبان کو نہیں سمجھ سکتے یا نہیں بولتے اُس کے متعلق یہ کہدینا کہ یہ زبان کس کام کی، اصولاً اپنی نادانی و نافہمی کا ثبوت دینا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس نمونے میں دورِ اوّل سے دورِ چہارم تک کی زبان اُردو نہیں یا یہ کہ وہ ناقابلِ اعتنا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے ابتدائی عہد کے سبب نیز دوسری حکومتی یا تصنیفی (فارسی) زبان کے زیادہ مروّج ہونے کی وجہ سے اُس نے چوتھے دور تک وہ حیثیت پیدا نہیں کی جو ایک علمی زبان کے لیے مخصوص ہو سکتی ہے۔ اشدّ ضرورت اور تبلیغِ مذہب کی خاطر قدیم عہدوں میں جتنی کتابیں لکھی گئیں وہ بالاکثر ایک محدود و مخصوص حلقے اور دائرے کے لیے تھیں نہ عام ترویج کے واسطے اس دور میں اگرچہ اُردو زبان بلحاظ سلاست و وسعت بہت سے مدارج طے کر چکی تھی، پھر بھی نثر میں مختلف علوم و فنون

کے نمونے نہیں ملتے۔ فضلی کی وہ مجلس یا اُس کے بعد بعض انگریزی قانون کے تراجم وغیرہ پائے جاتے ہیں لیکن اُنھیں عدمِ تنوّع کی وجہ سے پیوستہ ہنگامہ آرائیوں کی صدائے بازگشت کہا جا سکتا ہے اور بس۔ فی الحقیقت اُردو زبان کو جتنی نمایاں ترقیاں دورِ پنجم و ششم میں حاصل ہوئی ہیں وہی علمی حیثیت سے قابلِ قدر ہیں۔

پانچویں دور کی ابتدا سنہ ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء سے قایم کی گئی ہے۔ اس عہد میں کم و بیش نصف صدی تک جس قدر اُردو نے نشر و اشاعت حاصل کی وہ تمامہا حکومتِ برطانیہ کے فیضانِ توجّہ کی بدولت ہے۔ فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) کی بنیاد اور ڈاکٹر جان گلگرسٹ (متوفی سنہ ۱۸۴۱ء / ۱۲۵۷ھ) کا منتظمِ کالج ہونا اسی زمانے سے متعلق ہے۔ اگرچہ یہ انتظامات اہلِ حکومت نے اپنی آسانیوں اور اجنبیت کے مٹانے کی خاطر کیے تھے لیکن اسی کے ساتھ اس اعتراف سے اغماض نہیں کیا جا سکتا کہ اس بدیسی التفات نے دیسی زبان پر بہت کچھ احسانات کیے۔ میر امّن دہلوی، میر شیر علی افسوس، میر بہادر علی حسینی، سید حیدر بخش حیدری، مرزا کاظم علی، نہال چند لاہوری، مظہر علی خاں ولا، للّو لال جی، مرزا علی لطف بینی نراین، مولوی امانت اللہ، اور ایسے بہت سے اہلِ قلم اسی عصر کی زندہ یادگاریں ہیں، ان سب کی تالیفات و تصنیفات میں اگرچہ باہمی کوئی امتیازی فرقِ زبان نظر نہیں آتا، وہی استعارات و تشبیہات، وہی مسجّع و مقفّیٰ انداز وہی لفظی ترجمے کے اسالیب ہیں، جن کو آج گلابی یا بلغ العلائی اُردو کے خطابات دیئے جا سکتے ہیں لیکن ایک امتیازِ خاص یہ پایا جاتا ہے کہ بخلافِ گزشتہ ادوار کے بحیثیتِ مجموعی اس

عہد کی انشا پردازی بامِ ارتقا کی طرف پرواز کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ محاوراتِ زبان اور اندازِ بیان میں وہ اجنبیت باقی نہیں جو تیسرے اور چوتھے دوروں میں پائی جاتی ہے۔ تقریباً ۱۸۵۷ء تک یہ رنگ بھی پھیکا پڑجاتا ہے اور اب بالا وسطِ فی صد ۷۵ تحریریں ایسی ملنے لگتی ہیں جن کو عصرِ حاضر کی روش کا رہنما کہنا چاہیئے۔ اس انقلاب کی شہادت سب سے پہلے مرزا غالب کے اُردو خطوط سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر مُصلحِ اعظم سر سید احمد خاں کے دست و قلم سے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ پانچویں دور کے وہ اوّلین اہلِ قلم جن کی خدماتِ زبان سے اُردو کے کوتاہ دامن کو وسعت و افزائش نصیب ہوئی اُن کے اسمائے گرامی مذکور ہو چکے، لیکن جن کی توجہات و سرپرستی نے اُس کو علمی عروج و وقار بخشا اُن میں غالب۔ علیٰ کلِّ غالب ہے۔

مرزا رجب علی سرور۔ فقیر محمد خاں گویا۔ مولوی غلام امام شہید، امام بخش صہبائی وغیرہ بھی اسی عہد کے مشاہیر اہلِ قلم سے ہیں، لیکن یہاں اُن لوگوں کا انتخاب منظور ہے جن کے اندازِ تحریر میں مجتہدانہ شان نظر آتی ہو، اس لحاظ سے مرزا غالب کے سوا دوسرا صاحبِ قلم اُردو کی طرزِ جدید کا موجد اُس زمانے میں نہیں کہا جاسکتا۔ مرزا غالب کی طرز میں کیا جدّت ہے؟ اس کا جوابِ مختصر و جامع یہ ہے کہ مرزا اپنی ہر طرزِ تحریر میں تمام اہلِ قلم سے جدا رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اکثر اس ارادے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ امتیاز معمولی سی معمولی باتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً انوار الدولہ شفق کے تعریف میں احترام الدولہ کو اپنا ہم زبان بنانے کے لیے باین الفاظ اظہارِ مدعا کیا

جاتا ہے: - احترام الدولہ بہادر میرے ہم زبان اور آپ کے ثنا خواں رہے، گویا اس امر خاص میں وہ شریکِ غالب ہیں۔ ہم بطریق کسرۂ اضافی وہم بسبیلِ کسرۂ توصیفی یا مثلاً عام طور سے دن کے کسی گھنٹے کی تعداد بتانے کے لیے اُسی گھنٹے کا نام لے دینا کافی سمجھا جاتا ہے مگر مرزا ۳ بجے کو بارہ پر تین بجے لکھیں گے۔ غرض کہ اسی قسم کی جدت طرازیاں اُن کے اندازِ بیان کا عنصرِ غالب ہیں اسی کے ساتھ، شوخی۔ ظرافت۔ سیدھی سی بات کو ذرا پیچ دے کر لکھنا۔ وہ خصوصیات ہیں جن سے اُن کی روش تمام اہلِ قلم سے ممیز و ممتاز ہو جاتی ہے۔ اس وقت تک مرزا غالب کی طرزِ تحریر کا نمونہ کسی کے اندازِ کتابت میں نہیں پایا جاتا۔ یہ بجا ہے کہ مرزا کے جس قدر تحریرِ اُردو کے نمونے ہیں وہ سب خطوط تک محدود ہیں، کوئی مبسوط تالیف اُن کی یادگار نہیں جس سے پورا اندازہ کیا جا سکے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ کاتب و محرّر کا رجحانِ طبع اور مذاقِ خاص چند سطروں سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اور جب کہ مرزا کے خطوط کی تعداد بجائے خود ایک ضخیم کتاب کے برابر ہے اور اُن میں مختلف خیالات جدّتِ تنوعات کے ساتھ سطر سطر سے نمایاں ہو رہے ہیں ایسی صورت میں کسی بسیط تالیف کے نہ ہونے سے اُن کے عجزِ طبع کا گمان کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

مرزا غالب کی ولادت ۱۲۱۲ھ؁ (۱۷۹۷ء) میں واقع ہوئی اور ۱۵-۲۰ برس کی عمر کے بعد اُن کی علمی خدمات کا سلسلہ شروع ہو گیا مگر وہ سلسلہ زیادہ تر فارسی و اُردو نظم سے منسلک ہے، یا پھر فارسی نثر سے۔ اُردو خطوط نویسی حسبِ تحقیق مولانا حالی ۱۲۶۶ھ؁ (۱۸۵۰ء) کے بعد سے

وجود پزیر ہوتی ہے، جس کا دور اُن کے انتقال (۱۸۹۸ء ۱۳۱۵ھ) تک سمجھنا چاہیے۔ اسی دوران میں جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ کی مساعیِ جمیلہ اپنی ملکی اُردو زبان کے متعلق شروع ہوئیں۔ سر سید ۱۸۳۸ء ۱۲۵۴ھ سے ۱۸۷۸ء ۱۲۹۶ھ کے چہل سالہ دور تک اگرچہ سرکاری ملازمت کی قیود و پابندی سے فرض شناس کارکن کی طرح آزاد نہیں رہے پھر بھی اُن کی زندگی کے تمام لمحات مختلف مشاغل و شعبہ جات میں حقِ کارفرمائی ادا کرتے رہتے تھے، جن کی تفصیل کے لیے حیاتِ جاوید کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف اُردو تصنیف و تالیف کا مجمل تذکرہ کیا جائے گا۔ اُن کا دورِ تصنیف تقریباً ۱۸۴۲ء ۱۲۵۸ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے سید الاخبار (جس کو سر سید کے برادر بزرگ نے ۳۶-۱۸۳۵ء میں جاری کیا تھا) میں اُن کی تحریروں کے موجود ہونے کا امکان ہے مگر چوں کہ وہ دست یاب نہیں ہوئیں اس لیے اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔ آثار الصنادید، جلاء القلوب، تحفۂ حسن، تحصیل فی جرح السائل (ترجمۂ معیار العقول)، فوائد الافکار۔ قول متین۔ کلمۃ الحق۔ راہِ سنت۔ سلسلۃ الملوک۔ ترجمۂ کیمیائے سعادت۔ تاریخ بجنور۔ رسالۂ اسبابِ بغاوتِ ہند وغیرہ اُن تالیفات و تصنیفات میں ہیں جن کا زمانہ ۱۸۴۲ء ۱۲۵۸ھ سے شروع ہو کر ۱۸۵۸ء ۱۲۷۴ھ تک ختم ہو جاتا ہے۔ ان کتابوں میں بعض ابتدائی کتابیں ایسی ہیں جن کی اُردو دورِ پنجم کے مصنفینِ اوّلین کی روش سے ملتی جلتی ہے خصوصاً آثار الصنادید کا دیباچہ پڑھ کر یقین کیا جا سکتا ہے کہ مولوی غلام امام کی تعریفِ روضۂ تاج گنج کو سامنے رکھ کر اُس کا چربہ اُتارا گیا ہے۔ جس طرح سر سید کے تمام چھوٹے بڑے کارناموں میں ایک

و قومی خدمات کا جذبہ و اثر نمایاں ہے اسی طرح اُن کی جملہ تالیف و تصنیف میں اُردو کے سوا کسی زبان کا دخل نہیں پایا جاتا ہے۔ زمانۂ مذکور کے بعد اُن کی جتنی تصنیفیں جس قدر تقریریں دیکھی اور سنی گئیں وہ اُردو زبان کی انتہائی سلاست و فصاحت اور کمالِ جامعیت کی بولتی ہوئی تصویریں ہیں جن مذہبی مسائل اور علمی مضامین کو اُن کے ماقبل و مابعد اہلِ قلم، الجھی ہوئی ترکیبوں اور بعید الفہم اسلوبوں کے ساتھ اُردو میں لکھتے تھے، اُن دشوار راستوں اور پیچیدگیوں کو ایسی آسانیوں اور روانیوں سے سلجھایا ہے کہ انھیں سہلِ ممتنع کہنا ہرگز مبالغہ نہیں۔ اس بنا پر دورِ پنجم کے دوسرے موجدِ اُردو جن کی طرز و روش پسندیدۂ عام اور مقبولِ انام ہوئی سر سید احمد خاں مرحوم ہیں۔

سر سید کے بعد جس مجتہدِ اُردو کا نام لیا جا سکتا ہے وہ شمس العلما پروفیسر محمد حسین آزاد دہلوی مرحوم کی ذات ہے، اُن کے کارنامے، اُن کی مفید خدماتِ اُردو کسی سے پوشیدہ نہیں اس لیے تفصیل سے قطع نظر کر کے بالاختصار لکھا جاتا ہے کہ جس انشا پردازی کو ادب کی جان، اور لٹریچر کی روح کہا جا سکتا ہے وہ صرف آزاد کی خلّاقیِ معانی سے پیدا ہوئی ہے۔ اُن کا مختص النوع اندازِ بیان ایسا دل کش اور دل آویز ہوتا ہے کہ پڑھنے والا بے ساختہ تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بظاہر عبارت بہت آسان اور عام فہم ہوتی ہے مگر موزوں استعاروں اور دل چسپ تشبیہوں سے ایسی مرصّع کاری کی جاتی ہے کہ اُن کی نثر، نظم کا لطف پیدا کر دیتی ہے۔ اس شاعرانہ انشا پردازی کی تقلید بھی اس وقت تک کسی سے نہیں ہو سکی! اور مرزا غالب کی طرح اگر اُن کو علی

کلِ غالب نہ کہا جائے تو لاشریک لہٗ کہنے میں کوئی شک نہیں تصانیفِ آزاد میں تذکرہ آبِ حیات ایک ایسی زندۂ جاوید کتاب ہے جس میں مصنف کی نازک خیالیاں بے شمار محاسنِ صوری و معنوی کے ساتھ اپنی بے مثال لطافتوں کو موتیوں کی طرح بکھیر رہی ہیں

دورِ پنجم کے نصفِ آخر اور دورِ ششم کے رُبعِ اوّل میں تین ہستیاں اور ہیں جنھیں اپنی اپنی طرزِ خصوصی کے ساتھ ایسے امتیازات حاصل ہیں جن کی وجہ سے گروہِ اہلِ قلم میں وہ صدر نشینی کا جائز منصب پائے ہوئے ہیں۔ یعنی شمس العلما مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں، شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی، شمس العلما مولانا شبلی نعمانی مولوی نذیر احمد میں اعلیٰ درجے کی عربیت کے ساتھ بے مثل قدرتِ بیان، وسیع ذخیرۂ الفاظ اور وہ تصرفات جو جدتِ خیال اور ظریفانہ نکتہ سنجیوں کے لحاظ سے، خاص و عام سب کے لیے یکساں دلچسپیوں کا باعث ہو سکیں انفرادی حیثیت سے نمایاں ہیں۔ یہ خصوصیتیں ادب کے کسی خاص شعبے کے لیے محدود نہیں بلکہ ہر وادی، ہر میدان اور ہر روش کو اُن کے قدم بغیر کسی لغزش کے رہنما کی حیثیت سے طے کرتے ہیں۔ اگرچہ تصانیف کی تعداد دوسرے اہلِ قلم کے پاس اُن سے زیادہ پائی جاتی ہے مگر یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اکثر متداول علوم و فنون میں جس تنوع کے ساتھ اُن کا قلم رواں ہوا ہے اُس کی مثالِ جامع دوسروں کے ہاں نہیں ملتی۔ مثلاً وہ قوانین کے تراجم سے راعی و رعایا میں اور مذہبی مواعظ و کتابت سے مسلمانوں میں، اور ناولوں وغیرہ کے ذریعے سے عام مردوں، عورتوں اور بچوں میں یکساں مشہور و معروف اور مقبول

ہیں۔ روانی و سلاست زبان کے ساتھ اُن کے بیان کا ایک مخصوص انداز عربی فارسی اور بعض جگہ انگریزی الفاظ کا اجتماع و تصرّف ہے جس کو اُن کی ظرافت کا چٹخارا ایسا پُرلطف بنا دیتا ہے کہ غرابتِ الفاظ باقی نہیں رہتی۔

مولانا حالی کا اندازِ تحریر نہایت سادہ اور بغایت سنجیدہ و متین ہے۔ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا ہے جو بغیر کسی جوش و خروش کے پورے وقار و عظمت کے ساتھ بہا چلا جاتا ہے۔ طبیعت میں ایک جچا تُلا خاص طرح کا مادّہ ہے جو حشو و زوائد سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ خیالات و مقالات میں کہیں جھول جھال کسی طرح کی اُلجھن نہیں، یکرنگی کی شان ہر انداز میں پیدا ہے جس کو سلاست و نفاست اور قدرتِ کلام کی آخری حد کہنا چاہیے۔ سرسیّد کے بعد واقعہ نگاری کے میدان میں جس انداز سے مولانا حالی گامزن ہوئے ہیں، دوسروں میں یہ طرزِ خرام نہیں پائی جاتی۔

مولانا شبلی پانچویں اور چھٹی دونوں صدیوں کے سلسلۂ ادوار کی ایسی کڑی ہیں کہ اگر اُس کو الگ کر لیا جائے تو اگلے پچھلے تمام حلقہ ہائے زنجیر دیدۂ بے نور بن کر سودا کے شعر کا مصداق بن جائیں گے:۔

جنوں کے ہاتھ سے سر تا قدم کا ہیدہ آنا ہوں ۔۔۔ کہ اعضا دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں غمگانی

اُن کی جامعیت و قابلیت محتاجِ تعارف نہیں، سب جانتے ہیں کہ اس وقت جس کی تحقیق و تنقید نے اہلِ قلم میں عام تقلید کی رو دوڑائی ہے وہ انھیں کی ذات ہے۔ حدیث و فقہ، تعلیمات و مواعظ کے ہر شعبے میں وہ ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں لیکن

تاریخ و ادب میں جن حکیمانہ انکشافات اور نکتہ آرائیوں سے اس فن کو استقلال بخشا ہے' اس خصوص میں اُن سے پہلے اور نیز اب تک کوئی اُن کا حریف نظر نہیں آتا۔ اُن کی تحریروں میں لطیف رنگینوں اور جاذب روح دل کشیوں کے ساتھ جو صفائی و سادگی موجود ہے وہ روشس اُن کے بعد تمام اہلِ قلم کے لیے موجب افتخار ہے۔ تبصرہ و تحقیقات کو جس اندازِ خصوصی کے ساتھ اُنھوں نے ملک میں مروّج کیا ہے' اُس کی پیروی کے لیے اچھے سے اچھا انشا پرداز بھی متمنّی نظر آتا ہے۔ اپنے ہر بیان کو وہ بہت توضیح سے بیان کرنے کے عادی ہیں' جس کی وجہ سے کہیں کہیں تکرارِ مضامین کی نوبت آجاتی ہے' لیکن اس قسم کے مکرّرات سے بادی النظر میں سہو و نسیاں کے سوا کوئی نقصان معلوم نہیں ہوتا۔ سر سیّد اُن کے اندازِ تحریر کو پسند کرتے اور کہا کرتے تھے کہ "تم تو دہلی و لکھنؤ دونوں کے لیے باعثِ رشک ہو" اس واقعہ بیانی کا یہ ثبوت ملتا ہے کہ آج جتنے مشاہیر معاصرینِ ادب ہیں وہ اسی معلّمِ ادب کے ہم سبق یا ہم روش یا مقلّد نظر آتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فی زمانناجس اُردو کو علمی زبان کہہ سکتے ہیں وہ انھیں ارکانِ خمسہ (سر سید۔ آزاد۔ نذیر احمد حالی اور شبلی) کی قوّتِ اجتہادی اور تصرّفاتِ افادی کا فیضانِ عام ہے۔

دورِ ششم (جس نے نصف صدی کے ۴۸ مراحل طے کر لیے ہیں) اُردو زبان کے سرپرستوں سے چشم بد دور محروم نہیں' لیکن ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ اُن معاصرینِ اہلِ قلم کے کارناموں کو مختتم سمجھا جائے اس لیے فی الحال صرف اُن ناموں کی مختصر

فہرست پیش کی جاتی ہے جو اپنے افاداتِ قلم سے آسمانِ ادب کو چار چاند لگانے والے ہیں۔ ناموں کے اندراج سے پہلے یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ مندرجۂ ذیل فہرستِ اسما، پوری فہرست نہیں ہے بلکہ نمونے کے لیے چند نام درج کیے جاتے ہیں، تمام اردو نویس اہلِ قلم کا محاصرہ اس تالیف کا مقصدِ اصلی نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ اطلاع بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بعض مشاہیر اہلِ قلم کے نام اس تبصرہ وکیفیت میں نہیں لکھے گئے ہیں اور وہ اس لیے کہ دوسرے نمونوں میں جہاں اُن کی تصانیف کا اندراج ہوا ہے اُس کے ساتھ اُن کا تبصرہ موزوں سمجھا گیا۔

اہلِ قلم کے صاحب طرز ہونے کا جو معیار راقم نے اپنے ذہنِ ناقص میں قائم کیا ہے، اُس کی مختصر شرح یہ ہے کہ وہ اندازِ بیان جسے اپنے متقدم ومعاصر، نیز متعاقب اہلِ قلم کی طرزِ ادا کے مقابل میں ایسی خصوصیات حاصل ہوں جن کو دوسرے نہیں لکھتے اور اُس کا امتیاز دیگر ہم معنی مضامین میں خلط ملط کر دینے کے بعد بھی ایک مشاقِ مبصر کو بیک نظر ہو جائے اسلوبِ خاص کیے جانے کا مستحق ہے۔ عصرِ حاضر کے مشاہیر اہلِ قلم میں جن کی طرزِ تحریر عام مقبولیت پا چکی ہے اور جن سے آیندہ صاحب طرز ہونے کی امید کی جا سکتی ہے اُن میں سے چند کے نام اپنے حافظے کی مدد سے لکھتا ہوں:۔

خان بہادر ناصر علی خاں۔ مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی۔ سر عبدالقادر۔ مولوی ابوالکلام آزاد۔ مولوی سید سلیمان ندوی۔ مولوی عبدالحق ناظم انجمن ترقی اردو۔ مولوی سید عبدالسلام ندوی۔ خواجہ حسن نظامی۔ مولوی ظفر علی خاں۔ مولوی عبدالماجد دریابادی۔ سر تیج بہادر سپرو۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ۔ رشید احمد صدیقی۔ نیاز فتحپوری۔ سلطان

حیدر جوش۔ مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی۔ سید محفوظ علی بدایونی۔ راشد الخیری۔ سید سجاد حیدر یلدرم

ان موجودہ اہلِ قلم کے سوا اسی دور کے چند ایسے اشخاص بھی گزر گئے ہیں جن کا سرمایۂ تحریر بھی عصر حاضر کے لیے زندہ یادگار ہے مثلاً سید مہدی حسن افادی۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن بجنوری۔ چکبست سرور جہاں آبادی۔ نوبت رائے نظر وغیرہ۔

ہر دور کے اختتام پر تبصرہ و کیفیت کے تحت میں متروک و مستعمل الفاظ و محاورات کی فہرست بھی برابر لکھی جا رہی ہے، لیکن دورِ ششم میں متروکات و مستعملات کی وہ شان باقی نہیں جس کا اثر دورِ پنجم تک عموماً دیکھا جاتا ہے بلا شبہ اُردو زبان کی وسعت و ہمہ گیری پہلے سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور یہ صحیح خیال ہے کہ "جب کوئی زبان چل نکلتی ہے تو مشق اور تکرار (استعمال) کی بدولت اس میں بولنے والوں کی معاشرتی حیثیت اور پیشوں کے اعتبار سے بھی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ (مثلاً بول چال کی زبان، تحریری زبان وغیرہ) کبھی کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی زبان یا ایک ہی بولی بولنے والے لوگوں میں مقامی اختلافات کے علاوہ ایسے افراد کے مجموعے بھی موجود ہوتے ہیں جو الگ الگ خصوصیتیں رکھتے ہیں اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زبان کو معمولی صحت کے ساتھ نہیں بولتے بلکہ ناقص طور پر استعمال کرتے ہیں۔" اسی قسم کے لسانیاتی اصول نے فی زمانہ اردو میں بھی حسب ذیل اختلافوں کو رونما کر دیا ہے:۔

(۱) اردو تراجم میں انگریزی ساخت کے اسالیبِ بیان۔

(۲) عربی، فارسی الفاظ کا غلط تلفظ ہے۔

(۳) دہلی و لکھنؤ اور دوسرے صوبوں میں خاص خاص الفاظ کا خصوصی استعمال۔

(۴) دورِ چہارم و پنجم کے بعض متروک الفاظ کی معاودت۔

ان اختلافی استعمالات پر نقد و تبصرہ منظور نہیں، بطورِ تذکرہ صرف اُن کا اظہار مناسب سمجھا گیا تاکہ تاریخی حیثیت سے زبان کے ارتقائی مدارج ذہن نشین ہو جائیں، رہی بحث و تحیص اُس کے لیے صحائف و جرائد کا میدان موجود ہے اور بیشتر ایسے مباحث اُن میں ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ اس بیان کی تائید و ثبوت کے لیے متذکرۂ بالا اختلافوں کے چند نمونے لکھے جاتے ہیں :۔

اردو تراجم میں انگریزی ساخت کے اسالیب بیان

(۱) "وہ چاہتا تھا کہ اپنی تصویر میں اُس کی مسکراہٹ کو ابدی طور پر منتقل کر دے"۔

(۲) "اُس کے بالوں میں سیمیں چمک تجربہ کاری کی مظہر تھی"۔

(۳) وہ ہماری فاضل آبادی کے لیے ایک قدرتی نکاس کا کام دیتی ہیں۔

(۴) اچانک ایک تجارتی کمپنی حکومت سے بدل گئی۔

(۵) ناولوں اور افسانوں میں جہاں سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، وہاں اکثر یہ اسلوبِ بیان اختیار کیا جاتا ہے کہ سائل یا مجیب کا مقولہ پہلے لکھ دیا اور قائل کا حوالہ بعد کو دیا۔ مثلاً :۔

"تمھیں دردِ گردہ کی شکایت ہے"؟

نہیں نہیں، بخدا نہیں، آہ!" اُس نے بُری طرح سے آنکھیں بھینچ کر اور منہ بگاڑ کر جواب دیا

"باپ! مجھے جانے۔ مجھے جانے دو" مونا نے خوشامد سے کہا۔

عربی فارسی الفاظ کا غلط تلفّظ

اس ذیل میں وہ مثالیں نہیں لکھی جائیں گی جن کو کسی شخصِ واحد نے استعمال کیا ہے اور اُس کے معاصرین نے نہیں مانا یا اُس کی طرح استعمال نہیں کیا مثلاً المضاف نوشتۂ آتش یا شم بتحریک ہیم محرّرۂ مومن وغیرہ۔ بلکہ اُن الفاظ کی فہرست لکھی جائے گی جن کو صحتِ لغت کے خلاف ناواقفیت سے وہ اشخاص بولنے لگے ہیں جنھیں عربی فارسی سے معمولی واقفیت بھی نہیں مگر انگریزی زبان کے فارغ التحصیل ہیں۔

اسی ضمن میں غلط العام فصیح کے متعلق جو مغالطہ آج کل عام ہو رہا ہے اُس کی وضاحت بھی مناسبِ مقام معلوم ہوتی ہے۔ مقولۂ مذکور میں عام سے مراد پڑھے لکھے اشخاص کی عمومیت ہے نہ اَن پڑھوں اور بازاری لوگوں سے۔ اُن کو عوام کہنا چاہیے نہ عام۔ اس بنا پر وہ لفظ جو عام طور سے لکھے پڑھوں میں صحیح لغت کے خلاف مستعمل ہو گیا ہو، اُسے فصیح کہا جائے گا نہ کہ جہلا کا تلفّظ۔ مثلاً بیگم، ہیزم کہ اصل میں گاف کے پیش سے ہیں مگر اردو میں سب پڑھے لکھے زبر سے بولتے ہیں۔ یا آزردہ لغت میں بفتح زائے معجمہ ہے مگر پڑھے لکھے پیش سے بولتے ہیں۔ یا جلوہ بکسرِ جیم جس کو سب بفتح جیم بولتے ہیں، اسی طرح نثار بضم نون کہ بکسرِ نون بولا جاتا ہے۔ غرض کہ اسی قسم کے الفاظ خواہ بالاتفاق بولے جاتے ہوں یا باختلاف پڑھے لکھوں کے تلفّظ کی بنا پر غلط العام فصیح کہے جا سکتے ہیں۔ ورنہ جہلائے عوام کی رعایت سے۔ تخت بفتح اوسط۔ اور مخالص۔

اور ناگروہ، اور بجائے جہیز کے دہیز وغیرہ بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔

غلط تلفّظ کی چند مثالیں

نمبر	صحیح تلفّظ	غلط تلفّظ	شمار	صحیح تلفّظ	غلط تلفّظ
۱	حتّی الامکان (بفتح تا)	بضمّ تا	۷	جواد (بغیر تشدید واو)	(بتشدیدِ واو)
۲	اِناث (بکسر اوّل)	بضمِ اوّل	۸	نقص (بفتح نون)	(بضمِ نون)
۳	اِخوان (״)	(״)	۹	شرف (بفتح را)	(بسکون را)
۴	مَصُون (بغیر ہمزہ)	مع الہمزہ	۱۰	استدعا (بروزن استفعال) بسکون دال	(بتحریکِ دال)
۵	دائم المرض	دائم المریض	۱۱	نکہت (کاف سے)	(گاف سے)
۶	مدّعا (بفتح دال)	بضمّ دال	۱۲	اَسرار (جمع) بفتح اول	بکسرِ اول

دہلی و لکھنؤ اور دوسرے صوبوں میں خاص خاص الفاظ کا خصوصی استعمال

اس عنوان کو بھی کئی شعبوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔

(الف) تذکیر و تانیث کے وہ پُرانے اختلافات جو دہلی و لکھنؤ کے شعرا میں باہم اجتماعًا یا انفرادًا چلے آتے ہیں، مثلاً ایک ہی شہر میں طرز لفظ۔ فکر۔ سانس وغیرہ کو کوئی مذکّر بولتا ہے کوئی مؤنث۔ اسی طرح اوک۔ اندھڑ۔ جھگڑ۔ آپ ایسے آپ جیسے

یہاں، ہاں (گھر۔ جگہ) دہلی و لکھنؤ میں ایک دوسرے کے خلاف مستعمل ہیں۔

(ب) اُن الفاظ کی تذکیر و تانیث جن میں شعرا کا بہت کم اختلاف ہے مگر اس زمانے کے تمام مشاہیر اہلِ قلم الشاذ کالمعدوم کو بلا اختلاف وجود میں لا چکے ہیں۔ مثلاً لفظ ایجاد کہ اس کو تمام یا بکثرت مستند شعرائے دہلی و لکھنؤ نے مذکر استعمال کیا ہے، لیکن اب چند شعرا کے سوا اس کی تذکیر پر عموماً ہر شخص کو تامل ہے۔ یہی حال لفظِ فہم وغیرہ کا ہے۔

(ج) اہلِ لکھنؤ عربی لفظ کو جو مؤنث مستعمل ہو اگر بقاعدہ عربی جمع بنائیں گے تو اُس جمع کو مذکر بولیں گے۔ جیسے کیفیت مؤنث اور کیفیات مذکر۔ کتاب مؤنث۔ کتب مذکر۔ آیت مؤنث۔ آیات مذکر۔ مگر اہلِ دہلی اور دوسرے صوبوں میں دو ایک مستثنیات کے سوا اس کے خلاف استعمال ہے یعنی مفرد کی رعایت سے جمع کی تذکیر و تانیث ہو گی۔ مذکورۂ بالا الفاظ کی ہر جمع لکھنؤ کے سوا دوسرے صوبوں میں بھی مؤنث بولی جاتی ہے۔ یہ اختلاف اور قاعدہ بخصوصیت دورِ ششم کی یادگار ہے۔

دہلی و لکھنؤ کے سوا پنجاب میں بہت سے نئے الفاظ اور خاص ترکیبیں مستعمل ہیں۔ مثلاً سنسنی خیز۔ نہ ہی۔ مورخہ یکم جنوری کو۔ پرواہ۔ اُس نے پہنا ہوا تھا۔ میں نے تو بجلی جلائی ہوئی تھی۔ رونے لگ پڑی۔

(د) چند قدیم الفاظ بعض اہلِ قلم کی تحریروں میں نظر آتے ہیں جن کو توسیعِ زبان کے خیال سے جائز سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً۔ مت۔ تئیں۔ تلک۔ پر بجائے مگر۔ وغیرہ۔

اسی سلسلے میں بعض ایسے الفاظ بھی مستعمل ہونے لگے ہیں، جن کا استعمال اب سے پہلے نہ تھا صرف اسی زمانے کے اہلِ قلم نے شروع کیا ہے۔ مثلاً۔ مندوب۔ مستعمرات ہوم۔ شناتی۔ سماجی۔ آرٹ۔ ٹھوس قابلیت۔ شاہ کار۔ شہ پارہ۔ حصارت انخلال عملی زندگی۔ گول میز۔ پروپگنڈا۔ روشنی ڈالنا۔ وغیرہم۔ ایک خادمِ زبان کی حیثیت سے متذکرۂ بالا اختلافات و استعمالات کے متعلق راقم کی رائے ہے کہ زندہ رہنے والی زبان کے حق میں اس قسم کی ترمیمیں، اور اضافے مفید و ضروری ہیں بشرطیکہ اصولِ قواعد کے تحت میں اُن کے ردّ و قبول کے لیے مرکزی حیثیت سے کوئی معیار قرار دے دیا جائے۔

دورِ ششم سے پہلے جتنے نمونے لکھے گئے ہیں اُن میں ترتیبِ سنین کا التزام کیا گیا ہے لیکن اس دور میں بیک وقت کتابوں کے یکجا نہ ہونے کی وجہ سے یہ پابندی قائم نہیں رہی ہے جس سے کوئی اصولی نقصان نہیں سمجھا گیا۔

اسی طرح سائنس کی جدید کتابوں کے رائج الوقت وہ سکّے جو چند سال سے اُردو کے قالب میں ڈھل رہے ہیں اُن کے نمونے بہت کم درج ہوئے ہیں، نیز دور پنجم و ششم کی اکثر اردو تصانیف کا اقتباس موجود نہیں۔ اس قسم کی تمام کوتاہیاں فہرستِ یادداشت میں تو موجود تھیں مگر تالیفی مشکلات انقلابی تصرفات اور سب سے زیادہ اس کتاب کے توقفِ اشاعت کی تخویف نے بالقصد بھلا دیا۔ اُنیسویں صدی

عیسوی کا رُبعِ آخر اور بیسویں صدی کا حصۂ اوّل اُردو کے لیے بہت بار آور زمانہ ہے۔ علاوہ مختلف علوم و فنون کے مدرسۃ العلوم علی گڑھ۔ ندوۃ العلما۔ اور اسی قسم کی دوسری انجمنوں اور سیاسی انقلابوں نے اہلِ قلم کے اچھے بُرے بہت سے کارناموں کو فراہم کر دیا ہے۔ اگر اُن سب کے نمونے مختصر سے مختصر انتخاب میں پیش کیے جاتے تو بھی موجودہ ضخامت سے چوگنا وزن ہو جاتا جس کا بار کم از کم اس وقت برداشت نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا ایسے استقرا و احصا کو آیندہ وقت و اہلِ وقت کے لیے اُٹھا رکھا ہے۔

تا نہالِ دوستی کے بر دہد
حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

نمونہ نمبر (۲)

۱۲۵۷ھ سے ۱۳۴۸ھ تک
۱۸۴۱ء سے ۱۹۳۰ء

دفاتر سلطنت

تجاویز، احکام، عرائض، اطلاع نامجات، عرائض، سمن، اور تمسکات

پہلا دور

۱۲۵۷ھ سے ۱۲۷۴ھ تک
۱۸۴۱ء سے ۱۸۵۹ء

نمبر	نوعیت	اجلاس	سنہ و تاریخ	نمونہ عبارت
نمبر ۱	تجویز	مسٹر ایچ ایس گرین صاحب ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ	۱۶- فروری ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۱ء	**عنوان** روبکاری کچہری تحقیقات لاخراج ضلع علی گڑھ ڈپٹی کلکٹر بہادر کے اجلاس میں لکھی سترویں فروری ۱۸۴۱ء **تجویز** آج کے روز یہ مسل نمبری ۳۰ مع مسلیں لکھے ہوئے

بالا کے، واسطے تجویز کے، ملاحظے میں در آئیں۔ دریافت ہوا، کہ یہ اراضی بہ ترتیب امسلۂ جداگانہ، بعد ملاحظہ فہرست مقدمات باقی رہے کے، تحقیقات سے، لائق تحقیقات قانون دوسرے ۱۹ سنہ ۱۸۶۰ء کے متصوّر ہو کر ذریعہ روبکاری ہاے، لکھی اٹھارویں، مہینا مئی سنہ ۱۸۴۰ء مشمولۂ مسل ہر یک مقدّمے کے، اطلاع نامجات جداگانہ، نامی ہر یک قابضانِ اراضی متعلقۂ ہر یک مسل کے، ہمراہ ضمن دوسری، دفعہ پانچویں میں مذکور، ذریعہ پروانجات جداگانہ نامی پٹیکار پرگنہ مارہرہ، بحکم لکھوا بھیجے رپورٹ اطلاع یابی کے، مدعا علیہم سے جاری ہوئے۔ اور لکھی پروانجات جداگانہ ہر یک مسل مقدمے میں بنام محافظان دفتر کلکٹری کے لکھے گئے کہ جو کچھ کاغذ اس مقدمے کا آج تک سرشتے میں ہووے واسطے شمول مسل کے بھیج دیویں۔ چناں چہ بجواب اُس کے عرائض پٹیکار پرگنہ مارہرہ کیں لکھی، ۳۰ مئی سنہ ۱۸۴۰ء بغرض حال لکھوا بھیجے رپورٹ اطلاع یابی مدعا علیہم سے، ہر یک مسل مقدّمۂ بالا میں ملاحظہ ہو کر شامل مسل کے ہوئیں۔

تبصرۂ و کیفیت

دفترِ حکومت میں اُردو زبان کا عمل و دخل سنہ ۱۸۳۵ء سے ہوا ہے۔ مذکورۃ الصدر نمونہ شاہی حکم سے چھے برس بعد کا ہے۔ ان ۵-۶ برسوں کے نمونے بھی دست یاب ہو سکتے تھے مگر یہ سمجھ کر کہ اُن کی زبان بھی بالکل اسی انداز پر ہوگی مزید تلاش کو تحصیل حاصل سمجھا، بلکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ باوجود حکم اجراے اُردو سنہ ۱۸۴۰ء کے بعد تک

بہت سی تجاویز فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ اُس زمانے کی عام دفتری کارروائیاں اہلِ عملہ کے مذاق اور اندازِ تحریر کی ماتحت ہوا کرتی تھیں۔ اگر کسی کی مشرقی قابلیت اُردو دانی پر غالب ہوتی تھی تو اُس کی تحریروں میں عربی و فارسی مصطلحات والفاظ کی کثرت پائی جاتی تھی ورنہ نہیں۔ مگر حروفِ اضافات وصلات وروابط کی شان ایک زمانے تک سب میں یکساں رہی۔

نمونہ عبارت	سنہ تحریر	اجلاس	نوعیت	نمبر
روبکاری عدالت فوجداری ضلع علی گڑھ باجلاس مسٹر جارج بلنٹ صاحب قائم مقام مجسٹریٹ بتاریخ ۳۰۔ اکتوبر سنہ ۱۸۴۱ء شاہد بخش مختار کار اولاد رسول اور غلام محی الدین مستغیث، بنام جوالا پرشاد آل رسول مستغاث الیہ بعلت	۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء	مسٹر جارج بلنٹ صاحب قائم مقام مجسٹریٹ علی گڑھ	روبکاری	نمبر ۲

تکرار قبض ودخل دیہات موضع کوٹینہ اور حیات پور اور فتح پور آج یہ مقدمہ پھر روبکار ہوا۔ جواب مختار کار مدعا علیہ اور زبان بندی (اظہار) اسد اللہ شاہ اور پیر بخش گواہان

مُظہرہ مختار کار مستغاث الیہ حسب ضابطہ لکھکر روداد مسل نظر سے گزری اُس سے واضح ہوا کہ مختارِ مستغیث نے نالش بنام آلِ رسول اس طرح پر کری کہ دیہاتِ متنازعہ حسبِ تقسیم، ہمارے موکلان کے حصّے میں آئے، اور اُن کے قبضے میں ہیں! ور مستغاث الیہ کے حصّے میں اور دیہات آئے ہیں، سواب مستغاث الیہ نے ثلث حصۂ دیہاتِ متنازعہ کا جمس صاحب کو بعوض ضامنی کے لکھدیا ہے، اور جمس صاحب دخل اپنا دیہات پر چاہتے ہیں، ہمارے موکلان دخل نہیں دینے کے۔ اور مستغاث الیہ تقسیم سے منحرف ہوگیا ہے۔ فقط اور مختار کار مستغاث الیہ نے جواب دیا کہ دیہات تقسیم نہیں ہوے، پہلے دیہات معاف تھے، اب سرکار میں ضبط ہوگئے۔ اور دیہات میں فریقین بحصۂ مساوی قابض ہیں، امسال حسب الایمائے صاحب کمشنر بہادر، صاحب کلکٹر بہادر نے دخل فریقین کا معرفت پیشکار مارہرہ کے کرا دیا ہے۔ اور ضامنی سرکار میں طلب ہوئی ہے، سو ہمارے موکل نے جمس صاحب سے ضامنی کرادی، اور اپنا حصّہ سپرد جمس صاحب کے بعوض ضامنی کے کردیا جمس صاحب دیہات میں قابض ہیں۔

چوں کہ روداد مسل سے معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتِ متنازعہ پہلے معاف تھے، اب ضبط ہوگئے اور بموجب حکم صاحب کمشنر بہادر کے دخل فریقین کا دیہات میں بعد لینے ضامنی کے دلایا گیا۔ اور تینوں شخصوں کے نام دیہات کی مالگزاری میں لکھے ہیں کچھ تقسیم ہونا دیہات کا معلوم نہیں ہوتا، لہذا حکم ہوا کہ فریقین بدستور دیہات پر قابض

رہیں۔ اور حاضرین رخصت۔ اور مقدمہ داخلِ سرشتہ۔

نمبر	نوعیت	اجلاس	سنہ و تاریخ	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	حکم نامہ متضمن اطلاع نامہ	ڈپٹی کلکٹر صاحب بہادر علی گڑھ	۵ ۱۲ ۱۸۴۱ء	سرکار۔ مدعی۔ بنام صاحب عالم و امیر صاحب وغیرہ مدعا علیہم دعوے بازیافت موازی ماہ بیگہ ۱۴ بسوہ اراضی مندرجۂ رجسٹر اسناد و پیمائشی۔ ماہ بیگہ ۱۲ بسوہ واقع احمد نگر بمنوئی وغیرہ پرگنہ مارہرہ۔

عزیز القدر لالہ گلاب رائے پیشکار پرگنہ مارہرہ بعافیت باشند۔

جو آگے اس سے نسبت ثبوت صرفِ محاصل ل بیگہ ۶ بسوہ اراضی نیاز درگاہ حضرت شاہ برکت اللہ کے میں، رپورٹ اُس کی دفعہ ۲ ۳ چھٹی اگست ۱۸۴۰ء لغایت نمبری ۲۶ سے حضور میں صاحبانِ بورڈ کے کی گئی تھی۔ چناں چہ آج کے روز بجواب اُس کے چٹھی صاحب کمشنر بہادر حصۂ شمالی دوآب نمبر ۲۱ لکھی دسویں اپریل ۱۸۴۱ء اس مضمون کی، کہ ہم اطلاع کرتے ہیں اس بات کی کہ صاحب لفٹننٹ گورنر بہادر دام دولتہٗ موافق حکم ۲۶۔ مارچ ۱۸۴۱ء نمبری ۲۳ ہم منظور کرتے ہیں، واگزاشت موازی ل بیگہ ۶ بسوہ اراضی کو، جب تک کہ محصول اراضی مذکور کا خرچ ہووے نیازِ درگاہ شاہ برکت اللہ میں بموصول

اس سررشتے میں ہوئی۔ اس واسطے تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم مع قانون گویان پرگنہ ہمیشہ خبرگیراں اجرائے خرچ درگاہ کا محاصل اراضی مذکور سے رہو۔ اور جس وقت کچھ جانب مدعا علیہ کے سے حرج نہ ہووے فوراً اطلاع کرو۔ اور جو اس باب میں فروگزاشت ہوگا تو بذمہ تمہارے ہوگا۔ اور مدعا علیہ کو بھی حکم ہذا سے آگاہ کریو۔ فقط لکھا بارہویں مہینا اپریل ۱۸۴۱ء۔

نمبر مسل	نام ضلع	نام اجلاس	تاریخ [illegible]	نمونہ عبارت
نمبر ۲	ضلع علیگڑھ	مسٹر [illegible] صاحب مجسٹریٹ ضلع علیگڑھ	۱۲ مارچ ۱۸۶۱ء	نقل حکم بمقدمہ شاہد بخش مختار کار سید اولاد رسول مستغیث بنام سید امیر صاحب وغیرہ تکرار مکان واقع قصبۂ مارہرہ پیشگاہ صاحب مجسٹریٹ بہادر علی گڑھ سے آج کاغذات مسل کے پھر نظر سے گزرے۔ معلوم ہوا کہ جس کھڑکی کی تیاری پر تنازع ہے اس سے کچھ ہرج مُدعی کا بجز اس کے نہیں کہ وہ کھڑکی

میں جانے سے نقصان اپنی حقیت احاطے کا جانتا ہے۔ اور احاطے کے اندر مکان متخاصمین کے ہیں اور کھڑکی تیار ہو چکی ہے۔ حکم ہوا کہ بالفعل کھڑکی متنازعہ بدستور تیار رہے۔ مگر

تیار رہنا اس گھڑی کا موجب نقصان خواہ ثبوت حقیت کسی کا نہ ہوگا۔ جس وقت حضور مارہرے میں تشریف لے جائیں گے اس کو ملاحظہ فرمائیں گے اور جو اس وقت کچھ تنازع برپا ہوگا تو حکم مناسب صادر کریں گے۔ بالفعل کاغذات داخل دفتر رہیں۔

مرقوم ۲۲- ستمبر ۱۸۴۳ء

نمبر	نام کاغذ	اجلاس	سنہ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	عرضی	مولوی محمد حسن صاحب صدر امین (منصف) علیگڈھ	[illegible]	سید اولاد رسول مدعی۔ بنام سید شاہ آل رسول مدعا علیہ دعویٰ اختیار پانے اوپر صرف ۳؍ یومیہ اور دلا پانے واصلات اور پانے اپنے زر یومیہ مذکور بصورت جداگانہ بہ تعین مبلغ ۱۰۹/۵ للعہ

غریب پرور سلامت۔ مقدمہ سید اولاد رسول مدعی کا مرقوم الصدر بنام مجھ مدعا علیہ کے اس عدالت میں بصیغۂ نمبری زیر تجویز ہے۔ کہ تصفیہ اور صلح اس مقدمے میں بمیان طرفین اس طرح پر قرار پائی کہ حضرت × مدعی دعویٰ زر

× یہ عرضی درگاہِ مارہرہ کے متعلق ہے، جہاں دو خاندانوں میں منصب سجادہ نشینی منقسم ہے۔ وہاں کی اصطلاح میں سجادہ نشین کے لیے لفظِ حضرت لکھنا داخلِ ادب الکاتب ہے۔

واصلات اور مطالبۂ زرِ خرچۂ عدالت سے باز آکر اس شرح سے راضی ہوئے کہ جب میں مدعا علیہ زرِ یومیہ خزانۂ سرکار سے وصول کروں تب نصف اس کا بحقِ ذریت و اولادِ حضرات سرکارِ کلاں، اور حضراتِ سرکارِ خُرد کو اس تفصیل سے کہ نصف اُس نصف کا سید صاحب عالم اور سید محمد امیر اور نصف باقی اُس نصف کا حضرتِ مدعی اور سید غلام محی الدین اور خود منِ مدعا علیہ بحصص مساوی دیوے اور لیوے۔ اور نصف باقی بعد وضع خرچ واجبِ وصول، پاس کدامی شخص معتمد کے جمع کردے۔ اور باتفاق اور صلاح جملہ حضراتِ موصوفین کے مصارفِ درگاہ میں صرف کرے۔ اور مجھ مدعا علیہ کو مطالبہ زرِ خرچۂ عدالت کا مدعی سے باقی نہ رہے، اور کبھی آیندہ کو بابت اس زرِ سالیانہ کے بدرمیان طرفین کسی طرح کا مناقشہ بجز تصریحِ بالا کے نہ رہے، اور وکیلِ مدعی تصدیق مضمونِ سوال ہذا اپنا گواہ بنتا ہے۔ اس واسطے یہ سوال گزران کر امیدوار ہوں کہ بموجب تصریح مندرجۂ بالا تجویز مقدمے کی فرمائی جاوے۔ زیادہ حدِ ادب۔

نمبر	[illegible]	اصطلاح	تاریخ سنہ	نمونۂ عبارت
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	شرافت پناہ محمد حسن امیدوار ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ۔ بعافیت باشند۔ حسب الحکم امروزہ تم کو مہتمم آہن اسلحۂ شکستہ جو ضلع ہذا سے بروانگی رڑکی کشتیاں پر بار ہو کر براہِ نہر گنگ کارخانۂ

رڑکی کو بھیجا جاتا ہی۔ بدرماہہ دس رُپے ماہواری کے مقرر کرکے لکھا جاتا ہے کہ فوراً اپنے تئیں پل نہر گنگ مقام بروٹھا پر پہنچاؤ۔ اور جس وقت کشتیاں نہر پر آجاویں آہن مذکور کو بعد وزن بار کراکر بحفاظت تمام رڑکی تک پہنچا دو کہ باعثِ خوشنودی مزاج کا ہووے اور واضح ہو کہ تم کو دس رُپے تنخواہ اس تفصیل سے کہ ۵ بابت تنخواہ برقندازی بھولا ناتھ برقنداز موقوف شدہ اور ۵ سرکار سے ملیں گے۔ اور ۵ علی الحساب واسطے خرچ راہ کے سرکار سے اب دیئے جاتے ہیں، چاہیے کہ بعد واپس آنے کے حساب اُن کا حضور میں گزرانو۔ المرقوم۔ سیتم۔ جون ۱۸۵۹ء

تبصرہ و کیفیت

یہ چند نمونے جو دفتری زبانِ اُردو کے پیش کیے گئے ہیں، ان کا اندازِ تحریر اب بدل گیا ہی۔ ۱۸۳۵ء سے تیس چالیس برس تک قریب قریب یہی رنگ رہا۔ مگر اس کے بعد پُرانے اجنبی اور مخصوص اُلجھے ہوئے اندازِ بیان کا سلسلہ باقی نہیں رہا۔ مثلاً مع مسلیں لکھے ہوئے۔ درآئیں۔ مقدمات باقی رہے گے۔ لکھی اٹھارویں۔ مہینا مئی۔ بھیج دیویں۔ مستغاث الیہ (ملزم) زباں بندی (اظہار) اس طرح کری موکلاں دخل نہیں دینے کے۔ ملبری (ممبری) کریو۔ (کردو) وغیرہ وغیرہ ایسے اکثر الفاظ و محاورات متروک ہوگئے ہیں۔ ایسے متروک الفاظ کی شناخت کے لیے اکثر نمونوں کی عبارتوں پر خطوط کھینچ دیئے گئے ہیں۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ دفتری زبان

علمی زبانوں کی طرح قابلِ سند یا ادبی زبان نہیں ہو سکتی۔ وہاں ملکی معاملات پیش اور فیصل ہوتے ہیں جن کے لیے عام فہم روزمرّہ ہونا چاہیئے نہ کہ انشا پردازانہ تکلفات۔ اب جو نمونے پیش ہوں گے وہ موجودہ اور رائج الوقت زبان میں ہوں گے جن پر کسی عام تبصرہ و کیفیت کی ضرورت نہیں۔

دفاترِ سلطنت کے دورِ دوم میں چند ایسے نمونے ملیں گے جن کی زبان اگرچہ پہلے دور کی طرح پیچیدہ نہ ہوگی مگر بعض الفاظ اور دو ایک ترکیبیں دورِ اول کی یادگار نظر آئیں گی، جس کے دو سبب ہیں، اول یہ کہ اس دور کے وہ محرّر جن کی عمریں دورِ ماسبق میں پختہ ہو چکی ہیں اُن الفاظ کے عادی ہو چکے ہیں۔ دوم یہ کہ قانونی اور عدالتی اصطلاحیں جو فارسی کے اتباع میں عرصۂ دراز سے مروج تھیں اُن میں کسی قسم کی ترمیم نہیں ہوئی۔ یہ ترویج اتنی دیرپا اور دائر و سائر ہے کہ اس وقت بھی ایسے الفاظ قانونی اور عدالتی کارروائیوں کے لیے مخصوص سمجھے جاتے ہیں مثلاً کسی مقدمے کے پیش ہونے کو۔ روبکار ہونا۔ لیکن یا مگر کی جگہ۔ الّا۔ بسبب یا بوجہ کے مقابل، از روے "کو" کے بدلے میں تئیں۔ بشرطے کی جگہ درصورتے۔ باجلاس یا روبرو کے عوض "پیشگاہ"۔ اسی طرح آوے جاوے۔ دیوے۔ گزرانے وغیرہ وہ مخصوص استعمالات ہیں جو وکلاء عدالت کے سوا۔ فی زمانا عام اہلِ قلم نہیں لکھتے۔ اور اگر لکھتے ہیں تو اپنی کم توجہی یا عدمِ دلچسپی کی وجہ سے۔ بہر حال ان استعمالات کو ادبی نقطۂ نگاہ سے مستند نہیں کہا جا سکتا۔

(۲)
دوسرا دور

۱۸۶۶ء ۱۲۸۰ھ سے ۱۹۳۰ء ۱۳۴۸ھ تک

نمبر	نوعیت	اجلاس	سنہ تجویز	نمونہ عبارت
نمبر ۱	تجویز	(سر) سید احمد خاں صدر الصدور علی گڑھ	۱۰ ۱۲۸۳ھ ۲۶ ۱۸۶۶ء	آج یہ مقدمہ روبکار ہوکر کاغذات مسل ملاحظہ ہوے۔ واضح ہوا کہ ڈگری دار مستدعی حقیت مدیون واقع موضع دادن پور و تلوک پور پرگنہ بلرام ضلع ایٹہ کا ہی۔ اور مدیون کو سوال محکومہ ۱۰ر جولائی ۱۸۶۶ء میں یہ عذر ہی کہ یہ دیہات واسطے مصارف خانقاہ اور مسجد واقع قصبہ مارہرہ کے معافی دوام ہیں۔ اُن کا انتقال از روے

بیع و ہبہ و نیلام وغیرہ کے کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ حقیت مواضعات مذکور نیلام سے محفوظ رہے۔ سند معافی تلوک پور عطیۂ سرکار موجود ہے۔ اور سند معافی موضع دادن پور پاس سید غلام محی الدین شریک ہمارے کے ہی۔ وہ لکھنؤ میں ہیں الا نقل سب اسناد معافی دیہات کی دفتر کلکٹری ایٹہ میں موجود ہے۔ جواب ڈگری دار یہ ہی کہ دیہات

عذری مصارفِ خانقاہ نہیں ہیں۔ مصارفِ خانقاہ وہ جائداد ہے جن کا روپیہ بذریعۂ کمیٹی صرف ہوتا ہے۔ فہرست دیہات داخل کیے ہیں یہ دیہات نہیں ہیں۔ اور ہر دو دیہات دینِ مقدمہ ہذا میں مرہون و مکفول ہیں۔ اور مدّعا علیہ نے یہ پیشگاہ ڈپٹی کلکٹر بہادر کے قبل تقرر تاریخ نیلام کے عذر کیا تھا کہ عذر نامنظور ہوا۔ فقط

تجویزِ عدالت

جوکہ سندِ معافی اور کیفیت کلکٹری سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں موضع واسطے مصارفِ خانقاہ اور مسجد کے واگزاشت ہوئے ہیں۔ پس بعلت قرضۂ ذاتی نیلام نہیں ہو سکتے۔ اِلّا اُن کی آمدنی سے جو حصّہ مدیوں پاتا ہو وہ قرق ہو سکتا ہے۔ حکم ہوا کہ عذر عذردار منظور ہوکر درخواست نیلام ہر دو موضع کی جو ڈگری دار نے گزرانی ہے نامنظور کی جاوے۔

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نمونۂ عبارت
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	اشتہار دیا جاتا ہے کہ جائداد مذکورۃ الذیل اجرائے ڈگری مصدورۂ عدالتِ صدر الصّدور علی گڑھ کی معرض نیلام میں آوے گی۔ اور یہ نیلام کچہری کلکٹری میں دن جمعہ تاریخ ۲۰۔ جولائی ۱۸۶۶ء

مطابق ۲۲- اساڑھ سنہ ۱۲۷۳ف موافق اساڑھ سُدی سمت ۱۹۲۳ بارہ بجے دن سے غروب آفتاب تک درصورتے کہ زرِ مدّعا بہا پیشتر سے ادا نہ ہو، یا بحکم عدالتِ دیوانی نیلام مذکور ملتوی نہ رہے۔ واقع ہوگا۔ تحریر تاریخ ۱۸- مئی سنہ ۱۸۶۶ع

نمونہ عبارت	نمبر و سنہ مقدمہ	اجلاس	نمبر فیصلہ	نمبر شمار
آج یہ مقدمہ بحاضری فریقین روبکار ہو کر کاغذات مسل ملاحظہ ہوئے۔ واضح ہو کہ حسب درخواست ڈگری دار بر بنائے دستور دیہی حق حقوق زمین داری ازان مدیون واقع موضع دادن پور و تلوک پور دیہاتِ معافی پرگنہ بلرام قرق ہو کر ۲۰- جنوری سنہ ۱۸۶۲ع کو معرفت کلکٹری	نمبر ۹۰۹ سنہ ۱۸۶۲ع	راے سندر لال جج عدالت خفیفہ	نمبر ۲۰	نمبر ۳

اٹیہ کے مشتہر بہ نیلام ہوئے کہ تاریخ مذکورہ پر بہ لاٹ اوّل نیلام حق و حقوق زمین داری مدیون واقع موضع دادن پور عوض ... ۔ بہ لاٹ دوم نیلام حق و حقوق زمین داری مدیون واقع موضع تلوک پور عوض ... بخریداری رام سہائے واسطے منشی ہیت رام کے عمل میں آکر جانب مشتری نیلام سے زرِ نیلام داخل خزانہ کلکٹری ہو گیا ہے۔ فقط مدیون کو نسبت نیلام کے یہ عذرات ہیں کہ یہ مواضعات قبل عمل داری سرکار سے واسطے مصارف

مسجد و خانقاہ واقع مارہرہ کے معاف ہیں۔ ہنگام بندوبست بھی بعد تحقیقات واسطے دوام کے معاف ہوے اور نیز ہنگام اجراء سابق کے بہ منظوری عذر مجہ عذر دار کے یہ دیہات قرقی سے واگزاشت ہوے۔ ان دیہات میں کوئی حق نیلام نہیں ہے۔ اس نیلام سے ترمیم سند معافی عطیۂ سرکار لازم آتی ہے، و مصارف خیر میں خرابی ابتری وہرج پیدا ہوتا ہے۔ دستوراتِ دیہی کا انتخاب جو ڈگری دار نے پیش کیا ہے وہ تحصیل دار صاحب ذی اختیار دیہی بندوبست نے بطور خود مثل دیہات خالصہ کے لکھا ہے، تاہم اُس میں اس گاؤں کی معافی کو متعلقہ مصارف تحریر کیا ہے۔ اُس سے حق زمین داری قائم نہیں ہو سکتا۔ و کھیوٹ دیہ میں کوئی خانہ زمین داری کا نہیں ہے۔ نقل سند معافی دوازدہ بست بسوہ مواضع کی اس مسل میں موجود ہے۔ دستور دیہی نویسایندۂ کارندہائے متولیان ناسخِ سند معافی نہیں ہے۔ و اشتہار نیلام خواہ بضابطہ کلکٹری کی کسی طرح اطلاع مجہ مدیون کو نہیں ہوئی۔ نیلام قابل نامنظوری ہے۔ فقط مشتریِ نیلام نے باوجود اجراءِ اطلاع نامہ کے کوئی عذر داری نہیں کی ہے اور ہم نے احتیاطاً کلکٹری سے بھی پھر دریافت کیا کہ آیا درحقیقت کوئی دوسرا حق زمین داری کا اس معافی میں ہی یا نہیں۔ سو جواب کلکٹری سے واضح ہے کہ کسی دوسرے حق زمین داری کا عمل درآمد نہیں ہے۔ پس صرف ایک کاغذ میں لکھے ہونے کے لحاظ سے کوئی حق مستقل قایم ہو کر نیلام کا منظور کرنا مناسب نہیں ہے۔ لہذا حکم ہوا کہ نیلام نامنظور ہو و نقل روبکار ہذا بخدمت ڈپٹی صاحب بہادر عامل نیلام ضلع ایٹہ کے بھیجی جاوے کہ زرِ نیلام جس قدر

جمع ہے مشتری نیلام کو واپس کرکے رسید بھیج دیں، اور وکیل ڈگری دار مطّلع ہو کہ جو ببیں اپنی ڈگری کے وصول کی رکھتا ہو اُس کو حسب ضابطہ عمل میں لاوے۔ مقدمہ باقیات سے خارج ہو۔ فقط

نمبر شمار	کیفیت	اجلاس	تاریخ سماعت	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	اطلاع نامہ بنام ریسپانڈنٹ حسب دفعہ ۳۵۹ ایکٹ ۸ ۱۸۵۹ء	عدالت دیوانی ضلع (جج) مین پوری	۱۹ ۱۲ ۳ / ۳ ۷ ۲ ۳	**اپیل عام** ازانجا کہ اپیلانٹ نے بنا راضی فیصلہ جج ماتحت ضلع مین پوری مورخہ ۳۱۔ ماہ جولائی سنہ ۱۸۷۳ء کے بتاریخ ۲۹۔ ماہ اگست سنہ ۱۸۷۳ء بہ تعین مبلغ ؏ درخواست اپیل کی تمھارے نام اس عدالت میں داخل کی ہے، اور واسطے سماعت اُس کے تاریخ ۲۶۔ ماہ نومبر سنہ ۱۸۷۳ء مطابق ۲۔ ماہ اگھن سنہ ۱۲۸۱ف جواب دہی روز چہار شنبہ مقرر ہوا ہے۔ اس واسطے بموجب دفعہ ۳۵۹ ایکٹ ۸

سنہ ۱۸۵۹ء کے حکم ہوتا ہے کہ تم واسطے جواب دہی اپیل اپیلانٹ کے اصالتًہ خواہ معرفت کسی وکیل کے جس نے تم سے ہدایت کُلّی حاصل کی ہو اور جو جواب جملہ سوالات ضروری

متعلقۂ مقدمہ دے سکتا ہو یا وکیل کے ہمراہ کوئی دوسرا شخص ایسا ہو کہ جواب سوالاتِ مذکور کا دے سکے بتاریخ ۲۶ ماہ نومبر مذکورۂ بالا اس عدالت میں حاضر ہو۔

نمونۂ عبارت	سنۂ تحریر	اجلاس	کاغذ	شمار
مقدمہ درخواست منظوری بغرض ابواب مکہ مسجد برائے اطلاع محکمۂ معتمد صاحب مدار المہام سرکار عالی علاقۂ خانگی۔ نقل یادداشت مہتمم صفائی مکہ مسجد کی۔ نشان (۱۰۸) واقع ۱۷۔ ذی الحجہ ۱۳۰۳ ہجری مع برآورد بغرض ابواب تعمیر و ترمیم ضروری جزوی مسجدِ موصوف رقمی ۱۴۱ سکہ حالی کے اس کے ساتھ منسلک ہے۔ جب یہ مرمت ضروری اور جزوی ہے، منظوری اس کی من جملۂ رقم موازنہ	۲۷ ۸ ۱۳۰۴ھ	دفتر عدالت العالیہ سررشتۂ انتظام مساجد وغیرہ مملکتِ نظام دکن	روبکار	نمبر ۵

سنہ ۱۲۹۶ف صادر ہووے تو مناسب ہے۔ فقط

نمبر	نوعیت	اجلاس	تاریخ پیشی	نمونۂ عبارت
نمبر ۹	عرضی	صدارت العالیہ سررشتۂ انتظام مساجد وغیرہ حیدرآباد دکن	۹ محرم ۱۳۰۶ھ	بعزّ عرضِ اقدسِ عالی می رساند خداوند نعمت! تابعدار سنا ہے کہ خدمتِ داروغگی مسجد سراے درگاہ اُجالے شاہ صاحب خالی ہے۔ امیدوار ہوں کہ تابعدار کو خدمت مذکور پر مامور فرمانا۔ فدوی شیخ مدار (حکم) عرضی گزار کا تقرر خدمتِ داروغگی مسجد و سرائے متعلقہ درگاہ شریف حضرت اُجالا شاہ صاحب

پر کیا جائے۔

۲۲۔ محرم الحرام ۱۳۰۶ھ

(دستخط محی الدولہ)

شمار	کاغذ	اجلاس	سنۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	اقرار نامہ	صدارت العالیہ سررشتۂ انتظام مساجد وغیرہ حیدرآباد دکن	سنہ ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۸-۸۹ء	ہم عبدالغنی موذن اور امیر بیگ سقا اور شمع بیگم جاروب کش درگاہ سید اُجالا شاہ صاحب ہم ہیں اقرار ذاتی کرتے ہیں اور نوشتہ دیتے ہیں اس بات پر کہ ہم تینوں اسم ہمیشہ لپنے اپنے کام پر شب و روز حاضر مسجد رہ کر کماینبغی خدمت مسجد کی ادا کریں گے اور سرمو اداے خدمت میں قصور نہ کریں گے اگر قصور کریں تو سرکار کو اختیار

ہوگا کہ قصور کرنے والے کو موقوف کرکے اُس کی جائے پر دوسرے شخص کو مقرر و مامور فرمادیں۔ یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھدیئے گئے تا وقت حاجت بکار آوے۔

شہر صفر المظفر سنہ ۱۳۰۶ھ

شمار	کاغذ	اجلاس	سنۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	تبادلہ نامہ	دفتر رجسٹرار صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ	۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء	ہم کہ ..... ساکنان ..... کے ہیں۔ مکان واقع .... میں ہیں اور اُن پر ہماری سکونت بشرکت زیر و بالا کے ہے اور بوجہ اس شرکت کے پردہ اور درستی مکانات وغیرہ میں ایک قسم کی دقت اور تکلیف ہے لہذا بغرض رفعِ تکلیف وحصولِ آسائش باخود ہا کے باہم ہم

مقران کے برضامندی یکے و دیگرے معاملہ طے ہوا کہ ایک منزل مکان بالاخانہ زنانہ پختہ مسقف و کواڑ وغیرہ مع تمامی لوازمہ متعلقہ بالاخانہ مذکور کے کہ جو اوپر چھت مکان ..... موازی کُل (۳۲۰) گز دو دستی منجملہ اُس کے بقدر نصف ہم مقرانِ فریقِ اوّل بقدر (۱۶۰) گز دو دستی واقع پشت مکان مذکور محدود بحدودِ اربعہ ہٰذا کی جائداد قیمتی مبلغ پانسو روپیہ ملکیت مملوکہ و مقبوضہ خاص ہم ..... مقران دستاویز ہذا فریقِ اوّل کی ہے اور اس وقت تک بلا شراکتِ غیرے مالکانہ مکان بالاخانہ و سہ دری واراضی مذکورہ بالا پر قابض و دخیل و متصرف ہیں، اور مکان اور اراضی مذکورہ بالا آج تک ہر قسم کے مواخذی سے مبرّا اور پاک ہے۔ اور ایک قطعہ مکان پختہ یک منزل مسقف

محدودۂ ذیل ملکیت مملوکہ مقبوضہ خاص ہم ... مقرانِ فریق ثانی آج تک بلا شرکتِ غیرے مالکانہ قابض و دخیل ہیں ... دریں ولا برضامندی باہمی بصحتِ نفس و ثباتِ عقل و درستیِ حواسِ خمسہ بلا اکراہ و اجبار احدے بغرض پردہ داری و آسائش یک دیگرے اس طور سے تبادلہ قرار پایا کہ ہم فریقِ اوّل نے مکان .. ملکیت اپنے کو اپنے قبض و دخل سے نکال کر آج کی تاریخ ..... کو دے دیا اور بذریعۂ دستاویز ہذا قبض و دخل کرا دیا۔ جملہ حقوق و اختیاراتِ مالکانہ ... آج کی تاریخ سے مثل ہماری ذات کے مالکانہ عمل میں لاویں۔ ہم .... کو یا وارثان ہمارے کو حال و استقبال میں کچھ تعلق و مزاحمت نہیں ہے اور نہ ہو گی۔ چوں کہ زرِ قیمت ہر دو فریق کی جائداد کا مساوی ہے بذریعۂ مبادلۂ جائداد قیمتِ جائداد دونوں فریق کی پوری ہو کر تقابضِ البدلین بین المتعاقدین عمل میں آیا لہٰذا اب فریقین کو آج کی تاریخ سے کسی وقت میں ایک دوسرے کی جائدادِ مبادلہ شدہ سے یا زرِ قیمت سے دعویٰ اور سروکار نہ ہو گا۔ اگر کسی وقت میں کوئی شریک سہیم کسی فریق کا پیدا ہو کر نسبت جائداد مبادلہ شدہ یا زرِ قیمت کے دعویٰ کرے تو جواب دہی اُس کی ذمّے اُسی فریق کے ہو گی اور اگر جواب دہی دوسرے فریق کو کرنا پڑے تو اُس دوسرے فریق کو اختیار ہے کہ کل زرِ خرچہ و ہرجہ اپنا اُس فریق سے کہ جس کے شریک و سہیم کے دعوے کی وجہ سے پڑا وصول کرے۔ لہٰذا یہ چند کلمے بطریق دستاویز مبادلہ کے لکھ دیئے کہ سند رہے اور عند الحاجت کام آویں۔ تحریر تاریخ ۲۲ فروری ۱۸۹۲ء مطابق ۲۲ رجب ۱۳۰۹ھ بمقام ..... بقلم .... ساکن ...

لکھا گیا۔

نمبر	نوعیت	اجلاس	تاریخ روانگی	نمونہ عبارت
نمبر ۹	اطلاع نامہ بنام مسئول علیہ اپیل	صاحب کلکٹر بہادر ضلع	۱۳ ـ ۲۰ ـ سنہ ۱۹۰۲ء	ازاں جاکہ اپیلانٹ نے درخواست اپیل بنام تمہارے اس عدالت میں داخل کی ہے اور واسطے سماعت اُس کے تاریخ ۳۔ مئی روز شنبہ سنہ ۱۹۰۲ء مقرر ہوا ہے اس واسطے یہ اطلاع نامہ دیا جاتا ہے کہ تم واسطے جواب دہی اپیل اپیلانٹ

کے اصالتہً خواہ معرفت کسی مختار کے جس نے تم سے ہدایتِ کلّی حاصل کی ہو، اور جو جواب جملہ سوالاتِ ضروری مقدّمے کا دے سکتا ہو، یا مختار کے ہمراہ کوئی دوسرا شخص ایسا ہو جو جواب سوالاتِ مذکور کا دے سکے بتاریخ ۳۔ مئی سنہ ۱۹۰۲ء روز مذکورہ بالا اس عدالت میں قبل دوپہر کے حاضر ہو اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر تم بروز مذکور حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ اپیل کا بغیر حاضری تمہاری پیش ہو کر یک طرفہ فیصل کیا جائے گا۔

شمار	نام نقشہ	اجلاس	سنہ و تاریخ	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۰	سمن بغرض حاضری واسطے ادائے شہادت	سب جج علیگڑھ	۲۱ ۱۳۲۱ھ / ۳۰ ۱۹۰۳ء	نمونہ نمبر (۱۲۵) ضمیمہ چہارم مجموعۂ ضابطۂ دیوانی ہرگاہ تمھارا حاضر ہونا واسطے ادائے شہادت کے منجانب مدعا علیہ مقدمۂ مذکورۂ بالا میں ضرور ہے لہٰذا تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ بتاریخ ۲۶ مئی سنہ ۱۹۰۳ء بوقت ۶ بجے دن کے (۱) اپنے ساتھ ..... اس عدالت میں بیتے آؤ یا بھیج دو۔ مبلغ لاعہ بابت تمھارے

سفر خرچ وغیرہ اور خوراک ایک یوم کے اس سمن کے ساتھ بھیجا جاتا ہے، اگر تم اس حکم کی تعمیل نہ کروگے تو تم پر نہ حاضر ہونے کا وہ نتیجہ ہوگا جو مجموعۂ ضابطۂ دیوانی کی دفعہ (۱۷۰) میں مرقوم ہے عائد ہوگا۔ اطلاع (۱) اگر تم صرف دستاویز پیش کرنے کے لیے طلب کئے گئے ہو اور شہادت دینے کے واسطے نہیں طلب کیے گئے تو تمھاری طرف سے تعمیل سمن کی اسی میں متصور ہوگی کہ تم دستاویز مذکور اس عدالت میں بتاریخ اور بوقت مرقومۂ بالا پیش کرادو (۲) اگر تاریخ مذکورۂ بالا سے زیادہ تم کو ٹھہرنا پڑے تو مبلغ ..... تم کو سوائے تاریخ مذکورۂ بالا کے ہر تاریخ حاضری عدالت کی بابت دیا جائے گا۔

نمونہ عبارت	تاریخ صدور	اجلاس	نمبر مثل	سلسلہ نمبر
منجانب مولوی حمید احمد انصاری بی اے بیرسٹرایٹ لا۔ معتمد جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی بخدمت مولوی سید علی احسن صاحب مارہروی قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ (یو۔ پی)	۲۹ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ ۲۱ ۱۹۲۵ع	دفتر معتمد جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن	ر/۱	نمبر ۱۱

مقدمہ

فرمانِ مبارک دربارۂ عرضی سید علی احسن ساکن قصبہ مارہرہ دربارۂ تقرّر

ترقیم ہے کہ آپ نے جو درخواست بارگاہِ خسروی میں پیش کی تھی اُس کی ایک نقل دفتر میں بغرض کارروائی وصول ہوئی ہے براہِ کرم آپ اطلاع دیجیے کہ جامعۂ عثمانیہ میں آپ کس قسم کی خدمت چاہتے ہیں اور آپ نے کس قسم کی تعلیم اور کہاں تک حاصل کی ہے اور تعلیم کا کیا تجربہ رکھتے ہیں فقط

مثنیٰ بخدمت جناب معتمد صاحب عدالت وکوتوالی وامورِ عامّہ اطلاعاً مرسلِ خدمت ہے۔ فقط

پیشی	نمبر مسل	اجلاس	تاریخ پیشی	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۲	مرسلہ ۱	معتمد صیغۂ عدالت و کوتوالی و امور عامہ و صیغۂ پیشی حیدرآباد دکن	۱۳ آبان ۱۳۲۳ف / ۲۲ ستمبر ۱۹۱۴ء	از طرف نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر ایٹ لا معتمد بخدمت سید علی احسن صاحب احسن سرکار خرد مارہرہ ضلع ایٹہ مقدمہ فرمانِ مبارک برعرضی سید عبدالجلیل بلگرامی مارہروی نسبتِ شرکتِ کتاب در نصاب بمقدمۂ صدر مولوی عبدالجلیل صاحب مرحوم نے پیش گاہِ خسروی میں ذریعہ درخواست کتاب علم رسم القرآن کا نمونہ بھیج کر استدعا کی تھی کہ کتاب مذکور سرکارِ عالی کی سرپرستی میں شائع فرمائی جائے

چوں کہ اب اُن کا انتقال ہوچکا ہے اس لیے براہِ کرم اُن کے ورثا سے کتاب مذکور کا مسودہ طلب فرماکر محکمۂ ہٰذا میں روانہ کیا جائے تاکہ اصل مسودہ دیکھنے کے بعد اُس کی نسبت پیش گاہِ خداوندی میں رائے عرض کی جاسکے۔ فقط

شمار	کاغذ	اجلاس	سنۂ تحریر
نمبر ۱۳	مراسلہ نشان (م ۸۶)	دفتر مسجّل جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی	سنہ ۱۳۳۴ف م ۱۳۴۴ھ

نمونۂ عبارت

شریف خدمت ....

جناب من

آپ کے پرچہ اُردو (دوم) امتحان انٹرمیڈیٹ کے متعلق ایک کتابچہ نشانات ذریعہ ہذا مرسل ہی۔ آپ سے نتائجِ امتحان مع جوابی کاپیوں کے تاریخ ..... بہمن ۱۳۳۴ف مطابق ۳۰- مئی سنہ ۱۹۲۵ء تک دفتر ہذا پر پہنچ جانے چاہئیں مطالبہ معاوضۂ ممتحنی اور کتابیں جو پرچے کی ترتیب کے لیے روانہ کی گئی تھیں ساتھ ہی ایک علیحدہ لفافے میں ارسال فرمائی جائیں۔

واضح رہے کہ بروئے دفعہ (۲۰) قواعدِ ممتحنین امیدواروں کے جوابات کی عام خوبیاں اور نقائص کے متعلق آپ کی رپورٹ فارم منسلکہ پر کتابچۂ نشانات کے ساتھ علیحدہ لفافے میں وصول ہونی چاہیے۔ فقط

دستخط مسجل جامعۂ عثمانیہ

سلسلہ	نوعیت	اجلاس	تاریخ و سنہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۲	مراسلہ معتمد صیغہ عدالت کوتوالی و امور عامہ صیغہ پیشی سلطنت	نواب اسرار جنگ بہادر معتمد عدالت بنام ناظم تعلیمات سرکار عالی	۲۴ [illegible] سنہ ۱۳۲۵ف م ۱۳۳۵ھ [illegible] ۱۹۱۶ء	مقدمہ فرمانِ مبارک برعرضی سید علی احسن صاحب نسبت نثرِ اردو بجواب مراسلہ نشان (۲۶۳) مورخہ یکم شہریور سنہ ۱۳۲۵ف نگارش ہے کہ نقل مراسلۂ دفتر فینانس نمبر ۱۸۰۹/۱۸۱۰ مورخہ ۸۔ آبان سنہ ۱۳۲۵ف اطلاعاً مرسل ہے۔ منشی بخدمت سید علی احسن صاحب احسن مارہروی اردو لکچرار انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بجواب درخواست معروضہ ۱۹؍ صفر المظفر سنہ ۱۳۳۴ ہجری مرسل و نگارش ہے کہ پیشگاہِ

خسروی سے بذریعہ فرمانِ مبارک قرینۂ غرۂ ربیع الاول شریف سنہ ۱۳۳۵ھ آپ کی مؤلفہ کتاب (تاریخ نثرِ اردو) کی نسبت ارشاد مبارک شرفِ صدور لایا ہے کہ: "اس کتاب کو میرے نام سے معنون کرنے کی اجازت دی جائے اور مؤلف کے نام اس کے صلے میں پچیس روپیہ کلدار ماہوار تاحیات جاری کی جائے۔"

۳ - آپ کی تنخواہ کے متعلق دفتر فینانس سے ذریعہ مراسلہ نمبر ۱۸۰۹/۱۸۱۰ مورخہ ۸ - آبان ۱۳۳۵ف دفتر صدر محاسبی سرکار عالی کے نام احکام جاری ہوچکے ہیں، آپ اس مراسلے کے حوالے سے دفتر صدر محاسبی سے کارروائی فرماسکتے ہیں. فقط

دستخط سینیر مددگار معتمد

نمبر مسل	نوعیت	اجلاس	نمبر و تاریخ	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۵ مسل	مراسلۂ معتمد سرکار عالی صیغۂ عدالت کوتوالی و امور عامہ صیغۂ متفرقات (تعلیقات)	معتمد	۲۶ مہر ۱۳۳۵ف نمبر ۱۳۲۴ بنام خان (۳) ۲۶ ۹ ۱۰	**مقدّمہ** **فرمانِ مبارک برعرضی سید علی احسن** بسلسلۂ مراسلۂ محکمۂ ہذا نمبر ۲۲۱۴ مورخہ ۲۲ - آبان ۱۳۳۵ف نگارش ہے کہ دفتر صدر محاسب صاحب سرکار عالی کو آپ کے نام ماہوار جاری کرنے میں امور مندرجۂ ذیل معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ ولدیت - نام خزانہ جہاں سے ماہوار لینا مقصود ہے. سکونت - عمر - اگر خزانۂ عامرہ سے لینا مقصود ہو تو حلیۂ مصدّقہ کی ضرورت ہے، ورنہ دو قطعہ

نمونۂ دستخط مصدّقہ روانہ کرنے پر ماہوار اجرا کرنے کے احکام جاری ہوں گے۔

پس براہِ کرم امورِ مندرجۂ بالا کا جواب آپ راست دفترِ صدر محاسب صاحب سرکارِ عالی پر روانہ فرمادیں۔

ثنی بجواب مراسلہ نمبری ۴۰۹۶ مورخہ ۱۰- آبان سنہ ۱۳۳۵ ف بخدمت صدر محاسب صاحب سرکارِ عالی مرسل ہی۔

دستخط سینیر مددگار معتمد

نمبر شمار	کاغذ	اجلاس	سنۂ تحریر
نمبر ۱۶	مراسلۂ معتمد سرکارِ عالی صیغۂ عدالت و کوتوالی و امورِ عامّہ (صیغۂ تعلیمات)	معتمد	سنہ ۱۳۳۶ ف م ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۶ء

نمونۂ عبارت	
نشان مسل	
نشان و تاریخ مراسلہ	
نام فریقین	
خلاصۂ مضمون مراسلہ	

ازطرف:- نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد سرکارِ عالی۔
بخدمت:- ناظم صاحب تعلیمات ملک سرکارِ عالی
جواباً نگارش ہے کہ اصل نسخۂ کتاب بارگاہِ خسروی میں عرض داشت کے ساتھ گزران دیا گیا، جو واپس مرحمت نہیں ہوا۔

اس کتاب کے متعلق جو فرمانِ مبارک شرفِ صدور لایا ہی اُس میں اُس کتاب

کو اسمِ ہمایوں سے معنون کرنے اور مؤلف کے نام تاحیات دعہ ۲۵ کلدار ماہوار جاری کرنے کا حکمِ محکم شرفِ صدور لایا ہے۔ اِس میں اہتمام و اجازتِ طبع کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مثنیٰ بسلسلۂ مراسلۂ نشان (۲) مورخۂ یکم آذر ۱۳۳۶ف بخدمت مولوی سید علی احسن صاحب مارہروی اُردو لکچرار مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ مرسل ہے۔ فقط

دستخط محمد اظہر حسین سینیر مددگار معتمد

تبصرہ و کیفیت

سلاطینِ اسلام کے عہد سے حکومتِ برطانیہ کے اوائل تک ہندوستان میں عدالت و دفاتر کی کارروائیاں فارسی زبان میں ہوا کرتی تھیں، اور اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے سے ۱۸۳۵ء میں اُردو زبان کی ترویج کے احکام دفاتر کے لیے جاری ہوگئے تھے، مگر اس کے بعد بھی بہت دنوں تک انگریزوں کے فیصلے اور دفتری کاروبار فارسی ہی میں ہوتا رہا۔ دس بارہ برس کے بعد جب اُردو نویسی شروع ہوئی اُس وقت بھی زبان کی ابتدائی حالت کے سبب سے ایک مدت تک اندازِ بیان میں اس قسم کی گنجلک رہی کہ اُس اُردو کے مطالب کا سمجھنا کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مصداق رہا۔ اسی کے ساتھ عربی و فارسی کا عنصر اس قدر غالب تھا کہ اُس اُردو کو قدیم دکنی اُردو کے لگ بھگ سمجھنا چاہیے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے عموماً آسان اور عام فہم اُردو کا آغاز ہوا ہے،

جیسا کہ مندرجہ نمونوں کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کے عہد سے ہندوستان کی وہ آبادی جس پر انگریزوں کا تسلّط ہوا، چند صوبوں میں منقسم ہے۔ مثلاً بنگال۔ مدراس۔ بمبئی۔ پنجاب، اور صوبجاتِ متحدہ آگرہ و اودھ وغیرہ (جس کا پہلا نام ممالک مغربی و شمالی تھا) ان صوبوں میں سے صرف آگرہ و اودھ، پنجاب اور بہار بنگال کے دفاتر میں اردو کی ترویج ہوئی باقی ندارد تقریباً اب سے ۴۰ سال قبل تک صوبۂ بہار میں تمام عدالتی کاروبار اردو ہی میں ہوتا تھا، مگر زمانۂ مذکور کے بعد سے عموماً ہندی (ناگری) اور انگریزی میں کارروائیاں ہونے لگیں۔ البتہ وہ دستاویزیں جن کے مُقِر زیادہ تر مسلمان ہیں اکثر اُردو زبان میں لکھی جاتی ہیں، لیکن رجسٹری کے دفتروں میں اُن کی تصدیق وغیرہ (یو۔پی کے برعکس) انگریزی میں کی جاتی ہے۔

نظام گورنمنٹ (دکن) میں بھی نصف صدی قبل تک دفتر کی زبان فارسی تھی غفراں مآب آصفجاہ سادس کے عہد سے تمام دفتروں کی زبان اُردو کی گئی۔ یہی حال بھوپال۔ رام پور (رُہیلکھنڈ) وغیرہ چند اسلامی ریاستوں کا ہے۔ اس وقت تقریباً ایک رُبع ارب ہندو مسلمان ہندوستان میں اُردو بولتے اور سمجھتے ہیں، مگر حکومت کے تمام صوبوں میں صرف صوبجاتِ متحدہ آگرہ و اودھ، اور پنجاب میں اُردو کو دفتری زبان اور وہ بھی نیم اُردو کہا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ مسٹر میگڈانلڈ سابق لفٹنٹ گورنر یو۔پی کے عہد میں یہاں بھی اُردو

ہندی کا جھگڑا شروع ہوا، جس کی اتنی یادگار موجود ہے کہ اب جو اطلاع نامے اور سمن وغیرہ عدالتوں سے جاری ہوتے ہیں اُن میں عموماً ایک کی جگہ ۲ دو پرت ہوتے ہیں۔ پہلا ورق جو بعد تعمیل واپس جاتا ہے وہ اُردو کا اور جو تعمیل کنندہ کے پاس چھوڑا جاتا ہے وہ ہندی رسم الخط کا ہوتا ہے۔

ممکن تھا کہ ان نمونوں میں، پنجاب بہار۔ دکن اور صوبجاتِ متحدہ کے تمام عدالتی کاغذات، سمن۔ عرضی دعویٰ۔ جواب دعوی۔ قبولت۔ پٹہ۔ بیعنامہ۔ کرایہ نامہ۔ وکالت نامہ مختار نامہ وغیرہ وغیرہ کی نقلیں پیش کی جاتیں۔ لیکن یہ سمجھکر کہ بہ حیثیتِ زبان چند اصطلاحوں اور لفظوں کے سوا کوئی خاص فرق ایک کو دوسرے سے نہیں۔ صرف چند نمونے چند کاغذوں کے لکھ دیئے گیے ہیں جس سے بآسانی زبان کے اسالیبِ بیان کا فرق اور اندازہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً دفتری اور عدالتی اصطلاحات میں، صوبجاتِ متحدہ کا عملہ ایک گاؤں کی تقسیم بسوات سے کرتا ہے، یعنی اگر نصف موضع کا مذکور ہوگا تو دس بسوہ کہا جائے گا اور پورے موضع کو بست ۲۰ بسوہ۔ اسی کے مرادف بہار میں بیس آنے یا آٹھ آنے یا حسب مراتب۔ آنہ پائی لکھا جائے گا۔ اسی طرح سالانہ مصارف کے لیے جو کدمہ بنایا جاتا ہے اُس کو یوپی والے بجٹ یا نقشہ کہیں گے اور اہلِ دکن تختہ یا موازنہ لکھیں گے۔ کہیں نمبر کی جگہ نشان کا استعمال ہے۔ کسی جگہ فہرست وغیرہ کو کتابچہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ غرض کہ اسی قسم کے جزوی و معمولی اصطلاحی فرق کے

سو اتمام دفاتر کی زبان میں مجموعی حیثیت سے کوئی اصولی یا ادبی امتیاز نہیں پایا جاتا۔ حکّام۔ عملہ۔ محرّر اور وکیل جس قابلیت و واقفیت کے حامل ہوتے ہیں اُسی حیثیت کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ اور اب تو معمولی عرضیوں اور اظہاروں کے علاوہ تمام کارروائیاں اور کُل فیصلے انگریزی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔

اب سے رُبع صدی قبل تک جب کہ انگریزی گریجوایٹوں کے سوا عربی و فارسی داں بھی حکومت کی کرسیاں پایا کرتے تھے، اُن کی تجویں عموماً اُردو میں ہوا کرتی تھیں۔ زبان کے قابلانہ یا واقفانہ معیار کا جو اشارہ کیا گیا ہے اُنھیں حکّام کے فیصلوں سے متعلق ہے۔ موجودہ وکلا کی یہ حالت ہے کہ اُن کو گواہوں کے اظہارات اور جرح کے سوا عدالتوں میں اکثر اُردو بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی چوں کہ وہ اور حاکم دونوں انگریزی داں ہوتے ہیں اس لیے بحث مباحثے میں انگریزی ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ اب صرف عرائض نویس اور محرّرانِ وکلا کا گروہ رہگیا، یا اہل کارو عمّالِ عدالت، اُن کی قابلیت عموماً محدود اور سطحی ہوتی ہے، اُن کے قلم سے جو تحریریں نکلتی ہیں وہ اُنھیں بندھے ٹکے روزمرّہ و محاورات میں ہوتی ہیں جو عوام الناس کی سمجھ میں آجانے کے قابل ہوں۔

ظاہر ہے کہ ایسی زبان کو صرف و نحو اور ادبی سیاق و سباق سے کیا علاقہ، ہندوستانی گواہوں کے اظہار اگرچہ اُردو زبان میں ہوتے ہیں اور اُن کو اُردو میں قلم بند بھی کیا جاتا ہے مگر اسی کے ساتھ اب یہ بھی دیکھا جاتا ہو کہ اکثر حکّام اُن اظہاروں

کو انگریزی میں بھی لکھتے جاتے ہیں۔ الخلاصہ کچہریوں کی اُردو کو گھسا ہو اسکّہ اور بازاری بولی سمجھنا چاہیے نہ کہ ٹکسالی زبان اور اُردوے معلیٰ۔

ادبِ انشا میں پُرانا مشرقی دستور تھا کہ بادشاہ یا مذہبی بزرگ کے نام لکھنے کی جہاں ضرورت ہوتی تھی تو متن عبارت میں نام کی جگہ خالی چھوڑ کر عنوان پر اُس کا نام لکھدیا جاتا تھا مثلاً حسب فرماں کے بعد فرماں روا کے نام کی جگہ چھوڑ کر آگے سے باقی مضمون لکھا جائے گا۔ یہ دستور اب صرف حیدرآباد دکن میں باقی رہا ہے یا ایسی ہی دوسری کسی پُرانے زمانے کی ریاست میں ہو گا اور کہیں نہیں۔

اس دور کے آخر میں خاص دفتری زبان کے متروک و مستعمل الفاظ کا نقشہ اس لیے نہیں لکھا گیا کہ نمونوں کے متن میں ایسے الفاظ و محاورات پر خط کھینچ دیئے ہیں جن کو پڑھکر ذہن منتقل ہو سکتا ہے اور چوں کہ اُن الفاظ کے معنی قریب الفہم ہیں اس لیے اُن کی تشریح بے کار سمجھی گئی۔

نمونہ نمبر ۳

اخبار

سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء سے سنہ ۱۳۴۸ھ ۱۹۳۰ء تک

پہلا دور

سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء سے سنہ ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء تک

نمونۂ عبارت	(۱) تاریخ کی نمبر	زمانۂ اجرا	اخبار مع مقام	نمبر شمار
عبارت سرورق یہ اخبار ہفتے میں ایک بار دوشنبے کے دن چھپتا ہے۔ قیمت اس کی ۸ ر مہینا اور محصول ڈاک ذمۂ خریدار۔ اس اخبار میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ متبرکہ کا حال تھوڑا تھوڑا ہر اخبار میں چھاپا جاتا ہے، جب بفضلہ یہ حال تمام ہو جائے گا	نمبر ۲۰ جون ۱۸۴۸ء سنہ ۱۲۶۴ھ روز دو شنبہ جلد (۱)	۱۲۶۳ھ سنہ ۱۸۴۷ء	سعد الاخبار آگرہ	نمبر ۱

تو اہل بیت اور خلفاء اربعہ اور معرکہ جگر سوز کربلا اور دوازدہ امام علیہم الصلاۃ والسلام کے حالات بلاکم وکاست بتدریج وتفریق لکھے جائیں گے۔ تاکہ عوام الناس کو ان حالات فیض سمات سے بخوبی آگاہی حاصل ہو۔

پاٹن جھالا کی خبر

صاحب زبدۃ الاخبار (لاہور) اپنے ایک دوست کے خط کے رو سے تحریر فرماتے ہیں کہ پاٹن جھالا میں ایک روز عجب ماجرا ہوا کہ جنگل سے ایک صحرائی خوک شہر میں وارد ہوا اور مہاراجہ مدن سنگھ بہادر کے محل میں درآمد ہو گیا، ہر چند لوگوں نے روکا مگر نہ رکا حتی کہ اندر جا کے مہاراجہ کی مسند پر بیٹھ گیا۔ سپاہیوں نے خوب تلواریں چلائیں اور اُسے مجروح کر کے مسند سے دور ڈال دیا۔ خوک مجروح پھر دوڑ کر مسند پر جا بیٹھا۔ تین بار ایسا ہی اتفاق ہوا، آخر الامر اُس سؤر کو مار ڈالا۔ اُس ملک کے نجومی اس امر کو ریاست کے حق میں منحوس بتاتے ہیں۔

بمبئی (بمبئی) کی خبر

صدر الاخبار (بمبئی) سے معلوم ہوا کہ بمبئی کے نجومیوں نے اقرار کیا ہے کہ ۵ اپریل کو یہاں بڑی آندھی آوے گی، لوگ اُن کے کہنے سے خوف زدہ ہو رہے ہیں۔

شمار	نام اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	کوہ نور لاہور حجم ۶ ورق ہفتہ وار	سنہ ۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۹ء باہتمام سکھ رائے اڈیٹر	۱۰ مارچ سنہ ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵[illegible]ء نمبر ۱۱ جلد ۸	کیفیت شہر ہرات

کیفیت شہر ہرات

ناظرینِ اخبار کو معلوم ہو کہ ان دنوں شہر ہرات کی جانب لڑائی ہو رہی ہی۔ شہر مذکور افغانستان کے اُتر پچھم اور ایرانی ملک کے اتر پورب اور خیوا کے دکھن پورب کی طرف واقع ہی، اُس کے اُتر کی طرف کوہِ ہندوکش ہی اور پچھم کی طرف ملک خراسان کا ریگستان ہے۔ اور یہ شہر اس طرح واقع ہی کہ جو کوئی پورب سے پچھم کا سفر کرتا ہی، یا اُتر سے دکھن کی طرف جاتا ہی اور جو ہندوستان کے ملک کی طرف آتا ہی اُس کی راہ اس شہر کے بیچ میں ہوتی ہی۔ اُس کے گرد کی زمین بہت زرخیز ہی، کیوں کہ پہاڑیوں سے بہت ندیاں چھوٹتی ہیں۔ اس شہر اور اس ملک کو ہرات کہتے ہیں، اس باعث سے لڑائی کے وقت فوج کے واسطے یہ جگہ بہت خوب ہی، اور سکندر (اعظم) بادشاہ کے وقت سے آج تک جتنے بادشاہوں نے ان اطراف کے لینے کا ارادہ کیا اُنھوں نے پہلے ہرات پر حملہ کیا۔

ایضاً بابت فروری ۱۸۵۹ء

ابھی ابھی اخبار کوہِ نور ۱۴ فروری ۱۸۵۹ء تیار ہو چکا تھا کہ اس عرصے میں اشتہار ضبطیِ ملکِ اودہ مصدّرۂ امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر کشورِ ہند کا جو ساتویں تاریخ فروری کو مشتہر ہوا بذریعہ پرچہ ضروری لاہور کرانکل انڈسٹریل اسٹار کلکتے کا اس مطبع میں پہنچا کہ ترجمہ اُس کا بھی سیرِ ناظرین اخبار کے واسطے درجِ ذیل کیا جاتا ہے۔

اشتہار

۱۸۰۱ء میں جو صلح نامہ لکھا گیا تھا اُس میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے وعدہ کیا تھا کہ بادشاہِ اودھ کی محافظت مخالفانِ غیر ملک اور اندرونی سے کریں گے اور بادشاہِ اودھ نے اقرار کر لیا تھا کہ ہم انتظام اس قسم کا معرفت اپنے اہل کاروں کے رکھیں گے کہ موجب رفاہ رعایا کا ہو اور جس سے خلایق کے جان و مال کی محافظت رہے، چناں چہ جو وعدہ سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا تھا اُس کا لحاظ قریب پچاس برس کے بکمال ایمان داری برابر اور کامل رکھا، اور ہمیشہ اور ہر طرح اس کی پابندی کی، اس عرصے میں ہر چند سرکار کمپنی نے بہت سی لڑائیاں کیں، مگر کسی مخالف غیر نے زمین اودھ پر پاؤں نہیں رکھا اور نہ کوئی ایسا مفسدہ ہوا کہ جس سے ریاست میں خلل کا اندیشہ ہو، بادشاہ کے پاس فوج انگریزی قائم رہی اور جب کسی نے بادشاہ کے حکم کی عدولی کی تو ہمیشہ مدد دی، اور ادھر ایک خاص اور ضروری شرط صلح فرماں روایانِ اودھ کی جانب سے برابر غیر ملحوظ ہوتی رہی اور جو وعدہ تھا کہ ایسا انتظام ہوگا جس سے جان مال

سکنائے اودھ کی حفاظت اور اُن کی سرسبزی کا باعث ہو، ابتدا سے انتہا تک برابر
اور عمداً خلاف ہوتا رہا۔ اس عہد شکنی میں باعث اگر سرکار انگریزی ہوتی کبھی کا اس
عہدنامے کو باطل کر دیتی اور شاہِ اودھ کی حفاظت سے دست بردار ہو جاتی تو بعید
از انصاف نہ ہوتا۔ مگر بہ خیال اس امر کے کہ ایک نسلِ شاہی گو وہ رعایا کے ساتھ کسی
طرح پیش آئی ہو سرکار انگریزی سے ہمیشہ صدق اور سلوک سے رہی، اس تجویز سے
تباہ اور بے اختیار ہو جائے گی۔ اس معاملے میں تامّل کیا تھا، تاہم سرکار انگریزی نے
اس عرصے میں سکنائے اودھ کو ظلم اور بدنظمی سے بچانے میں محنت اور کوشش سے
دریغ نہیں کیا، بہت عرصہ گزرا کہ لارڈ ولیم بنٹنگ صاحب گورنر جنرل نے جب دیکھا
کہ جو تدبیر واسطے آسائش رعایائے اودھ کے ہوئی اور پھر عمل نہ ہوا تو اہالیانِ لکھنؤ سے
صاف بیان کر دیا تھا کہ ہم انتظام ملکِ اودھ کا باختیار خود کریں گے اور یہی دھمکاوٹ
اور الفاظ کہ لارڈ ولیم بنٹنگ صاحب نے سنائے تھے عرصہ آٹھ برس کا گزرا کہ لارڈ
ہارڈنگ صاحب نے بذاتِ خاص مکرر گوش زد بادشاہ کے کر دیئے تھے، اُس
روز بادشاہ کو بخوبی سمجھا دیا تھا کہ تم یاد رکھو کہ اب جو کچھ ہوگا، سارے جہان کو ظاہر ہے
کہ تم کو نصیحت وقت موقع پر اور طریق دوستانہ کے کی ہے۔ مگر وزیر اودھ اور شاہ کی ضد
یا نالائقی یا بے پروائی سے ارادہ دوستانہ سرکار انگریزی کا مطلق کارآمد نہ ہوا، نصیحت
بے غرضانہ اور لعن طعن متواتر پچاس برس کی اور تنبیہ اور غصہ اور دھمکی سب بے کار اور
فضول پڑی۔ جو خاص شرط عہدنامے کی تھی وہ کبھی پوری نہ ہوئی اور وعدہ بادشاہ کا پورا نہ

نہ ہوا اور رعایا اودھ کی نالایقی اور رشوت ستانی اور تظلم کے ہاتھ سے ویسی ہی مجبور ہے اور توقع بہتری کی اور امید آرام کی نظر نہیں آتی۔ تمام ملک میں شہرۂ عام ہے کہ بادشاہ حال بھی مثل فرمارو ایانِ سابق معاملات سلطنت کو ہرگز ہاتھ نہیں لگاتے اور اختیاراتِ سلطنت تمام ملک بیشتر اہلِ دربار کے حمایتیانِ نالائق کو سپرد ہو گئے ہیں، یا تند مزاج اور رشوت خواروں کو کہ نہ لائق کام اور نہ لائق اعتبار کے عاملانِ حال اپنے ضلع پر حکم رانی کرتے ہیں اور اُن کے اختیار کی کچھ حد نہیں۔ رعایا پر جہاں تک بس چلتا ہے جبر ستانی کرتے ہیں اور عہود گزشتہ یا حال کا مطلق لحاظ نہیں کرتے، فوج شاہی بیشتر غیر آراستہ اور بے ترتیب ہے اور بخشیانِ فوج اُن کی تنخواہ میں تغلب کرتے ہیں اور وہ مجبور ہو کر دیہاتوں کو لوٹتے ہیں اور اپنا پیٹ بھرتے ہیں، غرض جس ملک کی حفاظت کے واسطے وہ لوگ متعین ہیں اُسی کو تباہ کرتے ہیں، تمام ملک میں قزاقوں کا شور ہے انصاف اور قانون نام کو نہیں۔ جبر اور خوں ریزی روزمرہ ہے اور جان و مال ایک دم محفوظ نہیں، اب وہ حالت ہے کہ سرکار انگریزی اودھ کی برائیوں اور خرابیوں کو نہیں دیکھ سکتی کہ سب شرائط عہد نامے کی روا داشت کرنا، اور اُن راؤں کا، اور قائم رکھنا بادشاہ کا، اور حفاظت جس کے سبب سے وہ سلطنت تھمی ہوئی تھی گوارا کرنی پڑی جس کے باعث یہ قبوحات نکلیں۔ پچاس برس کے تجربے سے معلوم ہو گیا کہ ۱۸۰۱ء کے عہد نامے سے سکنائے اودھ کو خوشی اور سر سبزی مطلق نہ حاصل ہوئی اور بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اس ظلم سے سکنائے اس ملک کو بے آں کہ انتظام کل اضلاع اودھ کا ہمیشہ

کے لیے سرکار انگریزی کے ہاتھ میں آوے اور کسی صورت سے اینۃً ممکن نہیں۔ واسطے حصول اس مدعا کے حکام نے بمنظوری آنریبل کورٹ آف ڈائرکٹرس کے یہ بات قرار دی کہ عہد نامہ ۱۸۰۱ء کا جس کا بادشاہ اودھ نے علی التواتر کچھ لحاظ نہیں کیا آیندہ بھی قطعاً رد و منسوخ سمجھا جاوے۔ واجد علی شاہ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ نیا عہد نامہ کر لیجیے جس کے رو سے سلطنت ملکِ اودھ کی ہمیشہ کے واسطے بالکل امپیریل ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض ہو اور بادشاہ کو اور اُن کے خاندان کو حسب رتبہ و درجۂ عالی کے مواجب معقول دیا جاوے مگر بادشاہ نے اس صلح نامۂ دوستانہ سے عذر کیا۔ پس ازاں جا کہ واجد علی شاہ بادشاہ نے اور نیز اُن کے مورثوں نے ایفائے شرط و عہد عہد نامہ ۱۸۰۱ء کا پورا نہیں کیا کہ اُس کے رو سے اُن کو اپنے ملک میں ایسا انتظام کرنا فرض تھا جس سے رعایا کو سرسبزی اور خوشی حاصل ہوتی۔ اور ازاں جا کہ وہ عہد نامہ جس کو بادشاہ نے توڑا رد و منسوخ سمجھا گیا اور ازاں جا کہ بادشاہ نے اور شرائط سے بھی انکار کیا کہ بجائے صلح نامہ پہلے کے اُن سے مقرر کی جاتی تھیں۔ اور ازاں جا کہ درصورت قایم رہنے شرط اس عہد نامے کے تقرری عہدہ داران انگریزی کی ملکِ اودھ میں ممنوع تھی اور اس کے بغیر انتظام کامل ہونا وہاں کا غیر ممکن تھا۔ اس لیے سب پر ظاہر ہے کہ سرکار انگریزی کو بجز ایک امر کے اور کوئی چارہ نہ رہا، یعنی یا تو رعایا اودھ کو ظلم اور تعدی میں چھوڑ دے کہ ایسی حالت میں بسبب شرط صلح کے وہ لوگ مدت سے پڑے ہوئے ہیں، یا آں کہ اپنے زور قوی کو واسطے حمایت ان لوگوں کے جن کو پچاس ساٹھ

برس سے زیادہ گزرے دست اندازی کو بھی کام میں لاوے اور بلا توقف انتظام کامل اور مدامی اضلاع اودھ کا اپنے تصرف میں کرلے۔ سرکار انگریزی نے بلا توقف پچھلی تجویز کو فوق دیا۔ اس لیے اشتہار دیا جاتا ہی کہ حکومت ملکِ اودھ کی آیندہ کلیتہً اور ہمیشہ کے لیے سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت میں رہے گی۔ تمام عاملان و ناظمان و چکلہ داران و دیگر متعلقانِ دربار اور تمام عہدہ داران ملکی و جنگی اور سپاہ بادشاہی اور تمام باشندگانِ ملک اودھ کو لازم ہی کہ اب سے صرف عہدہ دارانِ انگریزی کی اطاعت اختیار کریں۔ اگر کوئی اہل کار دربار یا جاگیر دار وغیرہ اطاعت سے انکار کرے گا یا مال گزاری دینے میں عذر لاوے گا یا اور کسی طرح پر سرکار کے حکم میں جھگڑے یا مقابلے سے پیش آوے گا وہ مفسد سمجھا جاوے گا اور اُس کی گرفتاری عمل میں آوے گی اور اُس کی جاگیر یا اراضیات ضبط سرکار میں ہووے گی۔ جو اشخاص بلا تامل چپ چاپ اطاعت سرکار انگریزی اختیار کرلیں گے خواہ وہ عامل ہوں یا عہدہ داران بادشاہی یا جاگیردار یا دیگر سکنائے اودھ اُن کو اطمینان رہے کہ اُن کی پرورش اور غور اور حمایت قرار واقعی ہوگی۔ محاصل ملک کا از روئے بندوبست واجب قرار دیا جائے گا اور ترقی ملک اودھ کی سلسلہ وار قرار واقعی کی جاوے گی۔ اور انصاف از روئے میزانِ عدل کے ہوگا جان و مال کی حفاظت کی جاوے گی اور آیندہ ہر شخص بلا اندیشہ و مزاحمت اپنے حقوق واجبی پر قایم رہے گا۔ بحکم امیر کبیر گورنر جنرل بہادر کشور ہند باجلاس کونسل۔

شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	تاریخ نمونہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	کشف الاخبار بمبئی۔ اڈیٹر منشی غلام حسن (ہفتہ وار) حجم ۱۶ صفحے	۱۲۷۰ھ ۱۸۵۳ء	نمبر (۴۲) جلد (۲۷) ۳۰۔ ستمبر ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء	**عجیب مکڑی** لندن میں جنوبی امریکہ سے ایک بڑی جنگلی مکڑی آئی ہے کہ جو پالی جانے پر بڑے کام کی ہوتی ہے چوہیاں اور کساری کو د) گو وہ کیسی ہی بڑی کیوں نہ ہوں مکان میں ایک بھی زندہ نہیں چھوڑتی۔ اُن کے کھانے کا اُس کو بڑا ہی بھاری شوق ہوتا ہے۔ اس مکڑی کا قد اس قدر بڑا ہوتا ہے کہ جس قدرا بابیل چڑیا کا اپنے بازو بند کرنے پر ہو جاتا ہے اور اس کی ٹانگیں سیدھی

پھیل جاتی ہیں، اس خوفناک مکڑی کے تمام جسم پر سرخی مائل بھورے رنگ کے بال ہوتے ہیں یہ شیشے کے پنجرے میں رہتی ہے جس میں کہ گرم پانی سے گرمی رکھی جاتی ہے۔

خبر بمبئی

اس ہفتے میں بارش کم ہوئی۔ حاجیوں کی کثرت ہے۔ حتیٰ کہ دو ڈھائی سو بنگالی اور سو ڈیڑھ سو ہندوستانی و ولایتی روزمرہ آتے ہیں۔ بوجہ کثرت حجاج نول (ٹکٹ جہاز)

کا نرخ چالیس سے پچاس رُپے تک ہو گیا

نمونۂ عبارت	تاریخ نمونہ	زمانۂ اجرا	اخبار و مہتمم	شمار
فیصلہ جات صدر مغربی۔ مقدمہ بدایوں فیصلہ یکم اکتوبر ۱۸۵۵ء سرکار مدعی بنام مان سنگھ وغیرہ جرم قتلِ عمد ہزاری سنگھ و مینڈو خاں یہ دونوں شخص زمیں دار کی طرف سے زر لگان وصول کرنے پر	نمبر ۱۱ جلد اوّل ۱۴۔ جنوری ۱۸۵۶ء	سنہ ۶ ۱۲ ۱۸۵۶ء	نورِ مشرق، عالم سپرنٹنڈنٹ (مہتمم وار)	نمبر ۴

مقرر ہو کر رُپیہ اُگھانے میں سخت گیری کرتے تھے اس سبب سے لوگ اُن کے دشمن ہوئے اور مدعا علیہوں نے خرمن پر جا کر اُن کو شب کے وقت قتل کیا اور کئی گواہوں نے اظہار دیئے کہ ہم نے مارتے دیکھا اور قاتل مار کر کہتے جاتے تھے کہ آج اپنا مدعی مار پایا۔ مدعا علیہوں نے اپنی بے جُرمی ظاہر کی اور ایک نے کہا کہ زمیں دار اور تحصیلدار نے جوتیاں مار مار کر گواہوں سے اظہار دلوائے ہیں اور کسی نے فقط زمیں دار کا نام لیا۔ صاحب سشن نے باتفاق رائے اہلِ جوری مجرموں کے سر جرم ثابت رکھا، اور لکھا کہ اگرچہ کئی شخص قتل میں شریک تھے اور یہ بات تحقیق نہیں کہ کس کی تلوار نے مقتولوں کا کام تمام

کیا، لیکن ہماری دانست میں مجرموں کو سزائے قتل واجب ہی۔

رائے ہیرنگٹن صاحب حاکم صدر

بنظر شہادت گواہوں کے، جرم ثابت۔ مگر بجائے قتل، جنم میعاد مع مشقت اور پابجولانہ، اور جلائے وطن سمندر پار کی سزا کافی ہی، اس واسطے کہ ایسے مقدمے میں اتنے آدمیوں پر فتویٰ قصاص کا دینا ضابطۂ عدالت نہیں اور کسی خاص پر ثبوت اس قابل نہیں کہ وہی مارا جاسے۔

رائے بیگنیس صاحب حاکم صدر

ہماری دانست میں شہادت نامعتبر ہی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہی کہ رات میں تو مجرموں کو گواہوں نے پہچان لیا اور کسی نے مقتولوں کی مدد نہ کی۔ اور نو گواہ معائنہ قوم چمار زراعت پیشہ ہیں اور مقتول زمیں دار کے ملازم تھے، عجب نہیں کہ شہادت میں کوئی کارسازی بھی ہوئی ہو۔ اور گواہانِ معائنہ نے تھانے میں جو اظہار دیئے اور بعد اُس کے عدالت سشن میں جو لکھوائے اُن کے اندر کئی ایسی باتوں کا فرق ہے کہ دیکھنے والے سے ہرگز نہ ہوتا، مثلاً ایک نے تھانے میں لکھوایا کہ فلانے دو شخص کو میں نے مارتے دیکھا اور پھر صاحب سشن کی عدالت میں اظہار دیا کہ دونوں تلوار لیے پاس کھڑے تھے۔ اس طرح کے کئی اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہ سکھائے ہوے ہیں مگر کچھ کچھ بھول بھی گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ صاحب سشن نے تھانے اور اپنی عدالت کے اظہاروں کو مقابل نہیں کیا ورنہ یہ نہ لکھتے کہ گواہوں نے اس طرح کے اظہار پیشتر بھی دیئے ہیں

اور چونکہ ہماری رائے ہیرنگٹن صاحب سے مختلف درباب رہائی مقیدین کے ہے اس لیے یہ مقدمہ تیسرے حاکم کے اجلاس میں پیش ہو۔

رائے اسمتھ صاحب

علاوہ اور مراتب کے یہ کہ چماروں نے مارتے دیکھا تو شور و غل اسی وقت کیوں نہ کیا، اور اُن کو چاہیے تھا کہ خود اس امر کی اطلاع دیتے نہ یہ کہ اُس وقت تک خاموش بیٹھے رہے جب تک تھانے میں اُن کے اظہار لیے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اُن کو خبر کرنے سے منع کر رکھا ہوگا اور اگر یہ نہیں تو دیر کے باعث اُسی قدر اُن کے اظہار پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ غرض کہ کئی وجوہات سے شہادت نامعتبر ہوئی، اور بیگنین صاحب کی رائے سے درباب رہائی کے اتفاق کیا۔ فقط ۱۶ ارمئی ۱۸۵۵ء

نمبر	اخبار و مقام	زبان اخبار	تاریخ نمونہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	طلسم لکھنؤ	×	۵ ستمبر ۱۸۵۶ء ۴ محرم ۱۲۷۳ھ	اب تازہ سنیے! صاحب موصوف (لارنس صاحب چیف کمشنر) نے چودھویں تک اس امر کی میعاد ٹھہرائی ہے مگر محلات نے جو حضرت کی طرف سے جواب کے منتظر تھے مکانات خالی کر دینے میں جلدی نہ فرمائی،

جب میعاد سے کئی دن زیادہ گزرے تو صاحب چیف کمشنر بہادر نے پھر تاکید کی۔ حسب رشتہ صاحب

منتظم شہر کے نام چٹھی لکھی۔ منتظم نے اس پر بھی محلات کو حکومت نہ جتائی۔ سوا افہام تفہیم کے کچھ زبردستی نہ دکھائی۔ یہاں تک کہ تاکید شدید سے مامور ہوئے۔ شدت کرنے میں ناچار ہوئے مجبور ہوئے۔ آخر عذر محرّم وغیرہ محلاتِ شاہی کا مسموع نہ کیا، شبا شب مع اسباب سب کو اٹھایا۔ رات کے سبب سے جو کھاٹ کباڑ باقی رہا، دن کو چینی بازار کے تھانے دار کی تاکید سے اُٹھا۔ غرض بیٹھے بٹھائے کیا پریشانی اٹھائی۔ زمانے کی گردش نے عجب ویرانی دکھائی۔ تمام خلق کو رقت تھی۔ یہ حیرانی دیکھکر حیرت تھی۔ دیکھنے والوں کا دل کڑھتا تھا، مگر کیا ہو سکتا تھا۔ ایک دوسرے کا منھ تکتا تھا۔ روتا تھا بلکتا تھا۔

۳- اکتوبر

منگل سین والی کوٹھی میں پرسوں نیلام ہوتا رہا، ہر روز صبح سے دس بجے تک وہی سودا رہا۔ ۲۶ ستمبر کے نیلام میں ایک سیف گجراتی نکلی جس کا لوہا ایسا اچھا تھا کہ اُس پر سرکار ابوالمنصور خاں بہادر صفدر جنگ آبِ زر سے لکھا تھا۔ تیئسویں (۲۳) تاریخ چھے رُپے کو ایک توڑے دار بندوق کا نیلام دیکھا، ابوالمنصور خاں بہادر اور محمد یونس کاری گر کا نام منقوش تھا۔ ایک بندوق پر نواب شجاع الدولہ بہادر تحریر تھا۔ دوسری پر وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر رقم پزیر تھا۔ پانچ پانچ سو پر دونوں چھوٹیں۔ دیکھنے والوں کی کمریں ٹوٹیں۔ ایک بندوق ساڑھے آٹھ رُپیے کو بکی تھی جس پر سونے سے یہ عبارت لکھی تھی۔ ”حسب فرمایش دائم خاں بہادر دائم الدولہ تیار شد۔ دس بارہ رُپیے کو بہت سی اصفہانی تلواروں کا نیلام ہوا کہ اُن پر ابوالمنصور خاں سونے کے پانی سے لکھا تھا۔ یکم اکتوبر کے نیلام میں اور

دنوں سے بھی سستا سودا کیا، سو رُپئے کا مال ایک رُپئے کو بکا۔

نمبر شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۶	سحر سامری (لکھنؤ) ہفتہ وار۔ اڈیٹر منشی گھیر نرائن عیاش و پنڈت بینج ناتھ۔ حجم ۸ صفحے قیمت ۱۲ر ماہوار	نومبر ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء	نمبر ۳۔ جلد اول۔ یکم دسمبر ۱۸۵۶ء روز دوشنبہ	**خبرِ فرحت اثر** جناب عالیہ (والدہ واجد علی شاہ اودھ) و مرزا ولی عہد بہادر و مرزا اسکندر حشمت بہادر۔ مرزا بابو صاحب مرزا ولی عہد کے مصاحب، سفر ولایت میں ولی نعمت کے ہمراہ تھے۔ اقبال کی طرح مقبول بارگاہ تھے۔ وہاں پہنچ کر ولی نعمت نے نامہ بری کا منصب عنایت کیا۔ حضرت سلطانِ عالم کے پاس رخصت کیا انگریزی ڈاک کے جہاز پر سوار ہوئے۔ ۱۶ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۳ ہجری کو دریا سے پار ہوئے۔ حضرت کے نام اپنے حضور کی تحریر لائے۔ گھڑی وغیرہ اور بہت تحایف دل پذیر لائے۔ اُن کی زبانی ہے۔ دل حبیب کہانی ہے۔ کہ ابھی تک ملکۂ فرنگ مصروف سیر و شکار ہیں۔ مسافرانِ لندن محوِ انتظار ہیں۔

مگر تیر مدعا نشانے سے قریب تر ہے ملکۂ فرنگ کی شکار سے پلٹنے کی جلد خبر ہے۔ بڑے بڑے انگریزانِ جلیل الشان۔ اونچی اونچی کچہری پارلی منٹ کے ارکان۔ ہم زباں ہیں کہ داد گستر کے آنے تک تیغِ انصاف کے جوہر نہاں ہیں۔ ادھر ملکہ شکار سے پھریں اُدھر برگشتہ طالعوں کے دن پھر جائیں گے۔ جتنے ستارے گردش کے ہیں اشکِ ندامت کی طرح چشمِ فلک سے گر جائیں گے۔ پھر وہی شاہِ اودھ کا دور دورہ ہوگا۔ وہی حشمت کا انداز وہی سطنت کا طور ہوگا۔ شکستہ خاطروں کو تسلی دیتے ہیں۔ اراکینِ دولت تشفی دیتے ہیں کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے دنیا کی کسی بات کو ثبات نہیں ہے۔ انھیں حکامِ پارلی منٹ نے اپنے اپنے مکان خالی کر دیے۔ ایک ایک کو آنکھوں میں جگہ دل میں گھر دیئے۔ ملکۂ فرنگ نے پرچۂ پیام بھیجا۔ جناب عالیہ کے نام بھیجا۔ کہ بادشاہی کوٹھی میں اتر لیجئے۔ ہر طرح کا سامانِ آرام سرکار سے بے خطر لیجئے۔ جنابِ عالیہ نے جواب لکھا کہ ملکۂ عالم رونق افروز ہولیں۔ داد طلب داد گستر کے جمالِ باکمال سے بہرہ اندوز ہولیں۔ پھر جہاں ارشاد ہوگا رہیں گے۔ اور جب تک دامنِ دولت سے دور رہیں عیش کیسے آرام کہاں کا ہر طرح کے جور سہیں گے۔ ملکۂ عالم نے پھر تحریر فرمایا تشفی کا مضمون سنایا۔ کہ اضطراب کا مقام نہیں۔ گھبرانے کا ہنگام نہیں۔ ڈیڑھ مہینے میں ہم آتے ہیں تمھیں مراد کو پہنچاتے ہیں۔ مرزا صاحب اس تحریر کے آنے سے دس روز بعد گرم سفر ہوئے۔ بائیس دن راہ میں بسر ہوئے۔ اس حساب سے اب ملکۂ عالم ولایت میں آگئی ہوں گی۔ جناب عالیہ مُنہ مانگی مراد پا گئی ہوں گی۔

دوسرا دور

۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء سے ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء تک

نمبر شمار	نام اخبار مع مقام	زمانۂ اجرا	ایڈیٹر	زمانۂ تحریر	مضمون نگار	نمونۂ عبارت
۱	اودھ اخبار لکھنؤ	۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء	منشی نول کشور مالک و ایڈیٹر منشی جانکی پرشاد وغیرہ	۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء	ایڈیٹر خود ہی	شاہِ فارس کی آمد اب ہر لمحہ امیدواری دیدار فرحت آثارِ شہریار کامگاری تھی، کبھی خبر اُڑتی تھی کہ اب شاہی ریل گاڑی قریب آن پہنچی۔ بسکہ در جانِ فگار و چشمِ بیدارم توئی ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

باوجود گرمی اور انتظاری کے ایک طرح کی چہل اور زندہ دلی سبھوں کے دلوں پر چھا رہی تھی، کہ یکایک شلک سلامی قلعۂ لندن سے بمجرد چھوٹنے ناف لندن کے دناول دغنے لگیں، اب کوئی دقیقے کی بات باقی نہ رہی، لیڈیان معزز، مہوش رشکِ حور یکبارگی جیسے کوئی کل کھینچتا ہو اُٹھ کھڑی ہوئیں، کہ ٹرین شاہی بھی جیسے کہ "مہر از مطلعِ انوار بر آید"

طالع ہوئی - روزِ انتظار آخر، اور شامِ انتظار کو سحر۔

دوبارہ لب نہ کشاید صدف بہ ابرِ بہار
کریم سائل خود را غنی کند یک بار

ایک ہل چل سی ہوئی، اِتّا (اتنا) کہ گاڑیوں کے گھوڑے بھی ٹاپیں مارنے لگے اور سبھوں کی آنکھیں نرگس وار ایک طرف ترتیب وار جم گئیں۔

اٹالین اوپرا کے تماشے میں شاہ کا جانا

تو کیا دیکھتے ہیں کہ سات سو پری زاد گل اندام مہر چہرہ، زہرہ جبیں، ماہِ تابان و خورشیدِ درخشاں بہ شیدا ہیں، ہر ایک پر بہائے زمرّد اور مروارید اور الماس ٹکے لگائے ہوئی تھی، ضیائے گیس میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزاروں ماہتاب نکلے ہیں، جو جو راگ اور سوانگ اور کرتب اور تماشے دکھلائے کہ بادشاہ اور ہمراہی حیران ہو گئے۔ الٰہی یہ خواب ہے۔ یہ سچ مچ کے آدم زاد ہیں، یا پریوں کا اکھاڑا اُترا ہے۔ خصوصاً جب پریاں تار کے زور سے مثل طائروں کے اُڑتی تھیں، یکایک بادشاہ اور سب ہمراہی کی زبان سے "واہ واہ" کی صدا بلند ہوئی۔ اگر شمّہ اس کا بیان لکھوں تو "قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم درکش" کا عالم ہو۔

ایک دن شاہ خفیہ طور سے شیش محل دیکھنے گئے وہ سادی پوشاک میں تھے دربانوں نے اُن کو شاہ کا نوکر سمجھا۔ اس واقعے کو یا مرتے یوں قلم بند کیا:۔

بادشاہ سے بذریعہ مترجم جو فرانسیسی زبان جانتا تھا پوچھا کہ تم کو بادشاہ کی سرکار میں کون عہدہ ہے۔ بادشاہ نے فرمایا، خدمتگارِ خاص، اور معتمد علیہ، اور چند ہمراہیوں نے کہا کہ بادشاہ ان پر بہت اعتماد رکھتے ہیں۔ صدہا مہ لقا دختران فرنگ نے اشتیاق گرم جوشی اور ملس انامل فیض شوامل (ہاتھ چھونا یا چومنا) ظاہر کیا، اکثروں کو اعلیٰ حضرت نے سرفراز فرمایا۔

پامر سے بادشاہ کی ملاقات

پھر حال اس بے پر و بال کا پوچھا، اور فرمایا: - نزد بیا کجا فارسی و عربی یاد گرفتی؟

پامر۔ فارسی از سید عبد اللہ و عربی از عربیاں در ایں جا و ہم در عرب رفتہ آموختم۔

شاہ: - من شنیدم تو شاعر فارسی ہستی؟

پامر: - ایں ہیچ مداں کم کم می گوید، نہ لایقِ سماعتِ بندگانِ ..... اعلیٰ حضرت۔

بہت ہنسے، بعدہٗ پوچھا: - ایں کارِ مدرّس از طرف کیست؟

پامر: - فدوی خاص مدرّس از طرف ملکہ معظمہ انگلینڈ است۔

اعلیٰ حضرت نہایت خندہ پیشانی سے ہنس ہنس کے کلام فرماتے رہے اور ذرا غرور و نخوت کا نام نہیں، اور صورت سے آثار سلطانی و رعب قہرمانی اور ظہور مکرمت ظلِ سبحانی پدیدار تھے۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ ہم لوگ مرخص ہوئے تو روزنامچہ نگار نے ہمارے نام و نشان درج روزنامچہ کیے اور دستخط اُس میں درج کرائیے۔

تبصرہ و کیفیت

حتی الامکان یہ سعی و تلاش رہتی ہے کہ اُردو ادب کے متعلق جو نیا اور خاص تاریخی واقعہ مل جائے وہ اس تالیف میں مندرج ہو جائے، اسی سلسلے میں یہ نمونہ رسالۂ عالمگیر لاہور میں نظر پڑا جو ڈاکٹر اعظم کریوی کا لکھا ہوا ہے۔ چوں کہ یہ تذکرہ تاریخی اور ادبی لحاظ سے قابلِ قدر تھا، اس کا اندراج مناسب معلوم ہوا۔ واضح رہے کہ پچھلے انگریزوں میں اکثر ہستیاں ایسی گزری ہیں جن میں السنۂ مشرقیہ سے خاص دل چسپی رہی ہے، اُنھیں میں ایڈورڈ ہنری پامر کا شمار بھی خاص حیثیت رکھتا ہے۔ موصوف ۷۔ اگست ۱۸۴۰ء کو شہر کیمرج میں پیدا ہوئے، اسکول کی معمولی تعلیم وغیرہ حاصل کرنے کے بعد ۱۸۶۰ء میں ان کی ملاقات سید عبداللہ سے ہو گئی جو اودھ کے رہنے والے اور کیمرج میں اُردو فارسی کے اُستاد تھے ۱۸۶۳ء میں پامر کیمرج کے سینٹ جانس کالج میں داخل ہوئے اور وہاں سے آخری ڈگری حاصل کر کے ۱۸۶۷ء میں اپنی فارسی اور اُردو کی قابلیت کی وجہ سے اسی کالج کے فیلو منتخب ہو گئے ۱۸۶۹ء میں گورنمنٹ کی طرف سے "سنائی" بھیجے گئے۔ جہاں اُن کی عربی قابلیت میں اضافہ ہوا۔ ۱۸۷۱ء میں وہ عربی کے پروفیسر ہو گئے ۱۸۸۱ء میں کلام مجید کا ترجمہ۔ فارسی انگریزی لغت۔ وغیرہ کئی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ اسی زمانے میں مصر کی بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجے گئے اور وہاں سے کامیاب واپس ہوئے۔

مصر کی واپسی کے بعد کسی دوسرے ریگستانی علاقہ عرب میں پامرا اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ قزاقوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

اُن کی ایک یہ خصوصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ وہ غالباً ہندوستان میں نہیں رہے اور اگر رہے بھی ہوں تو بہت کم۔ اس پر اُن کی عربی و فارسی کے علاوہ اُردو دانی کی قابلیت ایسی مسلّم تھی کہ اُس عہد کے اکثر باوقار اہلِ قلم نے اس کی تصدیق کی ہے۔

شمار	مقام اخبار ایڈیٹر	زمانہ اجرا	زمانہ تحریر	نمونہ عبارت
نمبر ۳	سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ ہفتہ وار نگران سر سید احمد خاں مہتمم منشی محمد یار خاں	۳۰۔ مارچ ۱۸۶۶ء ۱۲۸۳ھ	۱۸۶۶ء ۱۲۸۳ھ جلد (۱) نمبر (۱)	آزادی چھاپے کی ہے ایک بڑا فرض گورنمنٹ کا اور ایک اصلی اور جبلّی حق رعیت کا اطّلاع یہ اخبار سینٹیفک سوسائٹی علی گڑھ سے ہفتہ وار جاری ہوتا ہے، قیمت اس کی حسب تفصیل ذیل ہے؛ مگر جو لوگ سینٹیفک سوسائٹی کے ممبر ہیں اُن کو بلا قیمت ملتا ہے۔۔۔ جو لوگ ہماری سوسائٹی کے ممبر ہوتے ہیں اُن کو چوبیس روپیہ سالانہ دینا

پڑتا ہے اور کل کتابیں اور اخبار جو سوسائٹی چھاپتی ہے بلا قیمت اُن کو ملتی ہیں۔ ارادہ ہے کہ اس اخبار میں نہایت عمدہ عمدہ مضامین جن کو بڑے بڑے قابل اور ہندوستان کے خیر خواہ انگریزوں اور نیز قابل اور لائق ہندوستانی شرفا لکھیں گے، چھاپے ہوں گے تاکہ عموماً ہندوستانیوں کو تعلیم بھی ہو اور لطف بھی حاصل ہو، اور انگریزی زبان سے ترجمہ ہو کر نفیس اور عمدہ جواب مضمون بھی لکھے جاویں گے اور، اور اخباروں سے ایسے مضمونوں کے بھی ترجمے چھاپے جاویں گے جو ہندوستانیوں بلکہ کل انسانوں کے مفید اور بکار آمد ہوں گے اور جن سے ہندوستان کے لوگ اور کسی طرح واقف نہیں ہو سکتے۔

تبصرہ و کیفیت

حیاتِ جاوید صفحہ (۲۰۴) میں مولانا حالی نے لکھا ہے کہ "۱۸۶۶ء ہی میں سرسید نے سائنٹفک سوسائٹی سے اخبار نکالا جو آخر کو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام سے اُن کے اخیر دم (شروع ۱۸۹۸ء) تک جاری رہا۔ یہ اخبار پہلے ہفتہ وار نکلتا تھا پھر ہفتے میں دوبار نکلنے لگا۔ اس اخبار کا اڈیٹوریل اہتمام ابتدا سے اخیر تک سوائے اُن ایام کے جب کہ سرسید علی گڑھ میں نہیں رہے انھیں کے ہاتھ میں رہا۔ اگرچہ یہ اخبار ملک کی سوشل اصلاح کا ہمیشہ ایک آلہ رہا ہے، اور اوّل اوّل کئی سال تک جس قدر زمانۂ حال کی نئی اطلاعیں اس کی بدولت ہندوستان کو

حاصل ہوئیں اُن کے لحاظ سے یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہو کہ کم سے کم شمالی ہندوستان میں عام خیالات کی تبدیلی اور معلومات کی ترقی اسی پرچے کے اجرا سے شروع ہوئی ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی پولیٹکل معاملات میں جو وقعت اور اعتبار اس پرچے نے گورنمنٹ اور حکام میں حاصل کیا وہ آج تک کسی دیسی اخبار نے حاصل نہیں کیا

ایک خصوصیت اس اخبار کی اس کی باقاعدگی تھی۔ جو اکثر دیسی اخبار میں مفقود ہی وہ ہمیشہ بے اصل قصوں اور بے سروپا خبروں سے مبرّا دیکھا گیا۔ اُس کی باقاعدگی کا یہ حال تھا کہ وہ بتیس ۳۲ برس برابر جاری رہا اس عرصے میں شاید ہی کوئی نمبر ایسا ہوگا جو اپنی تاریخ معیّن پر نہ نکلا ہو۔

شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	نجم الاخبار (اٹاوہ) ہفتہ وار، حجم ۸ صفحے۔ اڈیٹر ابتدائی محمد حیات و حافظ روح اللہ خاں بعدہٗ مولوی بشیر الدین اڈیٹر البشیر	۱۲۷۹ھ ۱۸۶۲ء	۱۶-جون ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء و ۲-نومبر ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۳ء	**لُبّ لُباب** افسرانِ انگریز کابل سے عبدالرحمٰن کو ایسے مضمون کے خطوط بھیج رہے ہیں جن سے اُس کی بدگمانی دور ہو اور یہ بھی ارادہ کیا گیا ہی کہ کوہستانی ہندوں نے ایک لاکھ روپیہ جو عبدالرحمٰن کو قرض دیا ہی وہ سرکار ادا کرکے رسید عبدالرحمٰن خاں کے پاس بھیج کر اُن کو خوش کرے۔ اور راخبار دہلی گزٹ کا رسپانڈنٹ لکھتا ہی کہ عبدالرحمٰن خاں صرف یہ اصرار کر رہا ہی کہ سرکار انگریزی قندہار کو بھی چھوڑ دے عبدالرحمٰن خاں کی عمر چالیس برس کی ہی۔ (نمونۂ مضمون) اسبابِ ترقی لفظ ترقّی کے معنی لُغت میں بلند ہونا اور چڑھنا ہی اور عُرف میں ایک حال پست سے حال بلند کو پہنچنا۔ ہر چند کہ یہ لفظ عام ہی مگر ترقّی ظاہری میں

مشہور ہو گیا ہی اور اس جگہ مقصدِ بیان سے بھی یہی معنی ہیں۔ اور بعد غور تین امر جن کے بڑھنے کا نام ترقی ہی اصل اصول ہیں۔ باقی توابع اور فروع۔ اوّل مال۔ دوم تزاید جاہ و مرتبہ سوم حکومت و تزاید حکومت۔

نمبر شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	اخبار دفع حاجات و دادرسی (الٰہ آباد) ہفتہ وار، صفحہ ۲۔ اخبار نمبر ۱۔ لال	۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء	۱۳۰۰ھ ۱۸۸۳ء بابت	**کالے اور گورے میں فرق** ہم مدت سے جانتے تھے کہ قیصرِ ہند کے عہدِ آسایش مہد میں گوروں اور کالوں میں کچھ تمیز نہیں ہی دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا ہی مگر افسوس مفصلۂ ذیل خبر نے ہمارے اس اولڈ خیال کو یک لخت منتقل کر دیا نہ صرف منتقل کیا، بلکہ آہِ سرد بھڑک ... پڑا۔ اے ناظرین وہ خبر کیا ہے؟ سن لیجیے!! ایک اخبار معزز سے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ تجویز کر رہی ہے کہ گورے مجرموں پر گورے سپاہیوں کا پہرا ہو کسی نے ہنس دیا تھا ہائے رے قومی تعصب جس نے ہماری دانا بینا گورنمنٹ کے

خیالات کو پلٹ دیا، گورنمنٹ کو گوروں کی خاطرداری کس قدر منظور ہے، گورنمنٹ گوروں کے مزاج سے جل بل گئی لیکن افسوس بہت سے دیسی گوروں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئے اکثروں نے دیسیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا مگر کوئی نہیں۔ اکثر عدالت سے بری کیے گئے ہائے لرے افسوس، ہائے افسوس۔ ہندوستان کم بخت تو کب اپنی تاریکیِ جہالت سے سر اُٹھائے گا۔

شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	گلدستہ تذکرہ شعرا لکھنؤ ۱۵ روزہ ایڈیٹر شیخ قادر بخش	۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء	۱۴ر دسمبر ۱۸۵۹ء نمبر (۱) جلد (۱)	بسکہ حسد سے یگانہ و بیگانہ خالی نہیں بلکہ زمانہ خالی نہیں تتبع اس کا ہر چند کوئی صاحب فرمائیں رنگ بدل کے رنگ لائیں حسد و حرص مٹتا ہی صاحب اس عادت کا نام رہتا ہی الحریص محروم حدیث صحیح ہی سند صریح ہے عیاذاً باللہ خدا کی پناہ، حیف صد حیف آدمی کس قدر غافل ہی دیدہ و دانستہ ذمائم کا مائل ہی جہاں کسی کو موجد کسی چیز کا پایا وہیں منھ میں اُس کے پانی بھر آیا۔ دوست و آشنا کو بھولا بادِ پندار سے حباب کی طرح پھولا۔ اس سے فائدہ کیا ہے، قسمت سے زاید نہیں ملتا ہی۔

تبصرہ و کیفیت

۱۴ر مارچ سنہ ۱۹۲۷ء کے اخبار ذوالقرنین بدایوں، میں "پون صدی قبل کی اُردو" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے یہ اقتباس وہیں سے کیا گیا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے اس کا اندراج اخبار کے دور (۱) میں ہونا چاہیے تھا لیکن وقت پر دستیاب نہ ہونے سے ایک تاریخی معلومات کو غیر تاریخی ترتیب کے سبب سے ترک کر دینا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

تیسرا دور

سنہ ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۴ء سے سنہ ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء تک

نمبر شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	جریدۂ سرکاری (اخبار ریاست) حیدرآباد دکن	سنہ ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء	جلد سوم نمبر ۲۶ مورخہ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۴ء	**برائے اطّلاع** جملہ عہدہ داران و ملازمان صیغۂ عدالت و وکلا و مختارکاران و عامّہ رعایائے ممالک محروسۂ سرکار عالی **خلاصۂ گشتی** آئندہ جملہ عدالتی دفتروں میں اُردو زبان کے ذریعے خط و کتابت ہو گی ایک مدّتِ دراز سے اس بات پر غور ہوتا چلا آتا ہے کہ عدالت کے صیغے میں فارسی اور اُردو میں سے کون سی زبان کام میں لانی چاہیے۔ ایک قرن سے زیادہ عرصہ ہوا جب کہ صدرالمہام عدالت نے

۱۲۸۰ھ ہجری میں اوّل اوّل سرکارِ عالی کی توجہ اس امر پر چاہی کہ دفتروں میں فارسی کی جگہ اُردو زبان کا استعمال کیا جاوے۔ لیکن اُس وقت صرف اس قدر اجازت ہوئی کہ نظمائے عدالت کی رائے ہو تو وہ گواہوں یا اہلِ معاملہ سے اظہارات اُردو زبان میں قلم بند کریں۔

(۲) ۱۲۹۳ھ ہجری میں نظمائے عدالت کی رضامندی کی قید اُٹھا دی گئی اور یہ امر لازم کر دیا گیا کہ جو لوگ اُردو میں اظہار دیتے ہیں اُن کا اظہار اُردو میں قلم بند کیا جاوے نہ کہ فارسی میں، نیز اہلِ مقدمات مجاز کیے گئے کہ وہ اپنی عرائض خواہ فارسی میں دیں خواہ اُردو میں

(۳) ۱۲۹۵ھ ہجری میں اس گشتی کے مطالب کسی قدر وسیع کیے گئے اور حکم ہوا کہ گوشواروں اور فیصلوں میں بھی وہ اظہارات بجنسہ اُردو میں داخل کیے جاویں، اُن کا فارسی ترجمہ گوشواروں وغیرہ میں داخل کرنا کچھ ضرور نہیں ہے، اور یہ بھی ہدایت ہوئی کہ اثنائے تمہید و تجویز میں جب اُن کے اظہاروں اور الفاظ پر استدلال کی ضرورت پیش آوے تو ان مواقع پر مجوّزین کو بجنسہ وہی عبارتیں اور الفاظ مندرجۂ اظہارات نقل کرنے چاہئیں جو مظہرین کی زبان سے اظہارات میں لکھے گئے ہوں۔

(۴) اسی سال ۱۲۹۵ھ ہجری میں جب کہ صدر المہام عدالت کی توجہ اس امر کی طرف مصروف تھی کہ جہاں تک ممکن ہو دفتری کارروائیوں کو کم اور سہل کریں اور فضول مصارف کو گھٹا دیں اور جس قدر تخفیف صیغۂ عدالت کے اخراجات میں بغیر فوت ہونے مطالبِ مفیدہ کے ممکن ہو اُس قدر تخفیف کی جائے۔ صدر المہام ممدوح کو معلوم ہوا کہ اضلاع کی کارروائیوں میں سب سے زیادہ جو چیز تسہیل اور اختصارِ کارروائی کی مانع اور واجبی کفایت شعاری

میں مخل ہے وہ دفتروں میں مختلف السنہ کا رواج اور فارسی زبان کا استعمال ہے، لہٰذا اُنھوں نے ارادہ کیا کہ تمام عہدہ داروں اور کارکنوں کو اُردو زبان میں اس قدر استعداد بہم پہنچانے کا موقع دیں جو سرکاری خط و کتابت کے لیے کافی ہو، جن میں سے ایک بڑا حصہ اوّل ہی سے اس قدر استعداد رکھتا بھی تھا۔ پس ایک خاص مجلس کے مشورے سے جو اکثر تجربہ کار عہدہ داروں سے مرکب تھی۔ اور نواب مدارالمہام مرحوم کی منظوری سے صدرالمہام عدالت نے اضلاع کے تمام عہدہ داروں اور کارکنوں کو یہ حکم دیا کہ دو برس کے عرصے میں اُردو میں بقدر نوشت و خواند اور زبانِ مروّجہ ملک میں اس قدر کہ گفت وگو کر سکیں اور کچھ پڑھ سکیں استعداد حاصل کریں۔

(۵) اس گشتی کی تمہید میں صدرالمہام ممدوح نے اُن تمام دقتوں اور خرابیوں کو بہ تفصیل بیان کیا ہے جو موجودہ طرز کارروائی سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی اختلاف السنہ مستعملہ و دفاتر کی وجہ سے ایک دن کے کام میں ایک ہفتہ لگ جاتا ہے اور جس کام کو ایک منشی انجام دے سکتا ہے وہ دو منشیوں سے بھی وقت پر انجام نہیں پاتا لہٰذا ضرور ہو گیا ہے کہ ایک رُپئے کی جگہ سرکاری خزانے سے دو تین رُپے خرچ کیے جاویں۔ مثال کے طور پر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مجالس سے عدالت ہائے اضلاع میں جب تختہ جات ملکی زبان میں داخل ہوتے ہیں (جن کا کچھ بھی اثر اہلِ مقدمات پر نہیں ہے) تو چوں کہ عدالت ہائے اضلاع اور محکمہ جاتِ بالادست میں خط و کتابت فارسی میں ہوتی ہے لہٰذا ضرور ہوا ہے کہ ضلع کی عدالتوں میں ایک خاص منشی اس لیے نوکر رکھا جاوے کہ وہ اُن تختوں کا ترجمہ فارسی

میں کیا کرے اور ایک ایسے شخص کے بہم پہنچانے میں جو ملکی زبان اور فارسی دونوں سے واقف ہو لا محالہ بہ نسبت ایک معمولی کارکن کے بیش قرار تنخواہ سرکار کو گوارا کرنی پڑتی ہے۔ پس اس مشکل کے حل کرنے کے لیے صدار المہام اور مدار المہام وقت نے یہی ایک طریقہ بہتر خیال کیا تھا کہ رفتہ رفتہ ان تمام اختلافوں کو دور کر کے ایک ایسی عام فہم زبان جیسی کہ اُردو ہے دفتری کارروائی میں جاری کر دیں تاکہ کام آسان ہو سکے اور سرکارِ عالی غیر ضروری مصارف سے محفوظ رہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ یہ خیال بہت درست تھا اور بندوبست مال گزاری کے سررشتے میں جہاں اُردو زبان سے کام لیا گیا بخوبی کامیابی ہوئی۔

(۶) سالِ گزشتہ جب کہ نواب مدار المہام مرحوم و مغفور نے اورنگ آباد سے معاودت کی تو عدالت اور کوتوالی دونوں صیغوں کے متعلق پھر فارسی زبان کی بحث نواب صاحب مرحوم کے سامنے پیش تھی جس میں مدار المہام موصوف نے اُردو زبان کو بہت کچھ وسعت دی۔ یہ فیصلہ کوتوالی کے صیغے میں نواب صاحب کی حیات میں رحلت سے ایک دو روز قبل اور عدالت کے صیغے میں بعد وفاتِ مرحوم موصوف کے جاری کیا گیا۔ اس آخر الذکر تجویز کا مطلب یہ تھا کہ ہر گاہ وہ عہدہ دار جو مرہٹی اور تلنگی میں اپنا فیصلہ لکھنا چاہتے ہیں۔ اُن زبانوں میں اپنا فیصلہ لکھتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں جو وہ عہدہ دار جن کی اصلی زبان اُردو ہے اُردو لکھنے سے ممنوع اور فارسی لکھنے پر مجبور کیے جائیں۔ پس ہر ایک عہدہ دار مجاز کیا گیا کہ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں سے جس زبان میں وہ اپنے مطالب زیادہ عمدگی اور آسانی کے ساتھ ظاہر کر سکتا ہو اُسی زبان میں اپنے فیصلے اور کارروائیاں لکھے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی حکم دیا

گیا ہی کہ جن دفاتر میں کوئی ملکی زبان رائج ہی وہاں بھی بعض اوقات وہ عہدے دار جو اُردو یا فارسی میں فیصلہ لکھ سکتے ہیں خود فیصلہ لکھکر عملے کے ہاتھ سے ملکی زبان میں اپنی تجویزیں لکھاتے ہیں آیندہ یہ طریقہ بالکل بند کیا جاوے اور لازم ہے کہ وہ عہدے دار خود اُردو یا فارسی میں فیصلہ لکھیں۔ اور منتخب فیصلہ ملکی زبان میں مرتّب کراکر بہ مُہر و دستخطِ محکمہ شامل مسل کریں اس آخر الذکر تجویز کا مطلب بھی صرف یہی ہے کہ صدر سے لے کر مفصّل تک حتّی الامکان دفتری زبانوں کا اختلاف بدون فوت کسی مفید مدّعا کے رفع کیا جاوے۔

(۷) یہ ہیں وہ تمام ہدایتیں جن کے متعلق آج عدالت کے صیغے کی کارروائی بلدہ اور اضلاع میں جاری ہی اور جس کے نتیجے میں عدالت کے صیغے کی اب ہر ایک مسل فارسی اور اُردو سے مخلوط ہو کر ایک ناگوار مجموعہ ہو رہی ہی۔ جو آیندہ جائز رکھنے کے قابل نہیں ہی۔ ایک صفحہ اُردو اور دوسرا فارسی ہی۔ عرضی اُردو میں ہے اور حکم فارسی میں ہی۔ عرضی فارسی میں ہی اور حکم اُردو میں ہی۔ ایک محکمے سے اُردو میں روبکار آتا ہی اور دوسرے محکمے سے فارسی میں اُس کا جواب جاتا ہے۔ ایک ہی محکمے سے ایک ہی دن کی ڈاک سے جو کاغذات روانہ ہوتے ہیں بلکہ ایک ہی لفافے میں جو چند کاغذات ملفوف ہوتے ہیں اُن میں کوئی تحریر اُردو کی ہوتی ہے اور کوئی فارسی، اُس کے لیے کوئی اصول بھی نہیں ہے، کبھی چھوٹی سی چھوٹی تحریر اُردو میں نظر آتی ہے۔ اور بہت بڑی بڑی تحریریں اُسی دستخط سے فارسی میں جاری ہوتی ہیں۔ اور کبھی بالعکس دیکھا جاتا ہے۔ ایک گوشوارہ کسی سنگین مقدمۂ فوجداری کا ہاتھ میں لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجوّز نے اُردو میں تجویز لکھی ہے،

دوسرے نے فارسی میں تیسرے اور چوتھے نے پھر اسی طرح وعلی ہذا القیاس۔ اور یہ اختلاف بھی کسی معین اصول پر نہیں ہے۔ کبھی ضلع سے فارسی تحریر ہوتی ہے اور اور محکموں سے اردو۔ اور کبھی اس کے خلاف ہوتا ہے۔ مجلسِ عالیہ عدالت کا شاید کوئی فیصلہ بھی مشکل سے ایسا نکلے گا جس میں اول سے آخر تک ایک زبان یعنی اردو یا فارسی کا استعمال ہوتا ہو۔ کوئی رکن اپنی رائے فارسی میں لکھتے ہیں اور کوئی اردو میں۔ فیصلے کی تمہید کبھی فارسی سے شروع ہوتی ہے۔ اور حکم آخر اردو میں ہوتا ہے اور کبھی فیصلے کی ابتدا اردو سے ہوتی ہے اور آخر حکم فارسی میں ہوتا ہے۔

(۸) تمام تر یہ طرزِ کارروائی اُس آزادی کا نتیجہ ہے جس میں ہر ایک شخص آزاد کیا گیا ہے کہ چاہے اردو میں لکھے یا فارسی میں لیکن آیندہ یہ طرزِ کارروائی بالضرور صلاح کا محتاج ہے۔ اور اُس کی دو ہی صورتیں ہیں، یعنی یا فارسی کی تحریر لازمی قرار دی جائے یا اردو کی تحریر کو لازمی گردانا جائے، مدار المہام سرکار عالی خیال فرماتے ہیں کہ اول صورت کے اختیار کرنے کا وقت گزر گیا ہے، اور اگر ہم پھر اُسی زبان کو جو نہ اس ملک کی قدیم زبان ہے نہ جدید۔ نہ وہ حاکمِ وقت کی زبان ہے اور نہ محکوم کی نہ وہ دفتروں میں بولی جاتی ہے اور نہ خانگی طور سے۔ اپنے دفتروں میں لازمی قرار دیں تو تمام اُس کوشش کو جو بارہ تیرہ برس سے ہوتی چلی آئی ہے برباد کر دینا ہوگا۔ اور ہم کو پھر پچھلے قدم پر اپنے طریقے پر لوٹنا پڑے گا اور پھر تمام اُن مشکلوں کو از سرِ نو پیدا کر لینا ہوگا جن سے رفتہ رفتہ ہم آزاد ہو گئے ہیں۔ اور دفتری سہولتوں کو کھو دینا اور اہلِ

مقدمات کو پھر بہت سی دقتوں میں مبتلا کر دینا ہوگا اور اخراجات کی کفایت شعاری کا ایک بڑا موقع بھی ہاتھ سے کھو دینا ہوگا۔ ہم فارسی زبان کی عمدگی اور اُس کی شیرینی اور لطافت سے اپنے مکاتب اور مدارس میں البتہ متمتّع ہونے کو مفید سمجھیں گے لیکن دفتری کارروائی کو اور اہلِ مقدمات کو اُس میں الجھانا خلاف مصلحت ہی۔ الغرض مدار المہام سرکار عالی آیندہ عدالتی کارروائیوں میں ایک ایسی زبان کو مستعمل کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جو عام فہم زبان اور دفتری کارروائی کے لیے ہر طرح موزوں ہے اور جس کے رواج دینے کو حضرت بندگانِ عالی متعالی بھی بنظر فوائد ملک و سہولت اہلِ مقدمات پسند فرماتے ہیں۔ پس مدار المہام سرکار عالی بہت خوشی کے ساتھ حکم دیتے ہیں کہ جس وقت سے عدالتی دفاتر میں اس حکم کی اطلاع ہو اُس وقت سے عدالتی دفتروں کی کارروائی لازمی طور سے اردو میں عمل میں آوے گی۔ بہ شرائطِ ذیل:۔

(الف) اُن لوگوں کے اظہارات جو اُردو نہیں جانتے بدستور انھیں زبانوں میں قلم بند ہوں گے جس میں کہ وہ اظہار دیتے ہیں اور اس باب میں تمام احکام اور ہدایات مندرجۂ گشتی مجاریہ ۱۲۹۳ھ ہجری بحال و برقرار سمجھی جاویں گی۔

(ب) تمام مجوزین اور ملازمانِ عام سے کہ اُن کا تقرر مال کے صیغے سے ہوتا ہی یا عدالت سے جب کہ عدالتی کارروائی کا تعلق اُن سے ہے۔ اسی گشتی کے مطابق کاربند ہوں گے اور اگر اُن میں کوئی اُردو لکھنے پر قادر نہ ہو تو اُس کو لازم ہوگا کہ اس گشتی کے مطّلع ہونے سے ایک ہفتے کے اندر اپنے عذرات معمولی واسطوں سے سرکار عالی کی توجہ

اور صدور حکم مناسب کے لیے اس محکمے میں بھیج دے۔ اس موقع پر اس بات کا بیان کر دینا بھی ضرور ہی کہ شاید بعض لوگ عادت کی وجہ سے اردو لکھنے کو مشکل خیال کریں گے کہ ہم شستہ طور سے اردو نہیں لکھ سکتے۔ لیکن یہ صرف چند روزہ خیال ہی اس کے بعد خود عادت ہو جائیگی ایک شخص جو فارسی لکھ سکتا ہے اور رات دن اور ہر وقت اردو بولتا ہے وہ ضرور اردو بھی لکھ سکتا ہے۔ سرکار عالی کا منشا اس وقت صرف یہ ہے کہ جو زبان بولی جاتی ہی وہی لکھی بھی جاوے یہ غرض نہیں ہی کہ ہر ایک شخص نہایت عمدہ اور شستہ اردو کے لکھنے پر مجبور کیا جاوے۔

(ج) جو دفاتر اس وقت مرہٹی یا تلنگی ہیں اُن میں بھی جس قدر عہدے دار اور ملازم اردو لکھ سکتے ہیں ضرور ہوگا کہ وہ آیندہ تمام خط و کتابت باستثناء اخبارات اور اُن احکام کے جو اُن لوگوں کے نام جاری کیے جائیں جو اردو زبان سے واقف نہ ہوں اور باستثناے منتخب فیصلے کے باقی ہر ایک قسم کی خط و کتابت اردو میں کریں مستثنیات متذکّرۂ صدر بدستور ملکی زبان میں تحریر ہوں گے منتخب فیصلے کی نسبت واضح ہو کہ جب کوئی تجویز اخیر دفاتر مذکور سے اردو میں لکھی جاوے تو اُس کا ایک منتخب ملکی زبان میں ہمیشہ بُہر و دستخط شامل ہوا کرے گا۔

(د) دفاتر متذکّرۂ ضمن (ج) میں جو لوگ اردو لکھنے کی استعداد نہیں رکھتے اُن پر بھی لازم ہوگا کہ بموجب ضمن (ب) دفعہ ہذا کے ایک ہفتے کے اندر اندر اپنے عذرات سرکار عالی کے حکم آخر کے لیے پیش کریں۔

(ھ) مجالس کے دفتر بھی آیندہ سب اردو میں رکھے جاویں گے اور کُل خط و کتابت اردو میں ہوا کرے گی اگر کوئی محرّر یا داروغہ اردو لکھنے سے قاصر ہو تو عدالتِ ضلع کو اُس کی کیفیت بموجب ضمن (ب) کے سرکارِ عالی کے حکم آخر کے لیے مرسل کرنی چاہیئے۔ اُس کیفیت میں عدالتِ ضلع کو یہ بھی لکھنا ہوگا کہ ۱۲۹۵ھ ہجری کے احکام اور اُن احکام کی جو اُس کی تاکید میں اردو کو تعلیم کی نسبت جاری ہوے تھے اُن اشخاص کی نسبت کیا تعمیل ہوئی ہے

(و) عرائض دعویٰ اور دوسری قسم کی درخواستیں جو مقدمات کی کارروائی کے متعلق اس وقت کبھی فارسی میں اور کبھی اردو میں پیش ہوتی ہیں آیندہ اردو میں پیش ہوں گی۔ لیکن جب کسی عہدے دار کو جس سے عرائض کی منظوری اور نامنظوری متعلق ہے یہ یقین ہو جاوے کہ اس گشتی سے لاعلم رہنے کی وجہ سے کوئی عرضی فارسی میں مرتب ہو گئی ہے۔ اور بغیر عائد ہونے زائد اخراجات کے عرضی گزار پر اور بدون ہرج کار کے اُس کی تبدیلی اردو میں دشوار ہے تو عرائض پیش شدہ کے منظور کر لینے کا اختیار ہوگا۔ لیکن ضرور ہے کہ یہ اختیار ایسی احتیاط سے کام میں لایا جاوے کہ چند روز کے بعد تمام لوگ سرکاری حکم سے بخوبی مطّلع ہو جاویں۔ اور پھر اس قسم کے اختیار کے کام میں لانے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ عرائض کی تبدیل کے وقت کاغذِ مختوم کے مکرر مستعمل کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہی پہلا کاغذ کافی سمجھا جاوے گا تاکہ اہلِ مقدمات زیر باری سے محفوظ رہیں۔ فقط

نمبر شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	نظام الملک (مراد آباد) ہفتہ وار۔ حجم ۸ صفحے۔ اڈیٹر قاضی فہیم الدین	سنہ ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء بیادگار جلوس حضور نظام دکن	نمبر ۱ جلد ۱۳ سنہ ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء	**آرمینیا کا تاریخی حال** آرمینیا ایک قدیم شہر ایشیاے کوچک میں واقع ہے۔ ۲۳۴۷ سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حضرت نوح علیہ السلام نے یہاں قیام فرمایا۔ آرمینیا پہلے شام، پھر امیڈیا، زاں بعد فارس اور بعدہٗ سور کے یونانی بادشاہوں کے قبض و تصرف میں رہا۔ بعد اس کے قیصر روم نے اس کو اپنے قبضۂ قدرت میں کر لیا۔ اور بہت برسوں تک اس پر قابض رہے۔ سنہ ۱۰۰ء اور سنہ ۳۰۰ء کے درمیان عیسائی مذہب کی بنیاد یہاں ڈالی گئی۔ اور بعدہٗ روم سگارس یونانی سرکاریں قبضہ کرتی

رہیں۔ سنہ ۶۵۰ء میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا۔ پہلے عیسائی کلیسا آرمینیا میں آزاد تھے۔ لیکن سنہ ۱۳۳۰ء میں وہ روم کے کلیسا سے مل گئے تو بھی آرمینیا کے کلیسا اپنے قدیمی قواعد کو مانتے رہے اور ایک بشپ جس کو وہ پیٹریاک کہتے ہیں اپنے کلیسا پر رکھتے ہیں اس لیے اس کلیسا

میں ایک قسم کی آزادی ابھی تک پائی جاتی ہے۔ اگرچہ کئی ایک سرکاروں نے آرمینیا میں حکومت کی تب بھی وہ اپنے بادشاہوں کو چن لیتے تھے اور غیر سرکاروں کو بطور خراج کے رُپیہ دیتے تھے۔ آرمینیا کا آخری بادشاہ لیون ششم تھا جس کو سرڈیون نے ۱۶۷۵ء میں قید کر لیا اور ۱۶۹۳ء میں وہ پیرس میں مر گیا۔ اور پھر کوئی بادشاہ نہ ہوا اور وہ برابر شکست کھاتے گئے۔ ۱۶۰۴ء میں چین کی منگولین قوم اور تیمور ترکی اور فارس کے لوگوں سے پے در پے شکست کھا کر وہ ایک ترکی صوبہ ہو گیا۔ اب آرمینیا کے لوگ دولتِ عثمانیہ کو مانتے ہیں اور اسی کی حکومت میں رہتے ہیں۔

تبصرہ و کیفیت

فی زمانا اخباری مضامین کی جو روش عموماً دیکھی جاتی ہے اس کا آغاز سن ۳۰۔

۴۰ سال پہلے نہ تھا۔ نہ تو علمی مضامین کا موجودہ اندازِ بیان تھا نہ سیاسی خیالات اس شرح و بسط اور بحث و تمحیص کے ساتھ لکھے جاتے تھے۔ اخباروں کا ابتدائی دور جس میں زیادہ تر خبروں کا اندراج ہوتا تھا۔ اسی خصوصیت کو وسطی دور میں وسعت ہو گئی تھی۔ لڑائیوں کی خبریں اور ان کے متعلق واقعات بغیر تفصیل و رائے زنی کے مندرج ہوتے رہتے تھے۔ علمی مضامین بہت کم اور سطحی ہوتے تھے۔ اخباروں کی کوئی خاص پالیسی اس وقت نمایاں حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ چوں کہ اس دور کے اخباروں میں یکسانیت کا رنگ زیادہ چڑھا رہتا تھا اس لیے چند نمونوں پر اکتفا کی گئی۔

نظام الملک کے ایڈیٹر قاضی فہیم الدین ایک قابل قدر شخصیت کے حامل تھے علاوہ اخبار کے اُن کا قلم دوسری تصانیف میں بھی رواں رہتا تھا جو زیادہ تر مذہبی مباحث سے متعلق ہوتی تھیں

شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	الپنچ (بانکی پور پٹنہ) ہفتہ وار۔ ۸ صفحے ملکیت مولوی سید رحیم الدین	سنہ ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء	سنہ ۱۸۹۷ء / ۱۳۱۵ھ	**کھرگ بلاس پریس بانکی پور** ڈل ورنیکلر اور ڈل انگلش کے امتحانوں کی کتابیں شمار میں ۱۵۔ یا ۱۶۔ اپر پرائمری کی ۸۔ یا ۹ لوور پرائمری کی ۔۵۔ یا ۴ ہندی بھاکا میں صیغۂ تعلیم کے محکمے سے مقرر ہیں۔ یہ کُل کتابیں اسی کھرگ بلاس پریس سے بابو رام دھنی سنگھ مالک مطبع کی ہر بابی صفت اور ستعدی نے چھاپ کر نفع اٹھایا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں ان کی کوشش سررشتۂ تعلیم کے آفسوں میں اسی درجے پر ہے

اور اس دوادوش میں بے شک بے چارے کا خرچ بھی کثیر ہے جس کا صلہ ان کو یہ ملتا ہے کہ بہار سرکل کے سکنڈری و پرائمری اسکولوں کے امتحان والی کتاب کے ٹھیکے دار بن کر لڑکوں پر احسان کرتے ہیں۔ اب اس ٹھیکے داری کے متعلق غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس کا کہاں تک اثر اُس کمیٹی پر نہیں پہنچ سکتا ہے جو بچوں کی تعلیم یا انعامات کے لیے نئی نئی کتابیں تجویز کرتی ہے۔ اور اُن ممبروں کی نظر ٹھیکے دار صاحب سے کہاں تک نہیں سٹ رہا سکتی ہے جو ان اسکول

اور پاٹ شالوں کی تعلیم کا نصاب درست کرتے اور منظور کرتے ہیں۔ کیا بابو رام دھنی اپنی چھپی چھپائی کتاب کے ہمیشہ قائم رکھے جانے کے لیے اتنی کوشش نہیں کر سکتے یا نہ کرتے ہوں گے جس کا خیال صیغۂ تعلیم کے محکمے اور نصاب تعلیم درست کرنے والی کرسیوں کو نہ ہو، یا نہ ہوتا ہو۔ بے شک ہوتا ہے اور ہوتا ہوگا، نہیں بلکہ اُن کی کوششوں کو اور اُن کی جاں فشانیوں کو دیکھکر ہم تو بزور کہہ سکتے ہیں کہ ہوتا ہے۔ کوشش و کاوش کا یہی نتیجہ ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے، دوسرے ہمارے ایک ہم پیشہ و ملکی بھائی کا نفع کثیر بھی اسی میں ہے پھر کیا ہم کو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ پہلے اپنی خیر منائیے تب غیر کی۔ مگر سوال یہ ہی کہ اس کارروائی اور اس ٹھیکے داری میں صوبے کے نقصان کا پہلو اور بچوں کی تعلیم کی مضرت کا رخ بھی ہے یا نہیں؟

نمبر	اخبار و رسالہ	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	اودھ پنچ لکھنؤ - اڈیٹر منشی سجاد حسین مرحوم، ہفتہ وار	۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء	نمبر (۳۰) جلد (۳۲) ۲۴ - جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء	**مشکلے نیست کہ آساں نہ شود** ہاں صحیح ہی۔ مگر ہندوستان ایسے ملک میں رُپیے کی مشکل اُمّ المشکلات ہے جو کوئی اس کو حل کرلے بس سمجھ لو اُس نے سب کچھ کرلیا۔ مرحوم سرسیّد نے محمدن کالج کو سخت مشکلات میں مبتلا چھوڑا تھا طرح طرح کے اندیشے ناشی ہوتے تھے، مگر یارا ایمان کی

تو یہ ہی کہ علی گڑھ والوں نے وہ جی توڑ کر کوشش کی کہ قدیمی وضع بھی ڈنکے کی چوٹ نباہی اور مخالفتوں کی بھی خس برابر پروا نہ کی۔ صرف پنجاب کے سفرا ور لفٹنٹ گورنر بہادر کی دعوت میں اتنا جمع کرلیا اور اس قدر وعدے لے لیے کہ سب دقتیں رفع دفع ہوگئیں بلکہ اور بھی سرسبزی کے سامان ہوگئے سنتے ہیں صرف ایک مسلمان رئیس محمد سعید خاں صاحب بہادر نے علاوہ پانچ ہزار کے بہت کچھ وعدہ کیا ہی۔ اے ادھر آؤ کالج کے منتظمو! نواب محسن الملک، حاجی اسمٰعیل خاں صاحب مسٹر بک، مسٹر ماری سن وغیرہ، مسٹر پنچ تمہارے ڈنر تول دیں۔ بسند خوشنودی مزاج بوقتِ مناسب عطا کردہ خواہد شد۔

تبصرہ وکیفیت

اردو میں پنچ کے نام سے جتنے اخبار شائع ہوئے اور ہوتے ہیں، اُن میں عموماً مزاحیہ و مذاقیہ مضامین ہوا کرتے ہیں۔ اودھ پنچ خوبی مضامین لطافت بیان اور صحت زبان کے لحاظ سے تمام پنچوں کا سرپنچ کہا جا سکتا ہے۔ اس کے ابتدائی دور میں بڑے بڑے نامی اور مستند اہل قلم مضامین نگار رہے ہیں۔ جن کی یاد دیکھنے والوں کو اب تک نہیں بھولی۔ مذاق مذاق میں سیاسی مباحث اکثر ایسے دل کش اور لطیف پیرائے میں لکھے جاتے تھے جن کی مثال دوسرے معاصرین اخبار میں نہیں ملتی تھی۔ اس کے نامور اڈیٹر سید سجاد حسین مرحوم ایک پختہ کار اور باہوش اہل قلم میں تھے اودھ پنچ ان کے بعد بھی جاری ہے اور موجودہ حالت میں بھی قابل قدر ہے "مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی"۔

چوتھا دور

سنہ ۱۳۱۹ھ سے سنہ ۱۳۴۸ھ تک
۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۰ء تک

نمونۂ عبارت	زمانۂ تحریر	زمانۂ اجرا	مقام اخبار اڈیٹر	شمار
رزولیوشن اجلاس نوزدہم (۱۹) کانفرنس ۹۔ مسلمانوں کی تمام دینی اور دنیوی ترقی قرآن مجید پر منحصر ہے، اس وقت جس قدر اختلافات اور فسادات وبائے عالم گیر کی طرح مسلمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اُن تمام کی وجہ زیادہ تر یہی ہے کہ عام طور پر قرآن مجید کا بامعنی پڑھنا اور پڑھانا متروک ہو گیا اور مسلمانوں کے دماغوں میں عام طور پر اختلافی مسائل کا ہی علم باقی رہ گیا یا بے بنیاد فضول اور لغو مسائل کا، جب تک قرآن مجید کا بامعنی پڑھنا عام طور پر	سنہ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۵ء جلد (۵) نمبر (۵۰)	سلسلۂ جدید سنہ ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء	علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مع تہذیب الاخلاق ہفتہ وار مہتمم محمد ممتاز الدین	نمبر ۱

رائج نہ ہو جائے اُس وقت تک کسی طرح ممکن نہیں کہ عام طور پر تنگ خیالی دور ہو۔ اختلافات رفع ہوں، دلوں میں کشائش پیدا ہو، اتفاق کی قابلیت حاصل ہو، اور باطل عقائد بدعات

اور بُرے اخلاق کی اصلاح ہو۔ اس لیے تمامی اسلامی انجمنوں اور کمیٹیوں کی خدمت میں یہ رزولیوشن مع تائید کے بھیج کر درخواست کی جاوے کہ وہ اپنی اپنی جگہ قرآن مجید بامعنی پڑھنے کا رواج قایم کریں، شہروں اور قصبوں میں وسعتِ آبادی کے مطابق متعدد مقامات اور اوقات پر ترجمہ پڑھانے کا ایسا انتظام ہو کہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں کے طلبہ بھی خارج اوقات میں شامل ہوسکیں، چند قابل اشخاص مامور کیے جاویں جو کُل ہندوستان میں پھر کر عام مسلمانوں کے دلوں میں قرآنی ترجمے کی عظمت اور ضرورت ذہن نشیں کریں اور سربرآوردہ مسلمانوں اور انجمنوں کو ترغیب دے کر ترجمۂ قرآنی کی تعلیم جاری کرائیں۔

تبصرہ و کیفیت

حیات جاوید صفحہ (۱۱۲) میں لکھا ہے کہ یکم شوال ۱۲۸۷ہجری مطابق ۲۴۔دسمبر ۱۸۷۰ء کو تہذیب الاخلاق کا اوّل نمبر شائع ہوا اور پہلی بار شوال ۱۲۸۸ہجری سے رمضان ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء یعنی پورے چھے برس تک برابر نکلتا رہا اور ہمیشہ اُس کے ایڈیٹر اور منیجر خود سرسید رہے اس پرچے کی تمام تر کوشش اس بات میں تھی کہ جو خیالات مسلمانوں کی ترقی اور تمدن کے مذہبی مانع سمجھے جاتے ہیں اور درحقیقت مذہب سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے اُن کو جہاں تک ہوسکے رفع کیا جائے۔ علوم جدیدہ جن سے نفرت کی جاتی ہے اُن کی اصلی اور واقعی خوبیاں اور جو بڑے نتائج دنیا میں اُن سے پیدا ہوئے ہیں جتائے جائیں اور بجائے نفرت کے اُن کی طرف رغبت دلائی جائے۔ تہذیب الاخلاق میں عام خبریں درج نہیں

ہوتی تھیں۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں مدرسۃ العلوم کے ضروری مشاغل اور اہم کاموں کی مصروفیت کی وجہ سے اس کو بند کرنا پڑا اور یکم رمضان سنہ ۱۲۹۳ ہجری کے پرچے پر اس کا خاتمہ ہو گیا مگر جن لوگوں کو تہذیب الاخلاق کا چسکا لگ گیا تھا اُن کو اس کا بند ہونا شاق گزرا اور اُن کی طرف سے برابر تحریکیں ہوتی رہیں کہ اُس کو پھر جاری کیا جائے۔ آخر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۹۶ ہجری میں دوسری بار جاری کیا گیا جو دو برس پانچ مہینے جاری رہ کر بند ہو گیا۔ شوال سنہ ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۴ء میں سرسید نے نواب محسن الملک کی تحریک سے اُس کو پھر جاری کیا آخر تین برس جاری رہ کر بند ہو گیا۔ غرض کہ سنہ ۱۸۶۶ء سے سنہ ۱۸۹۷ء تک مدرسۃ العلوم علی گڑھ کا اخبار سرسید کے اہتمام میں پہلے سائنٹفک سوسائٹی انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق کے ناموں سے جاری رہا۔ اور اُن کے انتقال کے بعد بھی کچھ عرصے تک مختلف حالتوں میں شائع ہوا کیا۔ غرض کہ یہ اخبار مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے ہر آنریری سکرٹری کے عہد میں مسلسل و غیر مسلسل طور سے شائع ہوتا رہا۔ اگرچہ اس کا شمار اخباروں میں ہوتا ہے مگر مذاق حال کے مطابق باعتبار مضامین ماہوار رسالہ یا میگزین کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس عہد کے نامور اور سربرآوردہ اہل قلم جو اکثر سرسید کے ہم خیال و متبعین میں تھے اُن کے مضامین بالعموم اسی اخبار میں چھپتے رہتے تھے۔ صحتِ زبان اور اسلوب بیان کے متعلق اس کی وقعت ہر طرح مسلّمہ تھی۔

شمار	مقام اخبار ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	مفید عام آگرہ، ہفتہ وار، مہتمم قادر علی خاں صوفی	۱۲۸۸ھ سنہ ۱۸۷۰ء	۱۳۲۴ھ سنہ ۱۹۰۵ء	پہلے یہ اخبار ۳۶ برس سے مہینے میں صرف تین بار شائع ہوتا تھا۔ حجم صرف آٹھ صفحوں کا تھا۔ اور عام سے دس رُپیہ سالانہ قیمت مقرر تھی۔ اب ہم نے ساتویں مئی سنہ ۱۹۰۴ء سے مہینے میں چار مرتبہ اشاعت کردی ہے، حجم بارہ صفحوں کا کردیا ہے اور عام سے سالانہ قیمت صرف للعہ مع محصولڈاک مضامین مفید عام۔ جنگ کے تازہ تازہ تار درج

ہوتے ہیں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی خبریں اور صحیح صحیح واقعات درج کیے جاتے ہیں۔ اڈیٹوریل۔ مضامین کے علاوہ مراسلات میں ہندوستان کے قابل قدر نامہ نگاروں کے مضامین ہوتے ہیں کبھی کبھی شاعری بھی ہوتی ہے۔ غرض ہمارے اخبار میں علمی، اخلاقی تاریخی۔ مذہبی اور سوشل رفارم کے متعلّق عمدہ مضامین ہوتے ہیں۔

۲۱۔ جولائی کو نماز جمعہ سے فارغ ہوکر امیر المومنین سلطان عبدالحمید خاں ثانی الغازی جامع حمیدیہ سے باہر نکلنے کو تھے کہ کسی نابکار نے بمب کا گولہ صحنِ مسجد میں پھینک دیا جو بڑے زور سے جا کر پھٹا، مگر خدا کے فضل وکرم سے جلالت مآب کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ البتہ سلطانی

اردلی کے سواران ہمراہی افسروں وغیرہ میں سے ۲ شہید ہوئے اپنے آقائے نعمت پر تصدق ہو گئے اور (۵) اشخاص اور ۵ گھوڑے زخمی ہوئے۔ جلالت مآب نے اس موقع پر حسب معمول شاہانہ حزم و استقلال ظاہر فرمایا، کسی قسم کا خوف یا اضطراب آپ کے چہرۂ مبارک پر ہویدا نہ ہوا، اور اُسی تمکنت اور جلال کے ساتھ گاڑی پر سوار ہو کر اپنے جمال کے شائقین کو جو ہر جمعہ ہزارہا کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں شفقت پدرانہ سے سلام کرتے ہوئے محل سرا کو تشریف لیگئے

نمبر شمار	نام اخبار و مقام اشاعت	زمانہ آغاز اجرا	زمانہ نمونہ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	پیسہ اخبار روزانہ - لاہور - ایڈیٹر منشی محبوب عالم	۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء	۹-۱ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۵ء	**کہکشاں کیا چیز ہے** مسٹر ایس۔ ایل۔ ایڈمز باشندہ سڈنی (آسٹریلیا) نے کہکشاں کی بابت ایک نیا قیاس پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کہکشاں سایہ ہے۔ کیوں کہ مختلف اطراف اور آسمان کے مختلف حصّوں میں نظر آتا ہے، اور ہمیشہ درخشاں اس لیے دکھائی دیتا ہے کہ اس کی پشت پردہ سیّارے ہوتے ہیں جو صرف دوربین سے دیکھے

جاتے ہیں۔ چوں کہ پشت کی سطح ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس لیے سامنے کا حصّہ اُسی مقام پر نظر آتا ہے جہاں کہ کہکشاں واقع ہوتی ہے لیکن یہ تو صاف عیاں ہے کہ نہایت چھوٹے اور دور

ترین ستاروں کی وجہ سے چمک دار حصہ نظر نہیں آتا، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہی کہ آسمان کے سامنے کے حصّے پر کوئی چیز واقع ہی اور یہ چیز زمین کا سایہ ہی۔ مسٹر ایڈمز کہتا ہے کہ یہ ایک مفروضہ "نیو بلے" سایہ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نیو بلے قانون کشش ثقل کی پروا نہیں کرتے اور نہ گول شکل اختیار کرتے ہیں جو اجرام فلکی کا عام دستور ہی۔ یہ سیاہ داغ (نیو بلے) ارضی کوہستانوں کے سائے ہیں۔ ایڈمز کہتا ہے کہ میرے قیاس کی اس وقت تضحیک ہوگی اور سب لوگ ہنسکر ٹال دیں گے اور اس کو کوئی صحیح نہ سمجھے گا۔ مگر ایک دن آئے گا کہ میرے قیاس کو معقول اور صحیح سمجھیں گے۔

تبصرہ و کیفیت

موجودہ دور میں پیسہ اخبار اپنے ایڈیٹر کی مستقل مزاجی اور سنجیدہ طبعی کی بدولت ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی زبان نسبتہً دوسرے پنجابی اخباروں کے مقابل میں فصیح و صحیح ہوتی ہے۔ روزانہ اخبار سے سولہا برس قبل پیسہ اخبار ہفتہ وار تھا اور اب تک اشاعت پزیر ہی۔ اپنے ابتدائی دور میں تمام معاصر اخباروں سے اس کی اشاعت زیادہ تھی۔ نیز مضامین کا تنوع اور دوسری بحثوں کا عنصر بھی امتیازی شان رکھتا تھا۔ پیسہ اخبار ہفتہ وار روزانہ کے سوا انتخاب لاجواب ایک ماہوار رسالہ بھی اس کے دفتر سے شائع ہوا اور اس کی اشاعت بھی کافی ہوئی۔ جو اب تک جاری ہے۔

نمبر شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۴	بندے ماترم - لاہور - ہفتہ وار - اڈیٹر سنام رائے	۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء	نمبر ۱۷۷ - جلد (۵) ۲ - اگست سنہ ۱۹۲۴ء سنیچر وار تلک نمبر	**شکریہ** پرماتما کا بارم بار دھنیہ واد ہی کہ آج مجھے یہ موقع نصیب ہوا ہے کہ میں اپنے پیارے پاٹھکوں کی سیوا میں اپنے اخبار کا تلک نمبر پیش کرسکوں، ایک عرصے سے بندے ماترم سوراجیہ کے سچے پیغمبر آزادی وحرّیت کے علم بردار - فدائے وطن ملک کے مانیہ نیتا ویش کے واجب التعظیم رہبر و دنترنا دیوی کے سچے پجاری، سوئے ہوئے بھارت کو جگانے

والے بھگوان تلک کی یاد میں ... اور پریم کے پھول بھینٹ کیا کرتا ہی لوکمانیہ کی اعلیٰ ترین خدمات کا اعتراف کیا کرتا ہی ... پھر اتینت بھگتی - دلی خلوص و عقیدت اگاوھ پریم اور نہایت ادب و عجز سے بھگوان کے ... درشن کرنے کا سوبھاگیہ مجکو پراپت ہوا ہی - جس نے اس نمبر کو مہاراج کی پاک اور بلند ہستی کی متبرک یادگار کے قابل بنانے کے لیے از حد کوشش کی ہے، اور مجھے دلی مسرّت ہی کہ میں کافی حد تک اس سعی میں کامیاب ہوا ہوں، ناظرین کو اس نمبر کے دیکھنے سے خود ہی پتا لگ جائے گا کہ کس محنت اور عرق ریزی سے اس پرچے کو تیار کیا گیا ہی -

نمبر شمار	اخبار و مقام	زمانۂ اجراء	زمانۂ تحریر نمونہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	دبدبۂ سکندری، رامپور۔ مستند اہل سنت، سلطان صحف مفتی، مدیر اعلیٰ حضرت مولانا مولوی فضل حسن صابری	۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء	میلاد رسولؐ نمبر ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء نمبر (۱۰) جلد (۷۵)	مسلمانوں میں ایک دھوم مچی ہی کہ سلطانِ کونین رسولِ ثقلین حضرت سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم کی رونق افروزی دنیا کا یہ مبارک مہینا ربیع الاوّل شریف ہے، گھر گھر جشنِ میلاد منایا جارہا ہی، اور اُس کے انوار و برکات سے حاضرین مستفید ہوتے ہیں۔ لیکن اب یہ بہت چرچا ہونے لگ گیا ہے کہ فلاں جگہ کیا تقسیم ہوگا۔ آیا لڈو یا بالوشاہیاں، یہ ہم لوگوں کے ضعفِ ایمان کی دلیل ہے، اگر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم سے خلوص ہے تو حضورِ پرنور کے جشنِ میلاد میں بصد خلوص حاضر ہوکر مؤدب بیٹھیں اور آہستہ آہستہ درود شریف پڑھتے

رہیں۔ اور یہ خیال رکھیں کہ ہمارے شہنشاہِ ذی جاہ احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الاطہار اس مجلسِ نورانی میں بنفسِ نفیس تشریف فرما ہیں، ادب کا بہت اہتمام رکھیں کہ ادب نے

سب کو کامیاب کیا ہے پھر ممکن نہیں کہ تمہارا درود جو تحفۂ سعادت ہے بار یاب نہو اور اصل یہ ہے کہ یہی ہدیۂ سعادت تمہاری دین و دنیا کی مشکلات حل کر سکتا ہے، حضرت سفیان ثوری اپنے دروازے پر کھڑے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ ایک نوعمر شخص ہے جو سرِ راہ چلا جاتا ہے مگر قدم جب زمین پر رکھتا ہے اور جب اُٹھاتا ہے تو اوّل بصدقِ دل کہتا ہے، اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمدؐ و علیٰ آل سیدنا محمدؐ، آپ کو حیرت ہوئی، دریافت فرمایا، جواب ملا کہ ایک مرتبے کا ذکر ہے کہ میری ماں کو حج کا شوق ہوا میں اُن کے ہمراہ چلا آخر کار منزلِ مقصود تک پہنچا وہاں جا کر ایک جگہ قیام کیا، میری ماں کو ایک مرض لاحق ہوا، پیٹ پھول گیا منہ سیاہ پڑ گیا، مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شامتِ اعمال کا نتیجہ اور معصیت کا نمونہ ہے، میرے بدن پر لرزہ آگیا، کانپ رہا تھا اور رو رو کر جنابِ ایزدی میں عرض کر رہا تھا کہ الٰہی تیری رحمت بہت وسیع ہے تو غفور و شکور ہے، تیرا نام رحمٰن و رحیم ہے اپنے فضل و کرم سے میری پیاری ماں کو اچھا کر دے! اور اُس کے گناہ عفو فرما سجدے میں سر تھا تضرع و زاری کر رہا تھا کہ ایک ابر آتا ہوا دکھائی دیا، اُس میں ایک شخص نہایت سفید لباس زیب بدن فرمائے ظاہر ہوئے اُنھوں نے میری ماں کے چہرے پر ہاتھ پھیرا جس سے میری ماں کا جسم مثل چودھویں رات کے چاند کے چمکنے لگا میں نے اس تعجب خیز واقعے کو دیکھکر عرض کیا کہ آپ کون ہیں آپ کا کیا نام ہے آہستہ سے فرمایا کہ میں تیرا نبی ہوں میرا نام محمدؐ ہے یہ سن کر میں نے بصد شوق عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کچھ ہدایت فرمائیے۔

نمبر شمار	اخبار یا رسالہ مع مدیر	تاریخ اجرا	تاریخ بندش	نمونۂ عبارت
۴	مدینہ بجنور۔ ایڈیٹر مولوی مجید حسن	۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۱ء	۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء	اگر دورِ حاضرہ کی یہ عجائب آفرینیاں یوں سرگرمِ تماشا رہیں تو بہت ممکن ہے کہ حاملۂ اصلاحات کے شکم ناز سے عفریتِ انارکزم پیدا ہو جائے اگر سوختہ جانانِ صفحۂ تاریخ اپنے سوانحِ حیات کے اندر خاکستر نتائج و عبر کا ایک ڈھیر چھوڑ گئے ہیں تو نقاشانِ مستقبل کا یہ فرضِ عین ہے کہ وہ اُس کے تودۂ سرد میں

اُن سلگتی ہوئی چنگاریوں کی جستجو کریں جو ہنگامہ زارِ زیست کے لیے گرمیِ محفل کا سامان بہم پہنچائیں، ہماری جویا نظروں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ جملہ اقوامِ مہذب و متمدنہ اپنے ابتدائی عہد عروج و ارتقا کے اندر اُن خطوط پر چلتی ہیں جو گزری ہوئی عظمت اور جبروت کی یادگاریں بن کر صفحۂ تاریخ کو معلمِ اول کا منصب عطا کر دیتی ہیں۔

ایضاً بابت ۱۳۴۸ھ
۱۹۳۰ء

ایڈیٹر نصر اللہ خاں

اس ہفتے مسلمانانِ ہند کی متعدد مجالس کے اجلاس دہلی میں منعقد ہو رہے ہیں، جن میں مسائلِ حاضرہ پر غور و خوض کرنے کے بعد مسلمانوں کے لیے کوئی لائحہ عمل تجویز کیا جائے گا،

جہاں تک عام جمود و بے حسی کا تعلق ہے مسلمانوں میں اس کی کمی نہیں ہے اور یہ ایک دستور سا ہو گیا ہے کہ سال بھر میں ایک مرتبہ مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، بحث و تمحیص کرتے ہیں قراردادیں منظور کرتے ہیں، لیکن باوجود اس کے اُن کی حیاتِ اجتماعی میں وہ چیز جس کو عمل کہتے ہیں تقریباً مفقود ہے۔

نمبر شمار	مقام اخبار ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	روزنامہ اتحاد لاہور تاجور و لالہ چرنجیو لال ماتھر ایم۔ اے	۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء	۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء	شیخ سعدی نے بوستاں میں ایک بصیرت افروز حکایت نظم کی ہے، اُس حکایت سے ہمارے اہلِ ملک بہت کچھ سبق سیکھ سکتے ہیں، اُس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل بہت بڑے مہمان نواز تھے، آئے دن مہمان اُن کے پاس آتے جاتے رہتے اور یہ مہمان ہی کے ساتھ کھانا کھانا پسند کرتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے اُن کے ہاں کوئی مہمان نہ آیا تو یہ خود مہمان کی تلاش میں

نکلے اور کہیں دور جا کر ایک مسافر کو مہمان بنا کر گھر لے آئے۔ جب اُس کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تو اُس نے خدا کا نام لیے بغیر کھانا شروع کر دیا۔ آپ نے اُس سے اس کی وجہ پوچھی

تو اُس نے کہا میں تو ایک بُت پرست ہوں، خدا پرست نہیں ہوں، حضرت ابراہیم ایک بت پرست کو کھانا کھلانا اور اُس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا گوارا نہ کر سکے، اُنھوں نے اُسی وقت اُسے اپنے دسترخوان پر سے اُٹھا دیا، حضرت ابراہیم کی یہ بات خدا کو پسند نہ آئی اور خدا کی طرف سے اُنھیں آواز آئی کہ اے ابراہیم جس آدمی کو تم نے بت پرستی کے جرم میں اپنے دسترخوان پر سے اُٹھا دیا ہم تو اسی بت پرست کو اس کی عمر کے چالیس سال سے زندگی کی ہر نعمت سے شاد کام کر رہے تھے، تم ایک وقت کا کھانا بھی اُسے نہ کھلا سکے۔

نمبر	نام اخبار و مقام اشاعت	زمانۂ اجرا	زمانۂ نمونہ	نمونۂ عبارت
۱	روزانہ تیج، دہلی، ایڈیٹر، مسٹر لال ورما	۱۴ [illegible] ۱۹۲۳ء	۱۴ [illegible] ۱۹۲۹ء	لالہ شنکر لال جی نے ضلع کانگریس کمیٹی کی طرف سے مہاتما جی کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا جو کہ خوب صورت چوکھٹے میں چڑھا ہوا تھا، ایڈریس میں گزشتہ ہندو مسلم فسادات اور فرقہ دارانہ کشیدگی کو تبلاتے ہوئے کہا گیا تھا کہ سنہ ۱۹۲۸ء سے فضا شدھر رہی ہے اور کانگریس کا کام بھی دہلی میں قابلِ اطمینان

ہو رہا ہے دہلی کے نوجوانوں میں بیداری پیدا ہو گئی ہے اور وہ کانگریس کے کام میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ کھادی کا پرچار بھی اچھا ہو رہا ہے کانگریس کے ممبر بھی بڑھ رہے ہیں، کانگریس

کمیٹی کے زیرِ بحث ایک ہیلتھ سب کمیٹی بھی ہے جو کہ صفائی وغیرہ کے متعلق میونسپل کمیٹی کو مناسب مشورہ دیتی رہتی ہے' ایڈریس کے آخری حصے میں کہا گیا کہ دہلی میں اب فرقہ وارانہ تحریکیں جان ہوتی جارہی ہیں اور کھویا ہوا وقت پھر واپس آرہا ہے۔ مہاتما جی کو مخاطب کرکے ایڈریس میں کہا گیا کہ آیندہ سنہ ۱۹۳۰ء میں جب ملک کی آزادی کی جنگ شروع ہوگی تب دہلی کسی بھی شہر سے پیچھے نہیں رہے گی۔ ایڈریس ختم ہونے کے بعد جناب ڈاکٹر انصاری صاحب نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے مہاتما جی کی خدمتِ بابرکت میں پانچ ہزار سات سو ترپن روپے کی ایک تھیلی پیش کی۔

نمبر شمار	نام اخبار، ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ نمونہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۹	روزنامہ زمیندار لاہور۔ ایڈیٹر: مولانا ظفر علی خاں و اختر علی خاں	۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء	۱۳۴۶ھ ۱۹۲۹ء	وطن دوستی کا معیار اس وقت تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان وطنِ عزیز کے لیے طوق و سلاسل کی گراں باری، قید و بند کی سختی، جرمانوں، قرقیوں اور ضبطیوں کی مصیبت برداشت کرنے اور اگر ضرورت پڑے تو پھانسی کا پھندا گلے میں ڈال کر تختۂ دار پر لٹک جانے کے لیے بھی تیار ہو، اُسے بڑی سی بڑی تخویف استخلاصِ وطن کی کوششوں سے باز نہ رکھ سکے اور کوئی بڑی سی بڑی تحریص سے کسی ایسے

فعل کے ارتکاب پر مائل نہ کر سکے جس سے مقتضیاتِ اتحاد و آشتی کو نقصان پہنچے اور احراری کوششوں میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہو۔ آج سے چند دن قبل وطن دوستی کا یہ معیار ہمارے ہندو معاصرین "پرتاب" اور "ملاپ" کے نزدیک بھی مسلّم تھا جیسا کہ اُن کی تحریروں سے مترشح تھا، اور دلوں کا حال جاننے والا تو خدائے علیم کے سوا کوئی نہیں، دفعتہً ان کے زاویۂ نگاہ میں ایک عجیب و غریب تبدیلی ہوئی یا یوں کہیے کہ ان کی اصلی ذہنیت پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اُس کا ایک گوشہ سرک گیا اور حقیقت ظاہر ہو گئی۔

نمبر شمار	مقام اخبار ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۰	روزانہ انقلاب لاہور ایڈیٹر غلام رسول مہر و عبدالمجید سالک	۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء	۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء	جن لوگوں نے انقلاب کا پہلا سالگرہ عید نمبر دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ادارۂ انقلاب نے اپنے قارئین کرام کی افزائشِ معلومات اور دلچسپی کے لیے کیسے کیسے علمی و ادبی نوادر پیش کیے تھے اب دوسرے سال گرہ نمبر کی تیاریاں زور شور سے جاری ہیں جو آئندہ عید الفطر سے ایک روز پہلے تمام مقامات پر پہنچ جائے گا۔

شمار	مقام اخبار، ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۱	ریاست ہفتہ وار، دہلی، ایڈیٹر دیوان سنگھ مفتوں	۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء	۱۰- دسمبر ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء نمبر ۱۶	ہمارے ملک کی تقریباً ہر چیز دنیا سے نرالی ہے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ہماری دیسی ریاستیں بھی دنیا بھر کے لیے ایک عجیب و غریب معمّا نہ ہوں، ان کا نام "دیسی ریاستیں" ہے اور ہندوستان کے اندر واقع ہونے کے لحاظ سے وہ حقیقتاً سبھی اسی نام کی مستحق ہیں، لیکن اگر ان کی اندرونی حالت پر نگاہ کی جائے تو باستثنائے چند کسی ایک ریاست

کا طرز حکومت بھی ایسا نظر نہیں آتا جسے دیسی کہا جا سکے۔ ریاستوں کی غریب جاہل اور بے کس رعایا پر جس خود غرضانہ اور بسا اوقات ظالمانہ طریقے پر حکومت کی جاتی ہے اُسے دیکھ کر کوئی صاحب نظر یہ نہیں کہہ سکتا کہ حکمرانوں کے دل میں اپنی رعایا کے مفاد سے ذرا بھی ہمدردی موجود ہے، اور یہ کہ ہندوستانی رعایا پر خود ان کے اپنے ملک اور اپنی قوم کے شہزادے حکومت کر رہے ہیں، چند خوش نصیب ریاستوں سے اگر قطع نظر کر لیں تو پھر ایک بھی والیِ ریاست ایسا نظر نہیں آتا جس نے ریاست کی حکومت میں خود اسی ریاست کی رعایا کا ذرا سا بھی دخل گوارا کیا ہو، اور ایک بھی ریاست ایسی نہیں دکھائی دیتی جہاں لوگوں کو ان کا یہ فطری اور پیدائشی

حق دیا گیا ہو کہ وہ اپنے لیے خود قانون بنائیں اور ملک کے نظم ونسق میں ان لوگوں کے نمایندے بھی کوئی حصہ لے سکیں جن کی محنت کی کمائیوں میں حکومت نے حصہ لگا رکھا ہے، صبح سے شام تک اپنا خون پانی ایک کر دینے والے، اور چوٹی کا پسینا ایڑی تک بہانے والے مزدور اور کسان دیسی ریاستوں کے اندر صرف اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ مئی جون کی جلتی ہوئی دھوپ میں ہل چلا چلا کر خدا کی پیدا کی ہوئی زمین سے غلہ نکالا کریں، اور اُس میں سے صرف اتنا ذرا سا لے لینے کے بعد کہ جس سے وہ بہ مشکل اپنا پیٹ پال سکیں باقی سب کا سب سرکاری خزانے کی نذر کر دیں اور خود ہاتھ جھاڑ کر رہ جائیں۔ شخصی حکومت کی بدترین مثال اگر کہیں مل سکتی ہے تو بعض ایسی ریاستوں میں اور اگر کوئی بدیشی حکومت اپنی محکوم رعایا پر ظلم وستم کر سکتی ہے تو اسی قدر کہ جو بعض ریاستوں کے اندر روا رکھا جاتا ہے۔

تبصرہ وکیفیت

اخبار ریاست اپنی اسمی رعایت کے مطابق از سر تا پا ہندوستان کی ریاستوں کے واقعات سے بحث کیا کرتا ہے اور جتنے حالات اُسے معلوم ہوتے ہیں وہ بے خوف وخطر شایع کر دیئے جاتے ہیں۔ اس پردہ دری کی وجہ سے اکثر مدیر ریاست کو عدالتی جواب دہی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے مضامین کے متعلق عمدہ عمدہ باموقع تصویریں بھی شایع ہوتی رہتی ہیں۔ حجم اور طباعت کے لحاظ سے موقر اخباروں میں اس کا شمار ہے۔

نمبر شمار	نام اخبار، ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۲	حقیقت، روزانہ، لکھنؤ۔ ایڈیٹر: انیس احمد عباسی	۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۹ء	۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء	عید کے بعد لوگ متوقّع تھے کہ افغانستان سے اُس مفصلہ گن جنگ کے آغاز کی خبریں آنے لگیں گی جو ماہِ رمضان کی وجہ سے رُکی ہوئی تھیں اور جس کے لیے کابل اور قندھار میں وسیع پیمانے پر تیاریاں ہو رہی تھیں مگر یہ عجیب بات ہے کہ عید کے بعد ہی سے افغانستان کے متعلق سرکاری و غیر سرکاری اطّلاعات بہت ہی کم آ رہی

ہیں، حالاں کہ پشاور کی ایک اطلاع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں خبروں سے "سنسر" بھی اُٹھا لیا گیا ہے۔ جس وقت تک برطانوی آلہائے پرواز کے ذریعے سے کابل کا تخلیہ ہو رہا تھا وہاں سے خبروں کی کمی نہیں ہوئی، لیکن اب یہ صورت باقی نہیں رہی ہے، کابل اور قندھار سے لوگوں کی آمد بھی بہت ہی کم ہو گئی ہے اس وجہ سے خبریں اور بھی کم آ رہی ہیں، بہر حال جو کچھ بھی حالات معلوم ہو رہے ہیں اُن سے اتنا تو بہر حال ظاہر ہے کہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی ہے اور بہت ممکن ہے کہ ابھی اُس کے آغاز میں دو تین ہفتوں کی تاخیر ہو، کیوں کہ ہنوز افغانستان میں بعض پہاڑی راستے برف باری کے سبب سے بند ہیں اور فوجی نقل و حرکت دشوار ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اب تک فریقین اپنی جنگی تیاریوں کو مکمّل نہ کر سکے ہوں۔

شمار	مقام اخبار، ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۳	مشرق ہفتہ وار۔ گورکھپور۔ ایڈیٹر حکیم برہم	۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء	۱۰ جنوری ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء	**پردے کی قدامت** پردے کے خلاف جو پروپیگنڈا آج کل دنیا میں پھیل رہا ہے وہ جدید تہذیب و شائستگی کے دور کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جو بے غیرتی، بے عزتی کے مرادف ہے۔ اسلام نے پردے کی جو قید لگا دی ہے اور اُس کو اسلام نے ایک ضروری جزو اپنے قوانینِ

سیاستِ مُدن کا قرار دیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کی شرافت و نجابت برقرار رہے اور بے حیائی اور فحش تمدن کے عروج میں قولے بہیمیہ کا زوال رہے۔ آج کل جو مہذب ممالک کہے جاتے ہیں اور جو خود کو مہذب ممالک میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ عورتوں کی آزادی اُسی وقت ممکن ہے جب وہ پردے سے باہر رہیں، اُن کے سامنے مہذب ممالک کے تعلقات زناشوئی ہیں اور باہر نکلنے والی عورتوں کے کارنامے ہیں۔ اس نکتے کو ہزارہا برس پہلے سے آرین نے سمجھ لیا تھا اور اُن کی ایک شاخ جو یونان چلی گئی تھی اور جس نے یونان میں بڑے بڑے آثارِ قدیم اپنے تمدن کے چھوڑے ہیں اُس نے پردے کو

برقرار رکھا تھا۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ہم نے حیدرآباد میں نواب سالار جنگ بہادر کی کوٹھی میں ایک مجسمہ (بت)، سفید سنگ مرمر کا دیکھا جو مکمل تصویر ایک نازنین عورت کی ہے، اس مجسمے میں جو کمالِ صناعت کا ایک نمونہ ہے پہلی بات ہماری نظر سے یہ گزری کہ اس عورت کا جسم سر سے پانوں تک نقاب میں ڈھکا ہوا ہے، اور دوسری بات یہ قابلِ دید تھی کہ اُس کے پانوں میں ایسی جوتیاں ہیں جو آج کل اکثر تعلیم یافتہ اصحاب چند سال کے اندر پہننے لگے ہیں جن کو چپل کہتے ہیں، سلیپر انھیں جوتیوں کا ایک نقشِ ثانی ہے۔

ایضاً بادارت قاضی مقبول حسین و نذیر ہاشمی غازی پوری

۱۴ر مارچ ۱۹۳۰ء نمبر (۱۱)

ہندوؤں کی زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے کہنا اور ماننا پڑتا ہے کہ اس قوم کے اچھے دن کبھی ضرور تھے اور اس کے آثار و قرائن اس کے تہواروں اور اشنان کے دن تاریخ اور ماہ و سال کی صحیح تعیین اور موسموں کی صحیح تعبیر سے ملتے ہیں، انھیں باتوں میں ایک چیز ہولی ہے جو ہمیشہ ایسے موسم میں آتی ہے جب کہ کھیتوں میں اناج پک جاتے ہیں اور کسان اپنی سال بھر کی کمائی کو خرمن کی صورت میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہولی کو اگر اس کے بعض قبائح سے الگ ہو کر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ اُس زمانے کی غیر فانی یادگار ہے جب ہندوستان میں چاروں طرف خوشی اور اطمینان کا راج تھا اور حاکم و محکوم امیر و غریب سب مل کر ایک ساتھ ہولی مناتے تھے۔

تبصرہ و کیفیت

اُردو کی اخباری صحافت میں چند اخبار اپنی ادبی حیثیت سے ممتاز اور نمایاں وقعت پائے ہوئے ہیں، اُنھیں میں اخبار مشرق ہے، حکیم برہم مرحوم جن کا انتقال سنہ ۱۹۲۹ء کے شروع میں یکایک ہوگیا ایک مشہور اور تجربہ کار اہلِ قلم سے تھے، اُن کی عام تحریریں صحتِ زبان اور متانت و سنجیدگی کے لحاظ سے مستند مانی جاتی تھیں۔ مرحوم نے مشرق سے پہلے ریاض الاخبار، اور صلح کل، میں بھی فرائضِ ادارت کو بوجہ احسن ادا کیا ہے۔

نمبر شمار	نام اخبار و مدیر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۲	صحیفہ روزانہ حیدرآباد دکن - ایڈیٹر محمد اکبر علی	۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء	۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء	**مسلم یونیورسٹی** اشاعتِ دی روزہ میں مسلم یونی ورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کی خبر ناظرین کے گوش گزار کی گئی ہے۔ یہ یونی ورسٹی جو سارے ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اور قدیم اور مہتم بالشان درس گاہ و تربیت گاہ ہے، آج کل نواب مسعود جنگ بہادر کے زیر نگرانی ہے، جو گزشتہ دس سال تک

حیدرآباد کے سررشتۂ تعلیم کے ذمہ دار رہ چکے ہیں، اور جنھوں نے اپنی ابتدائی تقریر میں ہمیں یہ الفاظ سنائے تھے کہ وہ اس بات کو گوارا نہ کر سکیں گے کہ اُن کے دورِ چانسلری میں مسلم یونی ورسٹی کے اندر کوئی بھی چیز درجۂ دوم کی پائی جائے۔ ان الفاظ نے یقین دلایا ہے کہ جیسا خود انھوں نے ظاہر کیا ہے وہ فی الحقیقت اپنے عظیم المرتبت دادا کی نشانِ جاوید کی خدمت بجالانے کے ارادے سے حیدرآباد چھوڑ کر علی گڑھ گئے ہیں، اور اپنی پوری قوت سے اسے فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔۔۔ علی گڑھ یونی ورسٹی کے لیے یہ فی الحقیقت فالِ نیک ہے کہ گورنر صوبہ اس امر کا وعدہ کرے کہ وہ اس امر کی کوشش کرے گا کہ اس یونیورسٹی کے کامیابوں کی پیشانی پر کمی استعداد کا جو بدنما دھبا لگایا جاتا ہے اُسے دور کر دیا جائے۔ نواب مسعود جنگ بہادر کے آغازِ عمل پر اس قسم کی کامیابی ایک نہایت قابلِ مسرت کارنامہ ہے۔ جو تمام بہی خواہانِ مسلم یونی ورسٹی کے حق میں نشانِ مسرت و مباہات بن جائے گا اور جس کی وجہ سے علی گڑھ کے طلبہ اپنے اندر قابلیتِ مطلوبہ پیدا کرنے میں تساہل نہ برتیں گے

تبصرہ و کیفیت

صحیفے کے علاوہ حیدرآباد دکن سے مخبرِ دکن، رہبرِ دکن وغیرہ روزانہ اور ہفتہ وار شائع ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں صرف ایک نمونہ پیش کر دیا گیا ہے۔ دکن میں اردو زبان کی ترویج جس شان اور حیثیت سے ہو رہی ہے وہ کسی اخبار بیں سے پوشیدہ نہیں خدمات زبان کے سلسلے میں دکن ہر طرح ترقی کر رہا ہے اور اب سے نصف صدی قبل شمالی ہند سے متغائر جو روزمرہ و محاورات مروج تھے اُس میں بہت زیادہ اصلاح ہو گئی ہے۔

نمونۂ عبارت	زمانۂ تحریر	زمانۂ تحریر	مقام اخبار ایڈیٹر	نمبر شمار
مسٹر ہربلاس سارداکو بڑھاپے میں یہ عجیب دل لگی سوجھی کہ وہ نوجوان مردوں اور عورتوں کی ازدواجی زندگی کو محدود و مقید کرنے پر آمادہ ہو گئے، دو برس ہوئے اُنھوں نے اسمبلی میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا تھا کہ ہندوؤں، آریوں، برہمو سماجیوں، سکھوں، جینیوں اور گوتم بدھ کے ماننے والوں	۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء / ۱۳۴۸ھ	۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء	تاج ہفتہ وار آگرہ، ایڈیٹر سیماب اکبر آبادی	نمبر ۱۵

میں صغیر سنی کی شادی کو قانوناً روک دیا جائے یعنی شادی کی عمر لڑکی کے لیے بارہ سال اور لڑکے کے لیے سولہ سال مقرر کر دی جائے۔ جب یہ مسودہ مجلس انتخاب کے سامنے پیش ہوا تو اس کا اثر تمام ہندوستان تک وسیع کرنے کی سفارش کی، اور اس قانون کو ایک تعزیری قانون بنانے کی رائے صدر اسمبلی کے سامنے پیش کر دی۔ جب مسلمانوں کو اس کا علم ہوا کہ اس طرح ان کی ازدواجی معاشرت بھی محدود کی جا رہی ہے تو ہر طرف ایک غوغا، ایک شور، ایک حشر برپا ہو گیا علمائے اسلام چلّانے لگے کہ خدا کے لیے اس قانون کو منسوخ کر دو، شیعہ، سنی مجتہدین اور فقہا نے اس قانون کے خلاف ویسرائے کو تار دیئے، مسلمان عورتوں نے بھی اس کی تخلیف کی، ہندوستان میں متفقہ طور پر اس

مسودۂ قانون کے خلاف احتجاج کیا گیا مگر مسٹر سارداخوش نصیب تھے، اُنھیں اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تمام ہندوستان کی بددعائیں اور لعنتیں سمیٹنی تھیں اور وہ برابر مسودے کی منظوری کے لیے کوشاں تھے۔ اس لیے ۲۳ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء کو یہ مسودہ اسمبلی میں منظور ہوگیا۔

شمار	نام اخبار مع مقام تاریخ ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۶	ہمدم روزانہ لکھنؤ، ایڈیٹر سید جالب دہلوی بعدہ سید رحم علی ہاشمی	۱۳۳۴ھ سنہ ۱۵ ۱۹۱۶ء	۱۳۴۸ھ ۲ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء	دنیا کا ایک عجیب وغریب طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی خادمِ ملک وملت دنیا سے سفرِ آخرت کرتا ہی تو اُس کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اس کی شایانِ شان یادگاریں قایم کی جاتی ہیں بت بنتے ہیں، میموریل ہال تعمیر ہوتے ہیں، اسکول اور کالج کھولے جاتے ہیں یتیم خانوں اور دھرم سالوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے، غرض کہ نہ معلوم کیا کیا ہوتا ہو، ان یادگاروں کا مقصد صرف یہ سمجھ میں آیا

ہو کہ مرحوم یا آں جہانی کی خدمات سے دوسرے لوگ سبق حاصل کریں یا اسی بہلنے سے کوئی رفاہِ عام کی مستقل خدمت انجام پاسے۔ لیکن جہاں تک مرنے والے کا تعلق

ہے اُس کو ان یادگاروں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا...... اکثر جب کسی شخص کے مرنے کے بعد اُس کا چالیسواں وغیرہ نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے اور پُر لطف دعوتیں ہوتی ہیں تو دل چاہتا ہے کہ وہ شخص خود اپنی اس تقریب کو دیکھتا تو کیسا اچھا ہوتا، اور واقعی یہ کسقدر مہمل بات ہے کہ جس کے لیے یہ سب کچھ ہوتا ہے وہ خود موجود نہیں اور دوسرے لوگ دعوتیں اُڑا رہے ہیں، اکبر مرحوم نے بالکل سچ کہا ہے:-

بتائیں ہم تمھیں مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

نمبر شمار	نام و مقام اخبار اور مدیر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
۱۰	ہمت روزانہ لکھنؤ ایڈیٹر محمد طالب دہلوی	۲۶ مئی ۱۳ / ۱۹۲۹ء	۵ اپریل ۲ مئی ۱۳ / ۱۹۲۹ء	اس وقت جو بلا تار کے طریقۂ خبر رسانی نے جہاز کے مسافروں کو سمندر کے وسط میں طلب امداد کے متعلق بڑی سہولتیں مہیا کر دی ہیں، تو وہ پہلا زمانہ قریباً خواب وخیال ہو گیا ہے، جب کہ جہازوں کو سمندر کے کسی گوشے میں صدمہ پہنچتا تھا تو اُن کے ملاّح ومسافر یا تو جہاز کے ساتھ غرق ہو جاتے تھے۔ یا کسی غیر آباد جزیرے یا ساحلی مقام پر

پہنچ کر ہفتوں اور مہینوں تک ہر قسم کی تکالیف برداشت کرتے تھے اور اکثر لوگ ان تکالیف کی تاب نہ لاکر مرجاتے تھے، بعض حوصلہ مند اشخاص اپنی ہمت و ذہانت سے ان جزیروں یا گوشوں میں جسم و روح کا تعلق برقرار رکھنے کی تدابیر نکال لیتے تھے اور اپنے وطن واپس آنے کا موقع بھی اُن کو مل جاتا تھا، اس قسم کے گم شدہ لوگوں کی سرگزشت کا ایک دلچسپ نمونہ "رابنس کروسو" کے مشہور قصے میں دکھایا گیا ہے، جس کو انگلستان کے بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور مہذب دنیا کی اکثر زبانوں میں بشمول اُردو اس کا ترجمہ ہو چکا ہے ..... اب بھی گاہے گاہے کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا ہے جو پرانے جہازرانوں اور سیاحوں کی یاد تازہ کر دیتا ہے، چناں چہ کچھ انگریز و جرمن ملاحوں نے نو دن صحرائے افریقہ کے سرے پر ایک ایسی جگہ بسر کیے جہاں وہ گیدڑوں چرخوں اور چیتوں کی نہ صرف آوازیں سنتے تھے بلکہ اُن کو اپنے سامنے جنگل میں پھرتے دیکھتے تھے۔

تبصرہ و کیفیت

موجودہ اخبار نویسوں میں سید جالب دہلوی۔ حاجی محبوب عالم مدیر پیسہ اخبار کے بعد سب سے زیادہ معمّر اور پرانے تجربہ کار ایڈیٹر ہیں۔ ہمت سے پہلے اشتراکی اخبار ہمدم کے ایڈیٹر تھے۔ کچھ دنوں سے اُس کو چھوڑ کر اپنا ذاتی اخبار لکھنؤ ہی سے شائع کرنا شروع کیا۔ اُن کی اخباری لیاقت اور خدمتِ ادارت مقبولِ انام ہی۔ افسوس کہ اس تحریر کے وقت لکھنؤ میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ اِنّا للہ۔

شمار	مقام اخبار، ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۸	ملاپ روزانہ لاہور، ایڈیٹر گوری شنکر ساگر	۱۳۴۱ھ سنہ ۲۳ ۱۹ء	یکم اپریل سنہ ۳۰ ۱۹ء	پنڈت موتی لال نہرو نے صدر کانگرس کو مطلع کیا ہے کہ میں اپنا پرانا "آنند بھون" کانگرس کو دان دیتا ہوں۔ پردھان کانگرس نے اس دان کو منظور کرکے اپنی جدّی جائداد سے دست برداری کا ایک گونہ اعلان کر دیا ہے۔ چوں کہ اس عالی شان مکان سے کانگرس کا دیرینہ تعلّق ہی اس

لیے ہمیں یہ لکھتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ نہرو خاندان نے ستیہ گرہ کی تحریک کے شروع ہوتے ہی یہ دان کرکے اپنی دیش بھگتی کا بہترین ثبوت دیا ہی۔

تبصرہ و کیفیت

برادرانِ ہنود کی ادارت میں بہت سے اخبار اردو زبان میں روزانہ اور ہفتہ وار شائع ہوتے رہتے ہیں، سب کے نمونوں کی ضرورت نہ سمجھ کر چند نمونے درج کیے گئے ہیں، جن سے لٹریچر کے متعلق اندازہ ہو سکتا ہی کہ ان اخباروں میں اردو کے ساتھ سنسکرت اور ہندی بھاشا کے الفاظ بالقصد شامل کیے جاتے ہیں۔ کہیں یہ عنصر زیادہ غالب ہے کہیں مغلوب لیکن کوئی ہندو اخبار اس خصوصیت سے خالی نہیں اور اسی سے یقین کیا جاتا ہی کہ ایسا عمداً ہوتا ہے۔

نمونۂ عبارت	زمانۂ تحریر	زمانۂ اجرا	مقام اخبار/ایڈیٹر	نمبر شمار
رنگون میں گزشتہ سال عید کو عام وخاص مسلمانوں نے بلند مکانات کی چھتوں پر، مساجد کے بلند میناروں پر، اونچی اونچی پہاڑیوں پر، جہازوں پر، غرض کہ ہر جگہ ہلالِ عید کی تلاش کی مگر کسی کو نظر نہ آیا۔ لوگ مایوس ہوکر تراویح پڑھنے لگے۔ یک بیک ایک مسجد کا مینارہ روشن ہوگیا، جو چاند ہونے کا	۵۔ اپریل ۱۹۳۰ء	۲۱ جون ۱۹۱۹ء	خلافت (روزانہ) بمبئی۔ مدیر حال بدر جلالی	نمبر ۱۹

ثبوت تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ ایک متولی صاحب کی پردہ نشین بھابی نے چاند دیکھا تھا جو ایک پنج منزلہ عمارت کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں رہتی ہیں۔ یہی حال بمبئی کا ہوا ۲۹۔ کو ایک یک چشم عرب نے حلف سے کہا کہ اس نے چاند دیکھا تھا۔ خیریت ہوئی کہ بمبئی کے قاضی صاحب کو بروقت سوجھ گئی کہ چار تو کجا دو آنکھوں نے بھی چاند نہیں دیکھا، اس لیے شہادت ناقص ہی۔

تبصرہ وکیفیت یہ اخبار ابتداءً مولوی شوکت علی (بابائے خلافت) کی ادارت میں شائع ہوتا تھا پھر مختلف مدیروں کے اہتمام میں رہ کر بدر جلالی سابق مدیر مدینہ کی ادارت میں آ، فی الحال بدر جلالی بھی اس ادارت کو چھوڑ چکے ہیں۔ ان کی طرزِ نگارش مدینہ اخبار بجنور میں بھی دکھائی گئی ہی مگر اس انداز کو اس روش سے کوئی مناسبت نہیں، ممکن ہے کہ یہ انقلاب زمانہ کا اثر ہو یا مبصر مدیر کا تصفیۂ انصاف۔

نمبر شمار	نام اخبار / ایڈیٹر	تاریخ اجرا	تاریخ نمونہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۰	سرفراز، لکھنؤ۔ ہفتے میں دوبار، ایڈیٹر: خواجہ اسرار احمد اسرار، سید مصطفیٰ حسن رضوی	۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء	۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء	**عورتوں کا جزیرہ** بحرالکاہل کے جنوبی حصے میں چھوٹے بڑے بہت سے جزیرے ہیں، جہاں کے باشندوں کی زندگی ابتدائی دور میں پائی جاتی ہے اور جہاں عجیب و غریب رسوم رواج پزیر ہیں.... مجمع الجزائر سلیمان میں "فیراسی بوآ" نامی ایک جزیرہ ہے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے تمام جزیروں میں انوکھی شان رکھتا ہے۔ یہ جزیرہ، جزیرۂ ملاٹا کے قریب واقع ہے۔ جزیرۂ فیراسی بوآ جنگلات سے بھرا ہوا ہے اور اس میں تمام تر آبادی عورتوں کی ہے بہت کم مردوں نے اس جزیرے کے ساحلوں پر اُترنے

کی جرأت کی ہے، کیوں کہ یہاں کی بسنے والی عورتیں مردوں کا شکار کرتی ہیں اور اُن کو خوف ناک طریقوں سے قتل کر ڈالتی ہیں۔ حال ہی میں تین بہادر ہوشیار شکاری اپنے اہلِ قبیلہ کے مشورے کے خلاف جزیرۂ فیراسی بوآ پہنچے۔ لیکن جیسے ہی اُنھوں نے اُس جزیرے کی سرزمین

پر قدم رکھا ویسے ہی ان پر تیروں اور نیزوں سے حملہ شروع ہو گیا، اور اُن کو ایک بستی میں ہر چہار طرف سے گھیر لیا گیا، دوسری بستیوں کو قاصد روانہ کیے گئے اور مختلف مقامات سے عورتیں اس موقع پر شرکت کے لیے کثیر تعداد میں آئیں خوشی اور مسرت کے نعروں کے درمیان ان عورتوں نے ان تینوں شکاریوں کو بھون ڈالا اور ان کے جسموں کو کباب بنا کر کھا گئیں دو دن تک برابر رنگ رلیاں منائی جاتی رہیں اور جب یہ تقریب مسرت ختم ہو گئی تو مقتولین کے کاسہ ہائے سر کو سمندر کے کنارے ایک نمایاں مقام پر لٹکا دیا گیا کہ انھیں دیکھکر دوسرے لوگوں کو عبرت ہو، اور وہ اس جزیرے میں داخل ہونے کی جرأت نہ کریں جو صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔ گزشتہ چند سال کے عرصے میں گرد و نواح کے جزائر کے مردوں نے کئی مرتبہ جزیرۂ فیراسی بوآ میں داخل ہونے کی کوشش کی تاکہ وہ وہاں کی بسنے والی عورتوں کی طرز بود و ماند اور معاشرت و تمدن کا مطالعہ کر سکیں اور اگر موقع ملے تو چند خوب صورت عورتوں کو بھی اُڑا لے جائیں، لیکن ایسی کوشش کرنے والوں کو ہمیشہ ناکامی کا سامنا ہوا اور اس جد و جہد میں اُن کی جانیں ضائع ہوئیں۔ فیراسی بوآ کی رہنے والی عورتیں اپنے جزیرے کے ساحلوں پر بہت زبردست پہرہ اور دیکھ بھال رکھتی ہیں اور کبھی بے بلائے ہوئے مہمانوں کو اپنے جزیرے سے زندہ بچکر نکل جانے کا موقع نہیں دیتیں۔ اس جزیرے کی رہنے والی عورتوں نے سفید رنگ مشنری عورتوں کو اپنے ملک میں داخلے کی اجازت دے دی ہے جس کی وجہ سے اہلِ فیراسی بوآ نے بہت سے مہذب طریقے اختیار کر لیے ہیں۔ اس سے پہلے وہ برہنہ رہا کرتی تھیں لیکن اب کپڑے پہننا شروع کر دیے ہیں اور تمام کپڑا خود ہی تیار کرتی

ہیں۔ ان میں بہت سی خواتین نے مذہب عیسائی اختیار کر لیا ہے اور اپنے مخصوص دیوتاؤں کی پرستش ترک کر دی ہے وہ سینا پرونا بھی سیکھ گئی ہیں اور اپنے مکانات کے سجانے اور آراستہ کرنے کے طریقے بھی جان گئی ہیں، وہ فنِ تعمیر میں اپنے ہمسایہ مردوں سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ مشنری عورتوں کی انتہائی جد و جہد کے بعد بھی وہ اس پر کسی طرح رضامند نہیں ہوئیں کہ اپنے جزیرے میں مردوں کو داخل ہونے کی اجازت دیں، اگرچہ مردم خوری کا رواج کم ہو گیا ہے لیکن ایسے خوفناک اور نفرت انگیز مناظر اُس وقت دیکھنے میں آہی جاتے ہیں جب کوئی بدقسمت مرد اس جزیرے میں آجاتا ہے۔ مشنری خواتین اس جزیرے کی مخصوص زبان سیکھنے میں ایک بڑی حد تک کامیاب ہو گئی ہیں لیکن ابھی تک انھیں یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ اس جزیرے میں عورتوں کی آبادی کب سے اور کیوں کر ہوئی اور وہ مردوں سے اس قدر محترز اور علاحدہ کیوں رہتی ہیں۔ مشنری خواتین کے خیال کے مطابق اس کے بہت کم امکانات پائے جاتے ہیں کہ وہ کبھی مردوں سے علاحدگی کی پالیسی سے دست کش ہونے پر رضامند ہو سکیں گی اور پھر ایسی حالت میں جب کہ وہ اپنی پالیسی کی بدولت اطمینان و آرام کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔

تبصرۂ و کیفیت

اس وقت تک اہلِ تشیع کے جتنے اخبار شائع ہو چکے ہیں (مثلاً اثنا عشری یا شیعہ وغیرہ) اُن میں صرف سرفراز اخبار ایسا اخبار ہے جس میں مذہبی مباحث سے زیادہ سیاسی اور علمی و ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں جس پر خالص مذہبی اخبار کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

نمبر شمار	نام اخبار/ایڈیٹر	زمانۂ اجرا	زمانۂ نمونہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۱	صحیفۃ الاسلام لاہور، ہفت روزہ، ایڈیٹر حکیم عبداللہ شمس	۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء	۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء	**شب برات اور آتش بازی** مسلمانانِ ہند نے اہلِ وطن کی صحبت سے اُن کے مراسم کے اختیار کرنے میں اتنا غلو کیا کہ روزِ ولادت سے مابعد موت تک اُن کی کسی رسم کے اختیار کرنے میں کوتاہی نہیں کی، جس کے باقیاتِ فاسدات اب تک موجود ہیں اور مسلمانوں کی روحانی، جسمانی اور اقتصادی خرابیوں کا باعث ہو رہے ہیں، اور مصلحین

کی سعیِ اصلاح کے باوجود اُن کو اپنے مقاصدِ اصلاح میں بہت کم کامیابی ہوئی ہے۔ اس رسم فاسد کے اختیار میں سخت ترین منہیات و منکرات سے بھی چشم پوشی نہیں کی نہ مراسم شریعت کے ترک میں کوئی باک کیا۔

تبصرہ و کیفیت

اُردو اخبار کا دور اب سے پچانوے برس پہلے شروع ہوتا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ اس ایک صدی کے تمام سنہ وار نمونے مل سکتے ہیں، لیکن اس وقت کی سعی و کوشش

پوری طرح کام یاب نہیں ہوسکی۔ مجبوراً جس قدر نمونے دست یاب ہوئے انھیں کو زبان کی ارتقائی رفتار کے لحاظ سے ۴ ادوار میں منقسم کر دیا گیا۔ قبل اس کے کہ ادوار مذکور کی تفصیل لکھی جائے دورِ اول کے متعلق مستشرق مشہور گارسن دتاسی کے ایک لکچر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ۱۸۳۵ء کے بعد ۱۸۵۲ء تک کتنے اردو اخبار اشاعت پزیر ہو چکے تھے۔

۱۸۵۰ء سے نئے سنگی مطبع قائم ہوئے ہیں جہاں سے دل چسپ کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ نئے رسالے اور اخبار بھی جاری ہوئے۔ اور پرانے تقریباً سب کے سب زندہ ہیں۔ ان مطبعوں سے مفصلۂ ذیل ہندوستانی اخبار شائع ہوتے ہیں:۔

آگرے سے "مطبع الاخبار" جو شہر آگرہ میں خوب بکتا ہے۔ ایک اور اخبار اسی شہر سے نکلتا ہے جس کا نام "قطب الاخبار" ہے۔ جس میں مذہب اسلام کے متعلق بحث ہوتی ہے اخبار النواح (؟)، پہلے ایک علمی پرچہ تھا مگر اب معمولی خبروں کا اخبار ہے۔ آگرہ گورنمنٹ گزٹ سرکاری اخبار ہے۔ اور ہندوستانی اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اب اگر ہم دہلی کی طرف رجوع کریں تو وہاں "سراج الاخبار" ہے جو اس شہر کا سب سے پرانا اخبار ہے۔ "دہلی اردو اخبار" اردو میں چھپتا ہے۔ "مظہر الحق" کے اڈیٹر ایک صاحب محمد علی ہیں، جن کی اسی نام کی ایک تالیف ہے۔ "قران السعدین" ایک باتصویر اخبار ہے جس میں سائنس۔ ادب، اور سیاست سے بحث ہوتی ہے۔ ہفتے میں ایک بار پیر کے روز شائع ہوتا ہے۔ "دقیق الاخبار"، ہندوؤں کا ہے۔ میرٹھ میں دو ہندوستانی اخبار ہیں،

ایک مفتاح الاخبار جس کے اڈیٹر محبوب علی ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی "لغت اللغات" کا بھی خلاصہ لکھا ہے جو لکھنؤ میں ۱۸۴۷ء میں طبع ہوا۔ دوسرا اخبار "جام جہاں نما" ہے۔ اس اخبار میں علاوہ معمولی خبروں کے سرکاری گزٹ اور ممالک مغربی و شمال کی عدالتِ عالیہ (سوپریم کورٹ) کے فیصلوں کے اقتباسات بھی درج ہوتے ہیں۔ بنارس میں چھ ہندوستانی اخبار ہیں۔ ان میں سے دو اخباروں کا ایک ہی اڈیٹر ہے ایک ہندی یعنی دیوناگری حروف میں، دوسرا اردو یعنی فارسی حروف میں شائع ہوتا ہے۔ پہلے کا نام "بنارس اخبار" ہے۔ بنارس کا تیسرا ہندوستانی اخبار "سدھاکر اخبار" ہے۔ پہلے ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں نکلتا تھا مگر اب صرف ہندی میں شائع ہوتا ہے۔ چوتھا اخبار "باغ و بہار" ہے جس کا نام اسی نام کی مشہور کتاب پر رکھا گیا ہے۔ پانچواں اخبار "سائرینِ ہند" (۹) ہے یہ دو ہفتے میں ایک بار چھوٹی تقطیع کے آٹھ صفحوں پر چھپتا ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہوتے ہیں۔ علاوہ معمولی خبروں کے جو کسی قدر تفصیل سے لکھی جاتی ہیں اس میں مختلف قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔ چھٹا اخبار "بنارس ہرکارا" ہے جو ۱۸۵۱ء سے اب تک نکل رہا ہے۔ بریلی سے "عمدۃ الاخبار" شائع ہوتا ہے۔ اس کے اڈیٹر لکشمن پرشاد ہیں۔ مرزا پور سے "خیر خواہ ہند" نکلتا ہے یہ امریکی پروٹسٹنٹ مشنریوں کا اخبار ہے۔ "شملہ اخبار" شملے سے شائع ہوتا ہے جسے آج کل شیخ عبداللہ مرتب کرتے ہیں۔ اندور کا اخبار جو مالوے کا دارالحکومت ہے "مالوہ اخبار" ہے۔ یہ آٹھ صفحوں کا ہفتہ واری ہے اس کے ایک کالم میں اردو اور دوسرے میں ہندی ہوتی ہے، اس کے اڈیٹر دھرم نراین

ہیں۔ بھرت پور صوبۂ آگرہ میں ہے وہاں کا اخبار "مظہر السرور" ہے۔ مالوہ اخبار کی طرح اس کے ایک کالم میں اردو اور دوسرے میں ہندی ہوتی ہے۔ اب ہم پنجاب کے اخباروں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، ان کے ناموں کے دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ روشنی علم کی اشاعت میں زیادہ کوشاں ہیں؛ کیوں کہ وہاں کے اخبارات کے ناموں کے ساتھ اکثر نور کا لفظ لگا رہتا ہے۔ مثلاً "دریائے نور" جو لاہور کا اخبار ہے۔ ایک دوسرا جو ہفتے میں دو بار شائع ہوتا ہے کوہ نور ہے۔ لدھیانے کا اخبار "نور علیٰ نور" ہے جسے محمد حسین نے ۱۸۶۵ء میں جاری کیا تھا۔ امرت سر سے "باغ نور" اور ملتان سے جو اسی نام کے صوبے کا دارالحکومت ہے "ریاضِ نور" نکلتا ہے۔

(ماخوذ از رسالۂ اردو۔ جولائی ۱۹۲۳ء)

گارسن تاسی نے اپنی تفصیل میں (۲۸) اخباروں کے نام لکھے ہیں، جن کی ابتدا ۱۸۳۵ء کے بعد ہوئی ہے۔ اردو اخباروں کا انحصار اس تعداد پر نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اُس عہد میں اور اخبار بھی شائع ہوئے جو کچھ دنوں جاری رہکر بند ہو گئے۔ مثلاً "سید الاخبار"، "اخبار دہلی" پہلا اخبار سرسید احمد خاں کے بھائی نے نکالا تھا، اور دوسرے کے اڈیٹر مولوی معین الدین تھے۔ یہ دونوں ہفتہ وار اخبار تھے "اخبار دہلی" جس کا ایک ورق "حالاتِ حضور والا" کے عنوان سے بادشاہ کے مخصوص حالات کے لیے وقف ہوتا تھا، اُس کا ایک پرچہ نمبری (۱۵۰) جلد (۳) بابت ۵ر جنوری ۱۸۴۰ء یوم یکشنبہ۔ مع دیگر نمبروں کے بھوپال کی حمیدیہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس اخبار کی حیثیت سرکاری یا نیم سرکاری تھی۔ اس میں شاہی کمپنی کے سفرا کی باریابی کے حالات

کمپنی کی درخواستیں موسومہ بادشاہ درج ہوتی تھیں۔ دنیا بھر کی ضروری خبریں خصوصاً افغانستان اور ٹرکی کے انگلستان اور روس سے آویزش کے واقعات بھی چھپتے[1] تھے۔

اخبار کے نمونوں میں جو دور قائم کیے گئے ہیں اگرچہ اُن کے اشارات ہر صفحے کے عنوان پر موجود ہیں، لیکن یہاں مزید تشریح کر کے ہر دور کی زبان اور اسالیب بیان کی خصوصیات لکھی جاتی ہیں:۔

پہلا دور، بہ ترتیب اندراج ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء سے شروع ہو کر ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء تک ختم ہوتا ہے لیکن اُس کی ابتدا ۱۸۳۵ء سے سمجھنی چاہیے۔ اگرچہ سنواتِ گزشتہ (۱۰ سال) کے نمونے بوجہ عدم دستیابی درج نہیں ہوئے ہیں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو زبان ۱۸۴۷ء میں بولی جاتی تھی وہی انداز دس بارہ برس پہلے تھا جس کا ثبوت دوسری تصنیفوں سے بآسانی مل رہا ہے۔ بہر حال اس دور کے اخباروں کی حالت بلحاظ نوعیت مضامین عموماً مہتممین اخبار کے مذاق کی تابع پائی جاتی ہے۔ جس اڈیٹر کو جس فن میں توغّل ہوتا تھا اُس مذاق کا عنصر اخبار میں زیادہ پایا جاتا تھا۔ اب رہیں خبریں اُن کی حالت ظاہر ہے کہ اُس زمانے میں وسائل و ذرائع کی جو محدود حالت تھی اُس کا اثر خبروں کی صحت و عدم صحت پر پڑتا تھا۔ اکثر خبروں کا اندراج کہانی اور افسانوں کے رنگ میں ہوتا تھا۔ نیز اُن کی تصدیق کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ مثلاً "پاٹن جھالا کی خبر" مطبوعہ سعد الاخبار نمبر (۴) ۱۸۴۷ء، اسی طرح لکھنؤ کے اخبار "طلسم" اور "سحر سامری" کی مقفّٰی اور مسجّع عبارتوں کو دیکھا جائے اور پھر اُن خبروں سے اُس عہد کے ارتقائی ذہنی پر

[1] ماخوذ از رسالہ زمانہ کانپور بابت دسمبر ۱۹۲۳ء

نظر ڈالی جائے کہ غدر کا پُر آشوب زمانہ ہے۔ سلطنت تباہ ہو رہی ہے، بادشاہ کو نظر بند کر کے کلکتے بھیجا جاتا ہے، بادشاہ کی والدہ اُسی پریشانی میں ولی عہد کے ساتھ ولایت جاتی ہیں، یہ واقعات جس انداز سے مشتہر کیے جاتے ہیں اُن کا اسلوبِ بیان فسانۂ عجائب یا طلسم ہوشربا سے کم نہیں۔ خصوصاً یہ بیان کہ کوئن وکٹوریا نے شکارگاہ سے جناب عالیہ (والدہ شاہِ اودھ) کو لکھا کہ "بادشاہی کوٹھی میں اُتر لیجیے۔ ہر طرح کا سامانِ آرام سرکار سے بے خطر لیجیے..... اضطراب کا مقام نہیں، گھبرانے کا ہنگام نہیں، ڈیڑھ مہینے میں ہم آتے ہیں، تمھیں مراد کو پہنچاتے ہیں" عجب مضحکہ آمیز اور تعجب خیز ہے۔ یہ رنگِ تحریر زیادہ دیرپا نہ تھا اور عموماً لکھنؤ یا اُس کے قرب و جوار پر چھایا ہوا تھا۔ پنجاب کے اخبار اُس زمانے میں بھی سیاسی مذاق اور عام رجحان کے تابع نظر آتے ہیں، اُن میں ایسی باتیں ضرور ملتی ہیں جو اجرائے اخبار کے مقاصد کو کم و بیش پورا کرتی رہتی تھیں۔

دوسرا دور ۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) سے ۱۸۸۲ء (۱۳۰۰ھ) تک قائم کیا گیا ہے۔ اس عہد میں اخباروں کی زبان بھی بدلی ہوئی ہے اور نوعیتِ مضامین کی فضا بھی معمولی خبروں سے گزر کر علمی اور تاریخی معلومات کے میدانوں میں چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس خصوص میں اودھ اخبار لکھنؤ اور سب سے زیادہ سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کی کوششیں اپنے عہد کے تمام اخباروں کی تبدیلی مذاق کا باعث ہیں۔

تیسرا دور ۱۸۸۴ء (۱۳۰۱ھ) سے ۱۹۰۰ء (۱۳۱۸ھ) تک اور اُس کے بعد سے اس وقت تک چوتھا دور قائم کیا گیا ہے۔ اس نصف صدی میں دونوں عہدوں کی زبانوں میں کوئی خاص امتیاز و فرق نہیں البتہ خیالات کا تغیر و تبدل اور جذبات کا جزر و مد ہر دور کی طرزِ نگارش کو جدا جدا دکھاتا ہے۔ تیسرے

دور تک زیادہ تر تعلیمی تاریخی۔ مذہبی۔ وغیرہ مضامین کا عنصر اخباروں میں نظر آتا تھا، اور بیسویں صدی عیسوی کے شروع ہوتے ہی ساری قوت، تمام توجہ سیاسی ملکی اور قومی ریفارم کی طرف مبذول کر دی گئی۔ اُنیسویں صدی عیسوی کے آخر تک جو اخبار حکومت کے ہم آواز تھے، وہ سودیشی اور بدیشی یا کوآپریشن اور نان کوآپریشن کے میدانوں میں ایسی ایسی بلند پروازیاں دکھانے لگے جن کی مثال کم سے کم ہندوستان میں اب سے پہلے نظر نہیں آتی تھیں۔ اس ہنگامہ و انقلاب نے اُردو زبان کو نقصان بھی پہنچایا اور فائدہ بھی۔ نقصان تو یہ کہ اب تک اُردو جس حیثیت سے فطرت کے مطابق فصاحت و سلاست کی دوش بدوش ترقی کر رہی تھی اُس میں بہت سی اُلجھنیں پیدا کر دی گئیں، اور فائدہ یہ کہ اس طوفان و جوش کی بدولت سیکڑوں الفاظ ایسے فراہم ہو گئے جن سے توسیع زبان کی فہرست میں معتدبہ اضافہ ہو گیا۔ چوں کہ یہ سب واقعات زمانۂ حال کے ہیں۔ اور عصرِ حاضر میں اخباربیں نگاہیں عام طور سے کھُلی ہوئی ہیں، اس لیے ان باتوں کی مزید توضیح تحصیلِ حاصل ہے۔

اخباروں کے چاروں ادوار میں جتنے نمونے لکھے گئے ہیں وہ بلحاظِ تعداد بہت کم ہیں، یہ کمی اس لیے روا رکھی گئی کہ فی زمانناً اخبار پڑھنے کا مذاق عام ہو رہا ہے اور اکثر علم دوست افراد اخباروں کے حالات سے کم و بیش واقفیت رکھتے ہیں۔ لہذا مناسب سمجھا گیا کہ ہر دور کے دو چار اخبار پیش کر کے باقی کا اندازہ اُن کے قیاس پر چھوڑ دیا جائے۔ مزید معلومات کے لیے ذیل میں ہر دور کے چند اخباروں کے نام مع مقام اشاعت درج کیے جاتے ہیں تاکہ ان کے اندراج یکجائی سے تلاش و جستجو کی زحمت کم ہو جائے۔

شمار	نام اخبار	مقام اشاعت	زمانۂ اشاعت	شمار	نام اخبار	نام اشاعت	زمانۂ اشاعت
۱	سراج الاخبار	دہلی	دور اوّل ۱۸۳۵ء تا ۱۸۵۵ء	۱۷	سائرین ہند	بنارس	دور اوّل ۱۸۳۵ء تا ۱۸۵۵ء
۲	دہلی اردو اخبار	"	"	۱۸	بنارس ہرکارا	"	"
۳	مظہر الحق	"	"	۱۹	عمدۃ الاخبار	بریلی	"
۴	سید الاخبار	"	"	۲۰	خیر خواہ ہند	مرزاپور	"
۵	قران السعدین	"	"	۲۱	شملہ اخبار	شملہ	"
۶	دقیق الاخبار	"	"	۲۲	مالوہ اخبار	اندور	"
۷	اخبار دہلی	"	"	۲۳	مظہر السرور	بھرت پور	"
۸	مطبع الاخبار	آگرہ	"	۲۴	دریائے نور	لاہور	"
۹	قطب الاخبار	"	"	۲۵	کوہ نور	"	"
۱۰	اخبار النوع	"	"	۲۶	نور علیٰ نور	لدھیانہ	"
۱۱	آگرہ گورنمنٹ گزٹ	"	"	۲۷	باغ نور	امرت سر	"
۱۲	مفتاح الاخبار	میرٹھ	"	۲۸	ریاض نور	ملتان	"
۱۳	جام جہاں نما	"	"	۲۹	سعد الاخبار	آگرہ	"
۱۴	بنارس اخبار	بنارس	"	۳۰	زبدۃ الاخبار	لاہور	"
۱۵	سدھاکر اخبار	"	"	۳۱	صدر الاخبار	بمبئی	"
۱۶	باغ وبہار	"	"	۳۲	کشف الاخبار	"	"

۳۳	خورشید عالم	سیالکوٹ	دور اول سنہ ۱۸۳۵ء تا سنہ ۱۸۵۷ء	۴۹	پیسہ اخبار	لاہور	دور سوم سنہ ۱۸۸۴ء تا سنہ ۱۹۰۰ء
۳۴	طلسم	لکھنؤ	〃	۵۰	وطن	〃	〃
۳۵	سحر سامری	〃	〃	۵۱	زمیندار و باغبان	گوجرانوالہ	〃
۳۶	اودھ اخبار	〃	دور دوم سنہ ۱۸۵۷ء تا سنہ ۱۸۸۲ء	۵۲	ریاض الاخبار	گورکھپور	〃
۳۷	سائنٹفک سوسائٹی	علی گڑھ	〃	۵۳	نیر اعظم	مراد آباد	〃
۳۸	نجم الاخبار	اٹاوہ	〃	۵۴	دبدبۂ سکندری	رام پور	〃
۳۹	آگرہ اخبار	آگرہ	〃	۵۵	اپنچ	بانکی پور	〃
۴۰	نور الآفاق	کانپور	〃	۵۶	نظام الملک	مراد آباد	〃
۴۱	نور الانوار	〃	〃	۵۷	البشیر	اٹاوہ	〃
۴۲	تہذیب الاخلاق	علی گڑھ	〃	۵۸	وکیل	امرت سر	〃
۴۳	اشاعۃ السنہ	لاہور	〃	۵۹	شحنۂ ہند	میرٹھ	〃
۴۴	امداد الآفاق	کانپور	〃	۶۰	رہیلکھنڈ گزٹ	بریلی	〃
۴۵	اختر شاہنشاہی	لکھنو	〃	۶۱	انسٹیٹیوٹ گزٹ	علی گڑھ	دور چہارم سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۳۰ء
۴۶	افضل الاخبار	دہلی	〃	۶۲	مفید عام	آگرہ	〃
۴۷	اودھ پنچ	لکھنو	〃	۶۳	روزانہ پیسہ اخبار	لاہور	〃
۴۸	اخبار عام	لاہور	دور سوم سنہ ۱۸۸۴ء تا سنہ ۱۹۰۰ء	۶۴	صلح کل	گورکھپور	〃

۶۵	مشرق	گورکھپور	دور چہارم سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۳۰ء	۸۱	ہمت روزانہ	لکھنو	〃
۶۶	مخبر دکن	حیدرآباد دکن	〃	۸۲	صحیفہ روزانہ	حیدرآباد دکن	〃
۶۷	بندے ماترم	لاہور	〃	۸۳	تاج	آگرہ	〃
۶۸	مدینہ	بجنور	〃	۸۴	ملاپ روزانہ	لاہور	〃
۶۹	نجات	〃	〃	۸۵	پرتاب	〃	〃
۷۰	ذوالقرنین	بدایوں	〃	۸۶	خلافت روزانہ	بمبئی	〃
۷۱	روزانہ اتحاد	لاہور	〃	۸۷	سرفراز	لکھنو	〃
۷۲	روزانہ تیج	دہلی	〃	۸۸	حمایت الاسلام	لاہور	〃
۷۳	الجمعیت	〃	〃	۸۹	الفضل	قادیان	〃
۷۴	روزانہ زمیندار	لاہور	〃	۹۰	شیعہ	دہلی	〃
۷۵	روزانہ انقلاب	〃	〃	۹۱	اہلِ حدیث	امرت سر	〃
۷۶	ریاست	دہلی	〃	۹۲	آئینہ	میرٹھ	〃
۷۷	ہمدم روزانہ	لکھنو	〃	۹۳	اہل سنت والجماعت	امرت سر	〃
۷۸	ہمدرد روزانہ	دہلی	〃	۹۴	ترجمانِ سرحد	راولپنڈی	〃
۷۹	حقیقت روزانہ	لکھنو	〃	۹۵	لڑائی کا اخبار	الہ آباد	〃
۸۰	اخوت	〃	〃	۹۶	کشاف	〃	〃

۹۷	سیاست روزانہ	لاہور	دور چہارم سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۳۰ء	۱۱۳	فرشتہ	آگرہ	״
				۱۱۴	نظام عالم	کانپور	״
۹۸	ہندو روزانہ	״	״	۱۱۵	آزاد	״	״
۹۹	جنرل نیوز	دہلی	״	۱۱۶	پیغام	فیض آباد	״
۱۰۰	سفیر التجار	״	״	۱۱۷	ممتاز	کانپور	״
۱۰۱	الامان	״	״	۱۱۸	النخلیل	بجنور	״
۱۰۲	سچ	لکھنؤ	״	۱۱۹	اخبار روزانہ	بریلی	״
۱۰۳	اتحاد مشرق	غازی پور	״	۱۲۰	جریدۂ امارت	پھلواری (پٹنہ)	״
۱۰۴	حفاظت	بنارس	״	۱۲۱	جریدۂ سرکاری	حیدرآباد دکن	״
۱۰۵	بیدار	مظفرنگر	״	۱۲۲	غریب نواز	پھلواری (پٹنہ)	״
				۱۲۳	ترجمان روزانہ	کلکتہ	״
۱۰۶	جادو	جون پور	״	۱۲۴	غالب	بمبئی	״
۱۰۷	ہند جدید	״	״	۱۲۵	الکلام	بنگلور	״
۱۰۸	دور جدید	امروہہ	״	۱۲۶	مستقل روزانہ	کانپور	״
۱۰۹	عالمگیر	میرٹھ	״	۱۲۷	انصاف	لائلپور	״
۱۱۰	کوکب ہند	آگرہ	״	۱۲۸	منادی	دہلی	״
۱۱۱	العدل	بدایوں	״	۱۲۹	خطیب	״	״
۱۱۲	جمہور	بنارس	״	۱۳۰	جدت روزانہ	لکھنؤ	״

۱۳۱	مخبر عالم	مراد آباد	دور چہارم سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۳۰ء	۱۴۷	مساوات	لاہور	"
۱۳۲	اثنا عشری	دہلی	"	۱۴۸	استقلال	علی گڑھ	"
۱۳۳	کپورتھلہ	کپورتھلہ	"	۱۴۹	سرگزشت	"	"
۱۳۴	صادق الاخبار	ریواڑی	"	۱۵۰	سعید	کانپور	"
۱۳۵	ڈسٹرکٹ گزٹ	بجنور	"	۱۵۱	پھول	لاہور	"
۱۳۶	ڈسٹرکٹ گزٹ	علی گڑھ	"	۱۵۲	اجمل روزانہ	بمبئی	"
۱۳۷	اکالی	لاہور	"	۱۵۳	خبردار	"	"
۱۳۸	پرکاش	"	"	۱۵۴	مونس	اٹاوہ	"
۱۳۹	گروگھنٹال	"	"				
۱۴۰	کرم ویر	"	"				
۱۴۱	پارس	"	"				
۱۴۲	آفتاب	"	"				
۱۴۳	مشیر دکن	حیدرآباد دکن	"				
۱۴۴	صداقت	کلکتہ	"				
۱۴۵	شعلہ	کانپور	"				
۱۴۶	جھنگ سیال	لاہور	"				

نمونہ نمبر (۴)

قانونی تراجم

پہلا دور

۱۸۵۱ء تا ۱۹۰۰ء
۱۲۶۸ھ تا ۱۳۱۸ھ

نمونہ عبارت	سنہ تحریر	مصنف	تصنیف	شمار
دیباچہ مولّف نے اپنے رسالۂ دستور العمل مقدماتِ دیوانی کو انگریزی زبان میں تالیف کر چکنے کے بعد اس کے شروع سے لیکر نویں باب تلک اہل ہند کے محاورے کے مطابق سلیس اُردو زبان میں تائید سے منشی نصیر الدین احمد کی کہ جنھوں نے صاحبانِ کالج فورٹ ولیم کے آگے درجۂ اولیٰ کے امتحان میں فارسی اور	۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء	ولیم مکفرسن، ماسٹر ایکوٹی، و جارج اسمولٹ فیگن	دستور العمل عدالت دیوانی حکومت فورٹ ولیم	نمبر ۱

اُردو زبان کی عزت کی مقبولیت حاصل کی ہے اور سند اپنی لیاقت کی پائی ہے، ترجمہ کیا، دیکھنے

والوں کو چاہیے کہ جو باتیں بلا نظیر اور قانون اور کنسٹرکشن کے اُن کو نظر پڑے عبارت مؤلف کی جانیں۔ ارباب بصیرت سے امید یہ ہے کہ اگر اس رسالے میں کہیں کسی طرح کی کچھ سہو یا خطا دیکھیں تو اُس کو دامنِ عفو سے چھپا دیں اور اصلاح سے نہ گزریں۔

عبارتِ متن

محکموں میں نوشت خواند زبانوں کی

جس ضلع میں جو زبان مروّج ہے اُس زبان کے خط و عبارت میں نوشتخواند و سوال و جواب وہاں کی عدالتوں میں اور اُن کے سرشتوں میں کہ جہاں امورات عدالت قلم بند ہوتے ہیں، عمل میں آتے ہیں، یعنی دیارِ مغربی کے اور صوبۂ بہار کے محکموں میں بزبانِ اُردو اور اضلاعِ دیار بنگالے کی عدالتوں میں بنگلہ زبان میں اور ضلع کٹک[1] اور اس کے متعلق پرگنوں کی کچہریوں میں اُڑیا زبان میں نوشت خواند و سوال و جواب کرنا معمول ہے[2]۔

طلب نامے کی زبان

اب طلب نامے کے اجرا کا طریق بتلایا جاتا ہے اور ہر طرح کے اطلاع نامے کے اجرا کا طریق معاً بیان کیا جاتا ہے۔ اطلاع نامۂ مذکورہ وغیرہ حکم نامہ، عدالتِ دیار مغربی اور بہار کے اضلاع کے محکموں سے بعبارتِ اُردو، وخط ناگری اور اضلاعِ دیار بنگالے میں بعبارت

---

[1] ایکٹ ۹ و ۲۰ سنہ ۱۸۳۷ء [2] قانون ۱۴ سنہ ۱۸۰۵ء دفعہ ۱۱

وخطہ بنگلہ وضلع کٹک وغیرہ پرگنوں کی کچہریوں سے بعبارت وخط اُڑیا مطبوع یا مرقوم ہو کر صادر ہوں گے۔[۳]

جو صدر امینِ اعلیٰ یا دوسرے حاکمِ ماتحت نوشت خواند انگریزی سے ماہر نہیں اس کے محکمے میں کوئی مقدمہ کہ جس میں دستاویز بعبارت انگریزی لکھی ہو سپرد نہیں کی جائے گا۔

کیفیت

یہ مسلّم ہے کہ سنہ ۱۸۳۵ء سے گورنمنٹ نے عدالتوں میں اُردو لکھنے کا حکم دے دیا تھا، راقم کا خیال ہے کہ اس باب میں حکومت کی طرف سے جو گشتی شائع ہوئی ہو گی (جو غالباً اُردو میں ہوگی)، اگر وہ مل جاتی تو تاریخی سند ہاتھ آجاتی، مگر اس وقت تک اس جستجو میں کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ متذکرۂ بالا نمونے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حسبِ حوالجات حاشیہ سنہ ۱۸۳۵ء کے لگ بھگ جو قانون مرتب ہوئے اُن میں اُردو زبان کے رواج کا تذکرہ موجود ہے۔

۳؎ قانون ۴ سنہ ۱۷۹۳ء دفعہ ۲۰ و قاعدہ ۱۲ سنہ ۱۸۰۵ء دفعہ ۱۱۔ ۵؎ آئین ۲ سنہ ۱۸۳۸ء دفعہ (۲)

شمار	تصنیف	مصنّف	تصنیف سنہ	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	مجموعۂ قوانین تعزیرات ہند (انڈین پینل کوڈ)	مسٹر جارج اسمولٹ فیگن صاحب مجسٹریٹ پولیس کلکتہ	۱۸۶۳ء / ۱۲۷۹ھ	**دیباچہ** ہمیں نہیں معلوم کہ آئین فوج داری کے باب میں کوئی نئی کتاب کی تصنیف کیے جانے سے مصنّف پر کچھ اعتراض واقع ہو۔ یقین ہے کہ مدّت مدید کے گزرنے پر بھی مطلب اس آئین کا کبھی شبہے سے خالی ہونے کے نہیں ایسے مقاموں پر کہ جہاں معنی صریح بھی سمجھا جاوے۔ بناءً علیہ جس قدر کتابہائے متعدد

اس باب میں تصنیف کی جاویں اُسی قدر فائدہ معتدبہ متصوّر ہے بشرطے کہ اُن کتابوں کے مطالعے سے پڑھنے والے کو اس قدر فائدہ پہنچے کہ وے بذریعے اُس کے اُن شبہوں کے محو اور مٹانے پر قادر ہو سکیں۔ لیکن پڑھنے والے کو اس بات پر غور کرنا لازم کہ مصنّف اپنی کتاب کو کس طور پر تصنیف کی تاکہ اُنھیں یقین ہو کہ آیا یہ کتاب واسطے اُن کے فائدہ مند ہوگی یا نہیں۔

دفعہ (۲۸۶) جو کوئی شخص بھک سے اُڑجانے والے کسی مادّے سے کوئی فعل ایسی بے احتیاطی یا غفلت کے ساتھ کرے جس سے انسان کی جان کو خطر یا جس سے کسی دوسرے شخص کو ضرر یا نقصان پہنچنے کا احتمال ہو یا بھک سے اُڑجانے والے کسی مادّے کی نسبت جو اُس کے پاس

ہو جان بوجھکر، یا غفلت کرکے ایسی نگہداشت ترک کرے جو اُس خطرے کے دفیعے کے لیے جس کے پہنچنے کا احتمال انسان کی جان کو اُس بھک سے اُڑ جانے والے مادّے سے ہے کافی ہو، تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی، جس کی میعاد چھ مہینے تک ہو سکتی ہے، یا جرمانہ کی سزا جس کی مقدار ایک ہزار رُپے تک ہو سکتی ہے یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

نمبر	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	ایکٹ نمبر ۶ بابت ۱۸۹۲ء	عمالِ حکومت	۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ	دفعہ ۳۲ مجموعۂ ضابطۂ دیوانی کی دفعات ۳۰۸ و (۳۰۹) اس نہج پر پڑھی جائیں گی گویا اُن میں بجائے لفظ رسوم اسٹامپ اور کاغذ اسٹامپ کے یہ الفاظ مندرج تھے، یعنی رسوم مقررہ قانون رسوم عدالت مصدرہ ۱۸۷۰ء اور اُسی مجموعے کی دفعہ (۳۷۱) ایسی

پڑھی جائے گی، گویا اُس میں بجائے اس عبارت کے یعنی اوپر کاغذ اسٹامپ اس قدر قیمت کے یہ لفظ مرقوم تھے کہ باداے رسوم معینہ کے۔ اور دفعہ (۳۷۳) اُسی مجموعے کی اس نہج پر پڑھی جائے گی کہ گویا اُس میں بجائے اس عبارت کے درخواست مذکور اُس قیمت کے کاغذ اسٹامپ پر تحریر ہوگی یہ عبارت لکھی ہوئی تھی، درخواست مذکور کے لیے وہ رسوم لی جائیگی

اور گویا بجائے لفظ قیمت کاغذ اسٹامپ کے لفظ رسوم داخل تھا۔ اور قانون محصول آمدنی مجریۂ ہند کی دفعہ (۲۰) اس طور پر پڑھی جائے گی کہ گویا اُس میں بجائے لفظ قیمت اسٹامپ کے لفظ رسوم داخل تھا۔

سلسلہ	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
پنجم	اردو ترجمۂ ضوابط بنگال و متعلقات	عمال حکومت برطانیہ	۱۸۴۵ء ۱۲۶۱ھ	۳۰۔ کوئی محال واسطے وصول باقی حال یا اور مطالبۂ مفصلۂ ذیل کے کسی طور نیلام نہ ہوگا بغیر اس کے کہ اشتہار بزبانِ مروجہ اُس ضلع کے بتفصیل قسم اور مقدار باقی کے اور تصریح اس بات

کے کہ کس تاریخ کے بعد باقی نہ لی جائے گی، پندرہ دن قبل اس تاریخ کے جو بموجب دفعہ ۴ اس آئین کے مقرر کی گئی ہو صاحب کلکٹر کی کچہری میں اور جس ضلع میں محال مذکور واقع ہو وہاں کے صاحب جج اور صدر الصدور اور صدر امین کی عدالت میں اور جس منصفی اور پولیس کے علاقے میں کل یا جزو اُس محال کا متعلق ہو اُس منصفی اور تھانے میں آویزاں کیا جائے اور یہ امر جس کچہری میں اشتہار لگایا جائے اُس کے حاکم کی دست خطی رسید سے تصدیق ہو، اور بھی محال مذکور کے مال گزار کی کچہری میں یا اُس محال کی نظرگاہِ عام میں آویزاں کیا جائے اور ثبوت اس کا پیادہ یا دوسرے شخص مامور کار سے ہو۔ ۴۲۔ اور یہ بھی حکم دیا

دیا جاتا ہے کہ بعد گزرنے اُس تاریخ ادائے باقی کے جو بموجب دفعہ (۴) اس آئین کے مقرر ہوئی ہے صاحب کلکٹر یا جو حاکم اختیار نیلام کا بموجب اس آئین کے رکھتا ہو جس قدر جلد ہو سکے اشتہار ضلع کی زبان میں بہ تصریح حال اُن محال یا محالوں کے جن کا نیلام کرنا ہو بتوضیح تاریخ شروع نیلام کے اپنی کچہری اور صاحب جج ضلع کی کچہری میں آویزاں کرا دیں اور سرکاری گزٹ میں بھی چھپوا دیں۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
بیسم	رسالہ مہمہ در شرح لغات زمینداری و حقیقت واداری در ریاست ہندوستان	نواب محسن الملک سید مہدی علی خاں منیر الدولہ المعروف بہ ظفر...	۱۲۹۶ھ ۱۸۷۹ء	زمیں دار۔ یہ فارسی لفظ ہے جس کے معنی ایسے شخص کے ہیں جو زمین سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہو خواہ ملکیت کا یا کاشت کا یا اور کسی قسم کا۔ یہ لفظ مسلمانوں کا ایجاد کیا ہوا ہے، جب مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا تو ہندوستان کے تمام باشندوں کی زمین دیجز اُن کے جن کی زمینیں بوجوہات متعددہ ضبط کی گئی تھیں اور افسرانِ فوج یا اور لوگوں کو عطا ہوئی تھیں) اُن ہی لوگوں کے قبضۂ ملکیت میں بحال رکھی گئی تھیں جو قبل از فتح

اُن کے مالک اور اُن پر قابض تھے اور اُن ہی لوگوں پر لفظ زمین دار کا اطلاق ہوتا تھا جس کی مراد یہ تھی کہ اُس سے اُس کی زمین نہیں لی گئی بلکہ وہ خود اپنی زمین اپنے پاس رکھتا ہے۔۔

بالآخر ایک ضروری کام جو سررشتۂ بندوبست سے متعلق ہے یہ ہے کہ ہر ایک موضع کی بابت ایک جداگانہ تاریخی کیفیت مرتب کی جاوے جس میں مندرجۂ ذیل حالات جہاں تک کہ دریافت ہو سکیں تحقیق کر کر کے لکھے جاویں۔

(۱) تاریخی حالات موضع کے کہ کس نے آباد کیا اور کب آباد کیا، اور اُس کے آباد کرنے والے کون قوم تھے۔ اور ملکیت کا تبدل وقتاً فوقتاً کیوں کر واقع ہوا اور اب جو لوگ موضع کے مالک ہیں یا اُس کے منتظم اعلیٰ ہیں جو پٹیل و مقدم کہلاتے ہیں اُن کے قبضے میں یہ موضع کس طرح پہنچا۔

(۲) قدیم عمارات و چاہ و تالاب جو اُس موضع میں موجود ہوں اُن کے حالات اور یہ کہ وہ کن لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں اور کب بنے ہیں۔

(۳) جنگل اور بنجر اور قدرتی پیداوار جو کچھ ہوتی ہے اُس کے حالات اور یہ کہ اُس قدرتی پیداوار کو کون لوگ لیتے رہے ہیں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سن تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۹	مجموعہ ضابطہ فوجداری ایکٹ ۱۰ بابت سنہ ۱۸۸۲ء	سرکاری مترجمہ [illegible]	سنہ ۱۸۸۲ء ۱۲۹۹ھ	دفعہ (۱۸۳) اگر حسب دفعہ (۱۸۲) اُس زبان میں جس میں گواہ بیان کرے تحریر نہ ہو بلکہ دوسری زبان میں لکھا جائے جس کو گواہ نہ سمجھتا ہو تو وہ اظہار جو قلم بند کیا جائے گواہ کو اُس زبان میں ترجمہ ہو کر سمجھا دیا جائے گا جس زبان میں اُس نے اظہار دیا ہو۔

دفعہ (۱۸۴) جن مقدمات میں اظہار گواہ کا جج کے ہاتھ سے نہ لکھا جائے۔ جج کو لازم ہے کہ ہر گواہ جو اظہار دے اُس کا خلاصہ بطور یادداشت کے لکھتا جائے اور لازم ہے کہ جج ایسی یادداشت اپنے ہاتھ سے لکھے اور اُسی پر دستخط کرے اور وہ مسل میں شامل کی جائے۔

دفعہ (۱۸۵) جہاں کہ زبانِ انگریزی عدالت کی زبان نہیں ہے لیکن تمام فریق مقدمہ جو اصالتاً حاضر ہوں اور وکلا اُن کے جو وکالتاً حاضر ہوں اُس شہادت کو جو انگریزی میں ادا کی جائے انگریزی میں لکھنے پر اعتراض نہ کریں تو جج اُس کو اپنے ہاتھ سے انگریزی میں لکھ لے گا۔

دفعہ (۱۹۰) اگر جج اُس یادداشت کے لکھنے سے جو اس باب کے احکام مندرجہ

بالا کے بموجب لکھنی چاہیئے معذور ہو تو وہ اپنی معذوری کی وجہ قلم بند کرائے گا اور کچہری عام میں یادداشت اپنی زبان سے لکھوا دے گا۔

دفعہ (۲۰۱) جب فیصلہ سوائے زبانِ عدالت کے کسی دوسری زبان میں لکھا جائے تو اگر فریقین میں سے کوئی فریق درخواست کرے اُس کا ترجمہ عدالت کی زبان میں کیا جائے گا اور ترجمے پر بھی جج کے دستخط خواہ اُس عہدے دار کے دستخط ثبت ہوں گے جس کو جج اُس کام کے لیے مقرر کرے۔

نمونہ عبارت	تصنیف سیم	نصف تصنیف	تصنیف	نمبر
مجموعہ ضابطہ دیوانی ایکٹ (۱۴) ۱۸۸۲ء میں وکیل کی یہ تعریف کی گئی ہو کہ وکیل سے مراد ایسے شخص سے ہی جو دوسرے شخص کی جانب سے عدالت میں حاضر ہونے اور سوال وجواب کرنے کا مستحق ہو اور اُس میں ایڈوکیٹ اور وکیل اور اٹارنی ہائی کورٹ کے شامل ہیں، اور مجموعہ ضابطہ فوجداری ایکٹ (۱۰)	۹۵ نمبر ۱۰۱	[illegible] نصف ۱۹۴۲	[illegible]	نمبر ۳

۱۸۸۲ء میں لفظِ وکیل سے جب وہ کسی عدالت کی کسی کارروائی کی نسبت مستعمل کیا جاوے وہ وکیل مراد ہے جو عدالت مذکور میں از روئے قانون مجریہ وقت کے وکالت کرنے کا مجاز

ہو، اور اُس میں اولاً وہ ایڈوکیٹ اور وکیل اور اٹرنی ہائی کورٹ کا جو اس بات کا اختیار رکھتا ہو اور ثانیاً ہر مختار یا دوسرا شخص جو عدالت کی اجازت سے ایسی کارروائی میں عمل کرنے کے لیے مقرر کیا جائے شامل ہے۔

پلیڈر عدالت ہائے ماتحت واقع ممالک مغربی و شمالی کے دو درجے ہوں گے، یعنی:-

(۱) پلیڈر جو بموجب ان قواعد کے بھرتی کیے گئے اور پلیڈر ماتحت درجۂ اعلیٰ جو بموجب سرکلر حکم نمبر (۷) ۱۸۸۲ء بھرتی کیے گئے۔

(۲) پلیڈر ماتحت درجۂ ادنیٰ جو بموجب سرکلر حکم نمبر (۷) ۱۸۸۲ء کے بھرتی کیے گئے پلیڈر قسم اول مجاز ہوں گے کہ جمیع عدالت ہائے ماتحت و محکمہ جات مال میں حاضر ہوں اور سوال و جواب داخل کریں۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳	شرح قانون شہادت ایکٹ ۱ اول ۱۸۷۲ء	سید محمود جج ہائی کورٹ	۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء و مطبوعہ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۲ء	اگر اس غرض کے لیے کسی دستاویز کا ترجمہ کرانا ضروری ہو تو عدالت کو اختیار ہے کہ اگر مناسب جانے تو مترجم کو اُس کے مضامین کے اخفا رکھنے کے لیے ہدایت کرے، الّا اس حال میں کہ دستاویز شہادت میں گزرنے والی ہو اور اگر مترجم اُس ہدایت کی خلاف ورزی کرے تو وہ مرتکب جرم

محکومہ دفعہ (۴۰ ۳) ضابطہ فوج داری ایکٹ (۱۰) سنہ ۱۸۶۲ء قابل ملاحظہ ہے دفعہ (۱۶۶) تعزیراتِ ہند متعلق عدول حکمی افسر کاری کے ہے۔

مجسٹریٹ ضلع نے ایک تحریری رپورٹ کے پیش کرنے سے انکار کیا جس رپورٹ کو مجسٹریٹ حصہ ضلع نے حسب دفعہ ۱۳۵ ضابطہ فوج داری مرتب کیا تھا اور جس میں حاصل ایک تحقیقات کا بابت ناگہانی اور غیر طبعی موت کے درج تھا جب مقدمہ ہائی کورٹ کے سامنے آیا تب مجسٹریٹ ضلع رپورٹ لے کر حاضر ہوا تاکہ اگر ہائی کورٹ کی رائے میں وہ رپورٹ محفوظ نہو تو پیش کردے یا اگر صاحبانِ جج چاہیں تو قبل حکم دینے کے (کہ وہ محفوظ ہے یا نہیں) اُن کو دکھادے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ رپورٹ عدالتی کارروائی نہیں ہے اور مجسٹریٹ ضلع کو اُس کے پیش کرنے سے انکار کرنا جائز ہے۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۵	ایکٹ معاہدہ نمبر (۹) سنہ ۱۸۶۲ء / ۱۲۷۹ھ (متعلق دکن)	مترجم محمد منوّر علی ساجد۔ حیدرآبادی	سنہ ۱۸۹۱ء / ۱۳۰۹ھ	**التماس** ایک غیر زبان کے ایکٹ کے لحاظ سے بخلاف اگلے ترجموں کے جو بات نئی اور مفید اس ترجمے کے لیے کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے دفعہ وار لفظ بہ لفظ ترجمہ لکھا گیا ہے یعنی انگریزی اصل الفاظ جس طرح عبارت میں برتے گئے ہیں اُسی طرح اُن

الفاظ کی جگہ اُردو معنی کے الفاظ برتے گئے ہیں، اور کہیں کہیں انگریزی کے لفظ بھی بحرفِ جلی برتے گئے ہیں جن کا معنی شرح میں الفاظ کے معنوں کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اور پھر اُن انگریزی اصل الفاظ کو "شرح" میں اُردو حروف میں لکھا ہے، جن کے ساتھ صحتِ تلفظ کے لیے انگریزی تحریر بھی ہے، اور پھر انگریزی کی تحریر کے الفاظ اور عبارت سے جو دفعہ کا معنی معلوم ہوتا ہے اُس کو سلیس اُردو عبارت میں لکھکر بتلایا ہے، جس کے لیے حتّی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کوئی اصل انگریزی لفظ کا معنی چھوٹنے نہ پائے، اور اس کے بعد پہلا ترجمہ فرق معلوم ہونے کے لیے حرف بحرف لکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً

نقل دفعہ ۲۴۰۔ ترجمۂ حال	اُردو ترجمۂ سابق
ایک مستعار، ایک شخص مصروف کو یا قریب بہ مصروفیت کو کسی تجارت میں یا ٹھیکے میں، اوپر ایک معاہدے کے ساتھ ایسے شخص کے کہ مُعیر (مستعار دینے والا) پائے گا، سود ایک نرخ پر بدل ہو کر ساتھ یافت کے کہ وہ پائے گا ایک حصہ یافت کا نہیں کرتا ہے۔	جو قرضہ ایسے شخص کو جس نے کسی بیوپار یا کام کا معاہدہ کیا ہو یا کرنے کو ہو اُس شخص کے ساتھ یہ معاہدہ کرکے دیا جائے کہ دائن و مسود جس کی شرح منافع سے مختلف ہے گا یا یہ کہ ایک حصہ منافع کا وصول کرے گا۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۰	مجموعۂ ضابطۂ دیوانی ایکٹ نمبر (۱۴) ۱۸۸۲ء	عمالِ حکومت	۱۹۰۸ء مطبوعہ مطبع نول کشور کانپور سنہ ۱۹۰۹ء ۱۳۲۷ھ	مطبوعۂ مصدورۂ گورنمنٹ یجس لیٹو کونسل مع ترمیمات وتنسیخات عام وتنسیخات وترمیمات مختص المقام یعنی ممالک متوسّط ومیواڑہ واجمیر و جزائر انڈمن ونکوبر واودھ وپنجاب وکورگ و مع مفصّل فہرست اُن اضلاع کے جن میں مجموعۂ ہذا نافذ العمل ہے۔

دفعہ (۱۹۸) عدالت کو لازم ہے کہ بعد ازاں کہ شہادت حسب ضابطہ لی گئی ہو اور روبقیہ کے سوال وجواب اصالۃً یا بذریعہ وکلا یا ایجنٹیانِ مقبولہ کے سماعت ہو چکے ہوں، فیصلہ اُسی وقت یا کسی تاریخ آیندہ پر جس کی اطلاع حسب ضابطہ فریقین یا اُن کے وکلا کو دی جائے گی کچہری عام میں سنا دے۔ دفعہ (۲۰۰) فیصلہ عدالت کی زبان میں یا انگریزی میں یا جج کی اصلی زبان میں لکھا جائے گا۔ دفعہ (۲۰۱) جب فیصلہ سوائے زبان عدالت کے کسی دوسری زبان میں لکھا جائے تو اگر فریقین میں سے کوئی فریق درخواست کرے اُس کا ترجمہ عدالت کی زبان میں کیا جاوے گا۔ اور ترجمے پر بھی جج کے دستخط خواہ اُس عہدے دار کے دستخط ثبت ہونگے جس کو جج اُس کام کے لیے مقرر کرے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۱۱	قانون متعلق جائداد عورات شادی شدہ ۱۸۷۴ء ایکٹ نمبر (۳) بابت ۱۸۷۴ء	باہتمام منشی گلاب سنگھ لاہور	مطبوعہ مطبع منشی گلاب سنگھ لاہور سنہ ۱۸۹۵ء ۱۳۱۲ھ	۲۴ر فروری ۱۸۷۴ء کو پیش گاہ جناب نواب گورنر جنرل بہادر باجلاس کونسل سے منظور ہوا۔ ایکٹ ہذا بذریعہ اشتہار تحت ایکٹ اضلاع مندرجہ فہرست مصدرہ ۱۸۷۴ء کے اضلاع مندرجہ فہرست مرقوم الذیل میں نافذ العمل قرار پایا۔ (اضلاع ہزاری باغ لوہاردگا۔ مان بھوم وکلہان واقع ضلع سنگ بھوم اور ممالک مغربی وشمالی کے ضلع ترائی میں)

دفعہ (۶) جو دستاویز کہ کسی مرد ازدواج شدہ نے اپنی زندگی کی لکھی ہو اور اُس میں بصراحت مرقوم ہو کہ وہ اُس کی زوجہ یا اُس کی زوجہ اور اطفال یا اُن میں سے کسی کے فائدے کے واسطے ہے وہ مطابق اس لکھے ہوئے کے اُس کی زوجہ یا اُس کی زوجہ اور اطفال یا اُن میں سے کسی کے فائدے کے واسطے بطور امانت کے ہوگی یا تصور کی جائے گی اور جب تک کہ کوئی شخص متعلقہ معاملۂ امانتِ مذکور قائم رہے اس شوہر یا اُس کے قرض خواہوں کے تحت اختیار نہ ہوگی اور نہ جزو اس کی جائداد کی سمجھی جائے گی جب روپیہ بیمے کا واجب الادا ہو تو وہ

بجز اس کے کہ خاص اُمنا حسب ضابطہ اُس کے وصول کرنے اور قبضے میں رکھنے کے واسطے مقرر ہوئے ہوں اس پریزیڈنسی کے امین سرکاری کو ادا کیا جاوے گا جس میں کہ وہ دفتر جہاں بیمہ کردیا جاوے واقع ہو اور وہ سرکاری امین اُس رُپے کو وصول کرکے بحسب مندرجۂ دستاویز بیمے کے واسطے اُن اشخاص کے جو دستاویز بیمہ میں مندرج ہوں یا اُن میں سے اُس کے واسطے جو اُس وقت موجود ہو بطور امانت اپنے قبضے میں رکھے گا۔

نمونۂ عبارت	سلسلہ مضمون	مضمون	عنوان	نمبر
اشتہارات گورنمنٹ نمبر ۴۳۰۷۔ ۳۰ جنوری ۱۸۷۳ء۔ جناب نواب گورنر جنرل بہادر باجلاس کونسل ارشاد فرماتے ہیں کہ مجموعۂ قواعدِ رخصت ملازمانِ ملکی کی دفعہ ۱۴ میں عبارت مندرجۂ ذیل بطور قاعدہ (۳) کے زیادہ کی جائے۔ ۳۔ رخصت ایسے عہدہ دار کو دی جائے جسے امتحان میں حاضر ہونے کی اجازت ہو اور وہ امتحان ایسا ہو کہ عہدۂ ماتحت کے مدارجِ اعلیٰ کے مستحق ہونے کے لیے اُس کا دینا ضروری ہے۔ جیسا کہ مجسٹریٹوں کی صورت میں تو وہ رخصت بایام ملازمت محسوب ہوگی۔	[illegible]	اعلان گورنمنٹ	گورنمنٹ ملازمان ملکی کی رخصت بغرض امتحان	نمبر ۱۲

دوسرا دور

سنہ ۱۹۰۰ء تا سنہ ۱۹۳۰ء
۱۳۱۸ھ ۱۳۴۸ھ

نمبر	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۱	قانون لگان آگرہ ایکٹ نمبر (۲) بابت ۱۹۰۱ء	ہز ایکسلنسی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مع کونسل	سنہ ۱۹۰۲ء ۱۳۲۰ھ	۱۹ ردسمبر سنہ ۱۹۰۱ء کو پیش گاہ جناب نواب گورنر جنرل بہادر ہند سے منظور ہوا دفعہ ۱۱- ہر آسامی کو جو اُسی اراضی پر برابر بارہ برس کی مدت تک قابض ہو اُس اراضی پر حق دخیل کاری حاصل ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ کسی آسامی کو اسی دفعہ کی رو سے کسی ایسی اراضی میں حق دخیل کاری حاصل نہ ہوگا جس پر وہ (الف) بہ حیثیت ایسے پٹہ دار کے جو بذریعہ پٹہ رجسٹری شدہ کے جس کی میعاد سات برس سے کم نہ ہو۔ یا (ب) بہ حیثیت

ٹھیکہ دار کے یا (ج) بہ حیثیت آسامی شکمی کے۔ قابض رہے۔ اور کوئی حق دخیل کاری حاصل نہ ہوگا۔ (د) اراضی سیر میں۔ یا (ہ) کسی ایسی اراضی میں جو فوجی پڑاؤ یا اور ایسا رقبہ ہو جو کسی سرکاری غرض یا نفع خلائق کے کسی کام کے لیے حاصل کیا گیا یا قبضے میں رکھا گیا ہو یا جو ایسے پڑاؤ یا اور رقبے کی ایک جزو ہو۔ یا یہ بھی شرط ہی کہ بارہ سال کی مدت کا شمار کرنے

میں ایسی مدّت جس میں اراضی بخلاف ورزی احکام ایکٹ ہذا کے کاشت شکمی پر دی گئی یا بہ نہجِ دیگر منتقل کی گئی ہو حساب سے خارج کردی جائے گی۔ مگر اُس سے آسامی کے قبضے کے تسلسل کا جاتا رہنا نہیں سمجھا جائے گا۔

شمار	تصنیف	مصنّف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۲	قانون مالگزاری (ایکٹ نمبر (۳) سنہ ۱۹۰۱ء)	باہتمام لالہ کدار ناتھ بک ایجنٹ و منیجر اوم پریس میرٹھ	سنہ ۱۹۰۲ء / ۱۳۲۰ھ	ایکٹ بغرض اجتماع و ترمیم قانون متعلقۂ مالگزاری اراضی اور اختیار عہدہ دارانِ مال کے ممالک مغربی و شمالی و اودھ میں ہرگاہ اجتماع و ترمیم کرنا اُس قانون کا جو ممالک مغربی و شمالی و اودھ میں دربابِ مالگزاری اراضی اور اختیار عہدہ دارانِ مال کے ہے قرینِ مصلحت ہے۔ لہٰذا اس تحریر کے رو سے حسب ذیل احکام قانونی

صادر کیے جاتے ہیں۔

مالکِ ادنیٰ کا خارج کیا جانا

(۲) اگر مالکِ ادنیٰ ایسے بندوبستِ شکمی (پختہ داری) کو منظور کرنے سے انکار کرے تو محال تا میعادِ بندوبست مالکِ اعلیٰ کو دے دیا جائے گا اور مالکِ ادنیٰ اُس اراضی کو دا گر کچھ

ہو) جس کی کاشت وہ خود بتاریخ انکار کرتا ہو بطور آسامی ساقط الملکیت کے اُس شرح لگان پر جو مہتمم بند وبست بمطابقت احکام دفعہ (۱۰) ایکٹ قبضۂ اراضی ممالک مغربی و شمالی سنہ ۱۹۰۱ء مقرر کرے اپنے قبضے میں رکھے گا۔ (۳) اگر ایک ثلث اُس لگان کا جو اس طرح مقرر کیا جائے تو مالکِ اعلیٰ اس قدر سالانہ حق مالکانہ مالکِ ادنیٰ کو ادا کرے گا جو اگر ایک ثلث متذکرۂ بالا میں جوڑ دیا جائے تو ایسے زرِ منافع کے فی صد پانچ سے کم اور فی صد پندرہ سے زیادہ نہ ہو۔ (۴) اگر مالکِ ادنیٰ ایسے انکار کرنے کی تاریخ پر کسی اراضی کو کاشت نہ کرتا ہو تو مالکِ اعلیٰ اُس کو اس قدر سالانہ حق مالکانہ ادا کرے گا جس کی نسبت بورڈ ہدایت کرے اور جو زرِ منافع کے فی صد پانچ سے کم اور فی صد پندرہ سے زیادہ نہ ہو جو اُس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	نام تصنیف	مصنف	سنہ تصنیف	نمونہ عبارت
نمبر ۳	ایکٹ انکم ٹیکس نمبر (۲) سنہ ۱۸۸۶ء	[illegible] (لیجسلیٹو کونسل)	[illegible] گزٹ آف انڈیا ۱۸۸۶ء	**باب (۱)** **مراتبِ ابتدائی** دفعہ ۱۔ (۱) ایکٹ ہذا کل برٹش انڈیا میں نافذ ہوگا اور اُن والیانِ ملک کے قلمرو اور ہندوستانی ریاستوں میں جو جناب ملکہ معظمہ سے رابطۂ اتحاد رکھتی ہیں، ایسی انگریزی رعایا سے بھی تعلق رکھے گا، جو

گورنمنٹ ہند یا کسی ایسے حاکم مقامی کی ملازمت میں ہو جس کو نواب گورنر جنرل بہادر باجلاس کونسل نے اپنے اختیارات کے رو سے مقرر کیا ہو۔ اور :۔

(۲) اس ایکٹ کا نفاذ اپریل ۱۸۸۶ء سے ہوگا۔

(۳) ایکٹ ۱۲ ۱۸۹۱ء کے ذریعے سے منسوخ ہو گئے۔

دفعہ ۲۔ باستثنا فیس اور دیگر رقوم واجب الادا اور اُن کے طریقۂ وصولی کے، کُل ایکٹ جن کی تصریح ایکٹ ہذا کے ضمیمۂ اوّل میں کی گئی ہے تاریخ نفاذ ایکٹ ہذا دیکم اپریل ۱۸۸۶ء سے منسوخ ہو جائیں گے۔

دفعہ (۴) برعایت مستثنیات مذکورہ دفعہ (۵) انکم ٹکس، اپریل ۱۹۱۶ء سے اور اُس کے بعد ہر سال اُن تمام ذرائع آمدنی پر جو ایکٹ ہذا کے دوسرے ضمیمے کے پہلے خانے میں درج ہیں اُس شرح سے دینا ہوگا جو اُسی ضمیمے کے دوسرے خانے میں مقرر کردی گئی ہے۔

تبصرہ و کیفیت

نمونہ نمبر (۱) کے دورِ پنجم میں قانونی تراجم کی دو چار کتابوں کے مضامین درج کردیئے گئے ہیں، اگرچہ عام تصنیف و تالیف کے سلسلے میں یہ اندراج بے موقع نہیں، لیکن اس خصوص میں اردو کے اسالیب بیان کا ایک جداگانہ انداز پایا جاتا ہے اس لیے مزید وضاحت کی غرض سے قانونی تراجم کا عنوان قائم کرکے چند ایکٹوں اور قانونی کتابوں کے نمونے پیش کردیئے گئے جن کے مطالعے سے مبصرین و قارئین کو اِس طرز

ادا کا اندازہ ہو سکے گا۔ قانونی تراجم اگرچہ آسان روزمرہ میں کیے جاتے ہیں مگر اُن کی عبارتیں خاص خاص اصطلاحوں کی وجہ سے ایسی پیچیدہ اور مختصر ہوتی ہیں کہ جب تک قانونی تعلیم کے ساتھ مشق و مہارت نہ بڑھائی جائے عام اہلِ ادب اور اربابِ تصنیف اُن کے مطالب نہیں سمجھ سکتے۔

قانونی کتابوں کے مترجم عموماً عُمّال و اہل کارِ عدالت ہوا کرتے ہیں، ابتدائی ترجموں میں اکثر مترجمین کے نام پائے جاتے ہیں لیکن بعد میں اظہارِ نام کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اور غالباً یہ اخفا اس لیے کیا گیا کہ ایک ایک کتاب کے ترجموں میں کئی کئی اہلِ قلم شامل ہو جایا کرتے ہیں اور چوں کہ یہ کام حکّامِ بالادست کے ایماء حکم کی تبعیت میں ہوتا ہے لہذا اُنھیں کا نام لکھ دینا کافی سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مشہور اہلِ قلم جن کا مترجمِ قانون ہونا مسلّم و متحقّق ہے پردۂ خفا میں مستور ہیں، مثلاً شمس العلما مولوی نذیر احمد دہلوی جنھوں نے تعزیراتِ ہند کا اُردو میں ترجمہ کیا مروّجہ کتابوں میں اُن کے نام کا پتا نہیں چلتا۔ راقم کو جس کا پتا چل سکا ہے حوالہ دے دیا ہے ورنہ مترجمین کے خانے میں عمّالِ حکومت کا اشارہ کر دیا ہے۔ اس عنوان کے تحت میں جتنے نمونے دکھائے گئے ہیں بہت کم ہیں۔ چوں کہ طوالت کا خیال ہر موقع پر رکھا گیا ہے، اس لیے صرف چند مثالیں لکھ دی گئیں۔ فی زمانا قانونی کتابیں ہر جگہ موجود ہیں اور اکثر پیشِ نظر رہتی ہیں، سب کا انتخاب ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس شعبے کے محاورات و اصطلاحات کی تشریح ایک جداگانہ مجموعہ چاہتی

ہے جن میں اکثر قارئین کے وقوف و علم سے باہر نہیں اس لیے یہاں چند متروک و مستعمل الفاظ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

شمار	الفاظ قدیم	مترادف
۱	ملمبر	نمبر
۲	ترجمہ کیا ہوا	مترجمہ
۳	ہدایت نامہ مالگزاری کا	ہدایت نامۂ مالگزاری
۴	پاوے	پائے
۵	تائید سے	بتائید
۶	آویں۔ آوے	آئیں۔ آئے
۷	نوشتخواند زبانوں کی	نوشتخوانِد زبان
۸	معاً بیان کیا	ساتھ ساتھ بیان کیا
۹	جاوے	جائے
۱۰	وے	وہ
۱۱	اوپر	پر
۱۲	ہرگاہ	جب کہ (چوں کہ)
۱۳	ازاں جا	چوں کہ (اس لیے)
۱۴	نہج	طرز۔ طریق

نمونہ نمبر (۵)

تقریظ و تنقید

۱۲۵۸ھ تا ۱۳۴۸ھ
۱۸۴۲ء تا ۱۹۳۰ء

پہلا دور

۱۲۵۸ھ تا ۱۳۰۰ھ
۱۸۴۲ء تا ۱۸۸۲ء

نمبر شمار	نام کتاب مع مطبع وغیرہ	نام مصنف مع تخلص وغیرہ	زمانۂ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	ترجمہ حدائق البلاغت	مولوی امام بخش صہبائی دہلوی	۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء	**دیباچہ** حمد کے مضمونوں کا فکر جب دل میں گزرتا ہے اور نعت کے معانی کا خیال جس وقت آتا ہے تو کوتاہی حوصلۂ کاغذ اور تنگیِ ظرفِ دوات بلکہ عقل کی نارسائی اور اندیشے کی ناتمامی اس امر سے مانع ہو کر چاہتی ہے

کہ اس عقدۂ مالاینحل سے ناخنِ فکر کو نارسائی کا متہم نہ کرکے دوستوں واثق الاخلاق کی خدمت میں دو کلمے ضروری الغرض کو عرض کرے کہ نسخہ حدائق البلاغت علم بیان اور بدیع اور عروض میں شمس الدین فقیر رحمۃ اللہ علیہ کے قلم بلاغت رقم کا ثمرہ ہے اور اس کتاب کا اس فن کے استیعاب میں شہرہ ہے۔ صاحب والامناقب بلند مراتب حاکم دادورِ داور دہش گستر بوترس صاحب بہادر دام اقبالہ نے کہ شہر سعادت بہر شاہجہاں آباد کے مدارس کے پرنسپل ہیں فقیر سراپا تقصیر خاک پائے علما گدائے سر کوچۂ فضلا سرگشتۂ وادیِ ناتوانائی امام بخش صہبائی کو کہ طلبۂ فارسی خواں کی تعلیم کے لیے مدرسی اول کے عہدے پر مشرف ہے ارشاد کیا کہ اگر یہ نسخہ فارسی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا جائے اور اس میں عربی اور فارسی مثالوں کی جگہ اشعار اردو زبانانِ ہند کے مندرج ہوں تو اُن لوگوں کے واسطے کہ اردو اشعار سے ذوق رکھتے ہیں اور اس قدر استعداد نہیں رکھتے کہ عربی اور فارسی کتابوں سے ان مطالبِ عالیہ کو سمجھ لیں بہت مفید ہوگا، اس واسطے اس خاکسار نے بموجب اس کے کہ المامور معذور باوجود کمی استعداد کے تقدیم امر میں سعی کرکے اس رسالے کو ۱۲۵۸ھ ہجری مطابق ۱۸۴۲ء عیسوی میں مرتب کیا۔

خاتمہ

شائقین پر بروقت مطالعہ کرنے کے یہ بات معلوم ہو جاوے گی کہ مترجم فقط کتاب کی اصل پر قانع نہیں ہوا بلکہ جس مقام میں سوا اس کے اور مطالب مناسب پائے ہیں اُس میں زیادہ کردیے ہیں اور چند جائے ایسا بھی ہوا ہے کہ جو ترتیب مصنف کی اپنی رائے ناقص میں پسند

نہیں آئی اُس کو تغیر دے کر اور ترتیب سے لکھا ہے، ازبسکہ انسان ضعیف البیان کی سرشت سراپا سہو اور خطا ہے اگر وہ مترجم کے زعم کے موافق نہو کیشِ مروت میں چشم پوشی کرنا بہتر اس سے ہے کہ کسی کے اظہارِ عیب میں سعی کریں۔

شمارہ	کتاب زیرِ تقریظ وغیرہ	نویسندۂ تقریظ وغیرہ	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	کتاب مؤلفۂ ابو ظفر حضرت سراج الدین بہادر پادشاہ دہلی	مرزا اسد اللہ خاں غالب	۱۲۷۱ھ ۱۸۵۴ء	اللہ اللہ، نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور سرمایہ دیا ہے کہ امورِ دینی میں سے کسی امر کا شہود، اور مصالحِ دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود، بلکہ اگر بہ مثل اسم اعظم فرض کیجیے تو اُس کی بھی نمود، جب تک اس لطیفۂ غیبی کا شمول نہ ہو عالم امکان میں ممکن نہیں۔ سخن را ازاں دوست دارم کہ دوست بہ تصدیق از ما طلبگار اوست مسائلِ حکیمانہ کی ہستی، تُرّہاتِ (فضول گوئی)

ندیمانہ کی ہستی، درد و درماں کے مدارج کا اظہار، افسانہ و افسوں کے مقاصد کا مدار، شکوہ و شکایت کا عنوان، نفرین و آفریں کا بیان، ردّ و قبول کی حکایت، فتح و شکست کی روایت، صرف و نحو کی راز دانی، لفظ و معنی کی گل فشانی، جو کچھ اگلوں نے کہا ہے، جو کچھ اب کوئی کہتا

ہے، جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رہیں گے، جو کچھ نیک و بد، نو و کہن سے ہے، سب وابستہ نطق و سخن سے ہے۔ اب سمجھیے کہ سخن از روئے مثال کیا ہے، چشمہ ہے، ندی ہے، سیل ہے، دریا ہے، کیسی روانی اور کس زور کا پانی، اس کا چڑھاؤ، اس کی رفتار، اس پر کس کا زور، اور کس کا اختیار، جدھر منھ کیا اُدھر نالا بہا دیا۔ دریا کی لہر کیا، گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہو، بارہا دیکھا ہے کہ آغازِ کلام جس کو ہندی (اردو) میں اُٹھان اور فارسی میں انگیزہ، اور عربی میں باعث کہیئے، کچھ اور ہی، پھر وسط میں صورت بدل کر وہ کچھ اور ہو گیا کہ انجام سے قطع نظر فی الحال نہیں سمجھا جاتا کہ یہ کیا طور ہے۔ یہ کتاب کہ مجموعۂ دانش و آگہی ہے، اگرچہ اس کو سفینہ کہہ سکتے ہیں لیکن از روے حقیقت ایک نہر ہے کہ بحرِ سخن سے اِدھر کو بھی ہے۔ جب اس نگارش نے انجام پایا تو مجھکو پیش گاہِ سلطنت ابد مدت سے حکم آیا کہ بندۂ درگاہ اسد اللہ اس کی تقریظ لکھنے میں اظہارِ حسنِ اطاعت کرے، اور سخن طرازی میں آرائشِ زبانِ اردو پر قناعت کرے۔ جیسا کہ حکم بجالانا ضروری ویسا ہی یہ بھی کہہ جانا ضرور کہ منشا اس رسالے کی نگارش کا کیا ہے۔ ان اوراق کے ناظرین پر مخفی و مستور نہ رہے کہ سنہ ۱ جلوس میمنت مانوس میں نہ شہر سے بلکہ خارج سے یہ آوازہ بلند ہوا کہ حضرت قدر قدرت فلک رفعت ثریّا بارگاہ انجم سپاہ بادشاہ ابنِ بادشاہ خلیفۂ روئے زمین ابوظفر سراج الدّین بہادر شاہ بادشاہِ غازی نے ترکِ مذہب آبائے نامدار کیا۔ اور تشیّع کو تسنّن پر اختیار کیا، باریافتگانِ بزمِ قرب و رازدانانِ خلوتِ اُنس حیران، اور حیرت اُن کی بجا، اگر بادشاہ نے کبھی کہی ہوتی تو پہلے اُن کو آگہی ہوتی، اسرارِ سلطنت کی خبر اور پھر

اُس میں عام کو تقدم خاص پر پوچھنے کا یارا، نہ چُپ رہنا گوارا، علمائے نامدار و مشائخ کبار و فقہائے دربار نے جرأت کر کے عرض داشت لکھی مضمون یہ کہ ایسا سنا جاتا ہے اور باور نہیں آتا ہے، امید وار ہیں کہ خداوندِ تاج و سریر کے مافی الضمیر پر آگہی پاویں۔ حضور نے تحاشی (پناہ مانگنا) کی، اور فرمایا کہ کبھی ایسا داعیہ ہمارے ضمیر میں اور کبھی ایسا کلمہ ہماری زبان پر نہیں گزرا۔ بعد چند روز کے ایک دن حسب الحکم قضا توام ؎

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ کعبۂ امن و اماں کا در کھلا

شہنشاہِ گیتی پناہ مسند جم نشین، اہل دل ہمنشیں، امرا، دستہ دست بستہ، صفحہ نگار بھی مانندِ خارِ سرِ دیوارِ باغ، و پروانہ ہائے چراغ، اُس انجمن میں نشاط اندوز، اور اُس انجمن میں ادب آموز، زبانِ مبارک گہر افشاں ہوئی، حقیقتِ مذہب اہلِ سنّت و جماعت بیاں ہوئی سوءِ ظنِ علما اُس مجمع عظیم میں بہ پیرایۂ حسن جلوہ گر ہوا، خاص و عام کو اعلیٰ حضرت کا ثباتِ قدم مسلکِ تسنّن پر باور ہوا۔ مضامین ارشاد کیے ہوئے اعلیٰ حضرت کے، بموجب ارشاد قالب نظم میں ڈھلے۔ ناگاہ جانبِ اجانب سے اُس نظم کے جواب میں کچھ وار چلے، یہ گنہگار بے گناہ بھی بہ ذم ممدوح ہوا، اور خنجر زبان کے زخم سے مجروح ہوا، الغرض جب وہ تحریر بیان دیکھی دکھائی گئی تو اُس میں خُلفا کی توہین پائی گئی، ناچار یہ رسالہ جیسا کہ حضرتِ مؤلف نے دیباچے میں لکھا ہے، لکھا گیا۔ اور مجکو تقریظ نگاری کے واسطے جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے، کہا گیا۔ میں اگر اس گزارش میں یہ سب نہ کہہ جاتا تو البتہ وضعِ تحریر کا موضوع لہٗ (منشا و غرض) مجہول رہ جاتا۔ بحث و نزاع کا رسم و آئین اور ہے۔ شیوۂ سخن دانانِ معنی آفرین اور

ہے، نہ سفیہ ہوں کہ ہجو میں سخن سرائی کروں، نہ فقیہ ہوں کہ بحث میں زور آزمائی کروں، غریب الوطن سپاہی زادہ ہوں۔ فلک زدۂ خانماں بباد دادہ ہوں، تابِ آفتابِ حوادث سے ظلّ اللہ کے سایۂ دیوار کی پناہ میں بیٹھا ہوں گویا ایک تھکا ہوا مسافر ہوں کہ آرام کی جگہ دیکھکر دم لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں، احسان ہے مجھپر خدا کا کہ میں سوائے اپنے خدا کے کہ وہ غیب دان اور اپنے بندوں پر مہربان ہے، یہ نہیں کہ اور کسی کا گنہگار ہوں، جو مجکو اپنا ہم کیش سمجھیں اُن سے دعائے مغفرت کا متوقّع، اور جو مجکو اپنا مخالفِ مذہب گمان کریں اُن سے دعائے تخفیفِ عذاب کا اُمیدوار ہوں۔

(۳) ولہ تقریظ دیوان منشی حبیب اللہ ذکا

یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں، کسی امیر کا نہیں، کسی شیخِ شیّاد (مکّار) کا نہیں۔ یہ کلام میرے ایک دوست روحانی کا ہے، اور فقیر اپنے دوستوں کے کلام کو معرضِ اصلاح میں بنظرِ دشمن دیکھتا ہے، پس جب تملّق نہیں، مدارا نہیں تو جو مجکو نظر آیا ہے بے حیف و میل (بے لاگ) کہوں گا۔ نثر میں نعمت خانِ عالی کی طرز کا اچھا کیا ہے، مگر پیرایہ کچھ اُس سے بہتر دیا ہے۔ قصائد میں انوری کا چربا اُٹھایا ہے مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔ غزل میں متاخرین کا انداز، عاشقانہ سوز و گداز، منشی حبیب اللہ ذکا۔ سخن ور ہمہ داں یکتا۔ نغز طراز معنی آفریں، آفریں صد آفریں صد ہزار آفریں فقط۔

(۴) ولہ سارٹی فکٹ دیوان سید محمد زکریا خاں زکی دہلوی

سبحان اللہ سارٹی فکٹ کے لکھنے کا کس وقت میں اتفاق ہوا ہے، کہ میں نیم جان چند روزہ کا مہمان ہوں، مہینا بھر سے غذا بالکل مفقود، صرف گوشت کے پانی پر مدار ہے۔ اگر اٹھوں تو دورانِ سر سے گر پڑوں، سید محمد زکریا خاں نسب میں سید، امیرزادہ، عالی دودماں، ان کے بزرگ وزارت کا منصب پا چکے ہیں، جاگیر اب تک تھی، پھر بعوض جاگیر پنشن مقرر ہوا، معہذا یہ شخص بذاتِ خود نیک اور صاحب علم اور متواضع اور دانش مند اور نیک طینت اور رنگیں طبع، معنی سے طبیعت کو علاقہ اچھا ہے، شعر کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں، اس فن میں میرے شاگرد رشید ہیں۔ اسد اللہ خاں غالب

نمبر شمار	نام صاحبِ تقریظ وغیرہ	نام مصنف یا مؤلف وغیرہ	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	غالب دہلوی	مرزا قربان علی سالک دہلوی	۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء	اللہ اللہ پایۂ سخن کو کس قدر برتری حاصل ہے کہ جس کے ساتھ دعویِ رفعت آسمانِ کہن کا باطل ہے۔ سبحانِ ملاءِ اعلیٰ جب کاخ والائے سخن کا تماشا کرتے ہیں سر قفائے سر سے لگ جاتا ہے اور ہاتھ ٹوپی پر دھرتے ہیں۔ طوبیٰ اس کے اشجار کے سائے

کا اُکھڑا ہوا ایک پودا ہے۔ سدرہ اُس کے پائیں باغ میں ایک درخت ہے لیکن ادنا ہی۔ بہشت جس کو کہتے ہیں اُس کی ایک کیاری ہے، سلسبیل جس کا نام رکھا ہے اُس میں اس کی ایک سُوت جاری ہے طائرِ وہم و خیال کا اُڑنا کنگرۂ ایوانِ سخن تک فقط خیال ہے اور وہاں تک وہم کا پہنچنا دشوار ہے خیال کی رسائی محال ہے۔ صیادانِ سخن جو دعویِ کمند اندازی رکھتے ہیں بکار رکھتے ہیں، عنقا کو شکار کرتے ہیں، ہما کو رشتہ بپا رکھتے ہیں، آسمانِ سخن کے ایک ایک ذرّے کو آفتاب کی درخشانی اور جہانِ سخن کی ایک ایک مورِ ضعیف کو منصبِ سلیمانی حاصل ہے۔ سخن سے دین کامل ہوتا ہے۔ سخن سے ایمان حاصل ہوتا ہے کہ اگر سخن نہ ہوتا تو انسان کیوں کر حمدِ باری میں زبان کھولتا اگر سخن نہ ہوتا تو کیوں کر نعتِ نبوی اور مناقبِ مرتضوی اور فضائلِ صحابۂ کرام اور صفاتِ آئمۂ مطہّرین میں کچھ بولتا

تبصرہ و کیفیت

تقریظ و تنقید کے دورِ اوّل میں عموماً یہی اندازِ تحریر پایا جاتا ہے۔ موجودہ روش کی ابتدا دوسرے دور یعنی ۱۳۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئی ہے۔ اگرچہ دورِ ثانی کے وہ اہلِ قلم جن کی نشو و نما تیرھویں صدی ہجری میں ہوئی ہے وہ بھی دورِ اوّل کی روش سے جدا نہیں چلتے پھر بھی رفتارِ زمانہ کے اثرات اکثروں کو پرانی لکیر کے فقیر بننے سے روکتے ہیں۔ جیسا کہ آیندہ صفحات سے معلوم ہوگا۔

دوسرا دور

سنہ ۱۳۰۱ھ تا سنہ ۱۳۴۸ھ
۱۸۸۳ء   ۱۹۳۰ء

نمبر	کتاب کا نام مع مختصر کیفیت	مصنف کا نام مع مختصر کیفیت	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱	نیرنگِ خیال	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد	۱۳۰۱ھ ۱۸۸۳ء	**دیباچہ** تماشاگاہِ عالم میں جو اہلِ نظر ایک نگاہ سے میدانِ ماضی اور ایک سے حال و استقبال کی سیر دیکھ رہے ہیں انھیں صاف نظر آتا ہے کہ ہمارا ملک عنقریب ایک آفرینشِ جدید کے وجود میں قالب تبدیل کیا چاہتا ہے۔ نئے نئے علوم ہیں۔ نئے نئے فنون ہیں

سب کے حال نئے ہیں، دل دل کے خیال نئے ہیں، عمارتیں نئے نئے نقشے کھینچ رہی ہیں، رستے نئے نئے خاکے ڈال رہے ہیں اس طلسمات کو دیکھ کر عقلِ رسا حیران ہے مگر اسی عالمِ حیرت میں ایک شاہ راہ پر نظر جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سولزیشن (تہذیب) کی سواری شاہانہ چلی آتی ہے ہر شخص اپنے اپنے ویرانے کو جھاڑ بہار رہا ہے اور جس حال میں ہو اُس کی پیشوائی کو دوڑا جاتا ہے۔ جو نقشے کھچ رہے ہیں اور جو بنیادیں پڑ رہی ہیں اگرچہ ابھی تک

کچھ اصل نہیں رکھتے لیکن جو نظر باز تجربے کی عینک سے دیکھ رہی ہیں وہ سمجھ رہی ہیں کہ وہ وقت آن پہنچا ہے کہ یہ بنیادیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں گی، اور آبادیاں روئے زمین پر چھا جائیں گی وہ بنیادیں کیا ہیں؟ اور نقشوں سے کیا مراد ہے؟ - ہاں۔ نقشے کتب علوم و فنون ہیں، اور بنیادیں تصانیف بوقلموں کہ جو کچھ سود و بہبود ہماری قسمت میں ہے انھیں پیمانوں اور اندازوں پر ہمیں ملے گا۔ الخ

نمونۂ عبارت	زمانۂ تحریر	مصنف تقریظ بلحاظ تقدم	مصنف کتاب بلحاظ تقدم	نمبر
الحمد للہ والمنۃ، وہ شاہد رعنا جس کے انتظار میں آنکھیں مشتاقوں کی رو براہ تھیں اور وہ محبوب خوش لقا جس کے شوق دیدار میں دل بے قرار تھے، جس حسین کی آمد آمد کا مدت سے شور تھا، جس مہ جبیں کی جلوہ افروزی کی تمام آفاق میں دھوم تھی جس معشوقۂ طناز کی بصد عشوہ و ناز بزم جہاں	۱۵ ۱۳۱۶ھ	سید [illegible] حسین یاس لکھنوی	سلطان [illegible] نواب مرزا [illegible] جلال لکھنوی	نمبر ۲

میں رونق افروز ہونے کی طیاری تھی، جس سراپا ادا کے نادیدہ حسن کی گرم بازاری تھی، جس مہروش کے پرتو رخسار سے بلاد و امصار روشن ہونے والے تھے، جس گلرو کے حسن دلجا کی بہار سے کوچہ و برزن رشک گلشن ہونے والے تھے، جو غنچۂ سربستہ کھل کر دلوں کو شگفتہ کرنے والا

تھا، جو گلِ سرسبد ہو کر دماغِ جاں مہکانے کو تھا، جو اسکندرِ دوراں جملہ عالم کو مسخر کیا چاہتا تھا، جس صاحب قرانِ زماں کا سکۂ اولوالعزمی کشورِ ہند میں رائج ہونے کو تھا، جس محقق کی تحقیق اور ہمہ داں کی ہمہ دانی زباں زد تھی جس صاحبِ زباں کی شیوا زبانی مشتہرِ چار حد تھی، اُس نے اس عہدِ ہمایوں اور دورِ فرخ میں بساکرّ و فر اور بڑے جھگڑے سے بزمِ سخن ورانِ جہاں میں منصۂ شہود پر جلوہ فرمایا، یعنی ایک لغتِ مبسوط جامع مفردات و مرکبات اعنی بیشتر لغات و جملہ محاورات و کنایات و مصطلحاتِ اردو زبان و اکثر امثال مع حلِّ معانی و بیان محلِ استعمال و درجِ فوائدِ جدیدہ و تنبیہاتِ عدیدہ موسوم بہ سرمایۂ زبانِ اُردو و تحفۂ سخن وراں، تالیفات سے ناظمِ ملکِ فصاحت و شیوا زبانی منتظمِ کشورِ بلاغت و زبان دانی شمعِ شبستانِ سخن وری، چراغِ دودمانِ معنی پروری۔ بریں پایہ گزیں مایہ، یگانۂ روزگار، یکتا آموزگار، علّامۂ زماں، فہّامۂ دوراں، شاعرِ نازک خیال سخن ورِ عدیم المثال کالشمس فی النجوم درا قران و امثال، فخرِ محققینِ ماضی و حال، استاذی المعظم، ملاذی المکرم سر آمدِ اہلِ کمال حضرت حکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی مدظلہ العالی تا دامت الایام واللیالی، ارشدِ تلامذۂ جناب میر علی اوسط رشک مرحوم و جناب فتح الدولہ بہادر میرزا محمد رضا برق مغفور، شاگرد رشید جناب شیخ امام بخش ناسخ مبرور کے معرضِ طبع میں آیا، حقا کہ ایسا لغت زبانِ اُردو کا اُردو زبان میں آج تک کسی نے محققینِ زبانِ اردو میں سے اس جدّ و جہد سے نہیں تالیف کیا، کہ ایک ادنی امر یہ ہے کہ لغات و محاورات و مصطلحات و کنایات وغیرہ کے اسناد میں ہزارہا شعر ثقاتِ شعرائے لکھنو و دہلی کے اُن کے کلام سے اخذ کر کے لکھ دیئے ہیں

گئے پس اگر غور کیا جائے تو یہی کتنی بڑی محنت و مشقت اور کیسی کوشش و جاں کاہی ہے۔ واقعی یہ لغت اسم با مسمّٰی سرمایہ اردو زبان کا ہی جس کو فصحائے ہند کیا علمائے فرنگ تک نے پسند کیا۔

نمبر	نام کتاب مع تخلص مصنف	نام مصنف	سنہ تصنیف	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۰	امیر اللغات	شمس العلماء مولوی عبد الرحمٰن مصطفیٰ آبادی	۱۳۰۹ھ ۱۸۹۲ء	ہر زبان جو مافی الضمیر کی ترجمان ہے اپنے خصوصیات میں ضرور امتیاز رکھتی ہے، اگرچہ وہی مفردات، وہی مرکبات، وہی کنائے، وہی تمثیلیں، وہی مقام استعمال وہی مثلیں، وہی مقولے ہیں، جو لغات میں مستعمل ہیں، لیکن خصوصیات لسانی کا بتانا نہایت مشکل اور نکتۂ لاینحل ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ لغت کا موضوع لفظ مفرد ہے، مفردات کے اصلی مادّے کی جستجو، اشتراکِ لفظی

یا معنوی حقیقت یا مجاز کا بتانا اس کے عوارضِ ذاتی اور محلِّ بحث ہیں، لیکن اس کے موضوع کو (جو مختلف لفظوں سے مخلوط ہو کر ہر خاص و عام کی زبان پر آتا ہے) اس طور پر ملحوظ رکھنا کہ خاص زبان اور اس کے الفاظ اور مستعملات اخالیطِ ناگہانی سے الگ ہو کر ممتاز رہیں یا بحث کے مقامات اُن عوارض سے الگ ہوں جو عوارضِ ذاتی یا نوعِ عوارضِ ذاتی سے

جدا اور اعراضِ غریبہ میں داخل یا اُس کے عین ہیں کوئی آسان امر نہیں۔ کبھی کبھی اس عموم موضوعیت کے علاوہ خاص خاص وہ پہلو بھی مبحوث عنہ ہو جاتے ہیں جو خاص ایک زبان سے متعلق اور دوسری زبان کے موضوع یا عنوانِ موضوع کے خلاف ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض جملے جو ہئیتِ ترکیبی کی وجہ سے مفردات کے کُل ہیں اور مفردات اُس کے جزو ہیں بظاہر موضوع کی نوعیت اور شخصیت سے الگ اور جدا ہوتے ہیں جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیوں یہ محلِ بحث اور موضوعیت میں داخل ہیں لیکن اس مقام پر یہ سمجھنا ضرور ہے کہ مفردات جن کو عام طور پر لوگ مفردات جانتے ہیں اُن سے یہ مفردات عام ہیں مثلاً زید مفرد ہے اور زید آیا مفرد نہیں۔ لیکن اُن مفردات پر غور کرنے والوں یا موضوعیت کی نگاہ رکھنے والوں کو اس زید آیا کو اُس وقت میں ضرور مباحثِ مفردات میں داخل کرنا ہوگا جس وقت بصورتِ مقولہ یا مثل ظاہر ہو جس کا خاص منشا یہ ہو کہ مقولے اور امثال بھی اپنے خاص معنی کے لحاظ سے مثل مفردات کے ہیں۔ اسی لیے مطلق زبان کی خصوصیت جو اس کے اجزائے مادّی یا ترکیبی سے پیدا ہو ملحوظ رکھنا لغت کا مقصدِ اعلیٰ اور غایتِ قصویٰ ہے۔ راقم کو اس وقت لُغت کے پورے مقاصد کا بتانا اُس کے موضوع یا تعریفات سے بحث کرنا منظور نہیں ہے بلکہ اس وقت صرف یہ بتانا اور ظاہر کر دینا ہے کہ امیر اللغات نے کہاں تک اپنے مقاصد اور اغراض کے پورے کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور اس کے مصنّف نے کہاں تک اس تالیف میں اصلی غرض کا خیال رکھا ہے۔ امیر اللغات کا اگرچہ ابھی ایک ہی حصّہ نکلا جس میں الفِ ممدودہ ہے لیکن اُن اغراض پر نظر کرنے کے بعد جو لغت کے اہم مسائل ہیں اور امیر اللغات

میں تحقیق کے ساتھ لکھے گئے ہیں یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ لغت اپنی جامعیت کے لحاظ سے ایک نمونہ ہے جس نے مصنّف کی تدقیقِ نظر اور کتاب کی جامعیتِ مسائل کو اس طور پر ظاہر کر دیا ہے جس کو ملک اور قوم فخر اور مباہات کی نظر سے اگر دیکھے تو زیبا ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ملک نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اردو لغات کے اشتراک اور منقولات جو اعلیٰ سے اعلیٰ لغت نویس کی نگاہ سے کوسوں دور اور خفی رہ سکتے تھے ایک لغت کے معنوں کا انتہا سے انتہا باریک فرق حدّ تعمّقِ نظر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا تھا مفردات کی تحقیق اور مرکّبات کی تدقیق (جو خصوصیات کے لحاظ سے مفردات میں داخل ہیں) کس شان سے بیان کی گئی ہے کہ اُردو زبان بھی اس تصنیف کو دیکھتے ایک علمی زبان معلوم ہوتی ہے۔ اس کتاب کی عظمت اُس شخص پر خوب ظاہر ہو سکتی ہے جس نے کبھی اس قسم کی دماغ سوزی کی ہو۔ ہر چند امیر اللغات کے مصنّف کی استادی فنِ شاعری اور قابلیت علمی مسلّم الثبوت ہے، لیکن یہ کتاب میری رائے میں اُس عام اور خیالی تسلیم کے لیے برہانِ قوی ہے اور ہندوستان کو ضرور سرمایۂ فخر ہے۔ دعا کرنا چاہیے کہ اہلِ کمال اس کتاب کی پوری قدر کریں اور مصنّف اس کو جیسا کہ چاہیے اور جیسا پہلا حصّہ ہے اس سے بھی عمدہ حالت پر پورا کر سکے کہ اُردو زبان سے محتاجی اور عدمِ استقلال کا الزام رفع ہو اور یہ عمدہ یادگار زمانے میں رہجائے۔

محمد عبد الحق۔ العمری الخیر آبادی عاملہ اللہ بلطفہ الهادی فی العواقب والمبادی المخاطب بہ شمس العلماء۔

نمبر شمار	نام کتاب مع مصنف	پبلشر	تاریخ وصول	نمونہ عبارت
نمبر ۹	آئینۂ عبرت مصنفہ مسز سہروردیہ بیگم صاحبہ اہلیہ مولوی زاہد سہروردی بیرسٹر کلکتہ	سید اکبر حسن نیشن پریس آرآبادی	۲۴ ؍ ۱۲ ؍ ۱۱ ۱۹۱۹ء	جناب سہروردیہ بیگم صاحبہ اس وقت خواتینِ ہند میں بہ سبب اپنے علم ولیاقت اور روشن ضمیری کے ایسی تاباں ودرخشاں ہیں جس طرح ستاروں میں چودھویں کا چاند۔ میں نے آئینۂ عبرت کو جس کو جناب ممدوحہ نے حال میں ایک انگریزی تصنیف سے اقتباس کیا ہے پڑھا، اور متعجب ہوا کہ ایسی پاکیزہ اور با محاورہ اور معنی خیز اردو حضرت ممدوحہ نے شرقی بنگال میں کس طرح سیکھی۔ یہ کتاب قطع نظر حُسنِ صوری یعنی جلد کی خوب صورتی، کاغذ کی عمدگی اور چھاپے کی صفائی کے، حُسنِ معنی میں بھی لاجواب ہے۔ انسان

پر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے۔ بالخصوص بیوہ عورتوں پر، جب بچوں کا ساتھ ہو، اور افلاس دامنگیر ہو۔ یہ کتاب ایسی حالت میں نہایت مُسکِّن اور معلم ہے۔ آئینۂ عبرت میں ایک مغربی لیڈی کا حال ہے کہ کیا کیا مصائب اُس پر گزرے اور کیسے صبر اور کیسی دانش مندی اور خوش خرچی

اور استقلال سے اُس نے اُن کو جھیلا اور اپنے بچوں کی کیسی عمدہ تعلیم و تربیت کی، بالآخر خدا نے اُس کے دن پھیرے اور اُس کا گھر عشرت اور آرام کا گھر ہو گیا، اس وقت اس نیک اور عاقل لیڈی نے اُن لوگوں کے ساتھ جنھوں نے اس کے زمانہ مصیبت میں اُس کے ساتھ بدسلوکی کی تھی، احسانات کیے اور اُن کے سابق کے بُرے برتاؤ سے چشم پوشی کی، سوشل اور ریجس ہر پہلو سے یہ کتاب بہت مفید اور ضروری ہے۔ طالب علموں کے لیے چراغِ ہدایت ہی اُن پر اس بات کو روشن کرتی ہے کہ مفلسی طلبِ علم و ہنر سے نہیں روک سکتی۔ اگر توفیقِ رفیق اور شوقِ کامل ہو۔ مصیبت افلاس اور بچوں کی تعلیم کی فکر میں مبتلا بیبیوں کے لیے یہ کتاب نہایت کارآمد ہے۔ اس کتاب کو اراکین سنڈیکیٹ یونیورسٹی کلکتہ نے نصاب امتحان میٹریکولیشن کے لیے منظور کر لیا ہی۔　　(سید اکبر حسین پنشنر جج الہ آباد)

شمار	کتاب زیر تنقید	نویسندہ	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	اخبار ہمدرد وغیرہ	ایم مہدی حسن گورکھپوری (از تنقیدات عالیہ)	۱۳۳۳ھ ۱۹۱۴ء	آج کل معیارِ فوقیت اس قدر بڑھ رہا ہی کہ جب تک کوئی کام اوّل درجے کے پیمانے پر جاری نہ کیا جائے چل نہیں سکتا، محمد علی آکسن نے جس قابلیت اور خوش سلیقگی سے کامریڈ نکالا میرے دعوے کے ثبوت میں ہی، قوم کے ہاتھ میں انگریزی اخبار ہی کتنے ہیں لیکن جتنے ہیں ایک بھی نہیں جو کامریڈ

کی گرد کو پہنچ سکے، ایڈیٹر کی زبردست شخصیت نے پرچے کو ادبیات اور سیاسیات کا مخزن بنا رکھا ہے۔ زبان تو محمد علی کی گویا مغربی کنیز ہے جسے وہ ولایت سے ساتھ لگا لائے، لیکن مسائل عصریہ پر جس نفاست اور آزادی سے یہ لکھتے رہتے ہیں ان کا حصہ ہے۔ موجودہ دورِ حریت میں جہاں تک جائز مطالبات کا تعلق ہے، رُک رُک کر قدم اُٹھانا جس طرح ایک اخلاقی کمزوری ہے، اسی طرح یہ بھی ٹھیک نہیں کہ بات بات پر جامے سے باہر ہو رہتے ہیں اور جب دیکھیے آواز کی جگہ منہ سے کف نکل رہا ہے۔ کامریڈ نے دو طرفہ کشمکش سے علاحدہ ہو کر جو مستقل روش اختیار کی ہے وہ دراصل اُس کے اوّلیات میں داخل ہونے کے لایق ہے۔ اس کی تنقیدات خاص کر طنزیات، لٹریچر کی جان ہوتی ہیں، یہ تو معلوم ہے کہ ایڈیٹر انگریز نہیں ہے، لیکن سمجھ میں نہیں آتا عربوں کی اصطلاح میں ایک "عجمی" زبانِ غیر پر کیوں کر ایک حد تک قادر ہو سکا؟ میں کامریڈ کے اُن معرکۃ الآرا کارناموں کو سردست گنانا نہیں چاہتا جن کے مخلصانہ اعتراف کے لیے ہم کو ملک سے باہر کالے کوسوں جانا پڑے گا اور جو غایتِ شہرت سے محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ یہاں "محمد علی" کی "مغربیت" کے ایشیائی ثمرے یعنی "ہمدرد" پر نظر ڈالنا چاہتا ہوں، جس نے حال ہی میں دنیا میں قدم رکھا ہے۔ میں کہہ چکا ہوں صرف اوّل درجے کی حرکت آج کل کامیاب ہو سکتی ہے، محمد علی نے اخباری دنیا کی عام رفتار سے الگ تھلگ "بیروت" کے ٹائپ میں "ہمدرد" کو چھاپ کر چھوڑا، اس کے لیے اُن کو جس قدر مشکلات پیش آئی ہوں گی اُن کا دل ہی جانتا ہو گا۔ یہ ٹائپ نہایت خوش سواد اور کثیر الزوایا ہے اور مروّجہ معمولی ٹائپ کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے، اس

کے پڑھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی۔ اگر ہو سکتی ہے تو صرف اُن لوگوں کو جن کی نگاہیں سرے سے ٹائپ سے مانوس نہیں ہیں۔ میں ہمدرد کو اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اپنی سج دھج اور خوش وضعی کے ساتھ ٹِک ٹُک میں بھی اوروں سے مختلف ہے، یہی امتیاز اس کی روح درواں ہے، جس سے وہ کسی طرح مدِ معمولی میں نہیں آتا۔ ہم کو پنجاب کے قابلِ نفرت تاجرانہ لٹریچر کی بھرمار سے ایک طرح کا "امتلائے ادبی" پیدا ہو چلا تھا، لیکن ہمدرد کا جلوہ کافوری طبیعت کے ٹھہرنے کا سبب ہو گیا، اردو اخبار اتنا تو ہو کہ میز پر رکھتے ہوئے اُسے شرم نہ آئے، ردّیات میں ڈالنے کے لائق جو پیکنگ کے کام بھی نہیں آسکتے یوں تو بہتیرے ہیں۔ یہ تو ہمدرد کی مادیت ہوئی، جس میں "الہلال" کے سوا وہ کسی سے دوم درجے پر نہیں ہے۔ غیر مادّی یعنی ادبی حیثیت سے وہ اچھے اچھے پرچوں سے آگے نکلتا معلوم ہوتا ہی سیاسی لٹریچر کے انتقاداتِ عالیہ میں داخل ہونے کے لائق ہے، اُس کا ایک عنوان یعنی "برقیات" اس کی کافی ضمانت ہے کہ وہ اپنے مذاقِ تحریر میں مصر کے اعلیٰ درجے کے اخباروں کے سوا کسی کو لائقِ تتبع نہیں سمجھتا۔ بہرحال ہم کو ہمدرد سے بہت کچھ توقعات ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی امتیازی خصوصیت یہ رکھے گا کہ "الہلال" کی طرح ادبی حیثیت سے وہ ایک مصری پرچہ معلوم ہو۔ یہاں تک تو صرف شناسانہ اعتراف تھا، اب کچھ شکایتیں بھی سُن لیجیے:۔

دو صفحے کسی طرح کافی نہیں، مقررہ قالب اسے جلد اختیار کرنا چاہیے۔ کاغذ بالکل گھاس کا معلوم ہوتا ہے جہاں سے موڑیے نکل جائے گا۔ یائے معروف و مجہول میں لازماً

فرق ہونا چاہیئے، ٹائپ میں یہ خلطِ مبحث گراں گزرتا ہے۔ "بے ذریعے کی تار برقی خبریں" یہ ترکیب کچھ پسند نہ آئی۔ مصروالے "لاسلکی" لکھتے ہیں آپ اسے غیر مانوس سمجھتے ہیں تو "بے تار کی برقی خبریں" لکھیئے۔ "میں گورہ اردو" سے گھبراتا ہوں، ایڈیٹر کو بھی اس کا خیال ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوصف اس کے کہ میں نے ہمدرد کے شائع شدہ مختصر اجزا نہایت غور سے دیکھے تاہم اس سرسری گرفت کے سوا جس کی تصریح کردی گئی کوئی اہم بات نہ ملی جس کی طرف لائق اڈیٹر کی توجہ مائل کی جاتی۔ آج کل انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کا استعمال سنجیدہ لٹریچر کے لیے ساقط المعیار ہو رہا ہے، ہم کو مصر سے ذخیرۂ الفاظ مل جائے گا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر کوئی دقیق اور اجنبی اصطلاح ہاتھ آئے تو انگریزی مفہوم قوس میں ضمناً جگہ پا سکتا ہے، اور یہی ایک امر ہمدرد کی امتیازی روایات کے قائم رکھنے کے لیے کافی ہوگا

شمار	کتاب زیر تنقید	نویسندہ	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۶	مقدمۂ دیوان نظیر اکبرآبادی	مولوی عبدالغفور شہباز عظیم آبادی	۱۳۱۹ھ ۱۹۰۰ء	دیوان کو چاہئیں بہت ساری غزلیں اور نظیر کی غزلیں ہیں کم یاب پھر دیوان مرتب ہو تو کیوں کر، یہ نہیں کہ اس کا دیوان نہ ہو، ہے۔ اور ایک چھوڑ دو دو، فارسی کا الگ اور اردو کا الگ، مگر کس کام کا جب آنکھوں سے نہاں ہے۔ ورثا کی خدمت میں تحریک کی گئی مگر اُن کیمیاگروں کو اس نسخۂ اکسیر

کی اشاعت منظور نہیں۔ تذکروں، بیاضوں اور رائج کلیات کے جنگل سے کچھ جڑی بوٹی جمع کر کے میں نے ایک نسخہ طیار کیا ہے۔ یہ کیوں کر کہوں کہ اس میں وہ مشہور ایک آنچ کی کسر نہیں، ہے اور ضرور ہے، کیوں کہ اول تو ہر ردیف کی غزلیں نہیں اور جن ردیفوں کی ہیں بھی وہ اکثر ناتمام اصل یہ ہے کہ ٹوٹی پھوٹی جیسی غزلیں جہاں مل گئی ہیں میں نے اس مجموعے میں ترتیب وار جمع کر دی ہیں، یہاں تک کہ کسی غزل کا ایک شعر بھی ملا ہے تو نہیں چھوڑا۔ اس ترکیب سے اکثر ردیفوں میں کچھ نہ کچھ اشعار بہم پہنچ گئے ہیں۔ نہیں ہیں تو اُن ردیفوں میں جن میں سے اکثر میں شعر کہے بھی نہیں جاتے اور جو کہے جاتے ہیں تو صرف برائے ردیف۔ قصیدے اس مجموعے میں ۳ ہیں۔ مثنویاں ۲۵۔ رباعیاں ۲۶۔ بحر طویل میں تین شعر۔ باقی غزلیں اور متفرق اشعار۔ دیباچہ طراز محمد عبدالغفور شہباز۔

نمونۂ کتاب	تعداد صفحات	مطبع و سنہ	نام کتاب مع مصنف	نمبر شمار
اس سبق آموز اور عبرت انگیز ناول کے مصنف مسٹر شمس الدین حسن ایڈیٹر ریلوے یونین نیوز ہیں، یہ جس قدر دلچسپ ہے اسی قدر تعجب انگیز بھی ہے دلچسپی واقعات پر منحصر ہے، لیکن تعجب انگیزی مصنف کی جسارت پر، مزدور کی بیٹی، دراصل	۱۴۴ ص ۲۲ جون ۱۹۲۴ء	عظیمی پریس ۰ پولیس رسالہ نارتھ ویسٹرن لاہور	مزدور کی بیٹی	نمبر ۱

"روزا لیمبرٹ" کی ہو بہو نقل ہے۔ "روزا لیمبرٹ" رینالڈ کا ناول ہے، اس کے مترجم جناب اثر لکھنوی ہیں، مسٹر شمس الدین صاحب نے ستم یہ کیا ہے کہ اصل قصے کے علاوہ قریب قریب عبارت بھی وہی اثر لکھنوی کی نقل کردی ہے۔ نام البتہ بدل دیئے ہیں، کیا ادبی دنیا میں ایسی جرأت قابلِ ستائش قرار دی جاسکتی ہے۔ ہم ذیل میں دونوں کتابوں سے چند سطریں نقل کرتے ہیں، تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ روزا لیمبرٹ اور مزدور کی بیٹی دونوں ایک ہیں۔ صرف نام کا فرق ہے۔ روزا لیمبرٹ میں ایک پادری کی لڑکی کا قصہ لکھا ہے، ایک موقع پر اُس سے ایک دولت مند آوارہ مزاج نوجوان اظہارِ عشق کر رہا ہے، اُس واقعے کے متعلق وہ خود یہ کہتی ہے:۔

"یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے مجھ سے عشق آمیز گفتگو کی، میرے خیالات نے کبھی تو وہ سبز باغ دکھایا کہ جس کی انتہا نہیں، میں سوچنے لگی، اگر میں نے ایک ایسے دولت مند رئیس سے عقد کیا تو اپنے باپ کو اس تہلکۂ افلاس سے نجات دلانے کے علاوہ سرل کو بھی اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ عہدہ دلا سکوں گی"۔

"مزدور کی بیٹی" میں بھی ہیروئن کو یہی موقع پیش آیا ہے اور وہ کہتی ہے:۔

"میری تمام زندگی میں یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ میں نے اس قسم کی بیہودہ گفتگو کسی نامحرم سے کی ہو، اس گفتگو نے مجھے سُن کر دیا۔ میرے خیالات نے وہ سبز باغ تیار کیے کہ جس کی انتہا نہیں ہو سکتی، میں نے خیال کیا کہ اگر میں ایسے امیر زادے سے فی الواقع شادی کر لوں تو میں اپنے باپ کو مفلسی سے نجات دلا سکتی ہوں اور اپنے بھائی

کو اعلیٰ درجے کی تعلیم دلا سکتی ہوں"۔

ایک ایڈیٹر کے لیے یہ جرم ناقابلِ عفو ہے۔

نمبر شمار	نام تصنیف مع نام مصنف	نام مطبع	تاریخ طباعت	نمونۂ عبارت
نمبر ۵	نگارستان مؤلفہ جناب نیاز فتح پوری	مطبع الناظر پریس لکھنؤ	مئی ۱۹۲۴ء ۱۳۴۲ھ	جناب نیاز فتح پوری کے مخصوص ادبی رنگ کے مضامین کا مجموعہ ۲۱ مضامین پر مشتمل ہے۔ جو مختلف اوقات میں نقاد، کہکشاں، و نگار میں شائع ہو چکے ہیں۔ حضرتِ نیاز جس مخصوص رنگ میں زبان و

ادب کی خدمت فرما رہے ہیں اُس کے اندازے کے لیے ذیل کے فقرے، ترکیبیں، اور عبارتیں کافی ہیں:۔

ایک نور پاش، خراماں پیکرِ آتش ..... ایک گلابی رنگ میں ڈوبی ہوئی برقِ متحرک، مجھ میں اپنے اشارۂ مبہم سے ایک انجذاب مضطر پیدا کر رہی ہے" اور میں ہوں کہ اُس قوتِ مجہول کی طرف کھچا جا رہا ہوں۔ روشنی کی تیز کرنیں اک مؤدب فاصلے پر رکے ہوئے تڑپ رہی ہیں۔ یہ نزہت بار ہستی یہ مصفّا ترکیب عناصر، میرے وجود کو میری روحِ لرزاں کو، مسحور کر رہا ہے۔ اپنی آنکھوں کے خندۂ سیّال سے اپنے بالوں کی بوئے شکستگی سے اپنے خرام و وقار سے ..... فی الحقیقت وہ آئینہ سیما لڑکی اپنی عفت

و شرم میں وہ محافظ رکھتی تھی۔ تھوڑا سا وقت یقیناً عقل و فراست کا ایک جز تو مہ ہے جو ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک اپنا کام کر رہا ہے۔ یہ خمیر تمام اشیا میں شامل ہے۔ بے وقوفی کی خاطر عقل تمام چیزوں میں ملی ہوئی ہے۔ اے اوپر والے آسمان! اب میرے لیے معصومیت یہی ہے کہ یہاں کوئی تار و پود فراست نہیں ہے اور یہ کہ تو ہی آلمانہ امکانات کے لیے میرا صحنِ رقص ہے اور تیری فضا آلمانہ قمار خانے کی کھلی ہوئی بساط۔"

جو لوگ اس عجیب و غریب طرزِ انشا کو زبانِ اردو کا بہترین نمونہ سمجھتے ہیں، توقع ہے کہ وہ اس مجموعے کی خاطر خواہ سرپرستی کریں گے۔

نمبر	تقریظ / تبصرہ نگار	ماخذ	زمانۂ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۹	تاج الدین اشعر، برتقریظ نیاز فتح پوری	مکتوب اشرف ندوی از رسالۂ معارف اعظم گڑھ	۱۳۵۳ھ ۱۹۳۴ء	مولانا نیاز فتح پوری اڈیٹر نگار بھوپال جس طرح عوام میں بعض حیثیات سے معروف ہیں، اسی طرح خواص میں بھی وہ ایک خاص حیثیت سے ممتاز ہیں۔ لوگوں کو مولانا ممدوح سے خاص شکایت یہ ہے کہ وہ اس زمانۂ قحط الرجال کو اس درجہ سخت کیوں سمجھتے ہیں کہ گویا اب ہندوستان کی دنیا

میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا جو حُسن و قبح، علم و جہل، ملک و سرقہ میں کوئی فرق کر سکتا وہ اب ادبی، تاریخی اور فلسفیانہ مضامین کو "اپنا کر" اب یہاں تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ اب دوسروں کی شائع شدہ کتابوں کو اُلٹ پھیر کر اپنا بنا رہے ہیں، اور لوگ تحسین و داد میں مصروف ہیں۔ اس وقت مولانا کی ایک تالیف تاریخ الدولتین پیشِ نظر ہے سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کتاب جرجی زیدان اڈیٹر الہلال مصر کی عربی تصنیف "تاریخ التمدن الاسلامی" کی چوتھی جلد کی تلخیص ہے، اس تاریخِ تمدن کی نسبت مصر اور ہندوستان دونوں ملکوں کے محققینِ اسلام نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس میں تمدنِ اسلام کا نہایت بگڑا ہوا اور مکروہ نقشہ ایک دوست نما دشمن عیسائی کے قلم سے کھینچا ہے، ایسی حالت میں ایک مسلمان اہلِ قلم کا جس کو تحقیق و تنقید کا بھی دعویٰ ہو اس کا تلخیصی ترجمہ کرنا کہاں تک مناسب ہے۔ تاریخ الدولتین کی بنیادی حقیقت تو آپ کو معلوم ہو چکی، اب سنیئے کہ اس کتاب کے پہلے صفحے پر صاحب کتاب کی نسبت اس طرح ظاہر کی گئی ہے۔ "تاریخ الدولتین از مولٰنا نیاز فتح پوری" آپ نے اس کو پڑھ کر فیصلہ کیا ہوگا کہ یہ مولانا کی کوئی اجتہادی تصنیف ہے۔ آگے چلیے دوسرا صفحۂ لوح دیکھیے، آپ وہاں یہ لکھا پائیں گے "تاریخ الدولتین مؤلفۂ مولانا نیاز فتح پوری" اب آپ کو اور یقین ہو گیا ہوگا کہ یہ درحقیقت مولانا کی تالیف ہے مگر نیچے نظر ڈالیے تو یہ عبارت ملے گی "مقتبس از تاریخ التمدن الاسلامی جزو ۴ مؤلفۂ جرجی زیدان۔ آپ کے پہلے یقین کو اب صدمہ پہنچے گا کہ کیا ایک ہی کتاب دو دو مؤلفین کی مؤلفہ ہے۔ حالاں کہ یہ بھی اقرار ہے کہ

یہ مقتبس از تمدن الاسلامی ہے۔ اب اس تدلیس پر غور کیجئے کہ پہلے تو مبہم لفظوں میں "از" لکھا گیا ہے، کہ عوام و خواص دونوں اپنے اپنے مطلب کی سمجھیں، پھر "مؤلفہ" لکھا کہ عوام اس کو مولانا کی خاص تصنیف سمجھیں، پھر یہ دیکھکر کہ خواص زبانِ طعن نہ کھولیں یہ چھپا کر ظاہر کر دیا کہ یہ میری چیز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اقتباس کس کو کہتے ہیں، اقتباس اس کو کہتے ہیں کہ اپنے کلام کے بیچ بیچ میں کسی غیر کے کلام کو لایا جائے۔ مگر یہاں تو از فرق تا قدم غیر ہی کا کلام ہے۔ تو آپ اقتباس کہکر دھوکا دیں گے، یا اس کو تلخیص و ترجمہ کہیں گے یا زیادہ صاف لفظوں میں سرقہ کہیں گے۔ شاید اکثر ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو کہ "تاریخ تمدنِ اسلامی" کی تمام جلدوں کا بلفظہ ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے اور وہ گھر گھر پھیلا ہے، ایسی حالت میں خبر نہیں کہ اردو کے اس مشہور مصنف کو اس کی تلخیص و اقتباس کرنے کی کیا حاجت پیش آئی۔ بہر حال یہ پیشِ نظر کتاب بقول مولانا اقتباس ہے، اقتباس میں اپنے اور غیر کے کلام میں کچھ نشانات و امتیازات قائم کیے جاتے ہیں، جن سے یہ فرق نمایاں ہو سکے کہ یہ اس کا کلام ہے اور یہ اس کی عبارت ہے، مگر اس کتاب میں جو (۱۹۰) صفحوں پر تمام ہوئی ہے شروع سے اخیر تک یکساں عبارت اور طرز تحریر ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا یہ پوری کتاب نیاز صاحب کی ہے یا یہ تمام تر جرجی زیدان کی ہے۔ کتاب کے شروع میں نیاز صاحب کا کوئی دیباچہ نہیں جس میں یہ تفصیل ہو کہ یہ کتاب کیا تھی؟ اور کیوں کر "اپنائی" گئی! اور انھوں نے اس کے اندر کیا کارِ نمایاں انجام دیا ہے، شاید یہی مقام ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ السکوت افصح من النطق۔ خردہ گیریوں اور نکتہ چینیوں کو کہاں تک وسعت دی جائے

کہ ان کی انتہا نہیں۔۔۔۔ ان امور کو پیشِ نظر رکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ مولانا نے اس کو تالیف کر کے ملک پر کوئی احسان کیا ہے۔ تاہم۔

"عجب تر آں کہ بر من منّت بسیار ہم دارد"

نمبر	نام کتاب و مصنف	دیباچہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۰	صبحِ وطن (مجموعۂ نظم) مصنفہ پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی	سر تیج بہادر سپرو	۱۹۲۴ع / ۱۳۴۲ھ	**دیباچہ** ان چند سطور کے لکھنے سے میرا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ اردو شاعری کے نشو و نما کی بابت کوئی بسیط مضمون تحریر کیا جائے۔ چند احباب نے جو میری طرح پنڈت برج نراین چکبست کے کلام کے دلدادہ ہیں مجھ سے اصرار کیا کہ ان کے مجموعۂ کلام پر دیباچہ لکھوں اور اُن کے اصرار سے میں اس کے لکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ بہتر تو یہ تھا کہ کوئی اور صاحب

جو مجھ سے زیادہ اس کام کے لیے موزوں ہوتے یہ قرض اپنے ذمّے لیتے۔

چکبست کو میں پچیس برس سے جانتا ہوں اور شاعری و انسانی زندگی کا اعلیٰ معیار

جو ہمیشہ وہ اپنے مدِ نظر رکھتے ہیں اُس کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ میں اپنی زندگی کے ان لمحوں کو اپنی حیات کا بہترین سرمایہ سمجھتا ہوں جن میں مجھ کو سچی اور اصلی روحانی مسرت اُن کا کلام پڑھکر حاصل ہوئی ہے اُن کے اور دوستوں کی طرح مجکو بھی اس امر کا افسوس ہے کہ زمانے نے اس شاعر کو اس قدر فراغت نہیں دی ہے کہ وہ اس فن کی جانب کافی طور پر توجہ کرے جس کے لیے وہ خداداد طبیعت اپنے ساتھ لایا ہے اور جس قابلیت میں وہ آپ ہی اپنا نظیر ہے ....

پنڈت برج نرائن چک بست کا ادبی مذاق خاص الخاص لکھنوی ہے اور وہ لکھنؤ کے ادبی رنگ میں از سرتا پا ڈوبے ہوئے ہیں، فارسی اور اُردو زبانوں میں اُن کی معلومات جامع اور وسیع ہیں اور اُردو کے اساتذہ کے کلام پر اُن کو پورا عبور حاصل ہے۔ اُن کے طرزِ بیان پر لکھنؤ کی ٹکسالی زبان کی مُہر لگی ہوئی ہے۔ لیکن با ایں ہمہ اُن کو دورِ جدید کے شاعر ہونے کا خاص طور پر امتیاز حاصل ہے ..... اُن کا کلام اُن عیوب سے پاک ہے جن کا ذکر پیشتر کیا گیا۔ زمانۂ حال کی اُردو شاعری کی داغ بیل بالکل نئی اور زیادہ پاک و لطیف سرزمین پر ڈالی گئی ہے۔ اقبال و چک بست کی شاعری کی تحریک کا باعث کبھی تو حُبِّ وطن کا جوش ہوتا ہے اور کبھی گزشتہ یا حال کا تاریخی واقعہ ان کے خیالات کو پرواز میں لاتا ہے کبھی قدرت کے نظاروں یا مذہبی رازوں کے انکشاف سے وہ اپنی نظموں کو آراستہ کرنے میں مدد لیتے ہیں اور کبھی انسانی جذبات اور احساس

کی سچی تصویریں کھینچ کر عبرت کا سبق دیتے ہیں۔ قومیت کا خیال ان کی شاعری کی ساخت کا جزو اعظم ہے۔ ان کی شاعری ایسی شاعری ہے جس کا اثر نوجوانوں کے دل و دماغ پر اُس کلام سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو کہ گزشتہ معیارِ سخن کے قاعدوں سے جکڑا ہوا ہی...

میں نے مندرجۂ بالا خیالات بہت ڈرتے ڈرتے ظاہر کیے ہیں اور اس لیے ذیل میں ایسے کلام کا کچھ نمونہ درج کرتا ہوں جس میں چکبست کا خاص رنگ نظر آتا ہے اور اس مجموعے کے پڑھنے والوں پر اس امر کا فیصلہ چھوڑتا ہوں کہ میرا دعویٰ صحیح ہے یا غلط

میں اس دیباچے کو قریب قریب بالکل ختم کر چکا تھا کہ دفعۃً اپنے دوست کی ناگہانی وفات کی مجھے خبر ملی۔ اس کا مجھے بڑا قلق ہے کہ میں اس دیباچے کو اُن کی زندگی میں نہ ختم کر سکا۔

شمار	کتاب زیرِ تنقید	نویسندہ	سنۂ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۱	قصائدِ ذوق	آنریبل جسٹس سر شاہ محمد سلیمان جج ہائی کورٹ آلہ آباد	۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء	تنقید قصائدِ ذوق کو دیگر شعرا کے قصائد سے بالخصوص مرزا رفیع سودا کے قصائد سے مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ ہر ایک کا رنگ جداگانہ ہے اور ذاتی خوبی یکتا، ہر ایک اپنی طرز میں علاحدہ اور اعلیٰ ہے، اور اظہارِ خیالات بلند۔ یہ سچ ہے کہ قصائد

میں مبالغہ کثیر ہے۔ اکثر اشعار نیچرل شاعری کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں، لیکن مبالغہ اردو شاعری کی جان ہے، یہ طرز مشرقی شاعری کی خصوصیات میں سے ہے۔ بلا اس کے نظم بے نمک ہے۔ ہر سخن فہم مبالغے کو خوب سمجھتا ہے اور مبالغے سے قطع نظر کرکے صرف بلندیِ خیال کو دیکھتا ہے۔ مبالغے کو تشبیہ اور تمثیل کے متوازی خیال کرتا ہے۔ مبالغہ آمیز تعریف کو کُلّیتہً سچ نہیں سمجھتا اس لیے ہجو ملیح نہیں ہو سکتی۔ مبالغہ صرف ایک جامۂ زرّین ہے جس میں اصل خیال آراستہ کیا جاتا ہے۔ غرض صرف اعلیٰ مشابہت ہے۔ مبالغہ خوبیِ کلام ہے نہ کہ نقص۔

تبصرہ و کیفیت

اس نمونے کے تحت میں زیادہ مثالیں اس لیے نہیں لکھی گئیں کہ تنقید یا تبصرہ اور مقدمہ و دیباچہ اور اُن کا اندازِ بیان آج کل کسی معمولی لکھے پڑھے سے بھی پوشیدہ نہیں، پُرانی طرزِ تحریر جس کو تقریظ کہا جاتا ہے فی زماننا ایک قلم متروک ہے، اس کا ابتدائی نمونہ امام بخش صہبائی اور مرزا غالب کی عبارتوں میں موجود ہے، جب تک اس طرز کا رواج عام رہا اسی ڈھنگ میں تصنیفات کے آخر میں قطعاتِ تاریخ کی طرح مندرج ہوتی رہی۔ اس کے بعد مغربی انشا پردازی نے اہلِ مشرق کو انگریزی پڑھنے کے بعد اس طرف متوجہ کیا کہ جس تصنیف کے متعلق کوئی رائے لکھی جائے اُس میں پوری طرح ہر پہلو پر نظر ڈالی جائے۔ چنانچہ اب یہ دستور عام ہو گیا ہے، وہ لوگ جن کو پُرانی طرزِ تحریر کی کم و بیش عادت باقی رہ گئی ہے وہ بھی اس روشِ جدید کو ایک حد تک مدِّ نظر رکھتے ہیں لفظ تقریظ کی ترکیب و ترویج غالباً

اہلِ ہند کی تجدید ہی. جس کی مروّجہ معنوی تخصیص تصنیف کی توصیف تک محدود ہے۔ صحیح یا غلط۔ مناسب یا فضول۔ القابات و خطاباتِ طویل کے ساتھ کسی پرانی تقریظ میں یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ تقریظ نگار نے اپنی تحریر میں کتاب کا تاریک پہلو بھی پیش کیا ہو اور یہی یک رُخی تصویر مروّجہ تخصیص مذکورہ کا یقین دلاتی ہے۔ اس کے بعد ماہرینِ علومِ مشرقی نے انگریزی لفظ ریویو (Review) کے بالمرادف نقد۔ و تبصرہ کو جگہ دی اور اس کے ذیل میں مصنّف و تصنیف کی واقعی تعریف و توصیف کے ساتھ اگر کسی قسم کی زلّت و لغزش دیکھی تو اس کے اظہار پر بھی کسی طرح کا تکلّفِ مصنوعی مناسب نہ سمجھا۔ یہ اندازِ تبصرہ عقلاً و انصافاً پسندیدہ ہے، مگر چوں کہ ہم ابھی عادتِ قدیم سے بالکل نامانوس نہیں ہوئے ہیں اس لیے بعض اوقات صحیح غلط نمائی اور مضبوط گرفتوں سے چین بجبیں ہوتے رہتے ہیں، بہرحال تشریح مذکور کے مطابق راقم حروف نے اس سلسلے میں جتنے نمونے لکھے ہیں اُن سے ہر قسم کے اندازِ تحریر کا پتا چل سکتا ہی بحیثیت انسان جس طرح مصنّف سے غلطی ممکن ہے اسی طرح نقاد بھی نسیان سے محفوظ نہیں۔ اگر کوئی تبصرہ ذاتیات اور مجادلہ و مکابرہ کی صنعتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نہ کیا جائے تو وہ ضرور قابلِ قدر ہو گا۔ ورنہ ہیچ۔

نمونہ نمبر ۶

خطوط

۱۲۶۹ھ تا ۱۳۴۸ھ
۱۸۵۲ء ۱۹۳۰ء

پہلا دور

۱۲۶۹ھ تا ۱۳۱۸ھ
۱۸۵۲ء ۱۹۰۰ء

مشاہیر شعرا، علما، اطبا، ادبا، مدبرانِ ملک وغیرہ

نمبر	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ تحریر	نمونہ عبارت
نمبر ۱	مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی	منشی ہرگوپال تفتہ	۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء	کیوں مہاراج! کول میں آنا، اور جناب منشی نبی بخش کے ساتھ غزل خوانی کرنی، اور ہم کو یاد نہ لانا؟ مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیوں کر جانا کہ تم مجکو بھول گئے۔ کول میں آئے اور مجکو اپنے آنے کی اطلاع نہ دی نہ لکھا، کہ میں کیوں کر آیا ہوں، اور کب تک رہوں گا، اور کب جاؤں گا اور

بابو صاحب سے کہاں جا ملوں گا۔ خیر اب جو میں نے بے حیائی کر کے تم کو خط لکھا ہے، لازم ہے کہ میرا قصور معاف کرو، اور مجکو ساری اپنی حقیقت لکھو، تمھارے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں بابو صاحب کی، میرے پاس موجود ہیں، اور اصلاح پا چکی ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ کہاں بھیجوں! ہر چند اُنھوں نے لکھا ہے کہ اکبر آباد ہاشم علی خاں کو بھیج دو لیکن میں نہ بھیجوں گا۔ جب وہ اجمیر یا بھرت پور پہنچ کر مجکو خط لکھیں گے تو میں اُن کو وہ اوراق ارسال کر دوں گا۔ یا تم جو لکھو گے اُس پر عمل کروں گا۔ بھائی! ایک دن شراب نہ پیو اور ہم کو دو چار سطریں لکھ بھیجو کہ ہمارا دھیان تم میں لگا ہوا ہے۔ رقم زدہ یکشنبہ چہارم۔ جنوری ۱۸۵۲ء

(۲) ایضاً

کاشانۂ دل کے ماہِ دو ہفتہ، منشی ہرگوپال تفتہ، تحریر میں کیا کیا سحر طرازیاں کرتے ہیں۔ اب ضرور آپڑا کہ ہم بھی جواب اُسی انداز سے لکھیں۔ سنو صاحب! یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا، اور اب اُس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں میرے پاس آرہے ہیں، اور دم بدم مجکو ستاتے ہیں اور میں تحمّل کرتا ہوں خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پس تمھارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے جب ان عالم کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے، مجکو دوپہر کو سونے نہیں دیتے، ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں۔ کہیں پانی لنڈھاتے ہیں، کہیں خاک اُڑاتے ہیں، میں نہیں تنگ آتا۔ تو اُن معنوی پوتوں سے کہ اُن میں یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤں گا۔ آپ اُن کو جلد میرے پاس بھیج دیجئے میں

وعدہ کرتا ہوں کہ پھر جلد اُن کو تمھارے پاس بسبیل ڈاک بھیج دوں گا۔ حق تعالیٰ تمھارے عالمِ صورت کے بچوں کو جیتا رکھے۔ اور تمھارے معنوی بچوں یعنی نتایجِ طبع کو فسہ وغ شہرت اور حُسنِ قبول عطا فرماوے۔ بابو صاحب کے نام کا خط اُن کے خط کے جواب میں پہنچتا ہے: اُن کو دے دیجیے گا۔ اور ہاں صاحب! بابو صاحب اور تم آبو کو جانے لگو تو مجکو اطلاع کرنا اور تاریخ روانگی لکھ بھیجنا تاکہ میں بے خبر نہ رہوں۔ والدعا۔ اسد اللہ۔ نگاشتہ جمعہ ۱۰ر جون ۱۸۵۲ء

(۳) ایضاً بنام مرزا حاتم علی مہر

مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے ہزار کوس سے بزبانِ قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اتنا تو کہو کہ یہ کیا بات تمھارے جی میں آئی ہے برسوں ہو گئے کہ تمھارا خط نہیں آیا نہ اپنی خیر و عافیت لکھی نہ کتابوں کا بورا بھجوایا۔ ہاں مرزا تفتہ نے ہاتھرس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پانچ کتابوں کے آغاز کے دے آیا ہوں، اور اُنھوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے۔ یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے۔ پھر ان دو کتابوں کی جلدیں بن جانے کی کیا خبر ہے، ان پانچ کتابوں میں درنگ کس قدر ہے۔

تبصرہ و کیفیت

عودِ ہندی، اور اردوے معلّٰی۔ ان ناموں سے دو مجموعے چھپ گئے ہیں جن میں مرزا غالب کے

خطوط بکثرت موجود ہیں اس شہرت واشاعت کے بعد اُن کے مطبوعہ خطوط کی نقل تحسین حاصل نہ سمجھنی چاہیے بلکہ اس حیثیت سے کہ اُردو زبان میں خط نویسی کی ابتدا مرزا نے کی ہی اس کتاب کے موضوع تاریخی کو پیش نظر رکھکر دیکھنا چاہیے کہ اس بلند خیال اور باکمال موجد نے ابتدا ہی میں وہ نمونہ دکھایا ہی جس سے بہتر اٹھتّر برس کے بعد بھی آج ہم نہیں دکھا سکتے۔ ممکن ہے کہ تھوڑے بہت غور و تامل کے بعد چند لفظی متروکات کی فہرست پیش کی جا سکے مگر غیر ممکن ہی کہ ادائے مطلب کی خاطر نشینی اور طرز بیان کی دل کشی اس سے بہتر تو کیا برابر بھی سامنے لائی جا سکے، اقرار کرنا پڑے گا کہ "تمھارے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں بابو صاحب کی" اور "مجکو ساری اپنی حقیقت لکھو" اب ہم نہ لکھیں گے۔ مگر یہاں مرزا کے اس دعوے کو یاد رکھنا چاہیے کہ "مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہی"۔ مراسلے کی گویائی زبانِ قلم سے وابستہ رہتی ہی جس کی گرفت دستِ کاتب سے باہر نہیں لیکن مکالمے کا نطقِ طبعی بے ساختگی اور فطری لب کشائی کے سامنے ان پابندیوں پر مجبور نہیں ہوتا مواقعِ تخاطب یا وقتی عجلت کی وجہ سے الفاظ کا آگے پیچھے ہو جانا تقریر کا جزو لاینفک ہی اور گویائی انداز مرزا کے دعوائے مذکورہ کا ثبوت مانا جائے گا"۔ اسی طرح "کاشانۂ دل کے ماہ دو ہفتہ مرزا تفتہ" وغیرہ مسجع مقفی فقرات بحث و نظر میں آسکتے ہیں؛ مگر اسی خط میں جس لطیف فصاحت و بلاغت سے انشا پردازی کا نمونہ دکھایا ہی ایسی سحر طرازی کہیں نظر نہیں آسکتی۔ نتیجہ کلام یہ ہی کہ اس وقت تک کی تحقیقات میں مرزا غالب اُردو کے ایجادِ مراسلت میں سب پر غالب ہیں۔

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونہ عبارت
نمبر ۴	مسٹر ایم کیمسن ڈائرکٹر تعلیمات ممالک مغربی و شمالی (ہند)	سید شاہ صاحب عالم صاحب مارہروی	۱۲۸۲ھ ۱۸۶۶ء	عنایت فرمائے دوستان سید صاحب عالم معانی دار مارہرہ زاد عنایتکم - بعد اظہارِ شوق و مراسم عرفیہ کے واضح رائے محبت پیرائے ہو. چوں کہ اکثر اوصافِ جمیلہ و محامد بندہ آپ کے درباب واقفیتِ تاریخ و زباں دانی و دیگر فضائل و کمال کے گوش زد ایں جانب کے ہوئے اس لئے آپکو براہِ دوستانہ اِس امر کی تکلیف دی جاتی ہے کہ اگر آپ کو حال مفصل ایجادِ زبانِ اُردو معلوم ہو تو اُس کی کیفیت مجھے تحریر کر کے ممنون کیجئے اور اس تحقیقات سے وہ دریافت حسال زبانِ مسطور مطلوب ہے کہ جس سے حال زمانۂ ابتدائے اجرائے اُردو اور نیز تصریح اس امر کی کہ کس عہد سے زبانِ مذکور داخل نوشت و خواندِ اہل ہند ہوئی معلوم

ہو جائے - اور کن کن اُستادوں نے زبانِ مذکور میں ابتدائے شعر و سخن یا نثر کے مضامین لکھنے
شروع کئے اور کتنے محاورات قدیمہ اب تبدیل ہو گئے - اور اس تبدیلی سے اُس زبان میں آیا

شستگی و رفتگی آئی یا کسی طرح کا نقص پیدا ہوا، اور اگر کلام اُن اساتذۂ قدیم کے یاد ہوں یا کسی تذکرے میں آپ کی نظر سے گزرے ہوں تو بطور مُشتے نمونہ از خروارے سلکِ تحریر فرما کر ممنون کریں، اور جو کوئی کتاب حاوی ان امور کی مل سکے تو اُس کو بطورِ عاریت یا بالقیمت جیسا مناسب ہو لطف فرماویں، نہایت موجب احسان مندی ہوگا، اور چوں کہ جس کتاب کا اس جانب کو قصدِ تالیف ہے اور جس کی امداد کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے اُس میں حال شعرا وغیرہ کا بقیدِ نام و مسکن و زمانہ لکھا جائے گا آپ جو کیفیت اُن اُستادوں کی تحریر فرماویں تو اُس میں امورِ صدر کا ضرور لحاظ رہے۔ فقط

المرقوم ۶ رجون ۱۸۶۶ء۔ کیمپ کوہ منصوری۔ رقیمہ الشوق ایم کیمسن

شمار	خط	نام کاتب	تاریخ	نمونہ عبارت
نمبر ۵	مسٹر ایڈورڈ ارنلڈ ان	نواب محسن الملک سید مہدی علی خان	۲۴ مئی ۱۸۷۴ء	جناب مخدوم مکرّم محبِّ من سلامت۔ بعد سلام مسنون الاسلام ایں کہ۔ آپ کا عنایت نامہ مؤرّخہ بلا تاریخ پہنچا جس قدر خوشی مجکو آپ کے عنایت نامہ پہنچنے سے ہوئی بیان نہیں کر سکتا۔ یہ مقولہ کہ "الخط نصف الملاقات" بلکہ پوری ملاقات کا لطف ہوتا ہی مفارقت میں اس کی قدر معلوم ہوتی ہو بیں برابر اپنے حالات لکھکر بھیجتا رہتا ہوں اخبار میں چھپنے دیجئے بعد معاودت ان شاء اللہ تعالیٰ نظر ثانی کر کر رسالہ

سفر مرتب کر کر چھاپوں گا۔ میں حتی المقدور نہایت مفصل حالات لکھتا ہوں اور جو جو مراتب آپ نے لکھے ہیں وہ آخر کو بالتفصیل لکھوں گا۔ بعد آنے کے معلوم ہوا کہ سفر چنداں سخت نہیں ہی۔ نہایت آرام کا سہل ہی۔ اور کوئی چیز مذہبی ایسی نہیں ہی کہ مسلمان اُس کو اپنی خاطر خواہ نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ ایک شیعہ جو مشرک کو نجس حقیقی جانتا ہی وہ بھی اپنے مذہب کے موافق رہ سکتا ہی۔ مگر کسی قدر اہتمام و تردد سے۔ ذبیحہ مسلمان کا دست یاب ہو سکتا ہی۔ غرض کہ کوئی بات مشکل نہیں ہی۔ بعضے امور بلا تکلف اور بعض امور بہ تکلف انجام پاتے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ حالاتِ سفر جو اخبار میں چھپتے ہیں آپ اُن کو بطور کتاب یک جا نقل کرواتے جائیں، اور جس امر کی نسبت زیادہ تفصیل کی حاجت ہو مجکو لکھکر دریافت فرمالیں، اور اُس کو اُس میں اضافہ کر دیں، تاکہ آپکی صلاح سے کتاب بھی درست ہو جائے اور سب چیز کو حاوی بھی ہو۔ اور میرے آنے تک کتاب مرتب طیار ہو گی اور صرف چھپنا شروع ہو گا، میں بعض بعض عمدہ مکانات کے نقشے بھی لاؤں گا اور وہ بھی کتاب میں چھپوائے جائیں گے۔ بہر حال بعد نظر ثانی یہ کتاب حاوی تمام چیزوں کو ہو گی۔ دو ہندو واسطے امتحان سول سروس کے بمبئی سے اور آئے ہیں۔ افسوس کہ مسلمان پیچھے رہے جاتے ہیں۔ چار بنگالی اب کی دفعہ سول سروس میں پاس ہوئے ہیں۔ محمود مدرسہ قانونی میں داخل ہو گیا ہی۔ مجھ سے اور یہاں کے اراکین سے روز بروز ملاقات ہوتی جاتی ہی۔ بلکہ اس قدر ملاقات کا موقع اور جگہ ہی کہ شاید میں اُن سب سے نہ مل سکوں گا، جس اخلاق سے یہاں کے امرا اور اراکین ملے ہیں اُس کا بیان، بیان سے باہر ہی۔ کچھ میرے ہی ساتھ یہ اخلاق نہیں ہی بلکہ حقیقت میں وہ لوگ با اخلاق اور سادہ مزاج اور بے غرور ہیں۔ میں ہر دم اپنے ملک کی بھلائی کے خیال میں

ہوں اور عن قریب کچھ کچھ انشاء اللہ تعالیٰ مشتہر کرنا شروع کرتا ہوں۔ وزیر ہند میرے آنے کے دو تین روز بعد باہر چلے گئے ہیں۔ اوّل ان سے ملاقات ہولے تب کچھ تحریکِ بہتری ہندوستان شروع ہوگی قبل اس کے ایک عریضہ مع اشتہار کتاب کے روانہ خدمت عالی کیا ہے۔ ملاحظے سے گزرا ہوگا۔ اور امید ہے کہ زرِ مطلوبہ روانہ فرمایا ہوگا۔ مجکو نہایت افسوس ہے کہ بعض احباب نالائق مثل مولوی نا۔غ نے میرا ارادہ دربار تحریر جواب کتاب میور صاحب جو نسبت آں حضرت صلعم لکھی ہے سست کر دیا، اور بر وقتِ روانگی سامان اور چندہ کرنے نہیں دیا۔ یہاں اس کے جواب کا اس قدر سامان ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا، خصوصاً وہ عالم انگریز جس نے وہ کتاب لکھی ہے جس کا پہلے میں نے ذکر کیا ایسا عمدہ شخص اس کے جواب کے لایق ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ کتب خانہ انڈیا آفس میں نے دیکھا، ہوش جاتے رہے، کتب خانہ نہیں ہے، کتابوں کا شہر ہے۔ مجھے وہاں جانے کی اور پڑھنے کی جو چاہوں اور نقل کی، سب کی اجازت ہوگئی۔ ابھی کتب خانہ برٹش میوزیم نہیں دیکھا، سُنا ہے کہ وہ اس سے بھی بہت بڑا ہے۔ بہر حال میں کچھ نہ کچھ نسبت جواب کتاب ولیم میور صاحب کے ضرور کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیشہ عنایت نامہ بھیجتے رہیں اُس کے پہنچنے سے جس قدر خوشی اور روحانی فرحت ہوتی ہے بیان نہیں ہو سکتی۔ حافظ جی صاحب کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام پہنچے۔ میرے ہمراہی سب بخیریت ہیں۔ آپ کو تسلیم عرض کرتے ہیں۔ محمود کہتا ہے کہ میرا سلام مت لکھو میں خود جدا عریضہ لکھوں گا۔ دو تصویریں مرسلِ خدمت ہیں۔ میں خود حاضر نہیں ہو سکا اس لئے میری تصویریں آپ کی قدم بوسی کو پہنچتی ہیں والسلام۔ خاکسار سید احمد ۷۔ جون ۱۸۶۹ء روز جمعہ مقام لندن۔

(۶) ایضاً بنام محمد سعید خاں ناظر مرقومہ ۱۲۷۹ھ ۱۸۶۲ء

خاں صاحب شفیق ولی سلامت۔ تمھارا خط پہنچا۔ درحقیقت تم مجکو یاد کرتے ہوگے بقرعید میں ضرور آنا اگر تم آؤ گے تو میں تم سے مل کر نہایت خوش ہوں گا۔ چھاپہ خانہ جاری ہوگیا ہی مگر کیس نہیں ہیں اس سبب سے بڑا ہرج ہوتا ہی۔ تم مولوی جعفر علی صاحب وکیل سے ملو اور دریافت کرو کہ اگر گھی کی قیمت وصول ہوئی ہی تو جلد میرے پاس بھیج دیں کیوں کہ ان دنوں میں روپئے کی بہت ضرورت ہی۔ حامد و محمود و محمد احمد کی طرف سے سلام پہنچے میں یہاں بہت خوش ہوں۔ خواجہ بخش اور کریم اللہ نجاران سے میرا سلام کہو اور پوچھو کہ اگر دو مہینے کے لئے وہ یہاں آویں تو میں اُن کو بلالوں کہ چھاپے خانے کے کیس وغیرہ تیار کر جاویں یہاں کاری گر نہیں ملتے۔

والسلام سید احمد یکم جون ۱۸۶۲ء غازی پور۔

(۷) ایضاً مورخہ ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۶ء

خاں صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان مظہرِ عنایت محمد سعید خاں صاحب سلامت بعد اشتیاقِ ملاقات بہجت آیات واضح رائے شریف ہووے۔ عنایت نامہ مع ایک پارسل پھلوں کے وصولِ شادمانی لایا۔ میں نہایت ممنون ہوا۔ میں بخیریت ہوں، برخورداران محمد حامد اور محمود بھی بخیر و عافیت ہیں۔ اطمینان رکھنا۔ آپ کی خیر و عافیت اور برخوردار محمد حسین خاں اطال اللہ عمرہٗ کی نوشت و خواند کا حال دریافت ہونے سے بہت مسرت ہوئی برخوردار

مذکور کو بہت بہت دعا کہدیجیے، اور ہمیشہ اپنی خیریت سے اطلاع دیتے رہو۔ کہ باعثِ طمانیت ہے۔ مکرر یہ واضح ہو کہ سوسائٹی سے ایک اخبار ہفتہ وار مسمٰی بہ اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ جاری ہوتا ہے۔ پہلا پرچہ اُس کا ۳۰۔ مارچ ۱۸۶۶ء کو جاری ہوگا۔ چناں چہ آپ کے پاس بھی پہلا پرچہ اُس کا بھیجا جاوے گا۔ قیمت اخبار کی عہ ۵ روپئے سالانہ ہوگی اُس پرچے کو آپ لوگوں کو دکھلائیے اور جو صاحب آمادۂ خریداری ہوں اُن کو آمادہ کر کے اطلاع دیں۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام۔ محمد حامد اور محمود تسلیمات عرض کرتے ہیں۔ خاکسار سید احمد، از علی گڑھ ۲۲۔ مارچ ۱۸۶۶ء

(۸) ایضاً بنام مولوی سید میر حسن پروفیسر سکاچ مشن کالج سیالکوٹ مرقومہ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۸ء

مخدومی مکرمی سید میر حسن صاحب آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۹، مارچ ۱۸۹۸ء پہنچا ممنونِ عنایت ہوا۔ جو عنایتِ دلی اور محبّت و اشفاقِ بزرگانہ مجھ ناچیز کے اوپر آپ مبذول فرماتے ہیں، اس کا میں دل سے شکر ادا کرتا ہوں مگر میں اِس قدر عنایتوں کے لایق نہیں ہوں جس قدر کہ آپ فرماتے ہیں۔ بہر حال آپ کی عنایتوں کا شکر کرنا واجب ہے۔ تفسیر قرآن مجید کا تمام ہونا تو مشکل معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے چھاپے میں اس قدر خرچ پڑتا ہے کہ میں اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، اور یہ بھی مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں مسودہ لکھ کر ڈھیر کرتا جاؤں اس امید پر کہ کبھی چھپ رہے گی مگر میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ مقاماتِ مشکلہ قرآنِ مجید کے اور جو مشکلات بعض معترضین کی طرف سے مذہبِ اسلام پر وارد ہوتے ہیں اُن کے جواب میں چھوٹے

چھوٹے رسالے لکھ ڈالوں۔ اگر خدا نے اس کام کو انجام کو دیا تو تمام مشکلات حل ہو جائیں گی اور صرف قرآن مجید کا ترجمہ باقی رہ جائے گا جس کی کچھ ضرورت نہیں ہی۔ ان دنوں میں ایک بہت نازک اور بڑے امر پر ایک رسالہ لکھ رہا ہوں، یعنی ازواجِ مطہرات رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر یہ بھی رسالہ چھپے گا تو مجھے امید ہی کہ کسی کے دل میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنے کا۔ علاوہ تہذیب الاخلاق جو میں نے مختلف مضامین بطور آرٹیکل کے لکھے ہیں اُن کے چھپنے کی بابت بھی بعض دوست کچھ بند و بست کر رہے ہیں شاید کچھ انجام ہو جاویں۔ ایک رسالہ تفسیر السموات کا میں نے لکھا تھا جو پرانے تہذیب الاخلاق کے متعدّد پرچوں میں چھپ گیا تھا، اب اُس کو بھی بطور ایک مستقل رسالے کے علاحدہ چھپوا لیا ہی۔ والسلام خاکسار سید احمد ۱۱ مارچ سنہ ۹۶ء

تبصرہ و کیفیت

خطوط مرزا غالب کے تبصرہ و کیفیت میں مراسلت کو مکالمہ بنانے کا ذکر آچکا ہی سرسیّد کے خطوط میں بھی وہی جلوہ بحدِ تمام نظر آتا ہی۔ غالب کے خطوط میں اکثر شاعرانہ انشا پردازی اور کہیں کہیں تکلّف کی ملاوٹ دکھائی دیتی ہی لیکن یہاں کسی تکلّف و تصنّع کا نام نہیں، یہی وجہ ہی کہ سرسیّد اپنے اظہارِ خیال کے سامنے نشستِ الفاظ کی گرداوری میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے جو خیال ذہن میں آتا اُس کو بے ساختہ اور بے تکلّف اس طرح ادا کر دیتے کہ سننے اور پڑھنے والے کا دماغ مفہوم مطلب کے سوا مصنوعاتِ انشا کی باریکیوں میں اُلجھ کر اپنی عنانِ توجہ کسی اور طرف پھیرنے نہیں

پاتا تھا سید صاحب کی اُردو خطوط نویسی کا آغاز یقیناً مرقومۃ الصدر سنوں سے پہلے ہوا ہوگا مگر چوں کہ اب تک اُن کا پتا نہیں چلتا اس لئے اُس مطبوعہ مجموعۂ مکاتیب سے جس کو اُن کے خلفِ محمود۔ سید راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود جنگ سابق ناظم تعلیماتِ دکن وحال وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے شائع کیا ہے۔ چار خط درج کئے گئے۔ ان خطوط کے انتخاب میں دو باتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اوّل یہ کہ شائع شدہ خطوط کے ابتدائی اور انتہائی نمونے پیش نظر رہیں دوم یہ کہ اُن کے سچے خلوص اور دلی محبت اور قدر شناسی کی اصلی حالت ایسے مکتوب الیہم کے مقابل میں معلوم ہو جائے جو وجاہتِ دنیاوی کلکٹری یا دیوانی کی نظارت تک محدود نہیں بلکہ اہلِ حرفہ کی نجاری و معماری تک یکساں نظر آتی ہے۔ اس کا ثبوت محمد سعید خاں کے خطوط سے ملے گا۔ اور اسی کے ساتھ ایک صدی قبل کی مشرقی تعلیم اخلاق کا مرقع نظر آئے گا جس نے کاتب کو اپنے بچوں کی طرف سے اظہار سلام پر مکتوب الیہ کی اولاد کو دعا دینے پر نہ صرف رسماً بلکہ از روئے محبت فرضاً مجبور کیا۔

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۹	عثمان خاں مدار المہام ریاست رام پور	شاہ سید صاحب عالم صاحب مارہروی	۱۲۸۶ھ ۱۸۷۰ء	جناب میاں صاحب مخدوم جہان و جہانیاں سلامت! نیاز اور تسلیم نیاز مندانہ کے بعد عرض پرداز ہوں کہ بورودِ مکرمت نامجاتِ جناب افتخار اندوزِ دارین ہوا علی الخصوص حصولِ ملاقاتِ جناب سید شاہ عالم صاحب کے سے تعویقِ تحریرِ جواب نظر بکثرتِ کار عقیدت کیش معاف فرمائی

جائے اور آئندہ کو مدام مدام باحصولِ ملازمت شریف بترسیلِ مکاتیب مفاخرت اسالیب عقیدت شعارہ کو مسرور و مفتخر فرماتے رہیے۔ اور با وقاتِ خاص گوشۂ خاطر سے سہوا و محو نفرمائیے۔ زیادہ حدِ ادب۔ ملتمسۂ خادم عزلت گزین محمد عثمان خاں۔ محرّرہ ۲۰۔ دسمبر ۱۸۶۷ء

تبصرہ و کیفیت

مقدمہ و عنوان میں بتایا گیا ہے کہ اُردو نثر اپنی نوعی حیثیت سے جتنی شاخیں اس وقت تک قائم کرسکتی ہے حتیّ المقدور اُن سب کے نمونے دکھائے جائیں گے۔ اسی سلسلۂ التزام میں غالباً ایک مشہور مدبر مدار المہام ریاست کی یہ تحریر بے محل نہ سمجھی جائے گی اگرچہ ادبی حیثیت سے کوئی نمایاں بات نہیں۔

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۰	شمس العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں دہلوی	مولوی حافظ بشیر الدین احمد خلف کاتب	سنہ ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء	میاں بشیر! مولوی..... صاحب تمھارا اسباب لے گئے۔ تم اپنی ضرورت کی چیزوں سے مطلع رکھو کتاب وغیرہ جو کچھ درکار ہو لکھ بھیجو، میں روانہ کردوں گا تم جو چاہو وہاں کرو میری طرف سے یہی ایک فرمایش ہے کہ تم پڑھو۔ تم نے آخر اپنا فارسی خط تو درست کیا کہ ہاتھ سنبھال کر لکھتے ہو تو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ذرا سا

لحاظ قاعدوں کا کرلو کہ کس طرح حروف کو ترکیب دیں تو اور عمدگی پیدا ہو۔ لیکن انگریزی خط کو تم نے پیٹ بھر کے بگڑنے دیا۔ خوش خطی کوئی کمال نہیں مگر ہنر ہی اور شروع میں تھوڑا سا اہتمام کرنے سے آدمی خوش خط ہو جاتا ہی اور جب ہاتھ نے ایک روش اختیار کرلی تو گھسیٹ میں بھی وہی شان باقی رہتی ہی۔ میں مانتا ہوں کہ مجھ میں ہنرِ خوش خطی نہیں ہی تو کیا ضرور ہی کہ تم میرے معائب ومناقص کی تقلید کرو۔ خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدِرَ۔ اگر مجھ میں کوئی صفت ہی خدا تم میں وہ صفت علی وجہ الکمال پیدا کرے میرے عیوب سے خدا تم کو بچائے۔ آمین۔ ذرا انگریزی خط پر توجہ کرو۔ اگر قلم دوات کاغذ علی وفق المراد (حسب خواہش) نہیں یہ چند پیسوں کی چیز ہی اور ہنر اگر ہاتھ میں آگیا تو دولتِ لازوال۔ گو تم اپنی والدہ سے عارضی ناخوش ہو لیکن بشیر! تم کو خدا نے عقل دی ہی تم اُن کی پوری اطاعت کرو۔ ماں نمونہ شفقتِ الٰہی کا ہی۔ اور ماں باپ کے جو حقوق شارع نے قرار دیے ہیں وہ حقیقت میں تلافی ہی اُن احسانوں کی جو ماں باپ اپنی اولاد پر کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہی کہ تمھاری والدہ کبھی تم سے بے سبب ناخوش ہوں لیکن ؂

آں را کہ بجائے تست ہر دم کرمے　　عذرش بنہ ار کند بہ عمرے ستمے

۲ر جولائی ۱۸۷۶ء

(۱۷) ایضاً بنام مسٹر ریڈ۔ مہتمم بندوبست مرقومہ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۷ء

جناب عالی! میں اپنے دوسرے خطوط میں ان شاء اللہ آپ پر ثابت کروں گا کہ میں نے اپنی انگریزی کو جیسی ٹوٹی پھوٹی اعظم گڑھ میں تھی اب تک بھلایا نہیں مگر چوں کہ ابتدائے مفارقت

سے جس کو چوتھا برس ہی میرا پہلا عریضہ ہی میں چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات کو اپنی زبان میں ادا کروں
بشیر نے آپ کی چٹھی کی نقل دلّی سے میرے پاس دورے میں بھیجی اور اُس کے پڑھنے سے وہ
پانچ برس آنکھوں میں پھرنے لگے جو آپ کے سایۂ عاطفت میں نہایت خوشی اور اطمینان کے
ساتھ اعظم گڑھ میں گزرے۔ اگرچہ مفارقت کو بہت دن ہوئے مگر آپ کی مہربانیاں نہ بھولی ہیں
نہ بھولیں گی۔ میرا حال اس ملک میں اُس شخص کا سا ہی جو کبھی ناؤ پر نہ بیٹھا ہو اور دفعۃً اُس کو
طوفاں خیز سمندر میں بادبانی جہاز پر بیٹھکر سفر کرنا پڑے۔ بشیر کا یہ کہنا کہ میں نے اس ملک کا
رہنا ٹھان لیا ہی صرف اس قدر صحیح ہی کہ اُنھوں نے مجکو کبھی کہتے سنا ہوگا، مگر یہاں کے حالات کو
خود ثبات و قیام نہیں اور اس حالت میں کوئی رائے جم نہیں سکتی۔ تاہم اس میں بھی شک نہیں
کہ میری طبیعت مطلقاً نوکری سے گریز سا کرتی ہی مجکو یہاں صدر تعلقہ داری کی خدمت
سپرد ہی اور یہ انگریزی عمل داری کی کمشنری سے بہت ملتی ہوئی ہی۔ تنخواہ وہاں بہت،
اور اختیارات یہاں۔ مجکو تنخواہ کے بارہ سو ۱۲۰۰ ملتے ہیں۔ اور یہ تعلق بندوبست دوامی بھتا مالعہ
یہاں کا روپیہ تین آنے کے قریب انگریزی روپئے سے چھوٹا ہی۔ اور چیزوں کا نرخ بھی اکثر گراں۔
اس ملک میں کبھی پارسی مقتدر رہے ہیں۔ کبھی مدراسی اور ان دنوں ہندیوں کا دور دورا ہی۔
مگر اس ملک کے لوگ صرف حسد کی وجہ سے ہم لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں، انتظام کی مختصر
کیفیت یہ ہے کہ ذاتِ نظام کو اس ملک میں حضور یا بندگانِ عالی سے تعبیر کرتے ہیں اور
لفظِ حضور جو وہاں تعظیماً بولا جاتا ہی اس کا مرادف یہاں لفظ تقصیر ہی۔ حضور کا سِن شریف
پندرہ برس کا ہی اور اُس وقت تک کہ حضور زمام سلطنت اپنے دست مبارک میں لیں

نواب مختار الملک سر سالار جنگ بہادر اور نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر ایجنٹ ہیں۔ ان دونوں میں جو باہمی اختلاف ہی وہ آپ اخبار میں پڑھتے ہوں گے۔ انتظام سلطنت نواب مختار الملک کرتے ہیں۔ باستثنائے امور عظیمہ جس میں مشاورت امیر کبیر ضرور ہی۔ ملک بہت وسیع ہی، مگر اس کا ایک بڑا حصّہ جاگیر۔ خود حضور نے جس قدر ملک اپنے واسطے الگ کر لیا ہی وہ صرفِ خاص کہلاتا ہی۔ جاگیرداروں میں سب سے بڑے جاگیردار امیر کبیر ہیں جن کے خاندان میں حضور کی صاحبزادیاں بیاہی جاتی ہیں۔ ان کی جاگیر کو لوگ ساٹھ لاکھ رُپے سال کا بیان کرتے ہیں۔ اُن سے اُتر کر اکثر مسلمان اور بعض ہندو جاگیردار ہیں۔ صرفِ خاص اور جاگیرات نکل کر جو ملک بچا وہ دیوانی کہلاتا ہی یعنی متعلق بہ دیوان (وزیر)

نمونۂ عبارت	سنِ کتابت	نام مکتوب الیہ	نام کاتب	نمبر شمار
سرمایۂ نازشِ تیرہ روز منیر برخوردار سید جلیل الشہیر سلمہ اللہ القدیر۔ بعد از اسلمۂ شائقہ وادعیۂ متکاثرہ لائقہ واضح خاطر سعادت مآثر عزیز ہو۔ الحمد للہ والمنّۃ کہ میری دعاؤں کا اثر ہوا، اور حضرت تقدّس تعالیٰ شانہٗ نے مژدۂ ولادتِ باسعادت فرزندِ ارجمند بخانۂ آں عزیز سعادت پیوند و طالع مند سنایا۔ سالِ گزشتہ میں فوتِ صَبیّہ سے جو گرد	۵ محرم ۱۲۹۶ھ	مولوی سید محمد ذوالفقار صاحب منیر پیر ظہیر الدین احمد خاں (سرشتہ دار اعلیٰ)	منشی سید احمد حسین صاحب منیر شکوہ آبادی	نمبر ۱۲

ملال عارضِ چہرۂ جمال ہوئی تھی وہ اس آب یاریِ رحمت و فضلِ ایزدی سے زائل و برطرف ہوگئی۔ قطعہ تاریخِ ولادت عن قریب ان شاء اللہ پہنچے گا۔ ان دنوں باوجود آلام و اسقام پیری و تکلیفِ حضوریِ دربارِ دربار حضور ولی نعمی ادام اللہ اقبالہٗ العالی جس قدر وقت ملتا ہے آپ کی تعمیل فرمایش میں صرف ہوتا ہے۔ باختر و بالا باختر کی جلدیں کتب خانہ سرکاری میں داخل ہوگئی ہیں، اب اُن میں سے کسی داستان کی نقل حاصل کرنا دشوار ہے۔ جلد طلسم گوہر بار محض آپ کی پاس داریِ خاطر سے پھر لیکر ایک کاتب کو تبیض کے لئے دے دی ہے، وہ لکھکر آجائے تو بھیج دوں۔ لایقِ دید و سیرِ نظر ہے۔ شفیقی لالہ مادھو رام جوہر کی تحریر سے تمھارا فرّخ آباد کے مشاعرے میں شریک ہونا اور بے اصلاحی غزل پڑھکر شہرت و عزّت حاصل کرنا معلوم کر کے شکریۂ باری تعالیٰ ادا کیا۔ ماشاء اللہ تم مؤید من اللہ ہو۔ ہر معرکۂ سخن میں سُرخ رو و بار آور رہو گے۔ لیکن ابھی سے کہ زمانۂ مشقِ ابتدائی ہے ایسی جرأت یعنی بے اصلاحی کلام کا مجمع شعرائے نامی و کہنہ مشق میں پڑھنا آیندہ سے قابلِ احتیاط ہے۔ اگرچہ آپ کی خداداد ذہانت و علمی قابلیت سے اطمینان ہے۔ تم نے اب تک وہ غزل نہیں بھیجی، دو چار شعر جن کی خاص کر زیادہ شہرت و قبولیت ہوئی جوہر نے لکھے ہیں۔ تمھارا یہ شعر خاص میرے رنگ کا ہے۔

جادۂ صحرا کی نبض اے دستِ وحشت دیکھنا　　　میرے سائے سے بڑھی گرمی مزاجِ یار میں

ماشاء اللہ چشم بد دور، میرے خیال میں اتنا بلند شعر کوئی مبتدی یا اس عمر والا ہرگز ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ طرح فرمایشی پر مطبوعہ غزل تمامہ بھیجتا ہوں والدعا۔ یہاں تک لکھوا چکا تھا کہ آپ کے ماموں صاحب قبلہ جو میرے قدیمی عنایت فرما

اور محسن زادے ہیں تشریف لائے۔ اور آپ کا دستی خط دیا، جس کے پڑھنے سے بے حد مسرور ہوا۔ دیر تک تمہارا ذکر رہا اور تفصیل سے حالات دریافت ہوئے۔ میں تم کو اس خط میں اور ہمیشہ کبھی آپ اور کہیں تم ضمیر مخاطب حاضر سے تخاطب کرتا ہوں، تم سمجھتے ہوگے کہ یہ شتر گربہ کیسا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا لفظ تعظیمی بہ اعتبار خیال سیادت و قابلیت لکھتا ہوں، اور اقتضائے جوش محبت یا شفقت اُستادانہ سے جو بمنزلہ رافتِ پدرانہ ہے تکلف برطرف کر کے تم بھی لکھوا جاتا ہوں۔ ایطا کی بحث تم نے ماشاء اللہ نہایت قابلیت سے لکھی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ فارسی گویوں اور اُردو والوں کے قواعد میں اتفاق نہیں ہے۔ لگانا، اُٹھانا کے تصفیہ کرنے میں آپ کی احتیاط مناسب اور میرے قواعد و اصول کے موافق ہے مگر اُردو میں فحولِ شعرا نے کہا ہے تو اسے ناجائز نہ سمجھو۔ اس بحث کو چھپوانے کی ضرورت اور شاہ مدار کی ریوڑیاں بنانے کی کیا حاجت ہے۔ مکرمی جناب حافظ صاحب قبلہ (تمہارے ماموں صاحب) بخیر و عافیت پہنچ گئے ابو محمد بدر تسلیم رساں ہے۔ ۱۸؍ ذی الحجۃ الحرام ۱۲۹۷ھ ہجری از رام پور افاغنہ سیہ اعمال منیر۔

تبصرہ و کیفیت

باخبر شعرا و اہلِ قلم بالعموم جناب منیرؔ سے واقف ہیں، البتہ موجودہ زمانے کے اکثر نوعمر اور بعض کثیر المشاغل حضرات آگاہ نہ ہوں گے اس لئے اپنا پتا بتا دینا مناسب ہے کہ سید اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آباد ضلع مین پوری (صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ) کے رہنے والے، ناسخؔ کے شاگرد، اور اسیرؔ و امیرؔ اور جلالؔ و داغؔ کے معاصرین میں ممتاز اور قابل اور مسلّم الثبوت شاعر تھے۔

اور خلد آشیاں نواب کلب علی خاں والی رام پور کے شوائے نورتن میں چمکتے ہوئے جوہر تھے

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونہ عبارت
نمبر ۱۳	سعید ازلی (بقلم نواب سید محمود آزاد انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کلکتہ)	نوجوان دوست	۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء	"تہذیب آموز نامہ وپیام" میرے نوجوان دوست! ایک بے تکلفی اور یک رنگی کے رنگ سے رنگا ہوا گڈ ایوننگ۔ (سلام شام) لو اور پھر میرا قصہ سنو! اگو میری کہانی بہت طولانی ہی مگر میں اختصار کے ساتھ تمہارے تاریک دماغ کی صفائی کے لئے اپنے قلم سے کچھ تھوڑا سا کام لیا چاہتا ہوں اور اپنے بیش بہا وقت سے تھوڑا سا وقت تم کو دیتا ہوں۔ اس وقت میں سیلرس یونین ہوٹل میں سمندر کے کنارے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بیٹھا ہوں اور رات کا وقت ہی۔ دیہاتی ہوٹل کا ایک روشنی کُش لمپ میز پر رکھا ہی۔ سمندر کی ہوا چل رہی ہی۔ جس سے مردہ زندہ اور بیمار توانا اور

اور تندرست ہوتا ہی۔ ہوٹل کے بار (دکانِ شراب) میں خلاصیوں کا ہجوم ہی۔ اور ہئو ہئو اور ہنوش ہنوش کا وہ غل ہی کہ دماغ پھٹا جاتا ہی۔ کل کا ڈیلی نیوز میرے سامنے دھرا ہی

اور ایک شیری کی بوتل بھی ایک سمت کو الگ کھلی ہوئی رکھی ہی۔ جب سردی کا غلبہ ہوتا ہی دو ایک وین (گھونٹ) چڑھا جاتا ہوں، آتش دان میں آگ بھی روشن ہی۔ مالک ہوٹل اور خدمت گار بڑے وسیع الاخلاق اور ذی شعور ہیں، گو ان کا لباس کسی قدر میلا ہی۔ کل میرا قصد ہی کہ یہاں سے ڈبلن (پایۂ تخت ہالینڈ) کو روانہ ہوں اور وہاں جو خط مجھے لکھو۔ ڈبلن رائل ہوٹل کے پتے سے لکھو تو ضرور مجھے مل جائے گا۔ میں نے اپنی محنت و مشقت کے زور سے ایک امتحان معمولی پاس کیا ہی اور اب کونسلی بن رہا ہوں، یعنی قانونی تعلیم میری ہو رہی ہی۔ قانونی تعلیم میں بڑا لطف ہی یعنی کھاؤ پیو مزے کرو۔ اور اس کے ساتھ تحصیل علم۔ بعض وقت بڑی حسرت سے مجھے تیری بربادی یاد آتی ہی اور میں دیکھتا ہوں کہ تیرا بیش بہا وقت اُس نیم وحشی ملک میں جہاں کسی قسم کی کامل تعلیم کوئی نوجوان پا نہیں سکتا۔ برباد ہو رہا ہی۔ اور تیرے بزرگوں کو مطلقاً اس کا خیال نہیں کہ ہندوستان میں آج کل جوان آدمی کے لئے تعلیم پا کر ترقی کرنے کا کوئی ذریعہ اور راستہ باقی نہ رہا۔ اور بغیر لندن آئے کوئی چارہ نہیں ہی۔ تم خود خیال کر سکتے ہو گے کہ میرے خیالات کس قدر جلد یہاں آنے سے درست اور روشن ہو گئے ہیں۔ اور اب ہر بات کو میں کس طرح مغربی انداز سے سوچتا ہوں۔ ہاں یہ تو کہئے میری نسبت احبابِ وطن کی رائے کیا ہی۔ اور میرے خیالات اور تحریکوں اور رائے زنیوں کو میرے عزیز اور ہم وطن کیسا پسند کرتے ہیں۔ کہیں یہ تو کسی کے خیال میں نہیں سما گیا کہ میں ولایت میں آکر نیم یورپین ہو گیا ہوں۔ بھئی سچ تو یہ ہی کہ اس سرزمین پر بغیر آئے طبیعت انسانی پر قلعی نہیں ہو سکتی۔ انسان اپنی دنیوی ضرورتوں اور اپنے فرائض سے واقف و آگاہ نہیں

ہو سکتا۔ خیالات میں وسعت نہیں آسکتی۔ آزادی کی بو دماغ میں نہیں سما سکتی۔ اپنے بزرگوں کے پراگندہ دماغ کو آدمی درست نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ کہ یہاں نہیں آنے سے کوئی آدمی میری رائے ناقص کے مطابق تہذیب یافتہ نہیں ہو سکتا۔ تمھارا یہاں آنا کوئی مشکل بات نہیں مگر تم اس طرح کم سنی میں شادی کر کے مقید اور پابند ہو گئے ہو کہ تمھاری آزادی میں فرق آگیا ہے۔ اور گویا اب تم پر سسرالی قرابت مندوں کا بھی ایک قسم کا دباؤ اور اختیار ہے۔ تمھاری بی بی کی عمر شاید ۱۳ برس ہے اور ابھی تک شاید وہ الف لام ہی پڑھتی ہوں گی۔ پس میرے خیال کے مطابق اور پانچ برس تک تمھیں اُن سے مہلت ہے۔ پھر ایسی حالت میں پانچ برس تک بے کار مقید رہو گے۔ اور کوئی فائدہ تعلیمی تم کو اس قسم کا نہیں پہنچے گا جس سے تم اپنے آیندہ حصۂ عمر میں دنیا میں چمک سکو۔ یا کوئی بڑا کام انجام دو یا قوم کے مُصلح یا ہادی بنو۔ اگر خوبیِ قسمت سے کوئی عہدہ سرکاری مل گیا پھر شبانہ روز بجالتِ ماتحتی ناجائز خوشامد میں تم مصروف رہا کرو گے اور کوئی آزادانہ کام تم سے نہ ہو سکے گا۔ ہاں آج تک کوئی مسلمان اپنی بی بی کو لے کر ہندستان سے بنظرِ تعلیم یہاں نہیں آیا اور ایک روشن رائے شخص نے جو قصد کیا تھا وہ غریب مر گیا۔ اور اُس کے مرنے کو تیرہ عقل اور کم زور رائے کے ظالم لوگ اپنی دعا کی تاثیر بتاتے ہیں اگر تم کسی طرح اپنی نوجوان جورو کو لے کر یہاں چلے آؤ تو بہت ہی خوب ہو۔ اور میرے بھی تمھاری نیٹو میم کے ذریعے سے بڑے بڑے کام نکلیں۔ اگر تم ایک استقلال کے ساتھ کارروائی کرو تو کوئی مشکل بات نہیں اور تم اس کام کے انجام دینے سے ایک نامی تاریخی آدمی بن سکتے ہو۔ یعنی آیندہ تاریخوں میں تمھارا اور تمھاری نوجوان بی بی کا تذکرہ یادگار رہے گا۔ اور (آیندہ نسل)

کی عورتیں گویا ایک دیوتا کی طرح تمھاری جورو کی پوجا پرستش کریں گی۔ پہلے تم رُپیہ جمع کرلو اور
جب دیکھو کہ کافی رُپیہ ہو لیا تو بس ایک روز صاف اپنی میم کا ہاتھ بغل میں دبا کر بمبئی چل دو
اور وہیں سے مجکو بھی تار میں خبر دو۔ تاکہ ہم لوگ سب کے سب کچھ دور تک اگر تم لوگوں کا
استقبال کریں۔ میرا تو قصد ہی کہ اگر تم اس معرکے میں کامیاب ہوئے تو میں سورت سے تم کو جا کر
لے آؤں گا۔ گو بعد اس کے مسلمانانِ ہند بڑا غل مچائیں گے اور اخباروں میں یہ مضمون چھپے گا،
مگر مہذّب اخبار ضرور تمھاری پیروی کریں گے۔ گو دیسی اخبار مُرغِ بے ہنگام کی طرح چلّائیں۔
بلا سے اُن کی سُنتا کون ہی۔ ادھر تم یہاں پہنچے کہ میں نے اپنی عزیز بہنوں کے منگوانے کے لئے
زور لگایا۔ کیوں کہ بغیر تعلیم یافتہ عورت کے مرد کے لئے دنیا جہنّم سے بدتر ہی گو آپ کے باپ
چچا وغیرہ بہت برافروختہ ہوں گے مگر اس قسم کے پُرانے بے وقوف اور سیدھے بڈھوں کا
پھُسلا لینا کون مُشکل بات ہی۔ یہ میرا ذمہ ہی کہ میں تم سے اور اُن سے صلح کرا دوں گا۔ تم پہلے میری
صلاح پر عمل تو کرو اور یہاں چلے تو آؤ۔ پھر دیکھو تمھاری بی بی یہاں کیسی مقبول ہو جاتی ہی۔ ضرور
بالضرور بڑی بڑی لیڈیوں حتیٰ کہ قیصرِ ہند تک اُس کی رسائی ہو جائے گی اور پھر اُس وقت
دیکھنا کہ تمھارے ساس سسرے کس طرح فرطِ مسرّت سے اپنے جامے میں پھولے نہیں سماتے
اور پھر تمھاری ہر طرح کی تائید کس سرگرمی سے ہوتی ہی، تم جانتے ہو لڑکوں کی تعلیم و تربیت
زیادہ تر اُن کی ماں کی لیاقت پر موقوف ہی۔ پھر اگر ہم لوگ ان عورتوں کی عمدہ تعلیم کا سامان
نہ کریں تو آئندہ نسل کی تعلیم و تربیت کا کیا سامان۔ ہم لوگوں میں گلیڈ اسٹون اور وسٹرلی
سا قابل اور عالی دماغ آدمی کیوں نہیں پیدا ہوتا؟ اس کا سہل جواب یہ ہی کہ ایسی مائیں

ہندوستان میں کہاں ہیں کہ اس قسم کے نادر، نامور، اور زور آور لڑکے جنیں۔ میری خصلت میں جو نقص اور کم زوری ابھی تک باقی ہی یہ سب امّاجان کا قصور ہی۔ جس لئے میرا دل شبانہ روز روتا ہی، کاش میں ایک قوی ہیکل اور تعلیم یافتہ ہالینڈ کی کوہستانی عورت کے بطن سے پیدا ہوتا، تو میرے گال گلاب بصری کے پھول کی طرح سُرخ رہتے، دماغ پُرقوت، دل توانا اور قوی ہوتا اور یہ خصلت کی کم زوری کبھی ظاہر نہ ہوتی مگر تاہم شکر ہی کہ یہاں کی عمدہ صحبت اور آب و ہوا اور غذا کی بدولت میں نے اپنے کو اور اپنے دل و دماغ اور خصلت کو مرمت کر ڈالا ہی۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ تم یہاں آؤ گے تو تمھاری خصلت کا نقص بھی سب نکل جائے گا ہم لوگ جب تک باہمی کشمکش اور تدبیر اور ولایتی حکمت عملی کے زور سے ہندوستان کی بدعقل تیرہ رائے اور متعصّب عورتوں کی ناجائز آزادی کُش اور جہالت بارشرم کی تھیلی کو جلا نہ دیں گے تب تک کبھی وہ دولت حاصل نہیں ہوسکتی جس نے سارے ممالک یورپ کو ہر قسم کے فوائد سے مالا مال کر دیا ہی، یا شاید تم نہیں جانتے کہ ولایت کے حکما کی یہ بھی ایک حکمت عملی اور بڑی موثّر حکمتِ عملی ہی، کہ جب کسی وحشی اور جنگلی قوم کے لوگوں کو مہذّب بنانا اور اُن کے ملک میں نئی روشنی کا چراغ جلانا چاہتے ہیں تو اُس قوم کے کسی آدمی کو کسی طرح یورپ میں لے آتے ہیں اور یہاں لاکر اُس کو عمدہ طرح سے تعلیم و تربیت کرتے ہیں اور جب وہ زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوتا اور سنِ شعور کو پہنچتا ہی تو اُس کو اُس کے وطن میں لے جاکر چھوڑ دیتے ہیں، اور وہ پھر اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھا کر اور تعلیم اور تہذیب کے فوائد دکھا کر راہ پر لے آتا ہی، اور رفتہ رفتہ ساری قوم تربیت یافتہ ہوجاتی ہی۔ دیکھو سونتال

لوگوں سے اسی حکمتِ عملی کا برتاؤ ہو رہا ہی، اور افریقہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہی، میں نے تم کو جو صلاح دی ہی اُس کی بنا اسی حکمتِ عملی پر ہی۔ یعنی جہاں کسی ملک میں ایک معزز مسلمان کی عورت یہاں آئی اور تعلیم یافتہ ہو کر مع الخیر ہندوستان گئی پھر ہر میل میں ایک درجن بیگمات ولایت میں آئیں گی، اور اہل یورپ بھی اس کو دیکھیں گے کہ ہاں ہم لوگوں کی عورتیں کیسی ذکی، حسین، اور نازنین ہوتی ہیں۔ ایسا ایک زمانہ تو آنے والا ہی کہ جب تربیت یافتہ بیگمات کلکتے میں گاڑیوں میں سیر کریں گی، جلسوں میں جائیں گی "لکچر دیں گی" اپنا کلب بنائیں گی۔ مگر چوں کہ میری بڑی تمنا ہی کہ اس ترقی کی ابتدا اپنے زمانے میں دیکھوں اور جلد دیکھوں اس لئے میں بڑی سرگرمی سے اس معاملے میں کوشش کر رہا ہوں اور میرے بہت سے نوجوان دوست اور معتقد بھی ہندوستان میں ان خیالات کی اصلاح میں مصروف ہیں۔ اور میرا یک مشن (مقصدِ عظیم) بعنایتِ ایزدی اچھی ترقی پکڑ رہا ہی۔ گزشتہ میل میں ایک معزز کم سن نوجوان نے یہاں آنے کی خواہش ظاہر کی ہی اور تم غالباً جان گئے ہوگے کہ وہ کون ہی۔ میں اس کو صلاح دینے والا ہوں کہ یہاں ڈبل ہو کر آئے تا اُس کی ڈبل تعظیم اور تعلیم ہو۔ اب اس وقت ڈنر (طعام شام) کی گھنٹی بجی میں کھانا کھانے جاتا ہوں اور خط بند کر کے ہوٹل کے آدمی کے حوالے کرتا ہوں عبدالرزاق مرزا ہاشم علی وغیرہ کو سلام کہو اور یہ خط پڑھوا دو۔ راقم سعید ازلی۔ ۲۔ فروری ۱۸۷۹ء

تبصرہ و کیفیت

تمام خطوط میں ایک ہی خط ایسا ہی جس کو فرضی اور تمثیلی کہا جاسکتا ہی، مگر چوں کہ اکثر اسی

قسم کے بلکہ بالکل ایسے ہی خیالات مقلدینِ یورپ نے بسا اوقات ظاہر کئے ہیں اس لئے عبرۃً للناظرین اس نقل کو کالاصل سمجھکر لکھا گیا۔

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۴	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دہلوی	منیجر سید حسین بلگرامی	سنہ ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء	جناب من! التسلیم، مجھے بھی کئی دن سے خیال تھا۔ الحمد للہ کہ خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ بدلی سے تو یہ خوشی ہوئی کہ ایک دن لاہور کی منزل میں ملاقات ہوگی اور بہت سی باتیں جو تحریر میں نہیں سماتیں، زبانی ادا ہوں گی۔ مگر یہ خیال ہے کہ اب ہندوستان کی طرف بڑھتے چلے جائیں گے۔ خیر میں نے کون سا پنجاب سے نکاح کیا ہوا ہے۔ سبحان اللہ سکوں کا شوق آپ کو کب ہوا، جب کہ سکوں کی کان سے آپ جدا ہوتے ہیں جہلم سے لے کر پشاور تک سکوں

کا گورستان ہے۔ مجھے آپ سے زیادہ شوق تھا مگر پانچ برس ہوئے میرے ۲-۳ سو سکے دفعتًہ گم ہوگئے ایسا صدمہ ہوا کہ اب تک جب خیال آتا ہے، دل تڑپ جاتا ہے۔ بیزار ہوگیا، اور خیال کا بھلانا مصلحت دیکھا۔ دکان دکان پھر کر اور گداگری کر کے برسوں میں جمع کئے تھے ہزاروں میں سے انتخاب کر کے رکھے تھے اور تمام گریک (یونانی) تھے۔ ہائے افسوس، رنج

ہوتا ہی نہیں لکھا جاتا ہی۔ آپ کے لیے جس قدر ممکن ہوگی کوشش کروں گا جب لاہور کے قریب پلٹن پہنچے تو ضرور لکھیے گا۔ وہ سیّد مصطفیٰ خلف سیّد ابنِ علی صاحب بلگرامی یہاں بیمار ہو گئے اُن کی بیماری نے طول کھینچا، بخار ایسا لپٹا کہ نہایت ضعیف کر دیا۔ آدمی کجا، اور خدمت کجا، بیمار داری، تیمار داری کجا۔ میرا لڑکا ایک دن خبر لایا، کہ میں گیا تھا مجھے چند باتوں کے بعد اُنھوں نے پہچانا۔ یہ سُن کر میرا دل رہ نہ سکا، انھیں مکان پر لے آیا۔ اب آپ کے جد کے تصدق سے اللہ نے مجھ روسیاہ کی دعائیں قبول کیں۔ اور انھیں شفا دی چنانچہ ۲۹ نومبر کو بخیر و عافیت روانہ حیدرآباد ہوئے۔ اب یہ دعا ہی کہ بہ خیر و سلامت اپنے بزرگوں کے پاس پہنچ جائیں۔ مولوی صاحب کو خط لکھیے تو میری طرف سے تسلیم لکھیے گا۔ اور بھائی تو آزاد کو کیا جانیں گے۔ جواب ضرور لکھیے گا۔ دعا کا محتاج بندہ آزاد ۴ دسمبر ۱۸۹۴ء

تبصرہ و کیفیت

۱۹۰۶ء کے رسالہ مخزن (لاہور) میں چند ماہ تک ان خطوں کا سلسلہ جاری رہا ہی وہیں سے ایک خط نقل کر لیا گیا۔ شمس العلما آزاد کی اُردو میری نقادی سے مستغنی ہی۔ یہ چند سطریں مندرجہ بالا خط کے ایک فقرے نے لکھوائی ہیں یعنی "خیر میں نے کون سا پنجاب سے نکاح کیا ہوا ہی" اس لطیف بذلہ سنجی میں علامتِ فاعلی (نے) کے ساتھ (کیا ہوا) کا جوڑ اس لیے نہیں ہی کہ وہ صحبتِ پنجاب سے متاثر ہو کر وہاں کا روزمرہ لکھنے لگے تھے بلکہ اندازِ تحریر اور موقعِ بیان بتاتا ہی کہ عمداً یہ تفریح کی گئی ہی اور یہ ایسی ہی مثال ہی جس طرح کہ دیو و غریو کے قوافی کے

کے ساتھ ایک ایرانی شاعر نے سیب کی جگہ سیو کہہ دیا ہی ؎

غلط گفتم دریں معنی کہ گفتم زنخدانِ نگارِ خویش را سیو (سیب)

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنِ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۵	منشی امیر احمد امیر مینائی	حافظ سید عبد الجلیل صاحب مارہروی	سنہ ۱۳۰۵ھ ۱۸۸۸ء	مگر ما اگھائل کو قدما میں اکثر شعرا نے بفتح یا موزوں کیا ہی۔ شاہ ظفر دہلوی وغیرہ نے اُنھیں کی تقلید کی۔ مگر متوسّط طبقۂ شعرا نے بکسر یا موزوں کیا۔ البتہ اس طبقے میں بحر مرحوم نے بفتح یا کہا ہی اور مجھسے بالمشافہہ یہ ذکر کیا کہ وزن سے لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہی، درحقیقت ہندی لفظ ہی بفتح یا۔ اُس صحبت

میں اسیر مرحوم بھی موجود تھے اُن کے نزدیک بکسر یا ہی رہا۔ اور اُنھوں نے فرمایا کہ طبقۂ متوسّطین میں جمہور شعرا نے بکسر یا کہا ہی، تقلید اُنھیں کی مناسب ہی اور خود وہ اُن کے اتّباع سے میں بھی بکسر ہی استعمال کرنا بہتر اور راجح سمجھتا ہوں، مگر چوں کہ لسبل ان معنوں میں شعرا کو مل گیا ہی تو اس کا استعمال کم تر ہی، ہاں جہاں کہیں مطلع میں لسبل کا قافیہ آگیا ہی اور ضرورت پڑی ہی کہ دوسرا قافیہ بھی انھیں معنوں میں ہو تو گھائل کہا ہی، اشعار سند کے اس وقت یاد نہیں اور میں عازمِ سفر ہوں لہٰذا تفحّص و تجسّس نہیں کر سکتا۔ فقط

امیر فقیر عفی عنہ بقلم لیاقت حسین۔ یکم رجب ۱۳۰۵ھ

نمونہ عبارت	تاریخ تحریر	مکتوب الیہ	کاتب	نمبر شمار
آپ کا عنایت نامہ پیرس میں ملا، اس سے معلوم ہوا کہ جو ناگوار تار تاری غلط فہمیوں سے ہوئی اُس کا آپ کو بہت رنج ہوا اور ہمارے لئے آپ کو تکلیف اُٹھانا پڑی، ہم بھی حضرت یہاں بیمار تھے، اور یہ واہیات ہو رہا تھا، فرق اتنا ہی کہ آپ تو اچھے ہو گئے ہوں گے اور ہم کو وہ روگ لگا ہی کہ جان ہی لے کر ٹلے گا۔ مولانا!	۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء	نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین خاں	نواب محسن الملک سید مہدی علی خاں	نمبر ۱۴

ہم تو نکمے ہو گئے۔ اوّل تو چار چھ مہینے میں مر ہی جاویں گے اور اگر خدا کی مہربانی سے بچ گئے تو بھی کسی کام کے نہ رہیں گے اور کام نہ ہو سکے گا۔ اب ہماری اور ہمارے پس ماندوں کی فکر کرو۔ جب تک ہم زندہ رہیں ہنسی خوشی میں ہماری گزران دو، اور اگر مر جاویں تو اچھی طرح اوّل منزل تک اپنے ہاتھ سے پہنچا دو۔ اوّل خط میں بھی لکھ چکے ہیں اور اب بھی لکھتے ہیں کہ صغیرہ کبیرہ کسی قسم کی کیسی ہی خطا ہوئی ہو اُسے معاف کر دو اور دل سے درگزر کرو۔ اب ہم کچھ زیادہ رہنے والے نہیں ہیں۔ مگر خوش نصیبی ہے کہ ایسے دوستوں کے ہاتھ میں اپنے سب عزیزوں کو چھوڑے جاتے ہیں جو ہمارے بعد ہم سے بڑھ کر اُن کا خیال رکھیں گے۔ مولوی صاحب! سچ جانو تم پر پورا بھروسا ہے تم سے زیادہ کسی کو میں حیدر آباد میں اپنا دوست نہیں سمجھتا، تم نے شروع سے اب تک

جو کچھ محبت اور دوستی میرے ساتھ کی ہے اُس کا میں شکر گزار ہوں۔ خدا کے سامنے اس کی تعریف کروں گا۔ اور جو کچھ سرکاری کام میں کبھی اختلاف رائے ہوا ہو وہ رحمت تھا، ہم دونوں نیک نیتی سے سرکاری کام اور سرکاری فائدے کے لیے لڑتے جھگڑتے تھے اور اگر زندہ رہے تو آئندہ بھی لڑیں گے اور جھگڑیں گے۔ مولوی صاحب آپ میری بی بی کو خوب سمجھا دینا اور خود جا کر اُن کی تسلی کر دینا کہ ڈاکٹروں نے اس مرض کو لاعلاج نہیں کہا، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ابتدائی حالت ہے اور امید ہے کہ دریا کی ہوا فائدہ کرے۔ یہ جگہ گرم ہے اور پارہ (۴۷) درجے پر ہے، بہ نسبت لندن کے یہاں میرا مزاج درست ہے، اور غالباً ایک ہفتے میں اور درست ہو جاوے گا مگر وہم اس قدر بڑھ گیا ہے کہ صحت سے بالکل مایوسی ہو گئی ہے۔ اور یہ بات دل میں جم گئی ہے کہ چھ مہینے کے اندر مر جاؤں گا۔ مہدی حسن نے جس قدر میرے ساتھ محبت اور دوستی کی ہے میں بیان نہیں کر سکتا، میں اُن کے اس برتاؤ سے جو اُنھوں نے میرے ساتھ یہاں کیا نہایت شکر گزار رہا، کئی دفعہ میں رویا اور اُن کو رُلایا۔ خدا بے چارے کو خوش رکھے، سرکار (سر سالار جنگ اوّل) کے نام عرضی بھیجتا ہوں وہ سرکار کو دے دیجیے گا، فقط

مہدی علی۔ پیرس ۴۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء

نمبر	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۶	وقار الملک نواب مولوی مشتاق حسین خان	آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان	سنہ ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۹ء	جناب قبلہ و کعبہ ام سلامت! آج کی ڈاک سے جو اخبار علی گڑھ سے پہنچا ہی اُس میں بیان کیا گیا ہی کہ راجہ امیر حسن خان بہادر (تعلقہ دار محمود آباد) کے سالانہ چندے کے معاوضے میں جو چندہ حیدر آباد میں ہوا وہ میری کوشش سے ہوا ہی۔ مگر اس میں ایک غلطی ہی اور میں درخواست کرتا ہوں کہ مہربانی سے میرے اس عریضے کو چھاپ کر اس غلطی کی اصلاح فرما دی جاوے۔ اس چندے کے لئے درحقیقت مولوی سید حسین صاحب بلگرامی نواب عماد الملک بہادر نے تحریک کی اور تمام اُن صاحبوں نے جو چندے میں شریک ہوئے اُن کے ساتھ بخوشی تمام اتفاق کیا، پس جو تعریف کہ اس چندے کے لحاظ سے ہو سکتی ہی اُس کے مستحق جناب ممدوح ہیں۔ اس موقع پر یہ بھی ایک حسنِ اتفاق ہی کہ گو راجہ صاحب کی

طرف سے اُن کا چندہ کسی مذہبی خیال سے بند نہ کیا گیا ہو، مگر اُس کا معاوضہ بھی ایک شیعہ مذہب ہی کی کوشش سے عمل میں آیا نہ صرف یہ کہ اس چندے کی تحریک صرف شیعہ مذہب کے بزرگ (نواب عماد الدولہ بہادر) کی طرف سے ہوئی بلکہ اس کے سات شریکوں میں سے پانچ شیعہ ہیں اور صرف دو سنت وجماعت ہیں' مولوی سید مہدی علی خاں صاحب نواب محسن الملک بہادر، اور آپ کا خادم، اور ان دونوں کی کیفیت بھی یہ ہو کہ نواب محسن الملک بہادر جن سے ایک زمانہ واقف ہو، مشہور پکے شیعہ خاندان کے ایک رُکن ہیں، اور گو وہ خود اب سنّی ہیں مگر اُن کا خون شیعہ ہو اور میرا خاندان بھی شیعہ اور سنّی دونوں سے مرکب ہو میرے نام سے بھی جب تک کسی کو خاص علم نہ ہو بادی النظر میں شیعہ پن پایا جاتا ہو، تو ان تمام خصوصیات سے معاوضۂ چندہ کو بھی شیعوں ہی کا چندہ کہنا چاہیے۔ والسلام۔ خاکسار مشتاق حسین حیدر آباد دکن ۳۰ ر اگست ۱۸۹۰ء

تبصرہ و کیفیت

جن پانچ بزرگوں کا ذکر خط میں کیا گیا ہو، اُن کے نام یہ ہیں :-

(۱) نواب عماد الدولہ عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی۔

(۲) شمس العلما مولوی سیّد علی صاحب بلگرامی۔

(۳) مولوی مہدی حسن صاحب نواب فتح نواز جنگ بہادر۔

(۴) مولوی سیّد اقبال علی صاحب بہادر۔

(۵) مولوی چراغ علی صاحب نواب اعظم یار جنگ بہادر۔

نشان	راقم	مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۸	شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی	(نواب صدر یار جنگ مولانا) مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی (صدر الصدور امور مذہبی دکن)	۶ فروری ۱۸۹۰ء ۱۳۰۷ھ	جناب من! لفظ ہاتھ میں بلاشبہ ہائے مخلوط ہی لیکن رات اور بات کا قافیہ بھی شعرانے باندھا ہی قافیے کی ضرورت ایسی ایسی خفیف فروگزاشتوں کو جائز کردیتی ہی۔ مرزا غالب کبھی اور کسی کی جگہہ کبھو اور کسو کو غیر فصیح سمجھتے تھے لیکن اُن کے اُردو دیوان میں قافیے کی جگہ کسو اور کبھو بندھا ہوا ہی۔ میں بھی ہمیشہ ہاتھ کو ہائے مخلوط کے ساتھ لکھتا ہوں، مگر قافیے میں ہات باندھنا جائز سمجھتا ہوں۔ زیادہ نیاز۔ خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت، محلہ انصاریان ۶ر فروری سنہ ۱۸۹۰ء
				۱۹۔ ایضاً مرقومہ سنہ ۱۹۰۰ء جناب من! آج کل دلی میں عموماً تکان کا لفظ مونث بولا جاتا ہی اور اکثر حاصل مصدر، یا (وربل ناؤن)

جو الف نون سے بنتے ہیں وہ مؤنث ہی بولے جاتے ہیں۔ جیسے چوڑان۔ چکلان۔ اُڑان۔ اُٹھان وغیرہ مگر نہان مذکر بولا جاتا ہے۔ اُستانی کے باب میں جب تک میں خود دلّی نہ جاؤں سلسلہ جنبانی نہیں ہوسکتی۔ شاید عن قریب وہاں جانا ہو۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے اور کسی مفید مشغلے میں مصروف ہوں گے زیادہ نیاز۔ خاکسار الطاف حسین حالی۔ از پانی پت۔ ۱۱ر مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

نمبر	کاتب	مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونہ عبارت
نمبر ۷	لالہ خوب لال صاحب مارہروی	سید آل برکات مارہروی	۸ ۱۲۱۸ھ ۹ ۱۸۰۳ء	جناب میاں صاحب تاجِ فرقِ سیّدات سید آل برکات صاحب۔ بعد تسلیمات بصد کورنشات ہیں مقصود و مطلب اشتیاقِ آستان بوسی زائد از حد ہے لیکن دردِ چشم مدّتِ دو نیم ماہ سے آمد و رفت کا سد ہے قطعۂ تاریخِ تولدِ صاحبزادۂ عالی ارادہ اس ہیچ مدان نے لکھا ہے اُسی روز سے قلمدان میں رکھا ہے مجبور آج بدست برخوردار بانکے لال ارسال خدمت کرتا ہوں مگر یہ امید رکھتا ہوں کہ اگر صحیح ہو ایجاب ہو، ورنہ ایسا چاک کہ نایاب ہو، زیادہ حدِّ ادب۔ بندہ خوب لال۔

نمبر شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۲	مولوی غلام حسنین کنتوری	نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی	۱۶ مئی ۱۸۹۸ء ۱۳۱۵ھ	الصدر الکبیر والحبر النحریر ادام اللہ مجدہٗ۔ بعد ادائے تسلیم وتحیہ آج افتخار نامہ بجوابِ عریضۂ ضراعت کے آیا اور دی یوم جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب مہتمم مدرسۂ احمدیہ آرہ کا خط متضمنِ اصلاحِ بعض فرو گزاشت کے جو مجھ سے مسئلہ حقوق والدین میں ہوئی ہیں جو باب سیزدہم انتصار الاسلام کا ہی پہنچ کر میرے زخم ہائے جگر کا مرہم سیاہ بن گیا۔ چودھواں باب نکاح با خواہران و دختران حضور کی خدمت میں بغرضِ اصلاح روانہ کر چکا ہوں

امید ہی کہ مشرف بملاحظہ ہوا ہو۔ اب مجھے ضرورت ہی کہ چند امور ضروری گزارش کروں۔ میرے علم وکمال کا شہرہ جو کچھ ہو مگر میں ہمیشہ محتاج مشورت اور اصلاح کا رہتا ہوں اور کبھی اپنی لیاقت پر مجھے ناز نہیں ہی۔ ہاں اس کا فخر ضرور ہی کہ میں اکابرِ علما سے اپنے خیالات کی خواہشِ اصلاح کرتا ہوں (۲) انتصار الاسلام ایسی کتاب نہیں ہی کہ تنہا میں خواہ کوئی بڑا متبحّر عالمِ اسلامی اس کو لکھ سکے۔ لہٰذا مجھے واجب ہی کہ جو کچھ میں لکھوں اُس کو اہلِ علم بنظرِ اصلاح دیکھیں اور میری اغلاط کو محض ہمدردیِ اسلام سے رفع کریں تب وہ کتاب مشتہر کی جائے ورنہ ہرگز مشتہر نہ ہو۔ چناں چہ

جس قدر مسودہ طیار ہے اس کے اجزا پہلے ملاحظے میں نواب سید علی خاں بہادر رئیس کان پور جو کہ بحمد اللہ علومِ اسلامی اور علومِ جدیدہ سے بھی کسی قدر آگاہ ہیں پہنچایا اور اُن کی پسند کے بعد اب جابجا دیگر علما کی خدمت میں بھی روانہ کر رہا ہوں، آپ کی اسپیچ مطبوعہ رودادِ ندوۃ العلما سے مجھے پوری امید ہوئی کہ آپ ضرور میرے مسوّدات کو ملاحظہ کریں گے اور فروگزاشت پر مجھے متنبّہ بھی کریں گے۔ چناں چہ آج وہ امید میری پوری ہوئی۔ ضرور مجھے آپ سے تعارفِ ظاہری نہ تھا مگر یہ کام اسلام کا ہے اس میں ظاہری تعارف کی کچھ حاجت نہیں۔ علمائے اسلام چہ شیعہ اور چہ اہلِ سنّت خدا سب کو توفیق دے میری ناقص رائے میں کمتر ایسے بزرگوار ہوں گے جن کو مغربی اصولِ جدیدہ کی اطلاع بھی ہو۔ مجھ سے اکثر بحث ہو چکی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارا علمِ کلامِ قدیم کافی ہے کل شبہات کے رفع کرنے میں۔ ہزار افسوس اب کیا کہوں جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اصولِ جدیدہ کس چڑیا کا نام ہے اور اپنے خیالی علمِ کلام سے سب کو رد بھی کر رہے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگر کوئی عالم کسی شُبہے کا جواب لکھے گا پھر اُس کو وحیِ آسمانی کی برابر سچا خیال کرے گا گو فی نفسہٖ کیسا ہی غلط ہو۔ اب فرمائیے ان علما سے کیا امید ہم کو ہو سکتی ہے۔ جن اصول پر لاکھوں فلاسفر کمیٹیاں کر کے اور آپس میں بحث فحص کر کے اُن کو قائم کر رہے ہیں اُن کو ایک عالم صدرا خواں کا رد کرنا کیسا، شاید سمجھ بھی نہ سکے گا۔ اسی نظر سے خاکسارِ کم مایہ اور ہیچ مدانِ بحث آپ ایسے حضرات سے بہزار عجز و انکسار گزارش کر رہا ہے کہ میرے مسوّدات کو بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیے تب جا کر اُن کو مشتہر کردوں اور میں ہرگز مدّعی اس کا نہ ہوں گا کہ مجھے قابلیت انتصار الاسلام کی تصنیف کی بلا امدادِ اکابر محوّل ہے۔ مکرّر یہ ہے کہ آج ایک اسلامی ہمدرد کا نکتہ چیں ہونا

اچھا ہی یا فردا کسی دشمنِ اسلام کا - والسلام مع الاکرام - غلام حسنین

از بنارس - ۲۵ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ

نمبر شمار	نام کاتب	نام مکتوب الیہ	سنہ تحریر خط	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۲	مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلما	نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی	سنہ ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء	مجمع الفضائل! السلام علیکم میں مع الخیر پرسوں کان پور پہنچا، اس مرتبہ بیماری سے قلب بھی ضعیف ہوگیا، ہمت بھی جاتی رہی یہاں پہنچ کر یتیم خانے کا سلسلہ پیش ہوا پہلی مرتبہ آپ کی توجہ سے بہت مدد ملی اور کام آیندہ کو چلا اب پھر بارہ سو کے قریب قرضہ ہوگیا ہی متعدد قرض خواہوں کو اس کے منیجر نے میرے آنے پر ملتوی کیا تھا اب میں یہاں پہنچ گیا تو سب کا ہجوم ہوا اور کام تعمیر کا بند ہوگیا افسوس ہی کہ آپ نے مکان نہیں دیکھا ورنہ پسند کرتے ارادہ ہی کہ اس قدر تعمیر ختم ہوجائے تو بہت جلد ایک جلسہ کیا جائے اس کے افتتاح کا بصدارت نواب لفٹنٹ گورنر بہادر - آپ نے پہلے لکھا تھا اگر کوئی واعظ

آئے تو میں اور رؤسا کو بھی تحریک کروں - الغرض یہ وقت ہی اگر آپ لکھیں تو شاہ نظام الدین کو بھیجا جائے

والسلام - محمد علی عفی عنہ - ۱۵ - شعبان ۱۳۲۱ھ از کان پور -

۲۳- ایضاً

مجمع الفضائل! السلام علیکم - میں ۷ شعبان کو مع الخیر کان پور پہنچ گیا مگر سفر سے ایسا خستہ ہوں کہ کلکتے جانا دشوار ہے مگر مجبور جانا ہوگا - آپ کے جانے کا راستہ یہی ہے آپ مع مولوی یونس خاں صاحب کے ۱۹ر کو آجائیں تو ۲۰ - شعبان کو یہاں سے روانہ ہو جائیں - کلکتے کے معین الندوہ سے اس وقت خط آیا ہے وہ خاص علما کو بلاتے ہیں، خصوصاً مولانا لطف اللہ صاحب، مولوی محمد شاہ صاحب رام پوری - مولوی احمد حسن صاحب - مولوی عبدالحق صاحب دہلوی - مولوی شبلی صاحب - ان دونوں کی شرکت کے لئے آپ پوری سعی کریں، وقت نہیں ہے، مولوی شبلی صاحب کو زور کا تار دیں، مولوی حقانی بھی آنے میں چون وچرا کر رہے ہیں جلد بھیجئے - وزیر بھوپال اور مولوی عنایت اللہ صاحب کو بھی خط لکھئے مناسب ہے کہ مولوی امانت اللہ صاحب کو ہمراہ لائیے -

والسلام - محمد علی عفی عنہ - کان پور ۱۳ر شعبان ۱۳۱۹ھ

دوسرا دور

سنہ ۱۳۱۹ھ تا سنہ ۱۳۴۸ھ
۱۹۰۱ء تا ۱۹۳۰ء

نمونہ عبارت	تاریخ کتابت	مکتوب الیہ	کاتب	نمبر شمار
بعالی خدمت جناب مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب مکرم بندہ! بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ میں بذریعہ جداگانہ پاکٹ پوسٹ کے آج کی ڈاک میں اپنی رائے بابت چند امور مندرجہ کاغذات اجنڈا کارروائی اجلاس بجٹ میٹنگ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم معینہ ۲۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔	سنہ ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء	مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی (نواب صدر یار جنگ)	آنریبل مسٹر سید محمود	نمبر ۱

(۲) وہ جملہ آرا مقدم امور متعلقہ کالج کے ہیں اور میں نے اُن کو صریح اور مفصل خاص برائے ملاحظہ ٹرسٹیان اور اُن کی توجہ کے تحریر کیا ہی اور امید کرتا ہوں کہ آپ اُن پر غور اور توجہ فرماویں گے (۳) دیگر چند مدات کی نسبت بھی میں نے رائے لکھی ہی جو عن قریب چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچے گی (۴) اگر آپ نے قبل ملاحظہ اس رائے کے

اپنے ووٹ روانہ کر دئے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ از روئے جدید قاعدہ دفعہ (۳۲) ترمیم شدہ کے جو نوٹس کی پشت پر صفحہ نمبر (۲) چھپ کر شائع کیا گیا ہی، آپ کو اختیار ہی کہ اپنی رائے ترمیم کریں یا بدل کر آنریری سکرٹری کے پاس بمقام علی گڑھ بھیج دیں کہ وہ شمار میں آویں گی۔ (۵) از راہِ عنایت اُن کاغذات کی رسید میرے پاس بمقام سیتاپور ارسال فرماویں۔ راقم نیاز مند محمود۔

سیتاپور ۲۵۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء

نمبر شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۲	مولانا الطاف احمد علی گڑھی صدر الصدور امور مذہبی حیدرآباد دکن	نواب صدر یار جنگ بہادر (مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی)	۱۰/۳/۱۵ ۱۹۰۹ء	**ھُو الحیی و یُمیت** عمدۂ اذکیائے زماں، فخرِ اشباہ و اقراں مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب سلمہ اللہ رب المواہب السلام ثم المرام۔ بعض تحریرات سے حال واقعۂ جاں خراش عزیزۂ مرحومہ مغفورہ کا معلوم ہوا۔ نہایت افسوس ہوا۔ آپ کے قلب پر کمال صدمہ ہوگا، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل موجب اجر جزیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو بروز حشر حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اٹھائے آمین ثم آمین۔ میں نے قریب دو مہینے کے یہاں علاج کرایا۔ مگر ظاہری تکلیف پھوڑے پھنسیوں کی بدستور

ہی۔ ناچار پرسوں ۳۰ ماہ مبارک ربیع الاوّل روز شنبہ کو علی گڑھ جانے کا قصد ہی وہاں جاکر جو مناسب متصوّر ہوگا کیا جائے گا۔ والسلام۔ محمد لطف اللہ از دھلی ۲۸ ماہ مبارک ربیع الاوّل ۱۳۱۸ھ روز پنجشنبہ۔

نمونہ عبارت	تاریخ کتابت	اسم مکتوب الیہ	کاتب	نمبر شمار
میر صاحب نامہربان سلمہ اللہ الرحمن۔ رمضان شوال ذی القعدہ۔ ذی الحجہ سب تمام اور وعدۂ تشریف آوری ناتمام۔ اس محبّت کو دونوں ہاتھوں سے سلام۔ طرفہ تر یہ کہ خطوں کے جواب بھی نہیں بھیجے۔ جاجم جو امانت ہو اُس کی بابت جو خط لکھا جواب نہ پایا۔ خدا خیر کرے۔ یہ مجکو یقین ہی کہ شریف آدمی جھوٹ نہیں بولتے بلکہ یہ بات بطور مثل کے مشہور ہی۔ خدا جانے وعدہ کرکے کیا موانع پیش آئے تمھارے چچا صاحب کا مدّت ہوئی آیا تھا، اُس میں لکھا تھا کہ وہ جلد آنے والے ہیں یعنی آپ۔ پھر صدائے برنخاست۔ فصیح اللّغات نہ خود چھپواتے ہو نہ اوروں	سنہ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء	احسن مارہروی	نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی	نمبر ۳

کو اجازت دیتے ہو۔ یہ بھی لکھا تھا کہ بلا تامّل چلے آؤ خدا کو اگر منظور ہی تو کام چلے گا۔ پھر بھی جواب نہ آیا۔ نالش کرانی۔ مطعون ہونا۔ لوگوں میں اپنا اعتبار کھونا یہ بُری بات ہی کہ نہیں؟ اس کا جواب باصواب

دوا اور بچوں کی خیریت بمحل کی صحت سے اطلاع دو کہ رفعِ تردّد ہو۔ فقط سب کی طرف سے بعد یادآوری سلام پہنچے فصیح الملک داغ دہلوی ۶ محرم ۱۳۲۲ھ۔ از حیدرآباد دکن۔ ترپ بازار۔

نمبر	نامِ کاتب	نامِ مکتوب الیہ	تاریخِ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۷	مولوی سید نظام الدین حسن [illegible]	احسن مارہروی	۱۳۳۲ھ ۱۵/۹/۱۵	میرے مہربان! تسلیم۔ (۱) بجواب عنایت نامہ مورخہ ۲۰ ماہ مذکور التماس ہے کہ مُثل عربی لفظ ہے اور جمع امثلہ ہے بمعنی واقعاتِ خارجہ کی تمثیل کے ہے مسل کے کچھ معنی نہیں ہیں (۲) اردو زبان میں جو لفظ بطور اصطلاح مستعمل ہو اُس کی نسبت تتبّعِ عرب اور فارسی کی حاجت نہیں ہے مثلاً عرب عجم بمعنی غیر عرب کے لیتے ہیں۔ آپ کے مراسلے میں عجم غالباً بمعنی فارسی ہے۔ لا مشاحۃ فی الاصطلاح جب ہم اردو میں کوئی لفظ بطور اصطلاح قائم کریں تو محاوراتِ غیر زبان کو

اُس سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔ البتہ فصاحت اور بلاغت کی نظر سے غور کر لینا چاہئے کہ اندیشہ مغالطہ نہ ہو۔ (۳) اس قسم کی بہت سی تماثیل موجود ہیں مثلاً حور عربی میں صیغہ جمع ہے، فارسی میں بمعنی واحد مستعمل ہے۔ حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف + مصلح الدین ذی علم تھے انھوں نے فارسی میں حوراں جمع بنائی ہے۔ باوجودے کہ عربی میں؛ جائز ہے حورا صیغہ واحد ہے۔ (۴) بالفعل یہاں کوئی

محرر نہیں ہے کہ خطوط مطلوبہ کی نقل آپ کی خدمت میں ارسال کرسکے (۵) فضلِ الٰہی سے دعا ہے کہ آپ مع دیگر اعزاء کے بخیریت ہوں۔ آپ کا مخلص داعی بالخیر نظام الدین حسن۔ از لکھنؤ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۱۵ء

(۵) ایضاً

میرے مہربان تسلیم۔ (۱) آپ کے عنایت نامہ ۲۵۔ ماہ مذکور کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ درحقیقت تتبّع میں ط نہیں ہے۔ بجائے عربی لفظ طبع کے املا غلط ہوگیا تتبّع بمعنی پیروی ہے یہ ت منقوط ہے۔ (۲) نہایت خوشی ہوتی ہے کہ آپ کو علمِ ادب کا شوق ہے (۳) لفظ بھاکا = بھاشا بمعنی "زبان" ہے۔ زبان اُردو میں برج بھاکا، فارسی و عربی و انگریزی و ترکی الفاظ مستعمل ہیں۔ البتہ اُردو میں افعال اور حروف ہندی کے ہیں اور اسماء دیگر السنہ سے لئے جاتے ہیں۔ اختلافِ لسان سے بعض وقت املا، عمداً بدلنا لازم آتا ہے مثلاً صد بمعنی مأۃ (۱۰۰) کا املا ص سے عمداً بدلا ہے تاکہ سد = روک سے التباس نہ ہو ورنہ فارسی میں ص نہیں آتا ہے (۴) لفظ مثل کو سین سے استعمال کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے تمام دفاترِ اُردو و حیدرآباد اور بھوپال وغیرہ میں جہاں ذی علم حکّام ہیں۔ لفظ مثل اور امثلہ بکثرت مستعمل ہے۔ لفظ سلک اور منسلکات علاحدہ الفاظ ہیں اُن سے مثل اور امثلہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ (۵) علم تقابلِ السنہ سے تعلیل اور اشتقاق کا بہت پتا چلتا ہے لیکن جب اہلِ زبان کوئی اصطلاح قائم کرے تو اُس میں مناقشے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (۶) پانچ خطوط کی نقل کرکے آپ کے پاس ارسال کرنے کا حکم میں نے دیا ہے۔ (۷) لفظ حُقّہ عربی ہے ظرفِ خوشبودار کے معنوں میں بزبانِ عربی مستعمل ہے اُردو میں بمعنی قلیان ہے۔ بجائے حائے حطی کے ہائے ہوّز

لکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (۸) فضلِ الٰہی سے دعا ہے کہ آپ مع دیگر اعزا کے بخیریت ہوں۔
آپ کا مخلص داعی بالخیر نظام الدین حسن از لکھنؤ ۲۸ ستمبر ۱۹۱۵ء

(۶) ایضاً موسومہ سیّد ناظر الدین حسن پسر خود۔ مرقومہ ۱۹۰۶ء

ناظر الدین حسن! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ (۱) سیرت ناظمۃ النساء مورخہ ۷۔ ماہ اگست معائنہ ہوئی اُس روز جب حرارت زائد تھی تو حکیم کو کیوں نہیں طلب کیا؟ اور نمک دافعِ حرارت دونوں وقت بعد غذا کے کیوں نہیں دیا؟ نعمت اللہ کیفیت لکھیں (۲) ناظر الدین حسن سلمہ اللہ سے کیفیت طلب ہو کہ اُنھوں نے قبلِ نماز جمعہ کیوں سفر کا آغاز کیا؟ آئندہ کبھی بلا اشد ضرورت کے قبل نماز جمعہ آغاز سفر نہ کریں (۳) درخواست ضامن مورخہ ۸ ماہ اگست ۱۹۰۱ء معائنہ ہوئی تم نے اُس کو حکم سے مطّلع کیوں نہیں کیا؟ بوجہ بدکرداری وہ قابل وظیفہ پانے کے نہیں ہے۔ درخواست نامنظور کی گئی۔
۱۳۔ اگست ۱۹۰۱ء فتح میدان حیدر آباد دکن۔

تبصرۂ وکیفیت

مولوی سیّد نظام الدین حسن صاحب مرحوم کے نظام زندگی اور انتظامِ خانگی کی نوعیت عام متمدّنین واہلِ معاشرت سے قطعاً جدا تھی تفصیلی حالات کے لئے جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں مختصراً اتنا بتا دینا ہے کہ اُن کا کوئی کام عام اس سے کہ ذاتی ہو یا صفاتی خانگی ہو

یا سرکاری، اعزا و اقربا سے متعلق ہو یا شناسا و غیر شناسا احباب سے غرضکہ ہر ایک بات اُسی سلسلۂ انتظام کے مطابق ہوتی تھی جس کے وہ پابند اور موجد تھے۔ اس کا ثبوت مندرجۂ بالا ۳ خطوں سے اُن لوگوں کو بآسانی مل سکے گا جن کو مرحوم سے تعارف و ملاقات کا موقع ملا ہوگا۔

نمبر شمار	مکتوب نگار	مکتوب الیہ	سنِ کتابت	نمونہ عبارت
نمبر ۶	مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی	احسن مارہروی	۱۳۳۴ھ ۱۹۱۵ء	حضرتِ والا دامت برکاتہم۔ تسلیم عرض۔ عذراتِ تقصیرِ تاخیر عرض کرنے کو بھی وقت چاہیے، لہذا اُسے کرمِ والا پر چھوڑ کر جواب گزارش ہے کہ لا مشاحۃ فی الاصطلاح، فی نفسہٖ صحیح المعنیٰ ہے کہ ہر قوم کی اصطلاح جدا ہے۔ ہندیاں را اصطلاحِ ہند مدح سندیاں را اصطلاحِ سند مدح مگر جس محل پر اس کا استعمال ہوتا ہے اُس کے بالکل مناسب نہیں۔ اور ویسے بھی وہ ایک مثل سائرہ ہے۔ اور امثال میں تبدیلی نہیں ہوتی یہاں تک کہ جو امثال بصیغۂ تانیث ہیں، ذکور میں بھی اُسی صیغے سے مستعمل ہوں

گی۔ مثلاً اِیاکِ اعنی فاسمعی یاجارۃ۔ یا۔ دمتنی بدا ئُہا وانسلت۔ یہ مثل یوں ہی کلا مشاحۃ فی الاصطلاح۔ اس میں میم مفاعلت کا ہی اور ح مشدّدہ، اصل میں مشاححۃ تھا، ماخذ شحّ ہی۔ جس کے معنی لالچ۔ مشاحّۃ ہر ایک کا اپنے لالچ پر قائم ہونا کہ باعث کشا کش ہی، ہر ایک اپنی طرف کھینچے یعنی اصطلاح میں تجاذب نہیں۔ مشاحۃ اگرچہ مستلزم مشاجرت یعنی منازعت ہی مگر مثل اس لفظ سے بھی مروی نہیں، والِاّ مثال کا تغیر مسل یعنی مجموعہ کاغذاتِ مقدّمہ لفظ انگریزی ہی۔ جیسے ڈگری، ڈسمس، عربی میں اس کا ماخذ تلاش کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ والتسلیم۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ۔ ۷۔ ذی الحجۃ ۱۳۳۲ھ از بریلی

نمونۂ عبارت	تاریخ	مکتوب الیہ	کاتب	نمبر
مہر مجسّم دام لطفکم۔ السلام علیکم۔ میں نے آج آپ کا ایک قیمتی اور مختصر مضمون علی گڑھ منتھلی میں قصبہ رڑی کے متعلق سُنا۔ آپ سے مجھے تنہا اس وجہ سے تعلق نہیں ہی کہ آپ جناب محمد تقی خاں صاحب کے لائق فرزند ہیں، بلکہ میں آپ کو علمی ستھرے مذاق کی وجہ سے زیادہ دوست رکھتا ہوں، علی گڑھ منتھلی کے اس مضمون کو سُن کر آپ کے اچھے خیالات کی فہرست میں میں نے اسلامی یادگاروں کے پاکیزہ مذاق میں اور بڑھا دیا ہی۔ معاف کیجیے گا یہ خط	۲۹/۳/۱۳ھ ۱۰/۹/۱۹	مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی	حکیم الملک حکیم اجمل خاں دہلوی	نمبر

میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے کیوں کہ میں ابھی لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ محمد اجمل

نمبر	کاتب	مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۹	شمس العلما مولوی شبلی نعمانی	مولانا مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی	۲۲ محرم ۱۳۲۲ھ ۳۰ ۔ ۱۹۰۴ء	مکرمی۔ یورپ میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی علمی رسالہ نکالنا چاہتے ہیں تو قریباً سال بھر کے لئے مضامین تیار کر لیتے ہیں تب نکالتے ہیں۔ الندوے کے لئے بھی یہ ہونا چاہئے اور چوں کہ بڑی دقت چھپنے کی ہے اس لئے میری تو یہ رائے ہے کہ دو تین مہینے کا ذخیرہ اس طرح چھپوا لیا جائے کہ صرف ٹائٹل پیج اور علمی جزوں کے

اضافہ کر دینے کے بعد رسالہ بن جائے۔ میں نے ایک چھوٹا سا مضمون فنِّ تفسیر پر، ایک یونانی فنِ منطق پر، جس میں یونانی منطق کی غلطیاں بتائی ہیں۔ ایک فرنچ عالم کے ایک مضمون کا جو اسلام پر ہے ترجمہ کیا ہے۔ مثنوی مولوی روم پر تقریظ کا ایک وسیع سلسلہ شروع کیا ہے۔ آپ بھی اسی طرح جستہ جستہ مضامین لکھ چلیے۔ صحابہ کے اخلاق سے شروع کیجئے اور جو جو خیال میں آتا جائے۔ ہاں یہ بتائیے تقطیع کیا ہو، کیا اردوے معلّیٰ کے برابر لیکن خط اُس سے جلی ہونا چاہئے۔ ایڈیٹر کا ترجمہ عربی میں کیا ہو، دبیر سے اچھا کوئی لفظ نہیں ملتا۔ لوح پر اڈیٹروں کا نام لکھا ہوگا، میں اس کو بھی اُڑا دیتا لیکن اوّل تو سرکاری احکام سے اس کی ضرورت ہے، دوسرے یہ کہ نئے لوگوں میں ندوے کی ہوا اس قدر اُکھڑ چلی ہے کہ محض ندوے کے نام سے اس حلقے میں اس کی کچھ وقعت نہ ہوگی

ہاں رسالے کے صفحات کس قدر ہوں، میں تو دو جزو کافی سمجھتا ہوں۔ والتسلیم شبلی ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۰) ایضاً بنام احسنِ مارہروی

جنابِ من۔ مجکو معلوم نہ تھا کہ آپ شعرالعجم کے قدردان ہوں گے۔ میری تصنیفات میں یہ سب سے نامقبول تر ہے۔ اس لئے بدگمانی کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔ آج آپ نے شوق ظاہر کیا تو ہدیۂ خدمت ہے۔ الندوہ نہایت غریب پرچہ ہے۔ کُل (عمار) قیمت، اشاعت کچھ نہیں، محرّر کی تنخواہ تک نہیں نکلتی اس لئے نئے مبادے بالکل بند ہیں۔ نصاب وغیرہ الگ چھپے ہیں۔ لکھیے گا تو بھیج دوں گا۔

ہوس پرستان اُردو پر ہنسی آتی ہے 'اصلاح'، 'معیار'، اور کیا، اور کیا، یہ لوگ اس قدر نہیں سمجھتے کہ کیا کام ہے اور کس کے کرنے کا ہے۔ غزل اور غزل نما نثر کی دو چار سطروں کے لکھنے کو یہ زبان کی بادشاہی سمجھتے ہیں لیکن کیا کیا جائے خربازاری ہے، جو شخص جو چاہتا ہے کہتا ہے۔ کون کس کی زبان کو روکے۔۔۔

بدست کودکان افتادہ است۔ شبلی۔ ۲۷۔ جنوری ۱۹۱۰ء

نمبر	کاتب	مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۱	ابوالکلام محی الدین احمد آزاد (عمر ۱۷ برس)	احسن مارہروی	۲۵ صفر ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء	جنابِ مستطاب سید صاحب دام مجدکم۔ تسلیم۔ عنایت نامہ ورود ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں میں آپکے خاندانِ علمی سے خوب واقف ہوں۔ بزرگوں سے مارہرے کے حالات سنا کیا ہوں۔ سبحان اللہ

کیا کہنا ہے۔ افسوس کہ ساداتِ بلگرام سے آرہ خالی ہوگیا۔ مجھے جمیع صاحبانِ کو ہاتھ سے شکل نیاز حاصل تھی اور میں ہمیشہ اُن کا مورد عنایت رہا۔ اب اُن محترم بزرگوار سے بہت کم حضرات باقی ہیں۔ انقلابِ زمانہ بھی کیا چیز ہے۔ اللہ اللہ۔ شاعری کا مذاق نحیف کو نہ تھا اور نہ ہے۔ مکروہاتِ زمانہ اور کثرتِ مشاغل سے فرصت بھی نہیں ملی کہ اس کی طرف متوجہ ہوسکتا۔ علاوہ اس کے اس عہد کی شاعری کے ساتھ طبیعت کو فطری مناسبت بھی حاصل نہیں ہے۔ حضراتِ جدت پسند اُردو کی شاعری کو انگریزی کی شاعری بناڈالنا چاہتے ہیں، مجھے ایسے حضرات کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہے۔ گو مجھے انگریزی میں اتنا دخل ہے کہ اُس زبان کی نظم پر تمام تر قادر ہوں اور وقت پر سائنس وغیرہ لکھ لیا کرتا ہوں۔ ایسی جدت کے علاوہ اس عہد کی غزل سرائی سے بھی کوئی حظ نہیں اُٹھتا۔ یادوادِ اُستادانِ معروف طومار آورہیں یا ایسی شوخی کا جلوہ دکھلاتے ہیں جو زبانِ بازاری کا شیوہ ہے۔ گاہے گاہے جو فرصت مل گئی اساتذۂ گزشتہ کے کلام سے انشراحِ روحی حاصل کرلیتا ہوں۔ مجھ سے کم فرصت شخص کے لئے مطالعۂ کلام میر تقی میر۔ مرزا رفیع سودا۔ خواجہ میر درد۔ ذوق۔ مومن۔ غالب۔ آتش ورند کا کافی ہے۔ مجھے ہرگز اس کی تمنا نہیں کہ شاعروں کی ہاٹن میں نام لکھاؤں۔ اسی لئے گلدستوں وغیرہ میں کبھی غزل نہیں بھیجتا اور اس ذریعے سے نام آور ہونا پسند نہیں کرتا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ شاعری کی طرف مجھے توجہ کرنے کا موقع بھی نہیں ہے۔ مجھے مطلق فرصت نہیں ہے کہ کسی گلدستے کو ایک نظر دیکھ سکوں۔ ضرورتوں سے جگہ جگہ جانا بھی پڑتا ہے۔ اُردو اخباروں کو کون پوچھتا ہے۔ پائیر اور انگلش مین کو دیکھ لینے کا بعض اوقات موقع نہیں ملتا ہے۔ ہرچند نیورہ میری قیام گاہ ہے مگر یہاں سے اس قدر غائب رہتا ہوں کہ میرے قیام کا نام ہی نام ہے۔ اس انتشار

قیام کے باعث میں کسی اخبار یا گلدستہ کا سبسکرائبر (خریدار) نہیں ہو سکتا۔ انگریزی اخبار جو میرے عزیزوں کے پاس آتے ہیں اُن کے دیکھ لینے کا بھی موقع کم پاتا ہوں فقط والتسلیم۔ امداد امام از نیورہ۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۰۵ء

نمونۂ عبارت	تاریخ کتابت	مکتوب الیہ	کاتب	نمبر شمار
میرے کرم فرما جناب خاں صاحب! السلام علیکم۔ کارڈ مورخہ ۲۔ مارچ اور لفافہ مورخہ ۴۔ مارچ پے در پے پہنچے یاد آوری کا مشکور ہوں، نہایت خوشی ہے کہ آپ بخیریت وطن پہنچ گئے۔ اب ”باز آئی“ کا مضمون ان شاء اللہ اکتوبر میں پھر سوچا جائے گا اگر آپ کوئی نقش یہاں سے دل پر لے گئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اُس سے گہرا نقش آپ چھوڑ گئے ہیں، ایک دل پر نہیں بلکہ کئی دلوں پر، ہمارے میر نیرنگ صاحب نے ابنالے سے پہنچ کر خط لکھا ہے جس میں آپ سے تعارف ہو جانے کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ اور یہاں کے احباب میں تو اکثر آپ کا ذکرِ خیر رہتا ہے۔ آبزرور کے مینجر کو ابھی لکھ بھیجا ہوں کہ وی۔ پی۔ جناب مزمل اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بھیج دے۔ اور مخزن بھی علاحدہ بھجوائے دیتا ہوں، آپ کی تقریر وطن	۲۲ ۳ ۱۳۲۲ھ ۲۰ ۵ ۱۹۰۴ء	مولانا مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی	شیخ عبدالقادر بی۔ اے سابق اڈیٹر مخزن و حال جج چیف کورٹ لاہور	نمبر ۱۴

کے اگلے پرچے میں شائع ہوگی۔ اُنھوں نے مولوی محبوب عالم صاحب سے لے لی ہے۔ اگر آپ کو بہت زیادہ کاپیاں نہ درکار ہوں تو اخبار کی چند زائد کاپیاں چھپوا کر آپ کو بھجوائی جاسکتی ہیں، ورنہ وہاں سے کاغذ فارغ ہوتے ہی مطبع رفاہ عام میں دے دوں گا، اور ڈیڑھ سو کاپی حسب ایما چھپوا کر بھجوا دوں گا۔ قبر نور جہاں کے متعلق نظم کا منتظر ہوں۔ زیادہ شوق۔ بندہ شیخ عبدالقادر۔

از لاہور۔ ۶۔ مارچ سنہ ۱۹۰۲ع

نمبر شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سن کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۳	مولوی حکیم عبدالغفور شہباز (بہاری) مرحوم	سید افتخار عالم مارہروی مرحوم	۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ع	مکرمی دونوں خط پہنچے۔ پہلا جواب طلب نہ تھا اس سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ دوسرے کا جواب فوراً بلکہ فوراً سے پیشتر عرض کیا جاتا ہے، میں ہرگز نہیں چاہتا کہ دربارِ دہلی کے مزے بغیر دوستوں کے تنہا لوٹوں۔ آپ شوق سے تشریف لائیے اور اپنے دونوں عزیزوں کو بھی لائیے مگر آنے سے بیشتر کم از کم دو چار روز پہلے مجھے مطلع کیجیے، تاکہ میں آپ کی راحت و آرام کا سامان پہلے سے کر رکھوں۔ یہاں مکان ایک کرائے کو میں نے لیا ہے، اُس میں وسعت تو کافی ہے مگر وہ سامان جو ایک گھر کو کافی۔

آرام کا ذریعہ بن سکے ابھی تک بہم نہیں پہنچا۔ آپ اور آپ کے عزیز آئیں تو کافی سے زیادہ سامان لے کر آئیں مکان کا میرا ذمہ۔ اور آئیں تو وقتِ روانگی بھی مجھے تار دیں کہ میں اسٹیشن پر حاضر رہوں۔ میاں احسن کا آنا بھی احسن ہے۔ میں شاید اُن سے زیادہ اُن کا مشتاق ہوں آئیں اور دل پر آنکھوں پر احسان کریں۔ والسلام خاکسار سراپا نیاز شہباز۔ دہلی۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۰۲ء

(۷) ایضاً

السلام علیکم۔ پہلی دسمبر کا پوسٹ کارڈ آج چوتھی کو ملا چشمِ انتظار کو چوتھی کی دُلھن کا جلوہ نظر آیا۔ حافظ عبد الجلیل صاحب کا تاریخی دیوان دیکھ چکا۔ صلاحِ مناسب اصلاحِ مناسب کے ساتھ دے دی۔ فرصت ہی بھی اور نہیں بھی ہے۔ "الغرض مجنون" اُن کی (حافظ عبد الجلیل) نظر میں وقت عبارت ہے ایک ایسے ربڑ سے جس کے (Elasticity کھچاؤ) کی انتہا نہیں۔ یہ حضرات باوجودِ تنگیِ وقت اُس میں وسعت پیدا کر ہی لیتے ہیں۔ آپ کی بھابی جان نے جس وقت سے قلم دان کی خوش خبری سنی ہے۔ پڑھنا بھی چھوڑ دیا۔ کہتی ہیں اب جبھی پڑھوں گی جب قلم دان مع ضروری سامان آجائے گا۔ ریویو لکھوانا منظور ہو تو قلم دان جلد بھیجیے۔ بچوں کو ہم دونوں کی طرف سے دُعا کہیے اور بیوی کو بیوی کی طرف سے سلام۔ احسن صاحب کو احسن التحیۃ شہباز منزل، اورنگ آباد دکن

۴۔ دسمبر ۱۹۰۳ء

تبصرہ و کیفیت

مبدا فیاض سے بعض طبیعتوں کو بے ساختہ اور بلا تصنّع سنجیدہ اور دلکش شوخی و ظرافت

کا ایسا جوہر ودیعت ہوتا ہے جس کی عام مثال کسی مُکتسب صاحب قلم میں نہیں ملتی۔ جناب شہباز بھی انھیں وہبی طباعوں میں میدانِ قابلیت کے مقبول یکّہ تاز تھے۔

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۵	ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا، لاہور	مولانا مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی	سنہ ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۳ء	مخدوم مکرم خاں صاحب! السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ لاہورہ ہوتا ہوا مجکو یہاں ملا۔ میں ایک مصیبت میں مبتلا ہو کر اس وقت لاہور سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر برٹش بلوچستان میں ہوں۔ آپ بھی خدا کی جناب میں دعا کریں کہ اس کا انجام اچھا ہو۔ آپ کا خط حفاظت سے صندوق میں بند کر دیا ہے نظر ثانی کے وقت آپ کی تنقیدوں سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔ اگر میری ہر نظم کے متعلق آپ اس قسم کا ایک خط لکھدیا کریں تو میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا والسّلام آپ کا اقبال۔ از برٹش بلوچستان ۲۵ مئی سنہ ۱۹۰۳ء

(۱۶) ایضاً

مخدوم مکرم حضرت قبلہ خاں صاحب! السلام علیکم۔

آپ کا نوازش نامہ آج صبح ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج مجھے اپنے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی داد مل گئی۔ بعض بعض جگہ جو تنقید آپ نے فرمائی ہے بالکل درست ہے۔ بالخصوص لفظ "چھپنا" کے متعلق مجھے آپ سے کلّی اتفاق ہے۔ میرے اصل مسودے میں جو ایک دوست نے لکھا ہے غلطی سے تو کی جگہ جو لکھا گیا، وہیں سے کاتب نے نقل کی (میری ہستی تو تھی الخ) مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے تو ڈکٹیٹ (لکھوانا) کر دیا تھا۔ "طور پر تم نے جو اے حضرت موسٰی الخ" اصل مصرع "طور پر تو نے جو اے دیدہ موسٰی دیکھا" ہے کاتب نے یہ سمجھ کر کہ پیغمبروں کے نام کے ساتھ حضرت آیا کرتا ہے یہ لفظ لکھ دیا اور اصل لفظ کو روزمرّہ عادت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ اس نظم کے بعض دیگر اشعار میں بھی کچھ قابلِ اعتراض باتیں ہیں۔ اس سال مجھے امید نہ تھی کہ میں کوئی نظم پڑھ سکوں گا۔ مڈل کے امتحان کے پرچوں سے فراغت نہ ہوئی طبیعت کو یکسوئی کس طرح نصیب ہوتی۔ یہ نظم جلسۂ سالانہ سے تین روز پہلے لکھی گئی اور ہفتے کی شام کو مطبع میں بھیجی گئی، رات کو کاتب نے لکھی اور جلدی میں بندوں کی ترتیب میں بھی غلطی کر گیا۔ میں نے اس کا ایک مصرع بھی اپنے ہاتوں سے نہیں لکھا، بلکہ جلدی میں جو کچھ منھ میں آیا ڈکٹیٹ کراتا گیا۔ ان حالات کی وجہ سے بعض بعض اشعار میں کچھ نقص رہ گئے، لفظ چھپنا کے لئے میں خصوصیت سے آپ کا مشکور ہوں۔ کیوں کہ یہ بات میرے خیال میں مطلق نہ تھی۔ آپ نے جو ریمارک اُس کے اشعار پر لکھے ہیں اُن کے لئے آپ کا تہِ دل سے مشکور ہوں، آپ لوگ نہ ہوں تو واللہ ہم شعر کہنا ہی ترک کر دیں اگرچہ جلسے میں ہر طرف لوگ حسبِ معمول ان کی تعریف کرتے تھے مگر جو مزا آپ کی داد سے ملا ہے اُسے میرا دل ہی جانتا ہے۔ افسوس ہے اب کے آپ تشریف نہ لا سکے، میر نیرنگ تشریف لائے تھے۔ چودھری خوشی محمد تھے۔ مولانا گرامی بھی تھے غرض کہ محفلِ احباب کے سب ارکانِ رشیدہ

موجود تھے، اگر آپ ہوتے تو ایک آدھ رات خوب گزر جاتی۔ حبیب کی موجودگی شعرا کے لئے کافی سامان ہے اور بالخصوص جب کہ حبیب شعر فہم اور شعر گو بھی ہو۔ ایف اے کے امتحان کے پرچے مضمون تاریخ روم و یونان کے دیکھ رہا ہوں، سامنے بنڈل رکھا ہے اور نتیجہ بھیجنے میں چار دن کا عرصہ رہ گیا ہے۔ لہذا مجبوراً بس کرتا ہوں معاف کیجئے گا۔ اب کے مخزن میں دو غزلیں نئی طبع ہوں گی۔ امید ہے آپ پڑھکر محظوظ ہوں گے۔ مولانا گرامی میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں پوچھتے ہیں خط کس کو لکھ رہے ہو، میں کہتا ہوں حبیب کو، تو آپ فرماتے ہیں میرا بھی سلام لکھ دو، آخر شاعر ہیں نا! والسلام آپ کا مخلص اقبال۔ از لاہور، بھاٹی دروازہ۔

(۱۷) ایضاً بنام احسن مارہروی

مکرم معظم بندہ جناب میر صاحب! السلام علیکم۔ دونوں رسالے پہنچے۔ سبحان اللہ نواب صاحب کی غزل کیا مزے کی ہے افسوس ہے کہ اب تک میں نے آپ کے گلدستے کو کوئی غزل نہیں دی انشا اللہ تعالیٰ امتحان کے بعد باقاعدہ ارسال کیا کروں گا۔ ایک تکلیف دیتا ہوں۔ اگر آپ کے پاس استاذی حضرت مرزا داغ کی تصویر ہو تو ارسال فرمایئے گا۔ بہت ممنون ہوں گا۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو تو مطلع فرمایئے گا کہ کہاں سے مل سکتی ہے۔ میں نے تمام دنیا کے بڑے بڑے شاعروں کے فوٹو جمع کرنے شروع کئے ہیں۔ چناں چہ انگریزی، جرمن، اور فرینچ شعرا کے فوٹو ز کے لئے امریکہ لکھا ہے۔ غالباً کسی نہ کسی استاد بھائی کے پاس تو حضرت کا فوٹو ضرور ہوگا اگر آپ کو معلوم ہو تو ازراہِ عنایت جلد مطلع فرمایئے۔ حضرت امیر مینائی کے فوٹو کی بھی ضرورت ہے۔ والسلام خاکسار محمد اقبال۔

ازلاہور۔ گورنمنٹ کالج بورڈنگ ہاؤس۔ ۲۸۔ فروری ۱۸۹۹ء

نمبر	نام	مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۸۱	خان بہادر سید اکبر حسین الہ آبادی	سید فضل الحسن حسرت موہانی	۲۳ مئی ۱۹۰۵	عنایت فرمائے من! مدت سے آپ کی خیروعافیت نہیں سُنی۔ معلوم نہیں کہ یورپ کا قصد کب ہے۔ میری آنکھوں کا وہی حال ہے بلکہ معذوری روزافزوں ہے۔ آپریشن کا وقت ابھی نہیں معلوم ہوتا۔ ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کو کلکتے کو جانے والا ہوں۔ میں آپ کے ترجمۂ حالاتِ ایران کو دیکھ رہا تھا۔ بمشکل دوچار صفحے پڑھے۔ آپ کی قابلیت کی داد وہ دے جو آپ سے علم ولیاقت میں زیادہ ہو۔ لیکن میں بھی باوجود بےبضاعتی کے سبحان اللہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ ہاں ایک امر کی طرف آپ کی توجہ رجوع کرتا ہوں، مجکو کئی جگہ

تانیث وتذکیر میں شبہ ہوا۔ اگرآپ اتفاق کریں تو تصحیح کا اعلان شاید مناسب ہو۔ ممکن ہے کہ لوگ اعتراض کریں، قائلین میری زبان پر اور غالباً دہلی ولکھنؤ میں بصیغۂ تذکیر ہے۔ بس کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ آیندہ لایق اردوداں کیوں کر یہ علم حاصل کرسکیں گے، یا اُن پر اُس کی پابندی فرض ہوگی۔ قواعدِ اُردو سے اس بحث کو خارج ہی ہوجانا چاہئے۔ ایک مقام پر میں نے لفظ عفت دیکھا، میرے علم میں عفص صحیح

ہے۔ میں نہیں جانتا غف بھی جائز ہے یا نہیں، اسی قسم کی چند غلطیاں نظر آئیں۔ اس وقت یاد نہیں رہیں۔۔۔ مکرمی! یہ خط میں ظفر علی خاں کو لکھ چلا تھا مگر پھر رُک گیا اور آپ کے ملاحظے کو کالفذ انشل (راز) طور پر بھیجتا ہوں۔ ظفر علی خاں صاحب نے اکثر غلطیاں تانیث و تذکیر کی کی ہیں۔ قالینیں بچھی ہوئی تھیں، وغیرہ وغیرہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مسئلے کا کیا حشر ہوا ہے اور کس بنا پر لوگ پابند کیے جائیں آپ ریویو کریں تو میں کتاب بھیج دوں۔ فضول و نامناسب ہو تو سکوت کیا جائے۔ میں بمشکل دو چار صفحے پڑھ سکا تھا، آنکھوں کی شکایت زیادہ ہو گئی ہے۔ آپریشن کا وقت ابھی نہیں آیا۔ کلکتے کا قصد ہے اگر نہ گیا تو علی گڑھ آؤں گا۔ آپ کا پرچہ تو گویا خاص میری پارٹی کا ہے، افسوس ہے کہ اب تک کچھ نہ لکھ سکا۔ سخت معذوری ہے۔ لیکن ضرور کوشش کروں گا۔ اس خط کو چاک کر ڈالیے گیا آپ کسی امتحان کے لیے الٰہ آباد آنے والے ہیں؟ دعا گو اکبر۔

(۱۹) ایضاً بنام احسن مارہروی

مکرمی! ایک ہفتے سے طبیعت نادرست ہے اور کچھ تردّدات بھی لاحق ہیں۔ میں نے درباب تقطیع بے ساختہ آپ کو کچھ لکھ دیا تھا، آپ خود ماہر فن ہیں بلکہ آئمہ فن میں سمجھوں تو بجا ہے۔ اگر میں اسی قدر لکھ دیتا کہ میں نے تقطیع کے لیے نون کو ساکن سمجھا ہے تو کافی تھا۔ چوں کہ ہم میں آپ میں بے تکلفی ہے لہٰذا کچھ خیال نہ رہا۔ اور بحث میں بات صاف بھی ہو جاتی ہے۔ مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا+ ہے گی ہی کا اسکان اور آفتاب کی قن کی تحریک کے بغیر کام نہیں چلتا۔ لیکن بحر متدارک مقطوع میں تو بے حد کثرت ہو جاتی ہے آپ ایسے مصرع کو پسند کرتے ہیں:۔ تا گا آری بر من خواری۔ جو کتاب میں لکھا ہے۔

لیکن پابندی کہاں نبھتی ہے میر کے اس مصرع کو دیکھئے :- اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا ہوگئیں اصل حالت میں فاعلن ہے لیکن فعلن کے وزن پر پڑھا پڑتا ہے۔ محمد نوح صاحب غالباً شروع مارچ میں مشاعرہ کریں۔ نہایت خوشی ہوگی اگر آپ سے ملنا ہو اب تو دنیا سے سیر ہوگیا ہوں حالت ہی ایسی ہے آپ ایسے احباب غنیمت ہیں۔ خدا تندرست رکھے۔

نیازمند اکبر حسین۔ الٰہ آباد۔ ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۱۲ء

نمبر	نام	نام مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
۲۰	مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت (مدار المہام) دکن	نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی	۱۳ جمادی الاول ۱۳۲۰ھ	جناب من! تسلیم۔ اورنگ آباد میں (محمدی باغ) نام کا ایک باغ میرے علاقے کا ہے۔ اُس میں کے سنگترے مشہور ہیں۔ بہت بڑا بڑا سنگترہ ہوا کرتا تھا مگر اس تین سال کے امساک باراں نے اُس کی ترقی پر پانی پھیر دیا۔ خدا خدا کرکے اب کی بار آیا۔ چند سنگترے ارسال خدمت ہیں، قبول کیجئے تو دل شاد ہو۔ شب میں راجہ رائے رایاں کے اصرار پر مشاعرے میں گیا تھا، مگر آپ کے نہ ہونے سے محفل سنسان تھی

نادان صاحب اور اختر صاحب اور جلیل ان کی غزلیں اچھی رہیں، باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

شب میں حاجی شاہ زماں نے امیر (مینائی) کے چند قصائد پڑھے جن میں ایک قصیدہ بہت چڑھا ہوا تھا جس کا مطلع یہ ہے ؎

ترا کرم جو شہ ذی وقار ہو جائے گدائے گوشہ نشیں تاج دار ہو جائے

امیر مرحوم جنھوں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ فنِ سخن کی نذر کیا تھا اُن کا کلام کیوں نہ بڑھا چڑھا ہو۔ ان کے مقابل میں ہم جیسے نو آموز کا لکھنا منہ بنوانا ہی۔ مگر شوق کب رُکتا ہی۔ آج سویرے سے اس وقت تک اسی میں مصروف تھا، جس قدر کہا ہوں بھیجتا ہوں۔ آج شب میں چند احباب جمع ہونے والے ہیں۔ نعتیہ قصائد پڑھے جائیں گے۔ اگر تکلیف گوارا فرما کر اپنی عنایت سے آٹھ بجے شب تک بھی لطف فرمائیں تو بہتر ہی، کیا عجب ہی کہ اس غزل کے بعض بعض شعر آپ کی پسند ہوں۔ اگر ایک بھی پسند آئے تو میں نے گویا داد پائی۔ خدا تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت سے رکھے۔ فقط۔ شاد

نمبر	کاتب	مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونہ عبارت
نمبر ۱۳	منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ	احسن مارہروی	۱۰ فروری ۱۹۰۶ء	مکرمی! تسلیم۔ کارڈ جو بھیگا بھاگا تھا اور جس کو مشکل سے پڑھا، پہنچا۔ اودھ پنچ کی ایک جلد ۱۹۰۲ء روانہ ہی اس کی قیمت (۱ے ر) اور محصول (۲ر) مہینے کے وعدے پر روانہ ہی۔ بعد وعدہ ضرور بھیج دیجے گا' ایسا نہ ہو کہ ۔۔۔۔ صاحب کے رُپے کی طرح لٹائی میں پڑے اور عاقبت کی ہنڈی ہو۔ اور ۱۹۰۳ء کی جلد کی قیمت (۵ر) روپیہ ہی۔ اور دفتر میں باقی

نہیں تلاش ملے گی۔ بشرط وصول قیمت ممکن ہو سکتی ہی۔ محمد سجاد حسین۔ لکھنؤ۔ ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء

نمبر شمار	نام کاتب	نام مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۳	سید ضامن علی جلال لکھنوی	احسن مارہروی	۱۳۱۴ھ ۱۸۹۶ء	مجتبی سلّمہٗ! کارڈ آپ کا آیا، مضمون مندرجہ سے اطّلاع ہوئی۔ سیّد افتخار عالم صاحب سلّمہٗ جو میری ملاقات کو آئے تھے تو اُن سے معلوم ہوا کہ میرا پہلا، دوسرا، دونوں دیوان یا اُن میں سے کوئی ایک آپ کے دفتر میں ہے۔ تیسرا دیوان نہیں ہے۔ اس بنا پر تیسرا دیوان اپنا ارسال خدمت کیا گیا تھا، اب آپ لکھتے ہیں کہ تیسرا دیوان ہے، پہلا نہیں ہے، تو خیر آپ کو لکھا جاتا ہے کہ اس کو قیمت ڈاک خانے میں داخل کر کے بالفعل وصول کر لیجئے، میں انشاء اللہ تعالیٰ جلد تر پہلا دیوان بذریعہ پیکٹ آپ کو بھیجکر تیسرا دیوان جو بھیجا ہے واپس طلب کر لوں گا، آپ خاطر جمع رکھئے۔ اور غزل بھیجنے کا ہر مہینے میں تو وعدہ نہیں کر سکتا اِلّا دوسرے تیسرے مہینے ضرور بھیجوں گا آپ مطمئن رہیں گلدستۂ ریاض سخن میرے پاس نہیں پہنچا یہ بھی اطلاعاً

آپ کو لکھا گیا۔ والسّلام۔ جلالِ بے کمال از لکھنؤ۔ محلہ منصور نگر۔ یکم مارچ سنہ حال روز دوشنبہ۔

نمونہ عبارت	تاریخ کتابت	نام مکتوب الیہ	نام کاتب	نمبر
مکرمی! فروری کا پرچہ اس بار بہت دیر میں نکلا۔ مارچ کا ان شاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتے کے اندر پہنچے گا۔ یہ پرچہ حسبِ ارشاد بذریعہ ویلیو روانہ کیا جاتا ہے۔ اس میں مصباح القواعد پر میں نے جو ریویو کیا ہے وہ ملاحظہ طلب ہے۔ حضرتِ داغ مرحوم سے متعلق جس تحریر کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا وہ ہنوز وصول نہیں ہوئی۔ جلد توجّہ فرمائیے مرحوم کی کچھ غیر مطبوعہ غزلیں بھی ہوں۔ دیوانِ بیدار و آبرو کی نقل کے متعلق ایک ماہ کے بعد میں بندوبست کر سکتا ہوں فی الحال کانگریس کی رپورٹ کی تیّاری میں اس درجہ مشغول ہوں کہ فرصت ملنا مشکل ہے۔ خاکسار سید فضل الحسن حسرت دفتر اردوئے معلّیٰ۔ علی گڑھ۔ ۱۳ مارچ ۱۹۰۵ء	۱۳ مارچ ۱۹۰۵ء	احسن مارہروی	سید فضل الحسن حسرت موہانی	نمبر ۲۹۳

نمبر	نام	تخلص	تاریخ	نمونۂ عبارت
۲۲۳	شاہ نظام الدین صاحب دلگیر اکبرآبادی	احسن مارہروی	۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء	شفیق احسن! کبھی کسی رسالے کو غزل نہیں بھیجی، ڈرتے ڈرتے آپ کی فرمائش کی تعمیل کرتا ہوں۔ یہ غزل گزشتہ ہفتے میں کہی تھی، چاہتا تھا بھیجوں مگر بھول جاتا تھا، آج فصیح الملک نے یاد تازہ کر دی۔ خدا کرے آپ کو پسند آئے اور حوصلہ بڑھانے والی داد فصیح الملک میں ملے۔ کسی شعر میں کچھ تامل ہو تو مجھے لکھ بھیجئے واقعات پر تنقید دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ اللہ کرے زورِ قلم او زیادہ سنتا ہوں کل معیار شائع ہوا ہے اس میں جواب لکھا گیا ہے، مناسب معلوم ہوا تو کسی وقت میں بھی کوئی نوٹ لکھوں گا۔ میری یہ غرض نہ ہوگی کہ آپ کی طرف داری کروں یا صاحبِ واقعات کی مجھے آپ اکثر یاد فرماتے رہیں۔ میں شکر گزار ہوں گا ایک پرچہ فصیح الملک کا جس میں تنقید واقعات انیس ہے ذیل کے پتے سے بھیج دیجئے۔ شاہ نظام الدین صاحب دلگیر۔ آگرہ میوہ کٹرہ۔ نیاز مند سید ریاض احمد مالک ریاض الاخبار۔ از لکھنؤ۔

نمبر شمار	نام کاتب	نام مکتوب الیہ	تاریخ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۵	مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی	احسن مارہروی	۲۹-۳-۱۳۲۸ ۱۰-۵-۱۹۱۰	مکرمی! تسلیم۔ دلگداز کی جلدیں روانہ خدمت ہیں، بیے کا وی پی حاضر ہوتا ہی۔ قبول فرمائیے۔ مولوی عبدالحق صاحب کا پتا " دفتر معتمدی عدالت و کوتوالی حیدرآباد دکن" کافی ہی۔ اُردو لٹریچر پر میں نے فروری اور مارچ کے دو پرچوں میں لکھا ہی جو جناب کی خدمت میں جاچکے ہیں، فروری کا پرچہ نہ ہو تو بھیج دوں۔ میں بڑا خوش ہوا کہ اُردو کے متعلق حدبندی کے آپ خلاف ہیں۔ پالیسی تو یہ ہونی چاہئے کہ اسے ہندو مسلمانوں کے سابقہ اتحاد کی یادگار اور دونوں کی ملکی زبان ثابت کیا جائے۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ تنگ خیالی سے کام نکلے۔ رہے آپ کے کمالات و احسانات جو زبان پر ہیں وہ کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتے خاکسار:۔ شرر۔

دلگداز آفس۔ لکھنؤ۔ نمبر ۹۱۳۔ ۵ مئی سنہ ۱۹۱۰ء

شمار	نام کاتب	نام مکتوب الیہ	تاریخ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۴	مولوی عبدالحق بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو پرنسپل اورنگ آباد کالج	احسن مارہروی	۱۳۲۹ھ	مکرم و معظم بندہ! تسلیم - آپ کا محبت نامہ آج پہنچا جس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں میں آپکے نامِ نامی اور آپ کے رسالے سے خوب واقف ہوں، اور میں آپ کی اور آپ کی محنت کی دل سے قدر کرتا ہوں، آپ جو خدمت اُردو زبان کی فرما رہے ہیں وہ آپ ہی کا حق ہے اور ہر طرح قابلِ قدر اور قابلِ شکریہ ہے - کئی سال ہوئے میں نے اُردو صرف نحو پر ایک کتاب لکھی تھی مگر یوں ہی پڑی رہی اب میں نے اُس پر نظرِ ثانی کی اور یہاں کے مطبع نے اُس کے چھاپنے کا تہیّہ کیا، قریباً پانچ جزو کی کاپیاں لکھی جا چکی تھیں کہ سکریٹری اُردو کانفرنس کا تار پہنچا کہ اس کتاب کی اشاعت حیدرآباد میں ملتوی رکھی جائے

کانفرنس اپنی طرف سے شائع کرنا چاہتی ہے - چناں چہ سکریٹری صاحب کے ارشاد پر اس کی کاپیوں کا چھپنا ملتوی کر دیا گیا ہے اب کانفرنس والوں کو اختیار ہے جس طرح چاہیں چھپوائیں - آپ کو یاد ہوگا کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے آپ سے عربی مجموعے کی تذکیر و تانیث کے متعلق رائے طلب کی تھی وہ خط اُنھوں نے

میری ہی تحریک سے لکھا تھا اور اس چھیڑ کی ابتدا بھی محض اتفاقی طور سے میری ہی طرف سے ہوئی تھی بات یہ ہی کہ مشیرِ دکن کے اڈیٹر میرے دوست ہیں اُن کی فرمائش سے میں نے حضرتِ جلیل کی کتاب پر ریویو لکھا تھا اُس کا اُنھوں نے جواب دیا پھر دونوں طرف سے خوب خوب بحث ہوئی اب وہی بحث ایک صاحب نے پھر زمیں دار میں چھیڑ دی ہی جو ۸۔ مئی کے پرچے میں شائع ہوئی، اس میں ایک سوال اُنھوں نے یہ بھی چھیڑا ہی کہ اس جملے میں کہ "مجھ خاکسار نے کہا" مجھ باوجود ضمیر مفعول ہونے کے صورتِ فاعلی میں کس لئے آیا۔ اس استفسار کا جواب میں نے اُسی روز بھیج دیا تھا غالباً اس نمبر میں شائع ہو۔ غرض اس لکھنے سے یہ ہی کہ آپ کی قدر میرے دل میں پہلے سے اس قدر ہی کہ میں نے آپ کی رائے طلب کی گو وہ دوسرے کے واسطے تھی۔ اس کا شکریہ میں اب ادا کرتا ہوں

بندہ:۔ عبدالحق حیدرآباد دکن ۱۰ مئی ۱۹۱۰ء

نمبر	نام کاتب	نام مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۶	خواجہ الطاف حسین حالی (مولانا)	عبدالحق (مولوی)	۱۳۳۲ھ ۱۴/۹/۱۹	مکرم بندہ۔ السلام علیک و رحمۃ اللہ۔ آپ کا گرامی نامہ مؤرخہ ۱۱ ستمبر وصول ہوا۔ بجواب آپ کے استفسارات کے میں یہ چند باتیں عرض کرتا ہوں جو غالباً آپ کے اطمینان کے لئے کافی ہوں گی۔ میرے مشن کے ہمراہ مرزا...... مستوطن غازی آباد ضرور تشریف لے گئے تھے ان صاحب اکو مسلمانان غازی آباد نے اپنے چندے سے مشن کے ہمراہ

روانہ کیا تھا چوں کہ چند صحاب نے جو کہ وہاں کے معزّزین میں سے ہیں ان کے ہمراہ جانے کے متعلّق مجھے لکھا تھا اور نیز یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ یہ صاحب شریف خاندان اور معقول آدمی ہیں اس لئے مجھے کچھ عذر نہیں ہوا۔ یہاں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ یہ صاحب پہلے پولس میں ملازم تھے اور اس لئے تھوڑا بہت کام مرہم پٹی کا بھی جانتے تھے۔ میں نے ان کا امتحان بھی کیا تھا اور اس خیال پر کہ یہ تھوڑی سی محنت کرنے کے بعد عمدہ طریقے سے کام کریں گے میں انھیں اپنے ساتھ لے گیا۔ جہاں تک میرا ذاتی علم ہے میں بوثوق کہہ سکتا ہوں کہ یہ صاحب بہت ہی کم علم ہیں اور آدابِ مجلس سے بھی محض نابلد ہیں۔ ان کے موجودہ اشغال کی مجھے بالکل خبر نہیں۔ یہ مشن کے ہمراہ قسطنطنیہ تک گئے تھے اور پھر وہاں سے میں نے انھیں ۳ خواہ ۴ ہفتے کے بعد ہندوستان واپس کر دیا تھا، وجوہ واپسی ظاہر کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں، مختصراً یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ ہمارے کام کے لئے مفید نہیں ثابت ہوئے اور ان کی صحت بھی خراب ہو چلی اس لئے بلطائف الحیل مشن سے علاحدہ کیا گیا۔ وہ خط جو ان کے پاس ہے وہ میں نے خود اُن کی خواہش پر انھیں دیا تھا، گو کہ وہ اس کے مستحق نہیں تھے تاہم اُن کی لجاجت وزاری وگریہ سے مجبور ہو کر مجھے خط دینا پڑا۔ وہ مصر میں واپسی کے وقت ٹھہرے تھے اور وہاں چند باتیں اُنھوں نے ایسی کیں جن کا ذکر نہ کرنا بہتر ہے۔ ان کی ان تصاویر کے متعلّق مجھے بالکل علم نہیں کہ خدیو کے کتب خانے کی ہیں یا دہلی کے کسی مصوّر کی دُکان کی۔ جو حلیہ اُن کا آپ نے تحریر فرمایا ہے اس سے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ اصلی ...... صاحب ہیں۔ اور اب شاید انھوں نے اس قسم کی زندگی بسر کرنا اختیار کی ہے۔ یہ میرے مشن کی بدقسمتی تھی کہ مسلمانانِ غازی آباد نے اپنا نمایندہ ایسے شخص کو مقرّر اور انتخاب کر کے روانہ کیا۔ اور زیادہ کیا عرض کروں۔

میں مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا اور اس قسم کے استفسار کے قابل سمجھا ۔ والسلام۔

خادم کم ۔ مختار احمد انصاری ۔ فتحپوری، دہلی ۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۱۳ء

نمبر شمار	کاتب	مکتوب الیہ	تاریخ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۲۸	اعجاز الملک سید افتخار حسین مضطر خیر آبادی	احسن مارہروی	۲۴ محرم ۱۳۳۴ھ ۱۵ ۱۹۱۵ء	مخدوم والا منزلت التسلیم ۔ کارڈ اعلانِ مشاعرہ پہنچا ۔ باعثِ عزت و افتخار ہوا ۔ میری ناچیز حاضری کا تذکرہ جو عالی جناب مخدوم نے اس اعلان میں فرمادیا ہے ۔ ایک خاص عزت افزائی ہے جس کا میں خاص ہی سپاس ادا کرتا ہوں خدا کو منظور ہے تو ضرور حاضر ہوں گا ۔ اس حال سے مطلع فرمایا جائے کہ مجھے کس تاریخ حاضر ہو جانا چاہیئے اور عرس شریف کس تاریخ سے شروع ہو کر کس تاریخ کو ختم ہوتا ہے ۔ احسن میاں ایام عرسِ شریف میں تھوڑی سی امدادِ لفظی آپ سے بھی درکار ہوگی وہ یہ کہ میں چاہتا ہوں کہ دیوانِ نذرِ خدا کی جلدیں جہاں تک

بھی ممکن ہو آپ کے مریدین و معتقدین میں نکل جائیں تاکہ دوسرا دیوان اس کی امداد آمدنی سے طبع ہو جائے سو اگر فرمائیں تو ایام عرس شریف میں ایک آدمی کے ہاتھ دیوان کا ذخیرہ میں مارہرے بھیج دوں ہاں جو انتظام مناسب ہو وہ اس کی اشاعت کا آپ فرمائیں جواب کا انتظار کروں گا ۔ نیازمند مضطر از گوالیار ۔

نمونۂ عبارت	تاریخ تحریر	مکتوب الیہ	نام	نمبر شمار
مکرمی! اسلام شوق۔ غزلیں مجھے پہنچیں۔ شکریہ ادا کرتا ہوں دل سے اور بہت بہت۔ ذوالفقار علی خاں صاحب سے مجھے ایسا نیاز حاصل ہے کہ تکلّف کی ضرورت نہیں رہی۔ کیا اچھی طبیعت ہے مگر افسوس ہے۔ اب وہ سخن سنجی کو بالکل چھوڑے ہوئے ہیں اُبھارے بھی نہیں اُبھرتے خدا کرے آپ تشریف لائیں اور جلد تشریف لائیں۔ قصد کو مصمم فرما دیجیے۔ میں بالقصد ترمیم اور تنسیخ سے متفق ہی نہیں ہوں۔ اُردو کی الف بے میں ث۔ س۔ ص۔ ہ۔ سب ہیں اگر یہ حروف نکال دیئے جائیں تو ترمیم ہو سکتی ہے مگر ممکن نہیں ہے اگر بہ قول آپ کے ص سے شَل کو لوگ کثرت سے لکھ رہے ہیں تو آپ	۱۵/۹/۱۶ ۱۹۳۲ء	احسن مارہروی	منشی احمد علی شوق قدوائی	نمبر ۲۹۴

سین سے لکھیے بہ شرطے کہ کثرت مان لی جائے۔ میں نے عدالتوں میں اب تک سوا ث کے نہیں دیکھا ہے حالاں کہ مجھے خود عدالتوں سے مدتوں کام رہا ہے۔ اگر کلیجا جھگڑا۔ گدھ کی کتابت ہ سے ہے۔ یعنی کلیجہ اور جھگڑہ عام ہے۔ تو کیا حرج ہے۔ جھگڑا تو بکثرت الف ہی سے لکھا جاتا ہے

مگر کلیجہ لوگ ضرور ہ سے لکھتے ہیں۔ یوں ہی سہی۔ اُردو میں کا بھی ہی اور الف بھی۔ جب الف سے اتنی کثرت ہو جائے گی تو خود ہی لوگ ہ کو چھوڑ دیں گے۔ تو ویسے ہی سہی آج ہم الف سے لکھیں تو لکھیں کوئی ہ سے لکھے تو ہم کو غلط کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہی اس لئے کہ دونوں طرح لوگ ضرور لکھ رہے ہیں۔ اہلِ فارس نے اگر قفص کو بجائے صاد کے س سے لکھنا اختیار کیا تو اُن کے حروف تہجی میں صاد تھا ہی نہیں مگر اُردو کے لئے یہ دلیل نہیں ہو سکتی۔ اُردو میں عربی۔ فارسی اور ہندی کے سب حروف داخل ہیں۔ پھر خواہی نخواہی حروف کے ردّ و بدل کی وجہ کیا ہی۔ عام استعمال کو میں کس دلیل سے بدلوں خصوصاً ایسی حالت میں کہ دونوں جانب لکھنے والے موجود ہوں۔ دو حرفی شکل میں یہ تو اختیار ہی کہ ایک جانب جو مجھے پسند ہو اُس کو اختیار کر لوں مگر یہ حق نہیں ہی کہ جو دوسری جانب ہو اُس کو میں غلط نویس قرار دوں۔ آخر مثل میں عیب ہی کیا ہی جو ہم مسل بنالیں اور اگر سین کی کثرت ہو جائے تو آپ ہی ث گم ہو جائے گی۔ اگرچہ ابھی تک میں اس دنیا میں جہاں مثل کا لفظ کثرت سے لکھا جاتا ہی ث ہی کی کثرت پاتا ہوں اور حقیقت یہ ہی کہ یہ لفظ ہی عدالت کی زبان کا ہی۔ اگر اس سبب سے کہ تلفظ کچھ ہی اور کتابت کچھ۔ اُردو کی تحریر ناقص سمجھی جاتی ہی تو اُردو سے زیادہ انگریزی کی تحریر ناقص ہی جہاں بے شمار الفاظ تحریر کے خلاف بولے جاتے ہیں اور عربی بھی جس میں الف ساکن اکثر آتا ہی۔ مختصر یہ ہی کہ میں مسل یا مثل اس کے مروج الفاظ میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ میں آپ کے متعلق کچھ نہیں کہتا صرف اپنی ذات کو کہتا ہوں۔ میرے پاس اساتذۂ قدیم میں سے کسی کا کوئی خط نہیں ہی۔ مجھ سے راہ و رسم نہ تھی اگرچہ شناسائی تھی۔ مُنیر سے ملاقات بھی نہ تھی۔ اُستاد اسیر مرحوم سے خط و کتابت کی ضرورت ہی نہیں آئی

اُن کی زندگی میں اُن کی حضوری ہی میں رہا۔

آپ کا خیر طلب احمد علی شوق قدوائی۔ رام پور۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۵ء

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونہ عبارت
نمبر ۳	نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی صدر الصدور امور مذہبی دکن	سید مخدوم عالم مارہروی	۱۵ ستمبر ۱۹۱۵ء ۱۳۲۴ھ	مخدومی! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ پہنچا۔ چاَر فردور بھی آئے قلم یک قلم ختم ہوگئیں۔ ایک ...... کے صاحبزادے مع گاڑی کے تشریف لے آئے۔ خود باغ جاکر جس قدر قلمیں ہاتھ لگیں لے گئے۔ اس وقت باغبان کو بُلا کر کھود کھود کر پوچھا تو پانچ قلموں کا پتا لگا۔ جو روانہ کرتا ہوں۔ تعداد میں کم ہیں لیکن دو درخت قسم میں اعلیٰ ہیں۔ انناس۔ گلاب خاص تین قلمیں فرخ آبادی درخت کی ہیں۔ یہ آخر فصل میں پھل دیتا ہے۔ زرد رنگ، بڑا آم ہوتا ہے۔ شیریں ہے مگر ریشہ ہے۔ نارنگی اور امرود وغیرہ کی پود کا یہاں اہتمام نہیں ہے۔ نیاز مند:۔ حبیب الرحمن۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء از حبیب گنج۔

(۳۱) ایضاً بنام احسن مارہروی

جناب مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ منت افزا ہوا۔ کسی تمہید کی ضرورت نہ تھی۔ صرف ارشاد کافی تھا۔ ارشاد بھی وہ جو ایک روحانی سرور ساتھ لائے میں نے تعمیل ارشاد پر آمادہ ہونے کے لئے وہ بکس کھولا جس میں گزشتہ خطوط مرتب ومحفوظ ہیں، جتنا وقت اُس میں صرف ہوا دل میں فرحت موج زن رہی۔ اول تو اہلِ کمال کی معنوی ہم نشینی جو صورتیں مٹ گئیں اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں جا پہنچیں وہ آنکھوں میں پھر رہی تھیں۔ دل اُن کے تحریری مکالمے سے لطف ہم کلامی اُٹھا رہا تھا۔ اس کے علاوہ ادبی خدمت خود مایۂ سرور ہی۔ انبساطِ طبع کا سامان غالباً ادب سے بڑھکر دوسرے فن میں نہیں ہی۔ حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ نے ایک دن ہفتے میں مذاکرۂ ادبی کے واسطے مخصوص فرما رکھا تھا اور اس کا نام تحمیض رکھا تھا یعنی نقل یا گزک۔ الحمد للہ کہ ابتدائے عمر سے مجکو اہلِ کمال کے ساتھ اُنس رہا ہی اُنس کے اثر سے مکاتیب کا سلسلہ جاری ہوا جو مکاتیب موصول ہوئے محفوظ رہے لہذا کسی تلاش اور دردسری کی حاجت نہیں۔ البتّہ میرا معیار مشاہیرِ ادب کے متعلق خاص ہی بعض مشاہیر ایسے ہیں کہ اُن کے سامنے میں نے سرِ عقیدت خم نہیں کیا۔ اُنھیں میں مولوی نذیر احمد صاحب مولوی ذکاء اللہ صاحب ہیں۔ میرا خیال ہی کہ ان کے ادب میں شاعری نہ تھی اس لئے ادیب نہ تھے مصنف تھے۔ مؤلف تھے۔ اہلِ قلم تھے مگر ادیب نہ تھے۔ مولوی نذیر احمد صاحب کی نظم میں بھی شاعری نہ تھی چہ جائے کہ نثر۔ مرآۃ العروس وبنات النّعش اُن کے کمال کی سرحد ہی اور یہاں ہر

اہل فہم بہ اعتراف اُن کے آگے جُھکائے گا۔ آگے الملک للہ۔ اللہ کا نام۔ نواب محسن الملک مرحوم کی بہت تحریریں ہیں مگر کالج کے متعلق بعض علمی بھی ہوں۔ علامہ شبلی۔ خواجہ حالی کے خطوط بمقدار کثیر ہیں اکبر الہ آبادی کے خطوط ہیں۔ طبقۂ ثانیہ میں شہباز۔ عزیز مرزا صاحب۔ اقبال۔ نیرنگ۔ شیخ عبدالقادر ہیں۔ نیز حسرت موہانی۔ احسن اللہ خاں ثاقب۔ اگر یہ آپ کے انتخاب میں آئیں ان کی تحریریں بھی حاضر ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ ان تحریروں کو ملاحظہ کیوں کر فرمائیں۔ یہاں سے باہر بھیجوں اس کو دل گوارا نہیں کرے گا۔ حاشا بے اطمینانی نہیں۔ وسوسہ ضرور ہے اور وسوسہ لازمۂ محبت ہے۔ کیا مراسمِ قدیم کا واسطہ دے کر یہ التماس کروں کہ ایک بار اس دہستان کی طرف قدم رنجہ فرمایئے ان شاء اللہ بہت سے جواہر پارے نظر آئیں گے۔ جو قابلِ انتخاب ہوں اُن کو خریطۂ جواہر میں شامل فرما دیجئے گا۔ طبقۂ علما میں مولانا سید محمد علی صاحب کی تحریریں ضرور لیجئے گا علاوہ طرزِ خاص کے مفید بہت ہوں گی۔ میرے پاس بہت ہیں۔ نام میرے خیال میں مکاتیب اُرُدو موزوں ہوگا۔ آیندہ آپ کا انتخاب احسن ہوگا۔ والسلام نیازمند حبیب الرحمٰن۔

نمبر شمار	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نمونۂ عبارت
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	قدر افزائے من! شرمندہ ہوں کہ آپ کے خط کے جواب میں بہت دیر ہوگئی۔ لیکن ہجومِ کار اور تنگیِ وقت کے سبب مجبور تھا۔ آپ نے جو خاکسار کے حالاتِ زندگی قلم بند کرنے کا خیال ظاہر فرمایا ہے

اُس کا میں دل سے قدر دان ہوں اور اگر واقعی میری زندگی اس لائق ہوتی کہ گزرگاہِ دنیا میں اُس سے کوئی رہنمائی ہو سکتی تو مجھے سرِ تسلیم خم کرنے میں کوئی عذر نہ ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ ع عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ۔ سیرت نویسی میں جو بڑی دست گاہ آپ کو حاصل ہے اُس سے میں بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن آرزو تھی کہ آپ کے زیرِ قلم میری ناچیز ذات سے کوئی بہتر موضوع ہوتا۔

خاکسار سید علی امام از شملہ۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۴ء

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	تاریخِ خط	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۳	محسن الدولہ نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی	سید افتخار عالم مارہروی	۱۳۳۲ھ ۱۲ ۱۹۱۴ء	مکرّمی! آپ کا خط پہنچا۔ میں ممنون و مشکور ہوا۔ اگر آپ کا منصوبہ پورا ہوا اور مواد جمع کرنے میں کامیاب ہونے کے علاوہ اُس کا قوام درست کرنے بھی اپنے ارادے کو پورا کر سکے تو آپ کی کتاب قابلِ قدر ہے۔ اور کلیاتِ امیر کے واسطے ایک عمدہ مقدمہ مہیا ہو جائے گا۔ گو وہ کلیات کے ساتھ نہ چھپے مولوی عبد الحق صاحب یقیناً آپ کی کتاب کو انجمن ترقی اُردو کی حمایت میں لے لیں گے۔ ترجمہ حضرت

امیر خسرو کو حیات النذیر کی طرح طول نہ دیجئے تو بہتر ہے۔ امیر کے کلام سے التقاط انھیں مضامین کا کیجیے جن سے اُن کے حالاتِ زندگی پر روشنی پڑتی ہو۔ انگریزی طریقہ ترجمے کا بہت

عمدہ ہو اُس کی تقلید کیجیے۔ انگریزی تراجم بہت عمدہ ہوا کرتے ہیں، میں نے نواب محمد اسحاق خاں صاحب کو لکھ دیا ہے یقین ہے اُن کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ امیر کے کلام کے فراہم کرنے میں اگر آپ سے کچھ مدد ممکن ہو تو دریغ نہ کیجیے۔ عماد الملک سید حسین بلگرامی۔ ۲۳۔ دسمبر ۱۹۱۴؁ء حیدر آباد دکن سیف آباد۔

(۳۴) ایضاً بنام احسن مارہروی

جنابِ من! السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ ۱۰ر جنوری پہنچا آپ جس فکر و خیال میں ہیں مجکو اُس سے پوری ہمدردی ہے۔ علامۂ آزاد کا ایک ایک لفظ قابلِ قدر ہے اور ضرورت ہے کہ اُن کے کل افادات طبع ہو جائیں۔ یہاں ایک صاحب مولوی عبد اللہ خاں نامی نے مصنفاتِ علامہ موصوف کی طبع و اشاعت کا انتظام کیا تھا چنانچہ چند کتابیں طبع ہو کر شائع بھی ہوئیں لیکن دفعۃً اُن کی بصارت کے ضائع ہو جانے سے یہ مفید کام وہیں ختم ہو گیا، اب قیام جامعۂ عثمانیہ کے بعد خود جامعہ کی طرف سے اس مفید کام کی تحریک ہوئی تھی لیکن نہ معلوم کہ پھر اس تحریک کا کیا حشر ہوا۔ آپ ضرور کُتب علامۂ موصوف کی طبع و اشاعت کا انتظام کیجیے مگر پہلے پوری طرح اس کی تحقیق کر لیجیے کہ اب تک اُن کی کون کون مصنفات طبع ہو چکی ہیں۔ میرے علم و یاد میں حسب ذیل کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

ماٰثر الکرام، سروِ آزاد، سُبحۃ المرجان، خزانۂ عامرہ، روضۃ الاولیا، سات دواوین میں سے تین دیوان۔ اور مفصلۂ ذیل کتابیں ہنوز غیر مطبوعہ ہیں:۔

شجرۂ طیبہ، ضوء الدراری، تسلیۃ الفواد، شفاء العلیل، غزلان الہند، سند السعادت، ید بیضا، مظہر البرکات، باقی عربی دواوین۔

میں اس لایق نہیں ہوں کہ کوئی کتاب میرے نام معنوں کی جائے۔ آپ کسی دوسرے بزرگ اہل علم کے نام معنوں کیجیے تو اچھا ہے، لیکن اس پر بھی اگر آپ کو اصرار ہو تو محض آپ کی خاطر سے مجکو کوئی عذر نہ ہوگا۔ میں ایک غریب آدمی ہوں کوئی رئیس نہیں، اس لیے اپنی طرف سے کوئی مالی امداد نہیں کر سکتا، البتہ یہ ممکن ہے کہ سرکار میں تحریک کر کے کوئی امداد حاصل کی جائے۔ اس لئے مناسب ہوگا اگر آپ سرکار کے نام ایک درخواست لکھکر مجکو بھیج دیں۔ والسلام خیر ختام۔

عماد الملک سید حسین بلگرامی ۲۴ر جنوری سنہ ۱۹۲۱ء

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنۂ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۵	خان بہادر میر ناصر علی دہلوی ایڈیٹر صلائے عام	احسن مارہروی	سنہ ۱۳۲۸ھ ۱۹۰۹ء	جناب من۔ پوسٹ کارڈ پہنچا۔ ممنون کیا۔ صلائے عام کی قدر شناسی سے میں خوش ہوا چُپ کی فریاد کی داد میں زیادہ اس لئے نہیں لکھا کہ مختصر کلام تھا۔ زیادہ لکھتا تو اصل سے بڑھ جاتا۔ پچھلے پرچے صلائے عام کے ذرا مشکل سے ملتے ہیں، اکثر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ تلاش کر کے بھیجوں گا۔ اب کے پرچہ یعنی مارچ کا صلائے عام زیادہ نمود کا نکلے گا۔ ارادہ ہے کہ آیندہ سے میں خود زیادہ

لکھا کروں اوروں سے کم لکھواؤں۔ فصیح الملک میں اچھے مضمون ہوتے ہیں۔ پہلے محسن کے کلام پر بہت بڑھ کا ریویو تھا، اور اب کے واقعات پر خوب لکھا۔ یہ اُردو لٹریچر کے نمونے ہیں۔ مارچ کے

صلائے عام کا آپ ضرور انتظار کریں میں محنت کر کے لکھ رہا ہوں۔

نیازمند:۔ ناصر علی۔ دہلی ۲۰؍ فروری سنہ ۱۹۰۹ء

نمونۂ عبارت	سنہ کتابت	مکتوب الیہ	مکتوب نگار	نمبر شمار
برادرم! تسلیم۔ آپ کے اشتہار اُسی دن میں نے تقسیم کرا دئے تھے۔ دیوان آیا تھا وہ سید صاحب لے کر چل دئے۔ ایک جلد بھیج دیجئے "مقدمہ اچھا ہی مگر اور زوردار ہونا چاہئے تھا" بہت سی باتیں رہ گئیں۔ ریویو کرنے سے فروخت کی امید ہی آپ اگر ریاض الاخبار میں اشتہار دینا چاہتے ہیں تو ایک اشتہار بھیج دیجئے، یہاں اب نہیں مل سکتا اور اگر مختصر کر دیجئے تو اور بھی اچھا ہی۔ اُس کا اثر زیادہ ہوگا جو میری طرف سے ہوگا۔ فصیح الملک کے ساتھ بے پروائی ٹھیک نہیں، اسی وجہ سے پرچے نہیں چلتے افسوس اُردوے معلّٰی اٹھ جانے لگ گیا ہی۔ کانگریس کا مقبرہ بن گیا۔ نیازمند:۔ حکیم برہم ۲؍ فروری سنہ ۱۹۰۶ء گورکھپور۔	۲۵ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء	احسن مارہروی	مولوی عبدالکریم صاحب حکیم برہم ایڈیٹر ریاض الاخبار گورکھپور	نمبر ۲۴

شمار	کاتب	مکتوب الیہ	سنہ کتابت	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۷	منشی دیانرائن نگم - ایڈیٹر زمانہ کانپور	نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی	سنہ ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۶ء	عنایت فرمائے بندہ۔ تسلیم۔ نوازش نامہ باعث مشکوری ہوا۔ تصویر کی نسبت معترضین کا اعتراض ہی کہ اس کا بیک گراؤنڈ (پس پشت زمین) قلعۂ معلیٰ ہی جو اُس وقت موجود نہ تھا اور خاندان کے آخری دَور کی عمارتوں میں ہی اُن کا خیال ہی کہ یہ تصویر اکبر اعظم کی نہیں بلکہ اکبر ثانی کی ہی۔ مروّجہ تصویروں سے اس کی شباہت بھی مختلف ہی اس میں چہرا کسی قدر لمبا ہی، عام تصویروں میں بالکل گول ہی۔ چہرے سے بڑھاپے

کے آثار نمودار ہیں۔ اکبر بڑھاپے میں سلطان عالم پناہ سے مہابلی ہو گئے تھے اور داڑھی کا بالکل صفایا کر دیا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے آپ کے خیال سے اتفاق ہی گر یہ باتیں بھی قابل لحاظ ہیں۔ میں ایک نوٹ کا گروپ چھپوانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس ہو یا کہیں سے دست یاب ہو سکے تو ضرور عنایت فرمائیں بلاک بننے کے بعد میں احتیاط کے ساتھ اصل تصویر کی واپسی کا ذمہ دار ہوں۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ امسال انجمن ترقی اُردو کے آپ سکریٹری مقرر ہوئے ہیں اس انتخاب پر آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ انجمن ترقیٔ اُردو نے اب تک کوئی کارِ نمایاں نہیں کیا ہی، خدا کرے آپکے

زمانے میں یہ ایک مُردہ انجمن کی حالت میں نہ رہے زمانے میں علمی خبروں اور نوٹس کا ایک مفید سلسلہ شائع ہوتا رہا ہے اور اب بھی بالکل بند نہیں ہو گیا ہے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلے کا ایک حصہ انجمن ترقی اُردو کے لئے وقف رہے جس میں آپ اس انجمن کے سکرٹری کی حیثیت سے لکھتے رہیں۔ اس طرح سے زمانہ انجمن ترقی اُردو کا ایک باقاعدہ ارگن ہو جائے گا جس کی خریداری ممبرانِ انجمن کے لئے ضروری ہونی چاہیے محض اس حصے کی علاحدہ کاپیاں بھی شائع ہو سکتی ہیں انجمن کا ایک باقاعدہ رسالہ جس میں اس کے متعلق کُل ضروری امور و کارروائی سے پبلک کو اطلاع ملتی رہے ہونا ضروری ہے۔ میں زمانے کے لئے خواہ مخواہ اصرار نہیں کرتا ہوں مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ انجمن موصوف ایک کارگزار انجمن ہو جائے مضامین خاص کے لئے پیشتر سے تکلیف بے جا نہیں ہے۔ راجہ کندن لال اشکی کی سوانح عمری جنوری کے پرچے میں جو اوّل ہفتہ فروری میں شائع ہوگا ہدیۂ ناظرین ہوگی۔ اب مارچ اپریل کے رسالے کے لئے کوئی کوئی چھوٹا سا مضمون عنایت فرمائیے۔ زیادہ نیاز۔ بندہ دیا نرائن نگم۔ کانپور ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

نمبر	بنام	مضمون	تاریخ	نمونۂ عبارت
نمبر ۳۰	مولوی ظفر علی خاں صاحب	انجمن ترقی اردو	۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء	مخدومی و محترمی۔ تسلیم۔ والانامے کے جواب میں جو تاخیر مجھ سے ہوئی (اگرچہ میں اس کے لئے سخت شرمندہ ہوں) بربنائے غفلت نہ تھی بلکہ میں مشاہیر عصر کے مکتوبات کی تلاش میں تھا۔ نہایت افسوس اور ندامت کے ساتھ

کہنا پڑتا ہی کہ مجھے یک قلم مایوسی ہوئی۔ مسٹر امیر علی اُردو میں کبھی خط نہیں لکھتے اور یہاں کلکتے میں انگریزی کا اتنا رواج ہی کہ اکثر خط و کتابت انگریزی میں ہوا کرتی ہی کسوف الشمسین جس کا ایک نسخہ جناب نے مجھے عطا کیا ہی اُس کے لئے تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، نہایت مفید تالیف ہی خصوصاً جناب کے مسدّس سے مجھے انتہائی لطف حاصل ہوا۔ اے وقتِ تو خوش کہ وقت ما خوش کردی میں ممنون ہوں گا اگر جناب نظامی پریس کو ہدایت کردیں کہ میرے نام ایک نسخہ دیوانِ غالب کا ویلو روانہ کردے۔ امید کہ جناب بخیر و عافیت ہوں گے۔ آپ کا خادم رضا علی وحشت۔ کلکتہ امپیریل رکارڈ ڈیپارٹمنٹ۔

نمونۂ عبارت	تاریخ تحریر	مکتوب الیہ	کاتب	شمار
مخدوم! السّلام علیکم۔ والا نامہ باعث اعزاز ہوا مصحفی کا تذکرہ ہمارے ہاں نہیں غالباً ندوے کے کتب خانے میں ہی، ولی دکھنی کا حال تو تمام تذکروں میں یکساں ہی آب حیات اور گلشنِ ہند تو آپ کے سامنے ہیں۔ شاہ قدرت اللہ کا تذکرہ قلمی یہاں ہی اُس میں بھی ولی کے احوال و اشعار ہیں مگر وہی معمولی۔ ان تذکروں میں لفّاظی زیادہ اور واقعیت کم ہوتی ہی۔ کیا آپ "ولی" کا تذکرہ مخصوص لکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے	۱۳۳۷ھ مئی ۱۹۱۹ء	احسن مارہروی	مولوی سید سلیمان ندوی	نمبر ۳۳

مواد آپ کے پاس ہی علی گڑھ میں سید حسرت موہانی کے ہاں سب سے زیادہ موجود ہے۔ غزل کی سرزمین اب بنجر ہوگئی، اب آپ لوگوں کو جو موجودہ اساتذہ اُردو میں داخل ہیں نیا رنگ پیدا کرنا چاہیئے سُنا ہے کہ آپ نے مولانا شبلی مرحوم کا مرثیہ لکھا تھا میں نے دیکھا نہیں۔

والسلام۔ سید سلیمان۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ ۱۲ محرم ۱۳۳۸ھ۔

نمبر	نام کاتب	نام مکتوب الیہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر	منشی امیر اللہ تسلیم	سید فضل الحسن حسرت موہانی	۲۳ مئی ۱۹۱۰ء	عنایت فرمائے بندہ زاد عنایتکم۔ بعد شوق ملاقات کے مظہرِ مُدعا ہوں۔ سب طرح بخیریت ہوں تندرستی آپ کی جنابِ باری سے طلب گار رہوں، مدت کے بعد آپ کی غزل مع عنایت نامہ آئی سب طرح اچھی تھی۔ مگر بنظر اس کے کہ آپ خیال کرتے کہ بے التفاتی کی، بعض جگہ تصرف کیا، ہر چند میرے حواس اب صحیح نہیں

رہے اور بصارت و سماعت بہت کمی کرتی ہے اگر وہ تصرف میرا بجا ہو تو رہنے دیجئے ورنہ نہیں؛ اور میری حالت محمد یار خاں ناظر آپ کو لکھ چکے ہیں وہی صحیح ہے نوکری سے بسبب کمال پیرانہ سالی اور عدم سماعت و ضعف بصارت کے برخاست کر دیا گیا پندرہ رُپئے بطور پنشن کے ملتے ہیں، شکر ہے اگر یہ بھی نہ ہوتے تو ایسی حالت میں باقی حیات مستعار کا بسر ہونا بڑی دشواری سے ہوتا۔ یہاں آج کل دو مشاعرے ہوتے ہیں مجھ بدحواس کو لوگ ناحق پریشان کرتے ہیں

ہر چند عذر کرتا ہوں قبول نہیں کرتے غزلیں دیکھنی پڑتی ہیں اور جانا بھی ہوتا ہی رات بھر بیٹھنا پڑتا ہی نہ کسی کی غزل ہی سُنتا ہوں نہ صورت پہچانتا ہوں کہ کون صاحب پڑھتے ہیں محض بےکار تکلیف اُٹھانا پڑتی ہی بمجبوری کچھ شعر بھی طرح کے ٹوٹے پھوٹے کہنا پڑتے ہیں۔ غرض بُری حالت ہی کیا نگارش کروں۔ آپ نے جو گلدستہ نکالا ہی اُس کا کیا طور ہی اگر شعر و شاعری سے متعلق ہی تو ایک پرچہ بھیج دیجئے اور اگر نیچرل خیال کے مضامین ہیں تو کچھ ضرور نہیں۔

نمونہ عبارت	تاریخ تحریر	مکتوب نگار	مکتوب الیہ	نمبر
حضرت بابرکت سید صاحب عالی مراتب مخدومنا المفخم المحترم دامت برکاتہم۔ بعد گزارش ہدیۂ تسلیمات زاکیات عقیدت سمات معروض یہ معمولی خطوط بابت عرس شریف کاتبوں نے فہرست کی خانہ پُری کے مطابق اغلب کہ حاضر کر دیئے ہوں۔ مگر جس طرح عام لوگوں کو روانہ ہوئے ہیں، ہوئے ہوں گے اب یہ عریضہ	۱۳۲۵ھ ۱۹۰۶	حسن ...	مولانا مولوی عبد الصمد صاحب المعروف	نمبر ۱

حقیقۃً آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہی۔ راقم الحروف کہ آپکے خاندانِ مقدسہ کے خادمانِ قدیم سے ہی امیدوار ہی کہ حسبِ دستور قدیم براہِ عنایتِ قدیمی تکلیف گوارا فرما کر عزت تشریف آوری سے مشرف فرمائیے گا۔ آپ حضرات کی تشریف آوری سے ہمارے خیال میں حضراتِ اکابر کی روحِ مقدسہ کی ترویح ہوتی ہی اور ہمارے واسطے باعثِ عزت و برکت ہی زیادہ بجز طلبِ دعائے برکت کیا تحریر ہو۔

نشان	نام مرسل	سنہ عیسوی	سنہ ہجری	نمونۂ عبارت
نمبر ۴۲	مولوی ابوالکلام آزاد مدیر الہلال	ستمبر ۲ ر ۱۹۱۴ء	۲۳ محرم ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء	از فقیر ابوالکلام، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ تاخیرِ جواب کے لئے شرمندہ و خواستگارِ معافی، علالت و ہجومِ افکار و عدمِ قیامِ کلکتہ۔

(۱) بلاشبہ نواب صاحب سے امیر خسرو کے ہندی کلام علی الخصوص مُکرنیوں کے مجموعے کا ذکر کیا تھا مگر وہ نسخہ میرے پاس نہیں ہی نواب سید محمد آزاد (اودھ پنچ والے) کے پاس تھا اور عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا۔ نواب صاحب کے اصرار پر میں نے اُن سے ذکر کیا مگر معلوم ہوا کہ مولوی عبدالغفور شہباز کے سامان کے ساتھ ضائع ہو گیا یا کم از کم عسیر الحصول ہی۔ اب آپ کے لئے پھر مزید تحقیق کرتا ہوں۔

(۲) حضرت امیر خسرو کے حالات عام و متعارف کتابوں سے تو آپ نے ضرور فراہم کر لئے ہوں گے باقی مخصوص کتابیں تو جہاں تک فقیر کے علم میں ہی کسی ایسی کتاب کا وجود ہی نہیں ہی مشہور ہی خواجہ حسن سنجری نے ایک کتاب مجالسِ خسروی لکھی تھی اور اُس میں حضرت امیر کے تمام حالات و سوانح جمع کئے تھے" نیز مخصوص اُن مجالس کا حال جو حضرت نظام الدین کی صحبت و ارادت سے تعلق رکھتی ہیں ایک زمانے میں میں نے بڑی تلاش کی لیکن بالکل ناکامی ہوئی۔ اصل یہ ہی کہ اس قسم کے بزرگوں کے سوانح کے لئے رجال و تراجم پر بالکل اعتماد نہ کرنا چاہیے بلکہ تمام تر محنت اُن کی تصنیفات کے مطالعہ و کاوش میں

کرنی چاہیے ضمناً اُن سے ایسے ایسے سراغ لگ جاتے ہیں کہ پوری لالف مرتب ہو جاتی ہی۔

سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ کلیاتِ نظم و نثر مکمل بہم پہنچائیے اور اس کا بالاستیعاب مطالعہ من اولہٖ الی آخرہٖ کر ڈالیے۔

امید ہی کہ آپ بخیریت ہوں گے' الہلال جولائی سے جاری ہوگا' تاخیر جواب کے لئے مکرر خواستگار معافی اور سوانحِ نذیر احمد مرحوم کے عدم تبصرہ نویسی پر متاسف' وان شاءاللہ براجراءِ دومینِ الہلال محوّل۔ ۲۲۔ جون سنہ ۱۹۱۵ء

نمونۂ عبارت	سنہ کتابت	اسم مکتوب الیہ	نام کاتب	نمبر شمار
مکرمی و معظمی جناب قبلہ دامت افضالکم تسلیم نوازش نامہ دست یاب ہو کر باعث تسلی ہوا۔ کتاب ارسال خدمت ہی امید قوی ہی کہ نظرِ ثانی فرما کر جلد واپس کیجیے گا۔ جناب کو تکلیف نہ ہو تو نظرِ ثانی کے بعد اگر کتاب ہذا کے ساتھ کم از کم ایک دو حرف سفارش کے جناب تحریر فرما دیں وہ میرے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوں گے فقط والسلام۔ نیاز مند دنیش چندر دت پروفیسر سینٹ جوزف کالج۔ کلکتہ۔ ۱۲ اگست سنہ ۱۹۲۴ء	۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء	احسن مارہروی	پروفیسر دنیش چندر دت پروفیسر سینٹ جوزف کالج کلکتہ	نمبر ۱۴۴

شمار	عنوان	تعلق مراسلہ	تاریخ تحریر	نمونۂ عبارت
نمبر ۱۷۱	[illegible]	[illegible]	[illegible]	تلک مہاراج نے آدھے اشلوک میں ہند کو سکھایا کہ سوراجیہ ہمارا حق ہی۔ اگر ہم اُن کے بھگت ہیں تو کھدر پوش بن کر سوراج حاصل کرکے اپنی بھگتی کا ثبوت دیں۔ گاندھی

تبصرہ و کیفیت

اُنیسویں ۱۹ صدی عیسوی کے نصف آخر سے اوّل اُردو میں خطوط نویسی کا وجود نہیں ملتا جس کی ابتدا مرزا غالب نے کی ہی۔ رجب علی سرور اور غلام امام شہید وغیرہ کی تصانیف میں بھی دو ایک اردو خط نظر آتے ہیں، مگر اُن کو اطفالِ دبستاں کے لئے فرضی اور تمثیلی خطوط کہا جا سکتا ہی۔ نہ واقعی اور اصلی۔ [illegible] سے اُن کے نمونے اس کتاب میں نقل نہیں کئے گئے۔ فنِ انشا میں مکاتیب و مراسلت ایک ایسا مفید اور کار آمد شعبہ ہی جس کے مطالعے سے بہت زیادہ منافع اہل ادب کو حاصل ہوتے ہیں۔ علمی اور ادبی فوائد کے سوا خطوط نویسوں کی بے شمار خصوصیات ایک مبصر سوانح نگار اُن تحریروں سے اخذ کر سکتا ہی کسی قابلِ قدر ہستی کے وہ اہم واقعات جو بڑی بڑی تاریخوں میں نہیں ملتے خط و کتابت کی معمولی نگارشات میں مل جاتے ہیں۔ جو خود نوشت ہونے کی وجہ سے اہل تاریخ کے لئے بلا اختلاف مستند و معتبر ثابت ہوتے ہیں۔ اس حقیقت و اہمیت پر نظر کرکے نمونہ (منبہ) قائم کیا گیا ہی۔ اور کوشش کی گئی ہی کہ خطوط

نویسی کے عہدِ ابتدائی سے اس وقت تک جتنے مشاہیر گزرے ہیں اُن کے خطوط کی ایک ایک دو دو نقل درج کردی جائے۔ مندرجہ خطوط پر مشاہیر کا انحصار نہ سمجھنا چاہئے لیکن اس اظہار میں کوئی تامل نہیں کہ مشاہیرِ اہلِ قلم اربابِ علم اور صاحبانِ بصیرت کی زیادہ تعداد ان نمونوں میں موجود ہے۔ بے شمار فطری ودیعتوں کی طرح یہ ملکہ بھی خداداد ہے کہ بعض اہلِ قلم خط وکتابت کی سیدھی سادی عبارتوں میں وہ لطف پیدا کردیتے ہیں جو دوسرے بڑی سی بڑی لفظی صناعیوں میں بھی دکھا نہیں سکتے۔ اس خصوصیت کے لئے درسی اور کتبی فضیلت و قابلیت کی نمایندگی بیکار ہے۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

مبصرین وناظرین ان نمونوں میں یہ امتیاز و فرق بآسانی معلوم کرسکتے ہیں کہ ادوار کے لحاظ سے خطوط کے نمونوں کو دو حصوں میں اس لئے منقسم کردیا ہے کہ آغازِ اردو نویسی سے اُنیسویں صدی عیسوی کے آخر تک اکثر تحریریں ایسی ملتی ہیں جن میں عربی و فارسی کی ترکیبیں اور قدیم اسالیبِ بیان پائے جاتے ہیں اور بیسویں صدی عیسوی کے شروع سے یک قلم ان تصنعات و تکلفات کو ترک کردیا گیا ہے۔ عصرِ حاضر کے ایسے نمونہ خطوط بالقصد چھوڑ دئے گئے ہیں جن میں مغربی انداز کے اثرات موجود ہیں۔ بیشتر وہ تحریریں قلم انداز کردی گئی ہیں جو آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند کے زعمِ باطل سے ادب و انشا کی حق تلفی کرتی رہتی ہیں۔

اس نمونے کے ادوار میں بھی سنہ کتابت کے لحاظ سے ترتیب خطوط میں بعض نمونے مقدم و مؤخر ہوگئے ہیں جو محض طباعت کی عجلت اور مؤلف کی قلتِ فرصت کی وجہ سے مرتب نہ ہوسکے۔ ایک دو خطوں کی طوالت یا بعض اہلِ قلم کے خطوط کی زیادتیِ تعداد کسی نہ کسی خصوصیت سے روا رکھی گئی ہے۔ جس کا اندازہ اہلِ نظر خود کرسکتے ہیں۔

تمّت